قیامت اور
حیات بعد الموت



اٹامک سائنٹسٹ انجینئر

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

(سابقہ) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن

قیامت
اور
حیات بعد الموت

(عالم الغیب کے حقائق کا روحانی اور سائنسی تجزیہ)

مصنّف

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

(سابقہ ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

مترجم

میجر (ر) امیر افضل خان

دعوتِ عمل

شاید آپ نے یہ تجزیہ نہ کیا ہو کہ قیامت سے پیشتر آنے والے واقعات جن کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشنگوئی کی تھی ان میں سے تقریباً ستر۔اسی (80-70) فیصد پورے ہو چکے ہیں۔اس کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کا دور شروع ہو چکا ہے۔ویسے بھی ہر آدمی کی موت اسکے لئے قیامت ہی ہوتی ہے جس کے ساتھ ہی وہ آخرت کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس پس منظر میں آج انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ اسے جہنم سے بچالیا جائے جس کیلئے ضروری ہے کہ اسلام کی بات کو پھیلایا جائے۔چونکہ لوگوں کے پاس وقت نہیں اور وہ وعظ ونصیحت بھی پسند نہیں کرتے اس لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے ذریعہ خواہ وہ کاغذ پر ہو یا کمپیوٹر پر لوگوں تک اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو مسلسل پہنچاتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ایک نہایت اہم سنت بھی ہے۔رسائل کے ذریعہ تبلیغ کا آغاز جناب خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری میں کیا اور اپنی حیات طیبہ میں 250 سے زیادہ خطوط اور وثیقہ جات اس وقت کی اہم شخصیات کو اللہ کی طرف بلانے کے لئے لکھے۔افسوس کہ آج کے مسلمان نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس اہم سنت کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں جبکہ عیسائی مشنریاں اس طریقہ کو اپنا کر دنیا میں مغربی تہذیب کو عیسائیت کے نام پر پھیلا رہی ہیں۔ خصوصاً 9/11 کے بعد ان کوششوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔آج جس مقام پر دنیا کھڑی ہے اور اسلام کے خلاف سازش پر سازش ہو رہی ہے، ان کے پیش نظر اس وقت ہر مسلمان مرد اور عورت پر یہ کام مانند جہاد ہے کہ لوگوں تک فرقہ بندی سے بالاتر سائنٹیفک انداز میں دین فطرت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

اس کام کو آسان بنانے کے لئے دار الحکمت انٹرنیشنل (قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن) 1986ء سے سائنسی انداز میں عمیق تحقیق اور دور حاضر کے انسان کی سائیکی اور ضرورت کو سامنے رکھ کر کتابیں تیار کر رہا ہے، انہیں خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھائیں اور گفٹ کے طور پر آگے پیش کریں۔اگر آپ بزنس مین یا فیکٹری کے مالک ہیں تو اپنے ملازمین میں بانٹیں، دوستوں کو دیں اور غیر مسلموں کو بھی تحفہ میں بھیجیں۔اگر آپ اس عظیم صدقہ جاریہ کے لئے دار الحکمت انٹرنیشنل کے تاحیات ممبر بن کر **داعی الی اللہ** بن جائیں تو یہ بہت ہی بہتر ہوگا۔

دار الحکمت انٹرنیشنل
60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد Tel: 2255107-2260001
Web:- www.hqrf.com E-mail:- darulhikmat114@yahoo.com , hqrf@hqrf.com, sbm@hqrf.com

قیامت
اور
حیات بعد الموت

(عالم الغیب کے حقائق کا روحانی اور سائنسی تجزیہ)

قرآن حکیم، فرمودات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں تخلیق کائنات اور قیامت کے حالات، مومن کا فلسفہ حیات، کائنات میں انسان کا مقام اور مقصد تخلیق کی تفصیل، زندگی، موت، جسم، نفس، روح، ملائکہ اور جنات کے حقائق، عالم قبور، عالم برزخ، آخرت، روزِ محشر، جزا و سزا، جنت دوزخ کے حالات، غرض یہ کتاب زمان و مکان میں ابتداء سے انتہا تک انسانی سفر کی داستان اور اس کا ایک حقیقی، مدلل اور سائنٹیفک تجزیہ ہے۔

مصنّف

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

(سابقہ ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

مترجم

میجر (ر) امیر افضل خان

کتاب:	**قیامت اور حیات بعد الموت**
تشریح وترجمہ انگریزی کتاب:	**Dooms Day and Life After Death**
پہلا انگریزی ایڈیشن:	1987 تعداد 3000
دوسرا (نظر ثانی) انگریزی ایڈیشن:	1991 تعداد 3000
تیسرا انگریزی ایڈیشن:	1993 تعداد 2000
چوتھا انگریزی ایڈیشن:	1996 تعداد 1000
پہلا اردو ایڈیشن اکتوبر:	1996 تعداد 2000
دوسرا اردو ایڈیشن:	1998 تعداد 2000
تیسرا اردو ایڈیشن (ترمیم شدہ) مارچ:	2003 تعداد 2000
چوتھا (ترمیم شدہ) اردو ایڈیشن، اکتوبر:	2006 تعداد 2000
پانچواں انگریزی ایڈیشن:	2006 تعداد 1000

مصنف	سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)
مترجم	میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان
نفس مضمون	اسلامی فلسفہ حیات ۔ قیامت اور موت کے بعد زندگی کے حالات
پبلیشر	دارالحکمت انٹرنیشنل (الخدمات العلمیہ)
	60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد
کمپیوٹر کمپوزر	ملک وقار حسین
پرنٹر	کلاسیکل پرنٹرز اسلام آباد 051-2275860
قیمت (پاکستان میں)	--------------------
بیرونی ممالک	یو ایس ڈالر ($10) علاوہ ڈاک خرچ

فہرست مضامین

﴿حصہ اوّل﴾

کائنات، قیامت اور انسان

﴿حصہ دوم﴾

نظام شمسی اور کرہ ارض کی قیامت

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار　مضامین　صفحہ نمبر

﴿حصہ سوم﴾

حیات بعد الموت عالم ازل سے ابد تک انسان کی کہانی

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

اشکال کی تفصیل

نذرانہ عقیدت

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے توفیق بخشی کہ میں یہ سب کچھ لکھ سکا۔ اللہ تعالی میری یہ کوشش قبول فرمائے۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر لاکھوں درود وسلام بھیجنے کے بعد اپنی یہ محنت ان کی نظر کرتا ہوں۔ انہی پر تمام پیغمبران علیہم السلام کی ہدایات یکجاء ہوئیں اور انہی پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور قرآن پاک اترا جو قیامت تک تمام انسانیت کی رہنمائی کیلئے کافی ہے۔ وہی آخری نبی آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آخری ہادی ورہنما ہیں اور ان کا کوئی ثانی نہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت اور وسیلہ سے میں یہ تخلیقی کام نوجوان مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ وہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے آج کے وارث ہیں۔ اے میرے رب، میری قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں پر حق واضح کر دے اور اس دنیا کی امامت کے لئے انہیں چن لے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے والد چوہدری محمد شریف خان (مرحوم) اور اپنی بزرگ والدہ (مرحومہ) کی مغفرت کی دعا مانگتا ہوں کہ انہوں نے ہی مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی راہ پر لگایا۔ خاص طور پر میں اپنی زوجہ محترمہ نسیم کیفی محمود کا شکرگزار ہوں کہ یہ اس تحقیقی کام میں جب بھی مجھ پر مشکلات طاری ہوئیں وہ میری حوصلہ افزائی کا سبب بنیں اور میری بہت سی ذمہ داریوں کو سنبھال کر اس کیلئے وقت نکالنے میں میری مدد کی۔

آخر میں یہ عاجز اپنے بیٹوں ڈاکٹر عاصم محمود، میجر احمد شریف اور شہزاد محمود کی درازی عمر کیلئے سربسجود دعا مانگتا ہے کہ رب کائنات انہیں اپنی حفاظت میں رکھے صراط مستقیم پر رواں دواں رکھے اور انہیں اپنے دین کی سربلندی کیلئے استعمال کرے۔ میرے شکریہ کے صحیح حقدار میرے وہ سینکڑوں قارئین ہیں جنہوں نے اس کتاب پر اپنے اپنے تبصرے بھیجے جن سے میرے علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور کتاب میں لکھے گئے مضامین کی اصلاح بھی کی گئی۔ میں اپنے قابل احترام بھائی میجر (ر) امیر افضل خان صاحب جنہوں نے اس کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا، میں ان کی زندگی اور صحت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت اور امان میں رکھے اور ہماری دنیا و آخرت کو بہتر بنائے۔ آمین!

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

اسلام آباد

بِسم اللہ الرحمٰنِ الرَّحیم

کتاب پر مترجم کے تاثرات

جناب سلطان بشیر محمود صاحب کی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' کے بارے میں یہ کچھ تو آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی عظیم کتاب صدیوں میں ایک آدھ بار سامنے آتی ہے، لیکن میرے لیے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اپنی قسم کی آپ کتاب ہے۔ اس جیسی کوشش کم سے کم میری نظروں سے آج تک نہیں گزری۔ میرے خیال کے مطابق اگر ایسی کتاب کسی قدر دان قسم کے لوگوں کی قوم یا ملک میں لکھی جاتی تو وہ مصنف کو کندھوں پر اٹھا لیتے اور دنیا میں ایک شور اٹھ گیا ہوتا کہ ہماری قوم کے ایک فرزند نے انسانی فلسفہ حیات کے بارے میں سائنسی علوم کو نہ صرف قرآن پاک کے تابع کر دیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ علوم کئی مفروضوں، ترمیموں اور غلط فہمیوں سے گزر کر جہاں آج پہنچے ہیں وہ سب کچھ چودہ سو سال پہلے ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی صورت میں نازل ہو چکا تھا جو ہمارے پاس قرآن پاک کی شکل میں محفوظ ہے، نہ صرف یہ بلکہ سائنس، منطق اور دلیل جہاں آ کر رک جاتے ہیں اس سے آگے اگر وہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کریں تو اس ارض و سماوات اور حیات و ممات کے رازوں کے معاملات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے کارخانہ قدرت میں جس حد تک معاملات کی تسخیر کی اجازت اپنی مخلوق کو دے رکھی ہے ان مراحل پر زیادہ تیزی سے عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پانچ سو سے زیادہ صفحات کی یہ کتاب صرف انکشافات کا سمندر نہیں بلکہ یہ ایک بامقصد تحقیقی شاہکار ہے جس میں فلسفہ حیات و موت، کائنات اور کائنات میں انسانی مقام، عالم امر، عالم خلق، عالم برزخ، عالم حشر و نشر، حساب کتاب اور بعد از حیات نو کے مسائل کے علاوہ کائنات کی تخلیق، ارض و سماوات کا وجود، زندگی کے ارتقاء محدودیت اور معدومیت اور پھر نئے سرے سے کائنات کی تخلیق وغیرہ کے رازوں پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے۔ قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سائنسی شواہدات اور جدید سائنس کی دریافتوں اور طبیعات کے ماہرین کی تحقیقات کو اس سلسلے میں ثانوی حیثیت دے کر اسلام کی عظیم خدمت کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کھل کر بتایا گیا ہے کہ ارض و سماوات، شمسی نظاموں، اجرام فلکیات، کہکشاؤں اور کائنات کی تخلیق سے معدومیت تک تحقیقات کرنے والے ماہرین کیلئے قرآن حکیم منبع علوم ہے جس کی روشنی میں ابھی بہت کام ہونا باقی ہے۔

ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہاں کیوں آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ مومن کے مقاصد زندگی کیا ہیں؟ تخلیق کائنات میں مقاصد کیا ہیں؟

محسن انسانیت اور رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی پیغمبروں کے مبعوث کرنے میں کیا مدعا ہے؟ ہمارے

اذہان پر پردے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ اور ہم مسلمان جو اس جہان دنیا کے وارث ہیں اوروں کی بھی رہنمائی کریں اب اس ذلالت والی مغلوبہ زندگی سے کیوں دوچار ہیں؟ ان سب اور سینکڑوں ایسے سوالات کے جوابات کی اگر کسی کو تلاش ہے تو یہ کتاب انشاءاللہ ایسے سب جالے دور کردے گی۔

نفس مضمون بے شک بہت مشکل ہے۔ ایک طرف روحانی علوم جن کیلئے دین اسلام کی سمجھ بوجھ بہت ضروری ہے دوسری طرف تازہ ترین سائنسی ایجادات اور تحقیقات، ان کو بھی اردو زبان میں منتقل کرنا آسان نہیں لیکن مصنّف نے جس مہارت اور تفصیل سے ان سب کو بیان کیا ہے وہ یقیناً حیران کن ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جو مجھے اس کتاب کے مترجم ہونے کی سعادت عطا کردی اس کے پس منظر میں جانا بہت ضروری ہے۔

مترجم درجن بھر سے زیادہ تحقیقی اور بامقصد لکھی گئی کتابوں کا مصنف ہے جن میں اس نے قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان شدہ اسلام کے فلسفہ حیات کے تابع کرکے اپنے لیے نشان راہ تلاش کرنے کی سعی کی ہے ان کی لسٹ اس کتاب کے آخری صفحات پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر کروڑوں دفعہ میری جان قربان ہو کا ادنیٰ سپاہی ہوں اور انہی کے طفیل اسلام کا فرزند ہوں اور اس لحاظ سے میرے لیے مسلمان اللہ کی فوج ہیں جس میں نہ سیاسی گروہ بندی کی اجازت ہے اور نہ فرقہ واریت کی۔ اس لیے نہ میں نے خود کوئی گروہ تشکیل دینا پسند کیا اور نہ اپنے آپ کو کسی مذہبی گروہ یا اسلام کو پاش پاش کرنے والے موجودہ لکھاری دانشوروں کے گروہ کے ساتھ وابستہ کیا۔ البتہ جو صاحبان اپنے آپ کو گروہ بندی سے بالا رکھنا چاہتے ہیں اور احادیث مبارکہ سمیت موجودہ تمام اسلامی علوم کو قرآن پاک کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے احکام یا بیانات کے مطابق قوم کیلئے نشان راہ تلاش کرکے ان میں قرآنی فکر اور وحدت عمل پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں مجھے ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں ضلع مانسہرہ کے قصبہ اوگی کے ایک رسالہ "الاحسان" میں ۱۹ کے ہندسے کے سلسلہ میں بشیر محمود صاحب کا ایک تحقیقی مضمون پڑھا جو انہوں نے ایک مصری خلیفہ راشد کی قرآن پاک کی تحقیق کے سلسلہ میں لکھا تھا تو مجھے ان کے اندر مسلمان کی فراست نظر آئی اور چند ماہ بعد جب ان کے ساتھ رابطہ باندھا تو معلوم ہوا کہ آپ ایک ایٹمی سائنسدان اور انجینئر ہونے کے علاوہ قرآن پاک کے سلسلے میں ایک تحقیقی ادارے کے اعزازی چیئرمین بھی ہیں جس کا نام ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن (Holy Quran Research Foundation) ہے، میں اپنی کچھ تصنیفات ان کے پاس چھوڑ آیا اور خاص کر اپنی کتاب "رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال و جمال" کے بارے میں ان کو بتایا کہ کس طرح میں نے اس کتاب میں بیان شدہ تمام واقعات اور نظریات کو قرآن پاک کے بیانات کے تابع کردیا ہے۔

بشیر محمود صاحب نے بھی مجھے اپنی کچھ تصنیفات اور کتابچے پیش کئے اور یوں تعلقات میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔

اس کے تقریباً دو ماہ بعد وہ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وہ خود حضور پاک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہ زبان انگریزی ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے کہ نوجوان نسلوں تک مختصر الفاظ میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام کی نشاندہی کی جائے وہ میری کتاب "حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال و جمال" سے بہت متاثر ہوئے جس کے بارے میں پیر کرم شاہ الازہری،

جنرل امیر حمزہ یا بریگیڈیئر صدیق ستی صاحبان کہتے ہیں کہ " یہ کتاب قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے " اور جنرل سید رفاقت کہتے ہیں کہ " لفظ لفظ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر لکھا گیا ہے اور جہاد اس کتاب کا مرکزی عنصر ہے انہیں بھی ان تبصروں کے ساتھ مکمل اتفاق ہے اور میں ان کی اس کتاب کی انہی لائنوں پر تصحیح کروں اور وہ اس کتاب کا نام (The First And The Last) رکھنا چاہتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ڈرایا ہے کہ یہ صفات اللہ تعالےٰ کی ہیں اور میں اس سلسلے میں بھی مشورہ دوں "۔

خیر یہ مشورہ تو اس عاجز نے اسی وقت دے دیا کہ اللہ تعالےٰ عالموں کے رب کے طور پر الاول والآخر ہیں اور ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالموں پر رحمت کے طور اول وآخر ہیں اس لیے (The First And The Last) نام نہایت مناسب رہے گا۔ بہر حال اس عاجز نے بشیر محمود صاحب کی حسب منشاء اس کتاب پر کام کیا اور انہوں نے میری ساری سفارشات منظور فرمائیں اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ کتاب شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس کتاب پر کام کر کے مجھے جتنی روحانی تسکین ہوئی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبالؒ کی روح کو بھی تسکین ہوئی ہوگی کہ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جلال و جمال کے گیت گائے تو اس سلسلہ میں بھی ایک کتاب شائع ہوگئی اور عشق و مستی میں اول وآخر کے گیت گائے تو اس سلسلہ میں بھی کتاب شائع ہوگئی۔ بشیر محمود صاحب نے اس عاجز پر زیادہ بھروسہ شروع کر دیا اور ابھی حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اول وآخر کے سلسلے کی کتاب اشاعت کی منزلوں سے گزر رہی تھی تو موجودہ کتاب (Dooms Day & Life After Death) کے بارے میں یہ بات کی کہ اسلامی فلسفہ حیات وموت کے سلسلہ میں وہ میری تحقیقات خاص کر روح اور نفس کو الگ الگ عنصر کے اظہار کے بیانات اور میری کئی اور تحقیقات سے بہت متاثر ہوئے ہیں لہٰذا اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع ہونا ہے اس کیلئے میں اپنے تاثرات لکھوں اور کتاب کی پرنٹنگ کی غلطیوں کے علاوہ بیانات میں کوئی تضاد ہو تو دور کر دوں۔ کتاب کا سرسری مطالعہ تو میں نے جلدی کر لیا جس نے مجھے ششدر کر دیا کہ اتنی عظیم کتاب قوم کی نظروں سے کیوں اوجھل رہی ہے لیکن اب جو تفصیلی مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ اس کتاب پر چند صفحات کا تبصرہ لکھ کر میں اس مضمون کے ساتھ ہرگز انصاف نہیں کر رہا ہوں۔ میں اس کتاب کی باتوں پر تین چار اتنی ہی سائز کی کتابیں وضاحت کے طور پر لکھوں تو تب بھی مجھے تسکین نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں ہمارے درمیان کئی بحث مباحثے ہوئے اور بشیر محمود صاحب نے میری ساری سفارشات کو بہت پسند کیا۔ بات چیت اردو میں ہو رہی تھی کہنے لگے کہ کتاب کا اردو میں ترجمہ کرانے میں وہ ناکام ہوئے ہیں اس لیے اگر ہو سکے تو میں ہی اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی کر دوں۔ اب میری عمر مجھے ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی لیکن بشیر محمود صاحب ایک طرف نوکری کر رہے ہیں کہ بچوں کا پیٹ پال سکیں تو دوسری طرف سائنس کے میدان میں کام کرتے ہیں کہ موجودہ دنیا میں پاکستان کو عزت کے مقام پر لے جانا چاہتے ہیں اور یہ کتابوں والا عظیم کام فالتو ہے تو میں کیسے انکار کر سکتا تھا لیکن اس سلسلہ میں اس عاجز نے جو کچھ ان کو بتایا وہ قارئین کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

کسی کتاب کا ترجمہ کرنا بڑا جان کنی کا کام ہوتا ہے پھر اردو میں ترجمہ بہت مشکل عمل ہے کہ اس زبان میں نہ کوئی الہامی کتاب اور نہ اس زبان کے کسی ماہر نے سائنس کے مضامین میں کوئی بڑی تحقیق کی ہے یا ایجادات کا موجد بنا ہے نہ یہ زبان کسی بڑے حکمران کے زیر اثر بنی ہے

بلکہ یہ زبان ہمارے زوال کے زمانے میں ارتقائی منزلیں طے کرتی رہی۔ جہاں ہم نے مغل اور اودھ کی مردہ تہذیبوں کی نوحہ خوانی اور ماتم ایسے الفاظ میں کیا کہ جیسے کسی بڑی اسلامی تہذیب کو زوال آ گیا تھا اور یوں مرثیہ خوانی کی طرح ڈالی گئی بھانڈ اور جھوٹے بانکپن کی باتوں کو اپنی ثقافت سمجھا تو ساری قوم "حیران ہوں کہ روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" کے ترانوں پر گزارہ کرنے لگ گئی۔ اگر چہ بعد میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی یا علامہ اقبال جیسے صاحبان نے اس زبان میں کچھ جان پیدا کرنے کی کوشش کی اور خون جگر کے ساتھ فلسفہ لکھنے کی طرح ڈالی لیکن ان پر بھی طرح طرح کے الزام لگائے گئے کہ صرف ونحو کی غلطیاں کرتے ہیں، وزن اور بحریں ٹھیک نہیں، محاوروں اور اصطلاحات میں من مانی کرتے ہیں۔ وغیرہ بحر حال ترجموں والا مسئلہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے اور قارئین کو اس پہلو پر خطرات کو سمجھنا چاہیے۔ بشیر محمود صاحب نے انگریزی ترجموں کا استعمال کیا ہے جو اردو کے مقابلہ میں کئی لحاظ سے بہتر ہیں۔ اول انگریزی زبان جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اردو زبان کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ ہے، دوم انگریزی مترجم عموماً جدید علوم کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اردو مترجموں کی کچھ مثال اس طرح ہے کہ کچھ صاحبان جن کو عالموں کے زمانی پہلو کی تو کچھ سمجھ نہ تھی لیکن مکانی پہلو کی سمجھ تھی تو وہ رب العالمین کا ترجمہ صحیح طور پر عالموں کا رب کرتے ہیں کہ سوچا کافی عالم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں لامحدود ہیں لیکن جب رحمت اللعالمین کے معنی پر آئے تو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صرف لوگوں کیلئے رحمت لکھ کر بے ادبی کا شکار ہو گئے اور یوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان گھٹا دی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں کو کائنات کی بھی سمجھ نہ تھی اور زمان ومکان کے عقدوں سے بھی وہ نابلد تھے۔

ان کے برعکس بشیر محمود صاحب نے ساری کتاب میں اپنی عاجزی کو مطمع نظر بنایا ہے اور کتاب کے دیباچہ میں ایک فقرہ میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا کہ "انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ان کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے جو ایک انسان کا دوسرے پر حق ہے"۔ یہی ان کی کتاب کا بھی مقصد ہے۔

انہوں نے اپنے دیباچہ میں اس کتاب کے لکھنے کے مقاصد بالکل واضح کر دیئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "اس تکنیکی اور سائنسی زمانے میں ہر چیز کی تحقیق سوالیہ انداز میں کی جاتی ہے اس لیے آج کے اس دور کی یہ اہم ضرورت ہے کہ قیامت اور حیات بعد الموت کے بارے میں منطق اور دلیل سے بات کی جائے اور اس سلسلہ میں یہ ایک ادنیٰ کوشش اور تحقیق کی بسم اللہ ہے"۔ وہ سائنس کی زبان میں کافی شواہد پیش کرنے کے بعد سائنس دانوں کی اپنی زبان سے بھی تسلیم کراتے ہیں کہ سائنس ان حقائق کو سمجھنے سے ابھی تک عاجز ہے لیکن وہ ان کو مایوسیوں سے نکال کر یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ ہم زمان ومکان میں زندگی کے لمبے سفر کے دوران بہتر سے بہتر منازل کی طرف رواں دواں ہیں۔ اسی سفر کی منزل اس دنیا کا قید خانہ ہے یعنی ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا کو "سجن المومن" والے نظریہ کو عقل اور دانشمندی کے دعویداروں سے تسلیم کرا لیتے ہیں۔

کتاب کا لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ اتنا اہم ہے کہ اس کی وضاحت پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ البتہ کتاب کا چوتھا باب اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ مصنف نے اس باب میں سائنسدانوں کی زبان میں کائنات کے ختم ہونے کے مرحلہ جات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور سائنس کو جگہ جگہ قرآن پاک کے بیانات کے تحت ثانوی حیثیت دی ہے اور پھر اس باب کے اختتام پر ان بڑے سائنسدانوں اور نوبل انعام یافتہ لوگوں کی عاجزی اور مایوسی کو بیان کیا ہے جو قیامت اور حیات بعد الموت کے قائل نہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انہیں قرآن کا علم نہیں اور انہیں اپنی ساری زندگی بے مقصد

نظر آتی ہے۔ یہاں وہ مومن کے مقاصد زندگی کے ساتھ ان کی باتوں کا موازنہ کر کے لکھتا ہے کہ اس کائنات کا خاتمہ کوئی مایوس خاتمہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی اور بہتر دنیا کا آغاز ہے اور موت بھی معدومیت نہیں بلکہ وجود کی ایک اعلیٰ شکل ہے اور یوں زمان و مکان میں انسانی سفر ہمیشہ جاری و ساری ہے۔

میں اپنے تاثرات اس بیان کے بعد ختم کرتا ہوں کہ مصنف کو اللہ تعالےٰ نے مومن کی فراست دی ہے اور وہ سب کچھ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جب اس کی کسی بات سے صحیح طور پر اختلاف کیا جائے تو وہ ہر وقت اپنی اصلاح کرنے کو تیار ہے کہ وہ اپنی کسی رائے کو حرف آخر نہیں کہتا اس سلسلہ میں بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ہم تو جو کچھ پڑھتے سنتے آئے ہیں دوزخ اور جنت ابھی سے موجود ہے لیکن مصنف کہتا ہے کہ وہ نئی کائنات جو اللہ تعالےٰ تخلیق کرے گا اس میں ہوں گی تو گزارش ہے کہ مصنف ان کو زمان و مکان کی موجودہ پابندیوں سے بالاتر حقائق کے طور پر تسلیم کرتا ہے اللہ تعالےٰ جو نئی کائنات یا جنت اور دوزخ کے بارے یا ان کو وجود میں لانے کا ذکر بعض دفعہ ماضی، حال اور مستقبل کے الفاظ کے ساتھ کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامنے نہ کوئی ماضی ہے نہ مستقبل، بلکہ سبھی حال ہی حال ہے اور زمان و مکان کی تمام حدود اس کی مٹھی میں بند ہیں۔

آخر میں یہ عاجز مصنف اور اس کے اہل و عیال کیلئے دعا کرتا ہے کہ یہ اس کی وسعت قلبی ہے کہ اس نے مجھ جیسے کم علم آدمی پر اتنا بھروسہ کیا۔ میں سرکاری و غیر سرکاری تحقیقی اداروں کو گزارش کروں گا کہ وہ جاگیں اور قرآنی علوم کو آگے بڑھائیں اور اسلامی فلسفہ حیات کے سلسلے میں قوم میں وحدت فکر و عمل پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ اسی میں ہماری بقا اور حرمت ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سپاہی
میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان
اسلام آباد

اردو ایڈیشن پر مصنّف کے تاثرات

قیامت اور حیات بعد الموت صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اور رسول اس حقیقت کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور اب جدید سائنس خود اس حقیقت کے ایک بڑے گواہ کے طور پر سامنے آ رہی ہے۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق، تخلیق کے مقاصد، زندگی، موت، جسم، نفس، روح، فرشتے، جنات، آخرت، روز محشر، جزا، سزا، جنت اور دوزخ جیسے مضامین اور زمان و مکان کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک انسان کے سفر کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ کائنات میں انسان کا مقام اور مومن کا فلسفہ حیات اس کتاب کا خاص موضوع ہے۔ جس پر جدید تحقیقات اور سائنسی دریافتوں کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم کی آیات اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب یہ باور کراتی ہے کہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ موت کے بعد زندگی ہے۔

۳۔ ہر زمانے کیلئے رہبر و رہنما، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

۴۔ اور قرآن حکیم زندگی اور آخرت میں کامیابی کے لئے بہترین گائڈ بک ہے۔

اس ساری کوشش کی بنیاد قرآن حکیم کا "فلسفہ ذکر، فکر اور تسخیر" ہے۔ تا کہ انسان اللہ کی دی ہوئی فطری ہدایت اور اللہ کی آخری کتاب کی روشنی میں اپنے نفس کی یوں تربیت کر سکے کہ موت کے بعد وہ مایوسی کی بجائے ایک سرفراز روح کی حیثیت سے کائنات کی وسعتوں میں اپنا اگلا سفر جاری رکھ سکے۔ جس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ سفر دراز ہے۔

اس کتاب کا پہلا انگریزی ایڈیشن 1987ء میں چھپا تھا۔ اور اس وقت سے دوستوں کا مسلسل تقاضا تھا کہ اس کا اردو ترجمہ آنا چاہئے۔ سب سے پہلے میں نے اس کی خود کوشش کی لیکن عدیم الفرصتی کے باعث وقت نہ دے سکا۔ دانشوروں سے بھی رابطہ قائم کیا لیکن کوئی صاحب دل ایسا نہ مل سکا جو یہ صبر آزما کام کر سکے۔ میری یہ خوش قسمتی تھی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے میرا تعارف میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل سے کرا دیا۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ کہانی وہ خود "مترجم کے تاثرات" میں بتا رہے ہیں۔ یہ ان کی کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی دیگر علمی اور روحانی مصروفیات اور پیرانہ سالی کے باوجود صرف تین ماہ میں نہ صرف کتاب کا ترجمہ میرے ہاتھ میں تھما دیا بلکہ اپنی ملاقاتوں میں ہم دونوں نے جو کچھ ایک دوسرے سے سیکھا ہے، وہ الگ کتاب کا مضمون ہے۔ اسی دوران اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے دل کو اس طرف مائل کر دیا کہ قارئین کی سہولت کی خاطر پہلا اردو ایڈیشن محض پرانی کتاب کے ترجمہ کی بجائے ایک مفصل کتاب ہونا چاہئے۔ جس میں انگریزی ایڈیشن میں تشنہ مضامین کی وضاحت کر دی جائے اور قارئین کے اٹھائے ہوئے نکات اور سوالات کا بھی ممکنہ حد تک مناسب جواب مل جائے۔ یہ سب میرے لئے آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ کتاب کا چھپنا مزید چھ

ماہ التواء میں چلا گیا۔ بہر حال مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ محنت رائیگاں نہیں جائے گی اور اپنی موجودہ شکل میں یہ کتاب پہلے سے بھی زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ ماسوائے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ، کتاب کے اکثر مضامین قیاس پر مبنی ہیں۔ سائنسی معلومات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے یہ سارا مضمون ایک ترقی پذیر مضمون ہے جس میں محققین کو کام کرنے کیلئے بہت گنجائش ہے۔ اکثر جگہ میں نے خود بھی مزید تحقیق کیلئے کئی نکات اٹھائے ہیں، جو قاری کیلئے دعوت فکر ہیں۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی علمی کم مائیگی اور دیگر کمزوریوں کیلئے معافی مانگتا ہوں۔ وہی حق ہے وہی غفور الرحیم ہے جو کچھ لکھا ہے اس کی رحمت کے صدقہ لکھا۔ جو کچھ بھول گیا یا غلطی کی وہ میری ذاتی کمزوری کی بناء پر ہے۔ میں عاجز اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر لاکھوں درود بھیجتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے حبیب کی امت میں پیدا کیا اور ان مضامین کی سمجھ عطا فرمائی۔

کچھ عجیب تجربات اور مشاہدات

کتاب کے اردو ترجمہ اور اسکی تزئین کے دوران کئی طرح کے روحانی اور جسمانی تجربات سے گزرنا پڑا۔ مصنف اور مترجم دونوں ہی کو اپنی جگہ کئی مشاہدات ہوئے۔ انہی میں سے ایک واقعہ ستمبر 1995ء کا ہے۔ پچھلے سالوں سے سرکاری ملازمت کی مصروفیات کی وجہ سے قرآن الحکیم اور اسلام کے متعلق یہ عاجز اپنے تصنیفی اور تحقیقی اشغال کو زیادہ وقت نہ دے سکا۔ میجر امیر افضل نے جب اس کتاب کا ترجمہ مجھے تھمایا تو جیسے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں پوری کتاب پر نظر ثانی کا خیال ڈالا کہ مضامین کو وسعت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ یہ کام یکسوئی اور وقت مانگتا تھا جو میرے بس کی بات نہیں تھی۔ خوشاب لکلیری ایکٹر جس کا میں ڈیزائنر بھی تھا اور ڈائریکٹر بھی، اس پر دن رات زور سے کام جاری تھا۔ 19 ستمبر 1995ء کو میں بحیثیت انجینئر کچھ ایسی مشینوں پر کام کر رہا تھا جس جگہ انتہائی شور تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب رات آٹھ بجے کام ختم ہوا اور میں باہر نکلا تو وہ شور مسلسل میرے دماغ میں گھس چکا تھا۔ نیند آنا بند ہوگئی اور چند دنوں میں قوت حافظہ بھی کمزور پڑنا شروع ہوگئی۔ اور پھر دیگر اعصابی نظام بھی متاثر ہونا شروع ہوگیا۔ دوستوں کا اصرار تھا کہ ملک سے باہر علاج کیلئے فوری جانا چاہئے لیکن میرا دل نہیں مانتا تھا۔ اسی دوران میں نے میجر امیر افضل کے اردو ترجمہ کو لے کر کتاب پر نظر ثانی کا کام شروع کر دیا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہی وہ کام تھا جو میں گھنٹوں بھی کرتا رہتا تو نارمل رہتا لیکن جیسے ہی اس کام کو چھوڑتا پھر ذہن کی اعصابی حالت خراب ہو جاتی۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ سمجھ کر میں کتاب پر لگا رہا اور ساتھ ساتھ اللہ کی رحمت سے میری حالت بھی بہتر ہونے لگی۔ تزئین، نظر ثانی اور اصلاح کا کام جب مارچ 1996ء میں مکمل ہوا تو کتاب ٹائپ کیلئے گدون صاحب کو دے دی۔ ٹائپ شدہ مسودہ بھی بڑی اصلاح مانگتا تھا اور مترجم صاحب کا اصرار بھی بڑھ رہا تھا کہ میں اپنا کام جلدی مکمل کرلوں۔ لیکن وقت ندارد 27 اپریل 1996 عیدرات ساڑھے نو بجے آبپارہ میں معمولی پتھر سے ٹھوکر لگنے سے میرے بائیں

ٹانگ تین جگہ سے ٹوٹ گئی اور دائیں پاؤں کی ہڈی بھی دو جگہوں سے کریک ہوگئی۔ میرے معالج ڈاکٹر جی ایم ملک صاحب نے کہا کہ ان کے 35 سالہ تجربہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایسی معمولی ٹکر سے اس قدر نقصان ہو جائے۔ چنانچہ اب دونوں ٹانگوں پر پلاسٹر چڑھا اور تین ماہ کیلئے بستر پر ڈال دیا گیا۔ اس فرصت میں پہلا کام اسی کتاب کی اصلاح، تزئین و آرائش، کتابت اور طباعت ہے۔ شاید اس حادثے کے پیچھے یہی راز ہو کہ مجھے مجبور کر کے بٹھایا گیا ہے کہ جو کام پہلے کرنے والا ہے اس پر پوری دلجمعی سے لگ جاؤں۔ انشاء اللہ العزیز جلد ہی یہ کتاب اب قارئین تک پہنچ جائے گی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

اسلام آباد۔ جون 1996

حدیث مبارکہ

جناب حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ!" یہ دنیا (عالم خلق) پیچھے کی طرف جارہی ہے اور آخرت (عالم امر) آگے بڑھ رہی ہیں اور دونوں کی اولادیں ہیں۔ لیکن تم آخرت کی اولاد بنو اس دنیا کی اولاد نہ بنو کہ آج (یعنی اس دنیا میں) اعمال (اچھے یا برے) ہیں لیکن حساب کتاب نہیں اور کل (یعنی آخرت میں) حساب و کتاب ہوگا لیکن اعمال نہ ہوں گے۔ (یعنی عمل کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا)۔ ماخوذ بخاری شریف

ترمیم شدہ ایڈیشن پر مصنّف کے تاثرات

اس کتاب کا پہلا اردو ایڈیشن 1996ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس دوران مجھے بیشمار خطوط ملتے رہے جو کتاب کی مقبولیت کا کھلا ثبوت ہیں، جس کیلئے میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ آج ہم جس دور میں رہتے ہیں اس میں انسانی سوچ کا محور اعلیٰ سے اعلیٰ تر معیار زندگی کا حصول ہے جس کیلئے اس نے مستقل اخلاقی قدروں اور دین کو قربان کر دیا ہے۔ راہ راست کیلئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ حیات بعد الموت کے مضمون کو جتنا بھی ممکن ہو اٹھایا جائے تا کہ انسان عارضی فوائد کے پیچھے دوڑ میں اپنے مستقل مفاد کو ضائع نہ کر بیٹھے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو نہ صرف اپنی آنے والی زندگی میں وہ جہنم کا شکار ہو جائے گا بلکہ اس کی دنیاوی زندگی بھی ایک انتشار میں گزرے گی۔ جن کے نزدیک یہ ایک غیر اہم سی بات ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدریں اور مذہبی ضابطہ کیوں اہم ہونگے۔ ایسے لوگ اپنے مفاد کی نسبت سے خود ساختہ ضابطے بناتے اور توڑتے رہتے ہیں اور یوں رفتہ رفتہ طاقتور کا مفاد کمزوروں کا دین بن جاتا ہے۔ یوں ہر زمانہ کے نمرود، ہامان، فرعون اور قارون لوگوں پر اپنا کنٹرول رکھنے کیلئے حیات بعد الموت کا انکار کرتے ہیں اور اس لحاظ سے جدید اور قدیم تاریخ کے انسان میں کوئی فرق نہیں۔ اس صورت حال سے بچنے کا ایک ہی حل ہے کہ آنے والی زندگی کے حوالہ سے اس مضمون کے تمام پہلوؤں کو روحانی اور سائنسی انداز میں تحقیق کے ساتھ ثابت کیا جائے تا کہ انسان بے خبری میں مارا نہ جائے۔ آجکل انسانی حقوق کی بڑی بات ہوتی ہے لیکن انسان کے اس حق کی بات کہ وہ جہنم سے بچ جائے، بہت کم کی جاتی ہے جبکہ انسان کی سب سے بڑی خدمت اسے ہمیشہ کی آگ میں جلنے سے بچانے میں ہے۔

کتاب کا یہ ترمیم شدہ ایڈیشن اسی ضرورت کو مزید واضح کرنے کیلئے ہے۔ اگر چہ مترجم کی محنت قابل قدر ہے لیکن زبان دانی کے کئی نقص باقی رہ گئے تھے جس کی طرف کئی دوستوں نے میری توجہ مبذول کروائی گئی۔ انہی میں سرگودھا کے منیر احمد جونده صاحب ہیں جو ایک صحافی اور ادیب ہیں انہوں نے کتاب کی زبان دانی کے نقائص کو دور کرنے کا خود بھی ذمہ اٹھایا اور فروری 2002 میں ایک تصحیح شدہ نسخہ میرے ہاتھ تھما دیا جس میں نہ صرف اردو کی اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ جگہ جگہ علامہ اقبال کے کلام کی مدد سے کتاب کے حسن کو مزید اجاگر بھی کیا گیا تھا۔ ان کے اس شوق اور محنت نے مجھے اس بات کا حوصلہ دیا کہ کتاب کی نہ صرف ادبی اصلاح ہو بلکہ مضامین پر بھی بھرپور نظر ثانی کی جائے۔ ان دنوں اب میرے پاس وقت بھی بہت تھا۔ محض شک کی بناء پر امریکہ نے ہمارے ساتھ جو کروایا تھا وہ اخباروں کے ذریعہ ساری دنیا کو معلوم ہے لیکن حکومت کی تحویل سے آزادی کے بعد گھر میں پابند رہنے کی وجہ سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ زندگی کی تمام دوسری مصروفیات سے کٹ کر میں تحقیق و تالیف کیلئے فارغ ہو گیا ہوں۔ اس کے علاوہ ہنگاموں سے آزاد تنہائی کے ایام میں زندگی کے مقاصد اور اسکی حقیقت پر غور فکر کرنے کا بھی بڑا موقع ملا ہے خصوصاً عالم الغیب کے متلق روح، نفس اور زندگی کے کئی دریچے کھلے ہیں بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں اور روشنی کے چشمے پھوٹے ہیں۔ ان دنوں مجھے اس موضوع کے متعلق مغرب میں جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان کو پڑھنے کا بھی خوب موقع ملا ہے جو اس لحاظ سے روح پرور ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کی احادیث مبارکہ میں جو بتایا گیا تھا سائنس اس کی سچائی کی گواہی کے طور پر خود سامنے آرہی ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان نالائق ہیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے طریقوں سے اسلام کی حقانیت کو غیر مسلموں سے ثابت کروانا شروع کر دیا ہے۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں کو جو شدید جھٹکے لگے وہ بلاشبہ نہایت تکلیف دہ ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں اسلام کی طرف جو عالمی دلچسپی پیدا ہوئی ہے اس کی بھی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ مغربی میڈیا کی نیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن اس نے اسلام کو گھر گھر کا موضوع گفتگو بنا دیا ہے۔ جس سے ہمیں امید رکھنا چاہئے کہ کچھ نہ کچھ سعید روحیں دین حق کا اسیر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گی۔ اور یوں بت خانہ سے کعبہ کے پاسباں مل جائیں گے۔

ان حالات میں مسلمان علماء اور دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانیت کی خدمت کیلئے آگے بڑھیں مسلم اور غیر مسلم سب کو اسلام کی وہ شکل دکھائیں جو نوع انسانی کی طرف آنے والے تمام نبیوں کا دین تھا جس کی تکمیل خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی اور اپنی اصلی صورت میں قرآن پاک میں محفوظ ہے تاکہ انسان جہنم سے بچ جائے۔ مشرق ہو یا مغرب انسان کو پتہ چلنا چاہئے کہ ستر سو سال کی زندگی نہیں بلکہ اربوں سالوں کی زندگی کا اور سفر تو اس کے بعد شروع ہونے والا ہے جس کی فکر کرنا بھی ضروری ہے اس سفر کے لئے ضروری لوازمات اور سہولیات کو اگر ہم مسلمان جان بوجھ کر دوسروں کو بتاتے نہیں تو ہم نہ صرف ان پر ظلم کر رہے ہیں بلکہ اپنے آپ پر بھی۔ جس کی کچھ سزا تو ہم اس دنیا میں ہی بھگت رہے ہیں اور کچھ آئندہ زندگی میں بھگتیں گے۔

ترمیم شدہ "قیامت اور حیات بعد الموت" کتاب اس فرض کی ادائیگی کی طرف ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد مجھے پھر اس کی ترمیم کا موقع نہ ملے لیکن یہ کام ایسا ہے جس پر مسلسل کام ہوتے رہنا چاہئے۔ حیات بعد الموت اور ماورئی کے حقائق کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کا کام تو اہل علم اور محققین کا ہے۔ جبکہ اہل ثروت حضرات یہ کام کر سکتے ہیں کہ اپنے دنیاوی اسباب میں سے کچھ وقت اور دولت ان موضوعات کو دوسروں تک پہچانے میں اپنے محققین کی مدد کریں کیونکہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے تحقیق اور علم کی صلاحیت عطاء کی ہے اور کسی کو مال و دولت، جوش و جذبہ دیا ہے۔ غرض کہ ہر ایک آدمی کسی نہ کسی کام کے اہل ہے جسے کرنا اس پر لازم ہے۔

آخرت اور حیات بعد الموت کے موضوع پر تحقیق اور انکے متعلق مختلف زبانوں میں کتابیں لکھنا اور تقسیم کا انتظام کرنا اپنی جگہ پر بنیادی حیثیت کا کام ہے لیکن اس کو عوامی سطح پر پھیلانے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شہر میں ان مسائل پر سوچ بچار، بحث و تمحیص اور تحقیق کیلئے حلقے بنائے جائیں شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ پچھلے تیس چالیس سال سے مغربی ممالک میں مابعد الطبعیات کے مسائل جن میں القاء، روحانی پیغام رسانی، بیماریوں سے شفاء، اور حیات بعد الموت کے مسائل پر سائنسی تحقیق پر سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے جن کے نتائج یہ ثابت کر رہے ہیں کہ روحانی دنیا عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اسلامی روایات اور تحقیق کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ان دریافتوں کی تفسیر ہندوؤں کے مسئلہ آواگون یا تحریف شدہ بائبل کی مدد سے کی جارہی ہے جس کی وجہ سے یہ تحقیق غلط راستے پر چل رہی ہے۔ ایسے میں مسلمان علماء، حکماء اور دانشوروں پر اور بھی لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کی روشنی میں ان مسائل پر تحقیق کریں اور مغرب میں جو سوسائٹیاں یا حلقے یہ کام کر رہے ہیں ان کے ساتھ رابطے قائم کئے جائیں اور اپنی تحقیق کو بھی ان تک پہنچایا جائے۔

ان گزارشات کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کیلئے جو کام لینا ہے وہ ہمیں سے لے لے اور دنیا اور آخرت

میں ہمارے سفر کو آسان فرما دے۔اے اللہ! ہماری کوتاہیوں،غلطیوں اور ہماری نا قابل رشک مثال کی وجہ سے جو لوگ اسلام سے دور ہیں ان کے دلوں کو ہدایت کی روشنی عطاء فرما دے،انہیں ہمارا دوست اور ہمارا بھائی بنا دے،تا کہ انسانیت کو جہنم سے بچانے کی جو خدمت تو نے ہمارے ذمہ لگائی تھی اور ہم اپنی کمزوریوں کی وجہ سے پورا نہیں کر سکے،اس میں وہ ہمارے بازو بنیں اور ہم سب مل کر اس کام کو آگے بڑھائیں۔

اے اللہ! خاتم النبین سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کروڑوں اربوں درود وسلام جن کی وجہ سے ہمیں اسلام کی روشنی ملی۔

اے اللہ! ہم گناہگاروں کو اتنا خوش نصیب تو کر دے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر پیار کی نگاہوں سے ہمیں خوش آمدید فرمائیں۔(آمین)

سلطان بشیر محمود(ستارہ امتیاز)

اسلام آباد۔ جنوری 2003

ترمیمی ایڈیشن 2009

کتاب ہذا کے ترمیمی ایڈیشن جنوری 2003ء میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جناب محمد اسلم صاحب اور نوید ہاشمی کی محنت کے نتیجہ میں دور ہوگئی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سلطان بشیر محمود(ستارہ امتیاز)

اسلام آباد۔ جون 2009

﴿حصہ اوّل﴾

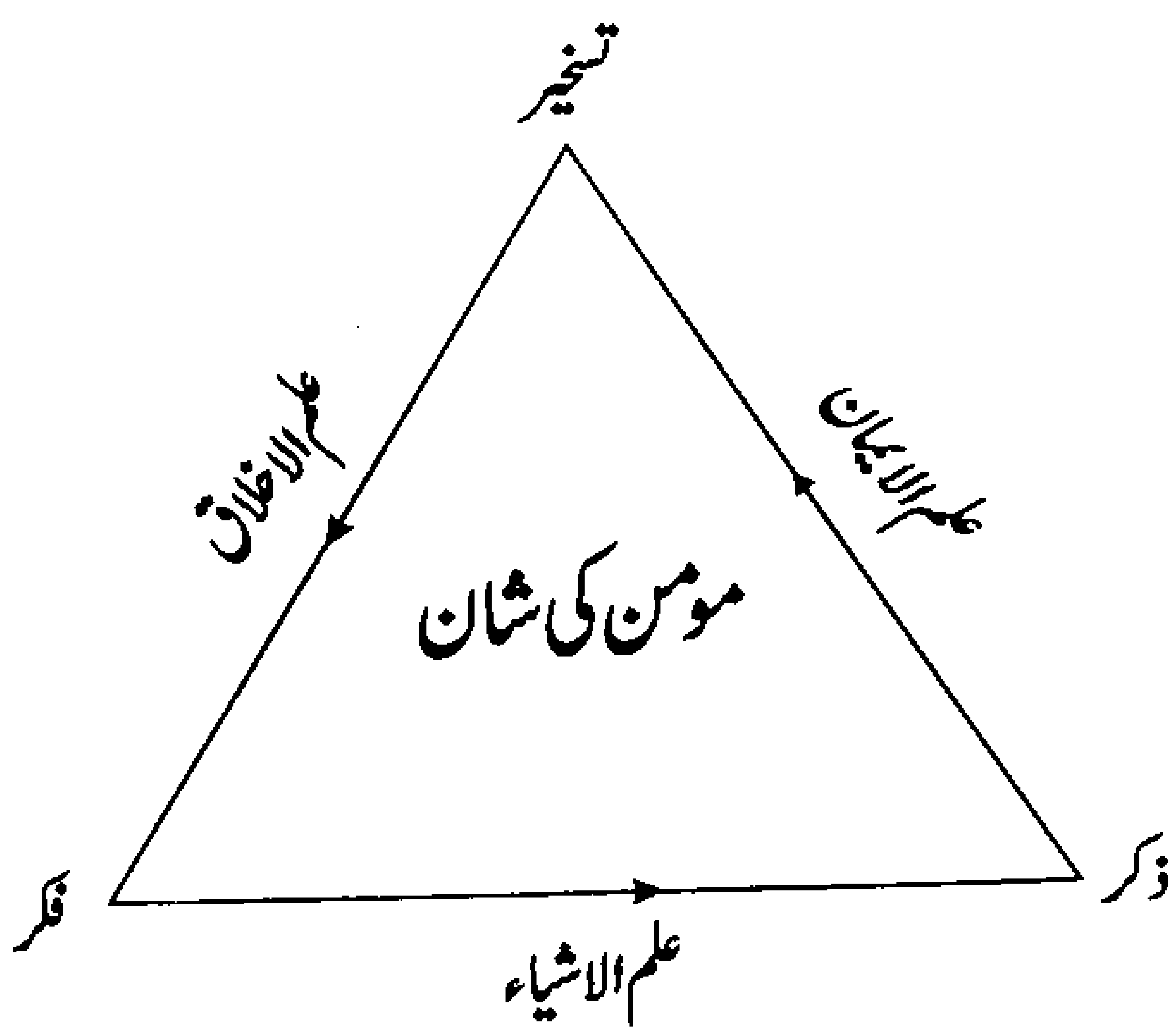
کائنات، قیامت اور انسان

- ☆ مانو یا نہ مانو
- ☆ کائنات اور انسان۔ ازل سے آخر تک کا سفر
- ☆ مصائب کی حقیقت اور ان سے نجات
- ☆ قیامت کی مختلف اقسام
- ☆ قیامت صغریٰ سے کبریٰ تک مختلف مدارج
- ☆ وجوہات اور طریق کار

شکل نمبر 1 قرآنی فلسفہ حیات

مومن کی تصویر۔ ذکر، فکر، تسخیر

مندرجہ ذیل مثلث قرآنی فلسفہ حیات کی تصویر ہے۔ وہی زندگی کامیاب ہے جو ہر دم اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی تخلیقات پر غور وفکر (Science) اور زمین و آسمان پر دسترس حاصل کرنے کی جدوجہد (Technology) سے عبارت ہو۔ اس لئے مومن علم الایمان اور علم اخلاق کے ساتھ ساتھ علم الاشیاء کو بھی برابر اہمیت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت علم الاشیاء سے واقفیت کے امتحان میں رکھا تھا۔ اس لئے مومن کی شخصیت ذکر، فکر اور تسخیر سے عبارت ہے اور اس کی خصوصیات علم الایمان، علم الاخلاق اور علم الاشیاء حاصل کرنا ہے۔ ذکر بذریعہ علم الایمان اور علم الاخلاق، فکر بذریعہ علم الاخلاق اور علم الاشیاء اور تسخیر بذریعہ علم الاشیاء اور علم الاخلاق۔ ایسا مسلمان قرآن کا وہ مرد مومن ہے جس کا آج اس کے کل سے بہتر ہے اور اس کا آنے والا کل اس کے آج سے بلند تر ہو گا۔ افسوس کہ موجودہ زمانے کا مسلمان ذکر کی بجائے تسبیحات میں کھو گیا، تسخیر کی جگہ عملیات نے لے لی اور کائنات کی فکر کرنے کی بجائے اپنی فکر میں مبتلا ہو گیا۔



باب نمبر 1

مانو یا نہ مانو

"اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل کود کی طرح ہے اور یقیناً آخرت کا گھر ہی سچی زندگی ہے کاش! وہ اسے جانتے" (سورۃ العنکبوت، آیت ٦)

حیات بعد از موت خواہ وہ انسان کی ہو یا کائنات کی، پر ایمان لانا اسلام کا لازمی حصہ ہے۔ قرآن الحکیم میں موجودہ کائنات کی موت کو قیامت الکبریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے بعد نئی کائنات کی تخلیق ہوگی اور اس کی انتہاء یوم حشر اور روز جزا و سزا ہے۔ قرآن پاک کی سینکڑوں آیات مبارکہ میں ان واقعات کی مختلف صورتوں کی جھلکیاں موجود ہیں۔ عام طور پر مسلمان ان سب باتوں پر بغیر کسی لگی لپٹی کے یقین کر لیتے ہیں لیکن موجودہ سائنسی اور تکنیکی زمانے میں جہاں ہر چیز پر تحقیق اور تجسس سوالیہ انداز میں کیا جاتا ہے ان حقائق کے سلسلے میں بھی لوگوں کے تجسس کے آگے روڑے نہیں اٹکائے جاسکتے۔

اگر کوئی پوچھتا ہے کہ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے؟ انسانی حیات و ممات کا کیا سلسلہ ہے؟ موت کے بعد زندگی کیسی ہے؟ قیامت کیا ہے اور یہ کب اور کیسے ظہور پزیر ہوگی؟ جنت اور دوزخ کیا ہیں؟ یہ تو بالکل جائز سوالات ہیں اور آج ان کو دبایا نہیں جاسکتا اور نہ ہی دبانا چاہیے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بھی تو پوچھا تھا کہ اے اللہ! تو مار کر کیسے زندہ کریگا اور آپؑ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام جنہیں اگرچہ اللہ تعالٰی سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل تھا سوال کئے بغیر نہ رہ سکے "اے میرے رب مجھے اپنے آپ کو دکھا" لہٰذا ایسے سب سوالات دراصل یقین کی آبیاری کرتے ہیں اور ان کے مثبت جواب دینا اکیسویں صدی میں اسلام کی بہت اہم خدمت ہوگی اور اگر مسلمان ایسے سوالات کے صحیح جوابات دے سکیں تو یہ انسانیت کی بھی بڑی خدمت ہوگی۔

اس سلسلے میں قیامت کے متعلق ہم قرآن پاک کے کچھ بیانات کا تمثیلی ذکر کرتے ہیں مثلاً سورۃ تکویر آیت (٦) اور سورۃ انفطار آیت (٣) میں ذکر ہے کہ قیامت کے زمانہ میں سمندر ابلنے لگیں گے اور آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ سورۃ زلزال (١) اور (٢) کے مطابق زمین کی تہہ الٹ دی جائے گی۔ فضاء دھوئیں سے بھر جائے گی۔ سورۃ تکویر آیات (١) تا (٢) کے مطابق سورج اور ستارے پھینک دیئے جائیں گے اور کائنات پھر سے وہ شکل اختیار کر لے گی جیسے یہ روز اول تخلیق کے وقت تھی۔ سورۃ ابراہیم آیت (٤٨) اور سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر (١٠٤) میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے بعد ارض و سماوات کی تخلیق موجودہ شکل سے الگ کسی دوسری صورت میں کر دی جائے گی۔ اس سب کے بعد یوم حشر ہوگا جب

سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر فیصلے یا انصاف کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔ قرآن پاک کی یہ تمام باتیں صحیح ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ضرور ایسا ہوگا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام باتوں کے پیچھے کوئی منطق یا دلیل بھی ہے اور کیا اس دور میں ہم دلائل سے یہ سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں یا محض عقیدہ کی بات ہے؟

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ نہ تو آج تک کوئی ایسی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ ہی کوئی مقالہ سامنے آیا ہے جس میں ہم ایسے سوالات کے جوابات سائنسی اور تکنیکی طریقہ سے روزمرہ کی زبان میں تلاش کر سکیں تاکہ اہل تجسّس کو کچھ تو جواب دے سکیں جو ان پہلوؤں پر کسی منطق، دلیل یا اسباب کی بناء پر یقین کرنا چاہتے ہیں۔ اس کمی کو دیکھتے ہوئے 1985ء میں میرے اندر ایک تحریک پیدا ہوئی کہ میں ایسے صاحبان کی تسلی کیلئے اپنی سوچ اور نقطہ نظر ان تک پہنچاؤں۔ چنانچہ یہ کتاب ایسے ہی مرد وزن کیلئے ہے جو یقین کے ساتھ حیات وممات اور قیامت کے واقعات پر عقلی دلائل کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ایک اور سبب جس نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر آمادہ کیا گو کہ دیکھنے میں یہ بات اتنی اہم نظر نہیں آتی یہ ہے کہ آج کل دنیا میں بیشمار سائنسدان کائنات کی تخلیق اور خاتمے کے سلسلے میں بہت سوچ بچار اور تحقیق کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سی نئی دریافتیں ہو چکی ہیں۔ وہ بھی اب یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ''ایک دن یہ ستارے جھڑ جائیں گے نظام شمسی درہم برہم ہو جائیں گے موجودہ کائناتی ڈھانچہ بدل جائے گا اور بالآخر کائنات بھی لپیٹ دی جائے گی'' ان موضوعات پر پچھلے دس بیس سال سے سائنسی رسالوں اور مجلوں میں ہزاروں تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ دراصل ایسے انکشافات میں پہل کاری تو قرآن پاک نے کی تھی میں نے یہ ضروری سمجھا کہ سائنسی دنیا کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے کہ ان کی تحقیق سے جو باتیں ثابت ہوئی ہیں ان کا اعلان آج سے چودہ سو سال پہلے عرب کے ریگستانوں میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے اور یہ سب قرآن مجید میں آج بھی موجود ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ان چند باتوں تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھا بلکہ کائنات کی تخلیق اور اس کے خاتمہ کے روحانی پہلوؤں کی تفصیل سے بھی دنیا کو آگاہ کیا یعنی آپ کی تعلیم وہاں تک ہے جہاں پہنچ کر سائنس ناکام ہو جاتی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مذاہب کی طرح سائنس بھی سچائی کی تلاش کا ایک عمل ہے اور مخلص سائنسدان صوفی منش اور سچ کا شیدائی ہوتا ہے۔ اسلئے اگر ہم مسلمان سائنسی دنیا کو قرآن پاک کی سچائیوں سے آگاہ کر سکیں تو وہ اسلام کی روشنی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

کائنات کی تخلیق آغاز اور اختتام کے متعلق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بتایا اور زمان ومکان کی حقیقت سے جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ اٹھایا اسے انسان کی اپنی حقیقت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا چنانچہ قیامت کے متعلق بنیادی معاملات اور سوالات کو زیر بحث لاتے ہوئے اس کتاب میں مجھے انسان کی حقیقت جیسے اہم اور مشکل مضمون پر بھی تبصرہ کرنا پڑا ہے کہ نفس انسانی کیا ہے؟ زندگی

موت اور حیات بعد الموت کے مراحل کیا ہیں؟ گویہ باتیں موجودہ طبیعیات (Physics) کا حصہ نہیں لیکن مابعد الطبیعات (Meta Physics) اور مذہبی عقائد کے لحاظ سے یہ مرحلے بہت اہم ہیں اس لئے میں نے اپنی اس تحقیق میں ایک تسلسل سے اور مرحلہ در مرحلہ انسانی وجود اور نفس کے سفر کی گزرگاہوں کو زیر بحث لانے کی کوشش بھی کی ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہم اپنی حقیقت سے کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل کرسکیں۔ مثلاً ہم ان گہرائیوں میں غوطہ زن ہوسکیں کہ زندگی، موت اور حیات بعد الموت کا قیامت سے کیا تعلق ہے؟ اور اس سلسلے میں قرآن پاک زندگی کے مقصد اور کائنات کے حشر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ سائنسی دنیا اس تجسس میں کہاں تک پہنچی ہے تاکہ ہم قرآن پاک کے انکشافات اور سائنس کی دریافتوں کو سامنے رکھ کر مسلم اور غیر مسلم دونوں کیلئے کوئی بہتر متحدہ سوچ پیدا کرسکیں۔

میرے لئے یہ ساری تحقیق کوئی آسان بات نہیں تھی اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں کئی میدان، شعبے اور گوشے ابھی تک اوجھل ہیں اور ماہرین کی تحقیقات کے منتظر۔ اس لئے اس کتاب میں جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں ان کو صرف میری ذاتی رائے پر محمول کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ یہ سب کچھ حرف آخر ہرگز نہیں۔ مجھے اپنی کم علمی کا خوب احساس ہے اور میں اللہ تعالی کے دربار میں سربسجود ہوکر معافی کا خواستگار ہوں کہ قرآن پاک کی آیات جہاں حوالوں کے طور پر پیش کی گئی ہیں کوئی غلطی نہ ہوگئی ہو۔ اب یہ حقیر کوشش قارئین کے سامنے ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وقت کیساتھ جیسے جیسے سائنس قدرت کے رازوں پر سے پردہ اٹھائے گی ویسے ہی انسان پر قرآن الحکیم کی معجزانہ حکمت اور بصیرت مزید واضح ہوتی جائے گی لیکن یہ سعادت اسی خوش قسمت کے حصے میں آئے گی جو سائنسی علم کے ساتھ مومن کا دل بھی رکھتا ہو۔ اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے کہ "الم۔ بے شک یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس کا ہر مضمون شک وشبہ سے بالاتر ہے یہ رشد وہدایت کا مینار ہے (لیکن) ان کیلئے جو بن دیکھے غیب کے حقائق کو مانتے ہیں، جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور اللہ نے انہیں جو کچھ دیا ہے (اس کی راہ میں دل کھول کر) خرچ کرتے ہیں" (سورۃ بقرہ، آیات ۱ تا ۳)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ O

یقیناً ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر شک نہیں کرتے اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، پس وہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں O (سورۃ الحجرات، آیت ۱۵)

1.1 دین میں کوئی مجبوری نہیں

امریکی سائنسدان پال ڈیویز اپنی کتاب "فزکس، کائنات اور خدا" میں عظیم یورپی مفکر اور فلاسفر گسترپینگ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔

"تم یقین کرو یا نہ کرو یہ آپ کے اختیار میں ہے، لیکن میرا اس بات پر پورا یقین ہے کہ انسانی ذات کا کوئی نہ کوئی حصہ ایسا ضرور ہے جو طبیعات کے ضابطوں کا تابع نہیں ہے (۵)"

مانو یا نہ مانو حقیقت یہی ہے ہماری خوش قسمتی ہے کہ اب آہستہ آہستہ فزکس اور میٹا فزکس (Meta Physics) ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ امید کی جا سکتی ہے کہ اگلے چالیس پچاس سالوں تک انسان پر عالم الغیب کے بیشمار رازوں کا سائنسی انداز میں بھی انکشاف ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایمان کی تعلیم دیتا ہے لیکن کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ یہ انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ کہتا ہے "تمہارے لئے تمہارا دین، میرے لئے میرا دین" (سورۃ الکافرون) اور جب حقیقت عیاں کر دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے نیک و بد سمجھا دیئے ہیں تو پھر اسکے حق میں اس سے بہتر ہو بھی کیا سکتا ہے؟

یہ کتاب زمان و مکان میں انسان کے طویل سفر کی مدلل سائنسی اور اسلامی کہانی ہے۔

1.2 بے اعتمادی کی وجہ

وہ لوگ جو حیات بعد الموت پر شک کرتے ہیں ان کی پہلی غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کو سائنس اور منطق کے مطابق سمجھنا چاہتے ہیں اور دوسری وجہ ان کا تکبّر ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ترقی پسند، سمجھدار اور اعلیٰ پائے کے مفکّر سمجھتے ہیں، لہٰذا جو لوگ ان کی آراء سے اختلاف کرتے ہیں ان کو دقیانوسی، لکیر کے فقیر اور معلوم نہیں کن کن ناموں سے پکارتے ہیں۔ اگر انہیں بتایا جائے کہ ان کا حیات بعد الموت سے انکار کوئی جدید بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے انہی کی طرح کچھ لوگ حق کو جھٹلاتے آئے ہیں تو ماننے کو تیار نہیں۔ اگر کہا جائے کہ سائنس اور منطق سچائی تک پہنچنے کا ایک عمل تو ضرور ہے لیکن حرف آخر نہیں تو بالکل جہلاء کی طرح ہٹ دھرم بن جاتے ہیں۔ وہ یہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ اہل ایمان میں بھی بڑے بڑے عظیم دانشور، سائنس دان اور فلاسفر گزرے ہیں اور آج کل بھی عظیم سائنسدانوں اور دانشوروں میں بہت سے اللہ تعالیٰ اور حیات بعد الموت کو مانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے دونوں طرح کے انسان رہے ہیں ایک وہ جو دل سے مانتے تھے کہ موت کے بعد زندگی ہے اور دوسرے وہ جنہوں نے انسان کو اتنا بے وقعت سمجھا کہ ان کے نزدیک یہی دنیا زندگی کی معراج ہے۔ جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا تو اس وقت مکہ کے لوگوں کی سوچ بھی بالکل ایسے ہی بے دین جدید دانشوروں کی سی تھی۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ

مُّخْرَجُوْنَ O هَيْهَا تَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ O اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ O

اور بولے اس قوم کے سردار جنھوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں سکھ چین دیا" یہ تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے جو تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہی پیتا ہے O اور اگر تم کسی اپنے ہی جیسے آدمی کی اطاعت کرو تو یہ تمہارے لئے بڑے نقصان کی بات ہے O کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے اس کے بعد پھر نکالے جاؤ گے O یہ کس قدر دور کی بات ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے O یہ تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہے کہ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے O

(سورۃ المومنون، آیات ۳۳ تا ۳۷)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کئی بار اس بات کی تنبیہ کرتے ہیں کہ معاشرہ کے امیر لوگوں اور سرداروں کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ غریبوں کو گمراہ کر کے خود ان کے خدا بن جائیں۔ اپنے فائدے کیلئے وہ نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ سیدھے راستے (صراط مستقیم) پر گامزن ہوں۔ اس لئے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے وہ اپنی جہالت کا پرچار کرتے رہتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کی پیروی کریں۔

ایسے بے دینوں کے برعکس حیات بعد الموت کو ثابت کرنے کیلئے ایک مومن کے پاس زیادہ وزنی دلائل موجود ہیں کہ زندگی کی کہانی، موت سے ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ قانون قدرت ہے کہ چیزیں اپنی شکل بدلتی رہتی ہیں لیکن قطعی طور پر کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ اگر سبب (Cause) ملیامیٹ بھی ہو جائے تو بھی اپنے اثر (Effect) کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ مثلاً مادہ توانائی میں بدل سکتا ہے۔ توانائی، مادہ میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن یہ قانون قدرت کے خلاف ہے کہ وہ صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائیں۔ آج تو علم اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ سائنس کا معمولی طالبعلم بھی ان حقائق سے انکار نہیں کرتا لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ جب انہی قوانین کے مطابق کہا جاتا ہے کہ انسان بھی اٹل ہے، تو بے دین فوری انکار کر دیتے ہیں گویا کہ انسان کو قوانین قدرت سے استثنا حاصل ہے۔

1.3 یقین کی وجہ

حقیقت یہ ہے کہ حیات بعد الموت دراصل موجودہ زندگی کا ایک جاری سلسلہ ہے اور عالم آخرت عالم شہادت کا ہی انجام کار ہے۔ جس طرح زمان ومکان میں باقی چیزیں کسی نہ کسی شکل میں قائم رہتی ہیں اس طرح انسانی نفس کی حیات بھی جاری وساری عمل ہے۔ البتہ اس کی ظاہراً

شکل صورت اور اسلوب تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

دراصل جسے ہم " کچھ بھی نہیں (Nothing)" کہتے ہیں وہ بھی کچھ ہوتا ہے جیسے صفر میں برابر تعداد کے لاانتہا منفی اور مثبت اعداد چھپے ہیں۔ اگر وہ حقیقت (Reality) نہیں تو حقیقت کا عکس (Virtual Reality) ضرور ہوں گے۔ یہی حال ہماری کائنات کا ہے۔ اس تخلیق سے پہلے کا زمانہ بھی " کچھ نہیں " کی حالت کا مظہر نہ تھا اور اگر ہم اس کو " کچھ نہیں " (Nothingness) والا نام دے بھی دیں تو اس " کچھ نہیں " والی حالت ہی سے سارے وجود برآمد ہوئے، اس کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ مادی کائنات عالم باطن کا ایک ادنیٰ ظہور ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک عالم تھا جس میں فرشتے، جنات اور انسانی ارواح اپنی لطیف شکلوں میں موجود تھے یعنی انسان کی کہانی کائنات کی کہانی سے قدیم تر ہے بلکہ یہی کائنات کے ڈیزائن کا سبب (Design Basis) ہے جس کا مقصد انسان کی نشوونماء کیلئے سامان پیدا کرنا ہے۔ یعنی کائنات انسان کی وجہ سے ہے، انسان کائنات کی وجہ سے نہیں ہے اس بناء پر قرآن پاک انسان کو حاکم اور کائنات کو محکوم کے درجہ میں رکھتا ہے۔ انسان عالم ہے اور کائنات معلوم کا درجہ رکھتی ہے اس نظام میں سائنس کا مقصد کائنات کے علم تک رسائی ہے جبکہ اسلام کا مقصد کائنات اور غایت کائنات کے علم کا حصول ہے۔

حق کا تقاضہ یہی ہے کہ حق کو پہچانا جائے، حکومتیں آئین بناتی ہیں کہ حق قائم ہونا چاہئے لیکن خواہش اور ضرورت کے باوجود اس دنیا میں سبھی کو حق اور سچ کا بدلہ نہیں ملتا اور مظلوم انصاف کی امید میں مرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حیات بعد الموت انصاف کی اپنی ضرورت ہے، یہ کائنات میں تمام مخلوق کی ضرورت ہے۔ بالآخر باطل کی شکست اور حق کا بول بالا کائنات کے ڈیزائن کا بنیادی عنصر ہے، اس کے باوجود اگر عدل اس ارضی جہاں میں ممکن نہیں تو فطرت کا یہ مطالبہ ہوگا کہ کوئی اور جگہ ضرور ایسی ہونی چاہئے جہاں مظلوم کو اس کا حق مل جائے۔ انصاف کے اس دن کا نام یوم الدین ہے یہ ہے حساب کا دن جب موت ذبح کر دی جائے گی، ظالم اور مظلوم، حق اور باطل، کمزور اور طاقتور، کافر اور مومن سبھی اپنے رب کی عدالت میں اس کے انصاف کے منتظر ہونگے۔ اس روز یہ بات پوری ہوگی کہ "ہم اسی کے پاس سے آئے اور ہمیں اسی کے پاس واپس جانا ہے۔"

اس لئے اگر ہم واقعی عقلمند ہیں اپنے نفع اور نقصان کی تمیز رکھتے ہیں تو موجودہ زندگی میں ہمیں یہی فکر ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالی سے ملاقات ہو تو اپنے اعمال کی وجہ سے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ اس لئے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے اور ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہمارا تعلق اس عظیم ذات سے استوار ہو جس کے پاس ہماری آخری بقاء ہے۔ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو سچوں کے سچے ہیں انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہترین نسخہ یہ ہے کہ کثرت سے اس کا ذکر کرو۔ (ابن ماجہ) قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۲ میں ارشاد ربانی ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O

تم میری یاد کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکرادا کرو اور روگردانی نہ کرو O

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۲)

ذکر سے آدمی اپنے خالق سے تعلق کو بڑھا سکتا ہے اور اپنے مقام کی ترقی پا سکتا ہے۔ اگر ذکر کے ساتھ فکر بھی ہو تو کائنات کی تسخیر کی راہیں خود بخود اس پر کھلنے لگتی ہیں۔

1.4 اپنے مقام کی پہچان

اوپر کی بحث کا مطلب یہ ہے کہ ہم کائنات میں اپنے مقام کو سمجھیں اور خالق کائنات کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط تر کرتے چلے جائیں۔ اس لئے کہ نہ تو ہم بے معنی تخلیق ہیں نہ ہی کائنات بلا مقصد ہے۔ یہی وہ راز زندگی ہے جسے قرآن حکیم بار بار سمجھنے کی تلقین کرتا ہے۔ انسان کی ہمیشگی کی بقاء اور اس کے نفس کا ارتقا تبھی ممکن ہوگا جب وہ کائنات کی تخلیق کے مقصد سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوگا۔ اس پر کائناتی سائنسدان جیمز ٹریفل (James Triffle) یہ تبصرہ کرتا ہے۔

" کہ جب آپ کائنات کے نظام کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ ایک عظیم شاندار نظام ہے۔ ایک بہت بڑی مشین ہے جس کے گیئرز (Gears) اور تمام پرزے ایک دوسرے کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے جڑے ہوئے ہیں جو سب مل کر کسی خاص مقصد کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ اب جبکہ ہمارا غور و فکر اس نکتہ تک پہنچ گیا ہے تو یوں لگتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کائنات کے نظام کے اندر سے کوئی اور امید کی کرن پھوٹے گی جو انسان کو کسی بلند تر حقیقت کے قریب لے جائے گی"۔ (حوالہ ڈارک سائیڈ آف دی یونیورس (Dark Side Of The Universe)، صفحہ 185 از جیمز ٹریفل اشاعت ریاست ہائے متحدہ امریکہ 1988ء۔ چالرس سکربرا اینڈ سنز)۔

قرآن پاک اس سلسلہ میں یہ انکشاف کرتا ہے کہ خالق کی معرفت کے بغیر مخلوق کی حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے اور مخلوق کی پہچان کے بغیر خالق کی معرفت مشکل ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ O وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ج وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

اور وہی آسمان والوں کا معبود ہے اور وہی زمین والوں کا معبود ہے، اور وہی حکمت والا اور علم والا ہے O اور بڑی برکت والا ہے کہ اسی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹو گے O

(سورۃ زخرف، آیات ۶۴ تا ۸۵)

1.5 جزا و سزا کیوں؟

یہاں یہ سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسانیت کے اعمال کی کیوں فکر ہے۔ ایک دہریہ پوچھتا ہے خدا ہمیں ہمارے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ یہ آخرت، حیات بعد الموت، جنت دوزخ کے بکھیڑے کیوں ہونے چاہئیں؟

یہ نہ صرف حیوانی بلکہ بڑی ظالمانہ سوچ ہے۔ ایسا سوال کرنے والا کائنات کو، اس کے خالق کو، انسان کے مقام کو اور نہ ہی انسانی حقوق کو سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان محض گائے، بھینس اور بندر کی طرح ایک حیوان ہے اور بس، جس کا جتنا چاہو استحصال کرتے جاؤ۔ دراصل وہ نہیں چاہتا کہ اسکے ظلم پر اسے کوئی پوچھنے والا ہو۔ قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ " کائنات "یونہی بے وجہ، بے مقصد حادثہ نہیں بلکہ یہ ایک انتہائی حکیم و عزیز خالق کا بامعنی ڈیزائن ہے جس کا ثبوت موجودہ سائنس ہے جس نے معلوم کیا ہے کہ کارخانہ قدرت حیران کن حد سے زیادہ منظم بامقصد، متحرک ہے جو انتہائی حساس مقداروں (Sensitive Parameters) کے مطابق ڈیزائن ہوا ہے۔ اگر کسی مقدار میں نہایت معمولی رد و بدل بھی آجائے تو توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اسکے زمان و مکان میں ہر جگہ ہر وقت ایک ہی طرح کے قوانین کام کرتے ہیں اسکا ایک حصہ دوسرے حصہ کا معاون ہے۔ ہستی کے اس عظیم کارخانہ میں انسان نا صرف بے مثل با اختیار ہے بلکہ عقل اور شعور کا بھی شاہکار ہے۔ اس لئے اگر مجموعی طور پر کائنات بامقصد ہے تو اس میں جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے کیسے بے مقصد ہوسکتا ہے۔ اگر ایٹم کو ثبات ہے تو انسان کو بے وقعت، ایک وقتی حادثہ سمجھنا بے وقوفی ہوگی۔ سچ یہی ہے کہ آدمی کی زمینی موت اس کی آسمانی حیات کا آغاز ہے۔ جس کسی نے بھی زمین پر رہ کر اپنے آپ کو اگلے سفر کیلئے فٹ اور قابل ثابت کر دیا وہ خالق کے اس نئے ڈیزائن کا حصہ ہوگا جس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔

1.6 حیات بعد الموت کی ایک عام فہم مثال

انسان کی حیات بعد الموت کو سمجھنے کیلئے آپ انسان ہی کی بنائی ہوئی ایک ذہین فطین مشین کی مثال لیجئے۔ فرض کرو یہ ایک ایسا (Robot) روبوٹ ہے جو چلتا پھرتا بھی ہے، پروگرام کے مطابق کام بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ماحول کی عکس بندی بھی کرتا جاتا ہے اور جو

معلومات حاصل کرتا ہے ان کو اپنے اندر جمع کرتا رہتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ وہ اس فلم کو اپنے موجد کمپیوٹر کو بھی بھیجتا رہتا ہے جو ہزاروں میل کسی لیبارٹری میں رکھا ہوا ہے۔

اب اگر میں یہ کہوں کہ موجد نے اس روبوٹ میں ایک خاص بات یہ بھی رکھی ہے کہ اگر اس کو نقصان پہنچایا جائے، توڑنے کی کوشش کی جائے، یا اسے آگ لگ جائے یا وہ کسی اور وجہ سے اپنی تباہی کے قریب پہنچنے لگے تو فوری طور پر وہ اپنے اندر محفوظ شدہ معلومات اور اپنے ڈیزائن کو موجد کی لیبارٹری کے کمپیوٹر کو ترسیل کر دے اور ساتھ ہی ساتھ اس حادثہ کی خبر بھی دے دے جو اسے پیش آرہا ہے، تو بھی آپ یہ کہیں گے کہ جدید سائنس کیلئے ایسا روبوٹ بنانا ہرگز مشکل نہیں ہونا چاہئے، اور آپ یہ بھی کہیں گے کہ آخری دم پر بھیجے گئے ڈیزائن اور معلومات کو سامنے رکھ کر موجد ہو بہو ایک نہیں بلکہ جتنے چاہے ویسے روبوٹ بنا سکتا ہے۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر اب آپ انسان کی حیات بعد الموت پر غور فرمائیں، اگر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو کائنات کے موجد کیلئے یہ کیونکر ناممکن ہونا چاہئے؟ یوں قرآن پاک انسان کیلئے امید کا پیغام لاتا ہے جس کی خوشخبری تمام پہلے پیغمبر دیتے رہے اور آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو زندہ جاوید کر دیا یہ ہدایت نامہ ہے جو انسان کی ابدی حیات کیلئے لکھا گیا ہے۔ اگر زندگی اس کے مطابق گزاری جائے تو یقیناً موزوں ترین نتائج برآمد ہونگے۔

ابدی حیات کے علاوہ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ارضی حیات بھی اطمینان سے گزرے اور خوف وحزن سے بھی آزاد ہو۔ یہی ہمارے خالق کی منشاء ہے۔ وہ اپنے شاہکار کو کسی صورت بھی غم اور رنج میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "خلقت اللہ تعالی کا کنبہ ہے" اور یہ بھی کہ "تمہارا رب تم سے تمہاری ماں کی نسبت ستر گناہ زیادہ محبت کرتا ہے" اور اس محبت کا ہی یہ تقاضا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ انسان غلط راہوں پر چل کر اپنا نقصان کر بیٹھے۔

خالق کو اپنی تخلیق کی بہتری منظور ہے۔ اسلئے ان کے فائدے کیلئے اس نے قانون بنائے جن پر عمل کرنے سے اسی کا فائدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان قوانین کے خلاف جاتا ہے تو وہ نہ صرف اپنا بلکہ معاشرہ کا بھی دشمن ہے۔ لہٰذا انسان کی بہتری کا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انحصار اللہ تعالی کے احکام یعنی قرآن پاک کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پیروی میں ہے، نہ کہ مادر پدر آزادی میں۔ اس محبت کی شان یہ ہے کہ مالک کون مکان ہمیں خود یہ دعا سکھاتا ہے کہ "اے ہمارے رب! ہمیں عطاء فرما دنیا میں بہتری اور آخرت میں بہتری اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا"۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انسانیت کی اکثریت اس دنیا میں امن کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہاں ہے۔ شر پسند تھوڑے ہی ہوتے ہیں جو ہر ایک کیلئے زندگی میں مشکلات پیدا کرتے ہیں اور انسانی قدروں کو پامال کرتے ہیں۔ سوسائٹی یہ پوچھتی ہے کہ کیا انہیں کئے گئے جرائم کے سلسلے میں باز پرس نہیں ہونی چاہئے؟ اگر وہ دنیاوی عدالتوں میں سب کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو کیا وہ ہمیشہ سزا سے بچے رہیں گے؟

حیات بعد الموت اس سوال کا جواب ہے۔ یہ انصاف کی ضرورت ہے۔ یہ شرفاء اور دانشوروں کی ضرورت ہے۔ غریبوں اور کمزوروں کی ضرورت ہے۔ ہر اس آدمی کی جو انصاف کا طلبگار ہے حیات بعد الموت اور روز جزا اس کی ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں انسان کا اس کائنات میں ایک بے مثال اور منفرد مقام ہے۔ یہاں کی ہر چیز اس کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ سورج پر نظر ڈالیں۔ اتنا بڑا ہونے کے باوجود یہ بھی اسی خدمت کو انجام دے رہا ہے۔ درختوں کو لیں وہ بھی انسان کیلئے کام کر رہے ہیں۔ پرندے بھی اسی کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کائنات کے بڑے بڑے ستارے جو ہمیں نظر بھی نہیں آتے، ان کی موت وحیات بھی ہمارے لئے ہے۔ ان کے ٹوٹنے پھوٹنے سے وہ عناصر بنے جن سے ہماری زمین اور ہمارے جسموں کی تشکیل ہوئی تھی۔ موجودہ سائنس اس بات کی سب سے بڑی گواہ بن کر پیش ہو رہی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کی خاطر ہے، یہاں کی ہر چیز کسی نہ کسی طرح انسان کے کام آ رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O

اور تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ مسخر کر دیا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لئے O (سورۃ جاثیہ، آیات ۱۳)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر کائنات کا سارا نظام انسان کے لئے ہے تو انسان کس لئے ہے؟

نہ تو زمین کیلئے ہے نہ آسمان کیلئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

1.7 ہماری ذمہ داری

اس بامقصد نظام میں بھلا انسان کی تخلیق کا اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اپنے خالق کے تقاضے پورے کرے۔ اللہ کے تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے خالق کو تسلیم کرے اس کی رضا کو اپنی رضا بنا کر زندگی گزارے، اس کی عبادت کرے، اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کی دیگر مخلوقات کو استعمال کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کی خوبصورتی کو برقرار رکھے بلکہ انہیں پھلنے پھولنے اور نشوونماء کا پورا پورا موقع دے اور یوں جہاں بھی ہو وہاں اصلاح، امن اور سلامتی کو قائم کرے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ O

اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول جا اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد کے پیچھے نہ لگ، بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا O (سورۃ القصص، آیت ۷۷)

1.8 الخلق عيال الله "خلق اللہ کا کنبہ ہے"

اس لیئے ہمیں انسانوں سے تو کیا اللہ کی تمام تخلیقات، حیوانات، نباتات اور جمادات سے پیار کرنا چاہئے یعنی زمین پر بگاڑ، فساد، اس کے حسن کو برباد کرنا، اس کے توازن کو خراب کرنا، اس کی فضاء کو آلودہ کرنا اور اس پر رہنے والوں کو تنگ کرنا سبھی حرام ہے۔ اللہ کی تخلیقات حسین وجمیل ہیں اور ان کے حسن و جمال کو قائم رکھنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**اَللّٰهُ جَمِيْلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَال** " یعنی اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنے خالق کی رضا اسی صورت میں پا سکتا ہے کہ اس کی عقل، سائنس، علم اور جستجو کی سمت ہمیشہ اس کی طرف ہو اور اس کی جدوجہد کا مقصد یہ ہو کہ دنیا کا اخلاقی، روحانی اور مادی جمال قائم رہے۔ یعنی مسلمان کا عمل اصلاح کیلئے ہے اور وہ زمین اور اس پر بسنے والوں کیلئے سلامتی کا باعث ہے۔ نفس کی ترقی یا تنزلی کا انحصار انہی باتوں پر ہے۔

حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا" کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو نماز، روزہ اور حج سے بھی افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے انتہائی ذوق وشوق سے کہا ضرور ضرور۔ آپؐ نے فرمایا وہ چیز ہے لوگوں کے درمیان صلح کروانا" (ابوداؤد)۔ یہ تو ہے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم لیکن ہمارا حال کیا ہے؟ آپس میں صلح کرانا اور محبت کے ساتھ رہنا تو بڑی بات ہے ہمارا المیہ تو یہ ہے کہ بعض پرانے نمازی بھی اپنے من کی دنیا میں اتنے مگن ہیں کہ آس پاس کچھ بھی ہوتا رہے ان کو خبر نہیں ہوتی، حتیٰ کہ برسوں مسجد میں اکٹھے نماز پڑھنے والے بھی ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں۔ حقوق العباد کی یہ ناقدری اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات کا باعث نہیں بن سکتی۔

اگر زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکا قرب حاصل کرنا ہوگا تو آدمی کے ارادوں اور سعی کی سمت اپنے خالق کی طرف ہوگی جس کے نتیجہ میں اس کا نفس اللہ تعالےٰ کی طرف ترقی کرتا رہے گا۔ موت کے بعد والے سفر کا تعین بھی دنیا کی زندگی کی سمت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو

زمین پر اپنی سب تخلیقات پر بزرگ و برتر بنایا ہے، اسے اختیار دیا ہے۔ لہٰذا انسان کا یہ فرض ہے کہ جس نے اسے صاحب اختیار بنایا وہ اس کی اتھارٹی (Authority) کی مکمل فرمانبرداری کرے اور اس کے کام کو آگے بڑھائے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ یا نااہل ہوتا ہے یا باغی اور اس کی سزا بھی ویسی ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَالَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ط فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ ط۔

وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اگلوں کا جانشین کیا، تو جو کفر کرے تو اس کا کفر اسی پر پڑتا ہے۔۔۔O (سورۃ فاطر، آیت ۳۹)

وفادار نوکر کی زندگی اپنے مالک کی خوشنودی میں گزرنی چاہیئے۔ اگر نوکر لاپرواہی کرتا ہے یا حکم نہیں مانتا یا بغاوت کرتا ہے، تو اس کیلئے سزا کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ دانا نوکر اپنے حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھنے کے بعد مالک کے احکام کی تابعداری میں لگ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جاہل اپنے فرائض سے روگردانی کرتا ہے اور یوں زندگی کے انتہائی قیمتی لمحات کو بے دریغ ضائع کر دیتا ہے۔ اسلئے حکمت اور دانائی یہ نہیں کہ ہم زندگی کا مقصود زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنا بنالیں بلکہ حکمت اور دانائی یہ ہے کہ ہم اپنے رب کو خوش کرلیں جو دنیا کا بھی مالک ہے اور ہمارا بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور وہ عطاء کرتا ہے حکمت و دانائی جسے چاہے۔

یُّؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط
وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِO

اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت ملی تو گویا اسے خیرِ کثیر حاصل ہوگئی اور عقل والے ہی نصیحت مانتے ہیںO (سورۃ بقرہ، آیت ۲۶۹)

آج کا انسان بھی اپنی حکمت و دانائی پر فخر کرتا ہے لیکن اسکی یہ حکمت و دانائی نمرود، ہامان، قارون اور فرعون والی ہے۔ اسی وجہ سے اس قدر دنیاوی ترقی کے باوجود بھی اسکو اطمینان نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ خوشی چیزوں کے انبار میں ڈھونڈتا ہے جبکہ خوشی چیزوں کی بجائے دل کا معاملہ ہے، ترقی کا معیار مجموعی قومی دولت (G.N.P) نہیں بلکہ مجموعی قومی خوشی (Grand National Happiness(G.N.H)) ہونا چاہیئے یہ بھی یاد ہے کہ مجموعی قومی خوشی قومی سطح پر اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے اخلاق کو اپنانے میں ہے، جس کا نام اسلام ہے۔ لیکن افسوس کہ جسم کے لوازمات کی دوڑ کے پیچھے ہم حقیقت سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ گلنے سڑنے والے جسم موٹے ہوتے جارہے ہیں اور ہمیشہ رہ جانے والے نفوس کمزور تر ہوتے جارہے ہیں۔

1.9 خوف وغم سے آزادی

لہٰذا اگر ہم دنیا اور آخرت میں خوف وغم سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآنی ماحول پیدا کرنا ہوگا۔ جس میں ہر آدمی اپنے دین کے مطابق اعلیٰ انسانی اقدار کا سرقع ہے۔ انسان کے نفس پر اس کا ماحول اثر انداز ہوتا ہے، پہلے اس پر خاندان اور گھر کی پرورش کے اثرات پڑتے ہیں، پھر ارد گرد کے معاشرے کے اور پھر سکول و کالج کے یوں اس کی شخصیت آہستہ آہستہ ماحول کے مرکبات سے بنتی رہتی ہے۔ اکثر اوقات ماحول نسان کو بے بس کر دیتا ہے اس لئے اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس ماحول میں انسان اپنے رب کی طرف ترقی نہ کر سکے اس کو بدل دیا جائے، اگر بدلا نہیں جاسکتا تو خراب ماحول سے مغلوب ہونے کی بجائے اس سے آزادی حاصل کی جائے اور اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کی پابندی کرتے اپنے لئے زندگی کا راستہ ڈھونڈا جائے۔

قرآن کا برملا اعلان "**لاالہ الااللہ**" ایک نفی اور ایک اثبات کا اعلان ہے۔ لا الہ یعنی "کوئی خدا نہیں" دنیا کے تمام خود ساختہ خداؤں سے آزادی حاصل کرنے کا اعلان ہے اور "الا اللہ" جھوٹے خداؤں کو رد کرنے کے بعد ایک اللہ کے سامنے جھکنا ہے۔ یہ اعلیٰ ترین آزادی ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ انسان کائنات کی کسی چیز کا غلام نہیں بلکہ حاکم بن کر اس میں اپنا مقام پالے۔ لا الہ الا اللہ کا صحیح ادراک ہی ارضی اور ابدی جنت کا پاسپورٹ اور ویزہ ہے۔ اس میں مجموعی قومی خوشی (G.N.H) کا راز ہے۔ اگر اس کے بعد بھی دل میں کوئی خوف، کوئی غم اور حزن باقی بچے تو سمجھو کہ ابھی یقین میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ کامیاب زندگی وہ ہے جو دنیاوی خوف، غم اور حزن سے آزاد اپنے خالق کے پاس اطمینان سے حاضر ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کا تسویہ کیا ۝ پھر اس پر فجور اور تقوی کا الہام کیا ۝ بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اس کا تزکیہ کیا ۝ اور نامراد ہوا وہ جو خواہش نفس کا اتباع کر کے معصیت میں مبتلا ہوا ۝ (سورۃ شمس، آیات ۷ تا ۱۰)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝

بے شک کافروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے ۝ اور آپ تو نہیں جانتے کہ سجین کیا ہے ۝ یہ نامہ

اعمال کا لکھا ہےO (سورۃ المطففین، آیات ۷ تا۹)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ Oوَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّوْنَ Oكِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ Oيَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ Oاِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ O

یقیناً نیکوں کا نامہ اعمال علّیین میں ہوگاOاور آپ نہیں جانتے کہ علیین کیا ہےOیہ نامہ اعمال کا لکھا ہےOمقرب اس بات کی گواہی دیتےOیقیناً نیکوکار نعمتوں میں ہوں گےO

(سورۃ المطففین، آیات ۱۸ تا ۲۲)

وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقین جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللّٰہ

باب نمبر 2

کائنات اور مسافر ایک مختصر جائزہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ O ن الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O

''بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس نے موت کو پیدا کیا اور زندگی کو، تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہی عزت والا، بڑا معاف کرنے والا ہے'' O (سورۃ الملک۔ آیت ۱۔۲)

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا O اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ صلے ق نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا م بَصِیْرًا O اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا O اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا O اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا O عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا O

''کیا آدمی پر کبھی ایسا وقت نہ تھا کہ دہر میں وہ ذکر کرنے کے قابل کوئی خاص چیز نہ تھا بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا حرکت کرتے ہو نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں تو اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔ O بے شک ہم ہی نے اسے راہ کی ہدایت کی کہ یا تو وہ شکر گزار بنے اور یا ناشکرا O بے شک ہم نے کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ O بے شک نیک لوگ پئیں گے ایسے برتن سے جن کی خاصیت کافور ہے O وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نیک بندے پئیں گے اسے جہاں چاہیں گے بہتا ہوا پائیں گے O (سورۃ الدھر، آیت ۱۔۶)

2.1 کائنات، مذہب اور سائنس

دنیا کے اکثر مذاہب اور جدید سائنس اس بات پر تقریباً ایک ہی رائے رکھتی ہے کہ یہ نظام قدرت ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ کبھی نہ کبھی یہ سب کارخانہ عالم نیست و نابود ہو جائیگا۔ ہندو مذاہب کا ذرا جداگانہ نظریہ ہے کہ کائنات کا اونچ نیچ سدا کا ایک چکر ہے لیکن تخلیق اور تباہی کی منازل کے وہ بھی قائل ہیں۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے سائنس میں بھی کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ دنیا ہمیشہ سے یونہی چلی آ رہی ہے اور جاری رہے گی لیکن اب یہ نظریہ بدل چکا ہے اکثر کا یہ خیال ہے کہ کائنات ختم ہونے والی چیز ہے اور یہ بھی کہ یہ ہمیشہ سے نہیں بلکہ ایک تخلیقی امر کے تحت اس کا کبھی آغاز ہوا تھا تو کبھی اسے موت بھی آئے گی۔ جب کائنات کے شاندار وسیع نظاروں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اسکی خوبصورتی اور عظمت ہمیں اس سوال کی طرف مائل کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بنا کر خود ہی دوبارہ کیوں تباہ کر دیگا؟ اس پس منظر میں تخلیق اور تباہی کیا معنی رکھتی ہے؟

دراصل اپنے مافی الضمیر میں ہم میں سے ہر آدمی اپنی ذات کے حوالے سے سوچتا ہے۔ مومن اور دہریوں سمیت سب لوگوں کی اس سلسلے میں سوچیں تقریباً یکساں ہیں۔ کبھی سوچتے ہیں کہ کیا زندگی کا آخری مقصود موت ہی ہے؟ موت کو دیکھ کر یہ سوال بھی دل میں اٹھتا ہے کہ کیا یہی ہماری کہانی کا بھیانک خاتمہ ہے یا یہ کہ یہ کسی روشن صبح کا آغاز ہے یعنی کیا اس خوبصورت دنیا کے بعد ہمارا سفر جاری ہے اور اس سفر کے آگے بھی کچھ ہے؟ اگر ہے تو پھر وہ کیا ہے؟ اور پھر یہ سوالات بھی ذہن میں ابھرتے ہیں کہ میں کیا ہوں؟ اس دنیا میں کہاں سے اور کیوں آیا ہوں؟ اور یہاں آنے کے کیا مقاصد تھے؟ اور ہم کہاں جا رہے ہیں اور بالآخر ہمارا حشر کیا ہوگا؟

بے شک یہ بڑے جائز اور موزوں سوالات ہیں لیکن بہت کم لوگ ان میں سے کسی ایک یا سب سوالات کے جوابات سے باخبر ہیں۔ مایوسی کی فضاء میں کئی ایک تو اپنے ذہنوں کو سلا لیتے ہیں اور ادھر سے کان بند کر کے حیوانی سطح پر رہ کر زندگی گزار لیتے ہیں اور کچھ بدقسمت سرے سے موت کے بعد پیش آنے والے سفر سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہبی عقائد اور موجودہ سائنس نے اس سلسلے میں الگ الگ راہیں اختیار کر رکھی ہیں۔ مذہبی عقائد والوں نے ان اہم باتوں کو ایمان و عقیدہ کے تابع کر دیا ہے اور سائنس دان ان باتوں کو اپنے دائرہ کار سے باہر سمجھتے ہیں اور شکوک و شبہات کی دنیا میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کے ان میدانوں میں اہل مذہب اور سائنس دان الگ الگ ڈفلیاں بجاتے ہیں اور عام آدمی حیران و ششدر ہے کہ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے حالانکہ دونوں گروہ سچ کے دعویدار ہیں۔

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ کائنات اور زندگی کے متعلق ان عظیم حقائق کو سمجھا جائے یوں مذہب اور سائنس کے درمیان جھگڑا ختم کیا جائے۔ چونکہ یہ دونوں ہی سچ کے متلاشی ہیں اس لئے ہماری یہ کوشش ہے کہ ان دونوں گروہوں کو قرآن پاک کے وسیلہ سے ایک دوسرے کے نزدیک لایا جائے لیکن سائنس اور مذہب میں جو دوری پیدا کر دی گئی ہے اسکے نتیجہ میں یہ کام اتنا آسان نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ جب قرآن کا علم عام ہو جائیگا تو مستقبل کا سائنسدان اور عالم اپنی اس کوتاہ بینی پر ضرور ہنسے گا۔

یہ مقالہ قرآنی علوم کے انکشافات کا مرہون منت ہے کہ قرآن پاک جو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا، وہ اگر ایک طرف انسانیت کی راہنمائی کیلئے آخری پیغام ہے تو دوسری طرف یہ سدا بہار ہمیشہ کیلئے تر و تازہ علوم کا خزانہ ہے۔ہم نے ان علوم کو موجودہ سائنس کی دریافتوں کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہم کائنات کے ان دقیق حقائق کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس جستجو میں ہمارے قلم کو اس بے ادبی سے بچائے کہ کہیں قرآنی علوم کے بیانات کو ثانوی حیثیت نہ دے بیٹھیں۔ہمارا مقصد سائنس کے سچائی کے دعوے کو قرآن کی اٹل آیات کی روشنی میں پرکھنا ہے اور یوں سائنس کی دنیا پر قرآن حکیم کی حکمت واضح کرنا ہے تاکہ آدمی آگے بڑھ کر غیب کی ان باتوں کو بھی مان لے جو اس کی ذہنی پہنچ سے ابھی باہر ہیں۔

2.2 کائنات کی تخلیق

اس سلسلے میں کائنات کی تخلیق کے مسئلے ہی کو لے لیجئے۔یہ سلسلہ نہ صرف آج کی سائنس کا اولین مسئلہ ہے بلکہ ہمیشہ ہی سے انسان کیلئے ایک اہم ترین موضوع رہا ہے۔اس کے متعلق ماضی بعید میں اہل یونان یہ نظریہ پیش کرتے رہے ہیں کہ کائنات ازلی اور ابدی یعنی ہمیشہ سے قائم و دائم ہے۔اس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ اختتام۔ان میں یہ خیال بھی عام تھا کہ ایٹم کا ذرہ بھی دائمی ہے گو اب یہ قابل تقسیم سمجھا جاتا ہے اور ایٹمی ری ایکٹرز میں ان کی توڑ پھوڑ روز کا عمل ہے۔اسی طرح یونانیوں کی دائمی کائنات کا نظریہ تین ہزار سال کے بعد ٹوٹا ہے۔

1970 تک بھی ایسے کئی ماہرین فلکیات تھے جو کائنات کو دائمی سمجھتے تھے لیکن اب انہیں بھی یونانیوں کا جامد کائنات کا نظریہ اس لئے قبول نہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف جا رہا ہے۔اپنی انتہائی حدود پر کائنات تقریباً روشنی کی رفتار سے کھل رہی ہے۔اگر کائنات جامد ہے تو ایسے کیوں ہو رہا ہے؟اس مشکل کے حل کے طور پر قانوطی ماہرین کہنے لگے کہ مادہ مزید مادہ کو جنم دیتا ہے اور نئے پیدا ہونے والے مادہ کی وجہ سے کارخانہ قدرت پھیلاؤ اختیار کرتا رہے گا۔یوں اس کا کوئی اول یا آخر نہیں لیکن 1960ء کے بعد سے یہ نظریہ بھی رد ہو چکا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے انسانی نگاہ کائنات کی گہرائیوں میں آگے بڑھ رہی ہے ویسے ہی پیدائش، تباہی اور حیات و موت کا عمل ہر زمان و مکان میں اسے مسلسل نظر آ رہا ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ انگریز سائنسدان فریڈ ہال (Fryed Hall) جو قانوطی نظریہ کے بانی سمجھے جاتے تھے خود ہی اس سے منحرف ہو چکے ہیں۔

آج ماسوائے چند ایک سائنسدانوں کے اکثریت اس بات کی دعویدار ہے کہ کائنات ایک تخلیقی امر ہے جو ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی۔یوں سائنس تجربہ اور تحقیق کے ذریعے قرآن پاک کی صداقت کی گواہ بن گئی ہے کہ یہ خود خالق نہیں بلکہ ایک تخلیق ہے اور وہ بھی عارضی۔

جدید ماہرین فلکیات نے مدہم تاروں کے جھرمٹ یا کہکشاؤں کی شکل و صورت اور اتار چڑھاؤ کا مطالعہ کیا اور انکی حرکتوں کو پرکھا انہوں نے کائنات کو وسعت اختیار کرتے اور مادہ کو ضائع ہوتے بھی دیکھا ہے اور بنیادی ذرات کے تلاطموں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔یہ سب کچھ اس

بات کی دعوت دیتا ہے کہ کائنات زمان ومکان کے تابع ہے یعنی اسکی بنیاد بھی تھی اور آخر کار خاتمہ بھی ہے۔صرف اور صرف خالق کی ذات ہی لامحدود اور لامکان ہو سکتی ہے اور اس نے ہر چیز کو محیط کیا ہوا ہے۔یوں جدید سائنس اسی طرف آرہی ہے جو قرآن حکیم کی تشریح میں شارح اول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ خود دہر ہے" یعنی لامحدود وقت اس کی خاصیت ہے اور وہ وقت جس میں کائنات کا جنم ہوا وہ محدود تخلیق ہے اور یوں کائنات اور اس کے زمان ومکان ختم ہو جانیوالے ہیں بلکہ ان سے زیادہ پائیدار حقیقت تو انسان کی اپنی ہے جس کیلئے خالق نے یہ سب کچھ تخلیق کیا تھا۔آخری حقیقت صرف رب ذوالجلال کی اپنی ذات پاک ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ O وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِO

کل کائنات کے لئے فنا ہے O صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے O

(سورہ الرحمٰن۔آیت ۲۶۔۲۷)

2.3 کائنات کی تخلیق پر تقابلی نظریات

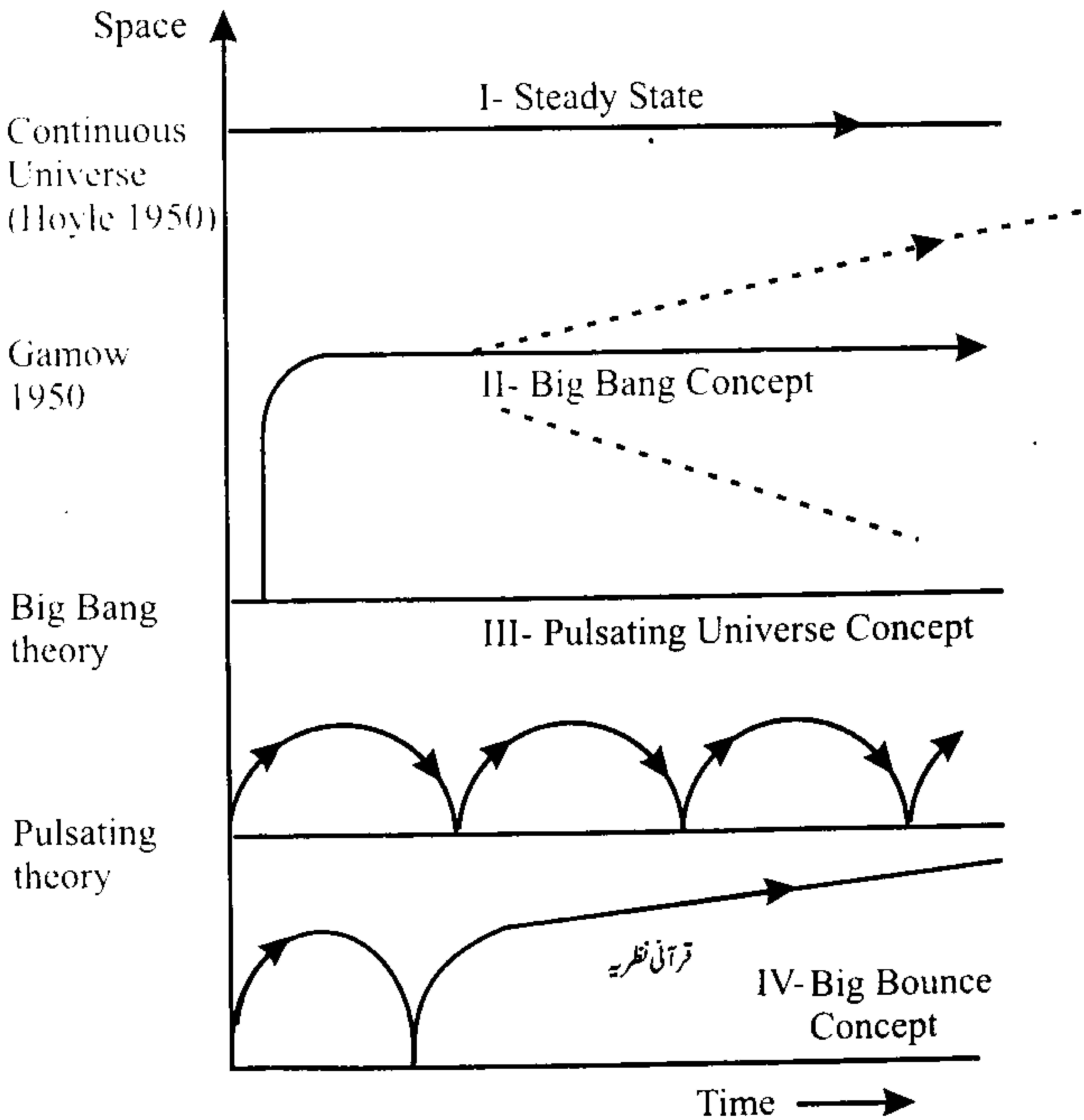
جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اہل یونان کی سوچ کے مطابق کائنات ہمیشہ سے موجود تھی۔یہ نظریہ جس کو "سٹیڈی سٹیٹ یونیورس (Steady State Universe)" یعنی جامد کائنات والا نظریہ کہا گیا برطانوی سائنسدان فریڈ ہال نے 1950ء میں بڑے شدومد کے ساتھ پیش کیا لیکن اسکو جارج گاموو (George Gamowe) کی زیادہ وسیع اور وزنی تھیوری نے جلد ہی رد کر دیا جس کے مطابق کائنات ایک واقعہ (Event) ہے جسکا کبھی نہ کبھی ضرور ابتداء یا آغاز ہوا تھا۔اس دھماکہ خیز واقعہ کو "بگ بین (BIG BANG)" یا عظیم دھماکے کا نام دیا گیا ہے۔ آج اس نظریہ کو تقریباً سبھی سائنسدان مانتے ہیں لیکن تاویلات میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔

یہ سوال کہ کیا کائنات کا اختتام بھی ہوگا؟ اس بات پر ابھی تک سائنسدانوں کی ایک رائے نہیں 1970ء تک تو یہ عام خیال تھا کہ کائنات اب ہمیشہ رہیگی لیکن اس کے بعد کی تحقیقات یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ہمیشہ کی زندگی والا نظریہ بھی باطل ہے جیسے کائنات کا آغاز ہوا تھا ویسے ہی دھماکے کیساتھ اس کا اختتام ہو سکتا ہے۔اغلب خیال یہ ہے کہ ابھی کائنات پھیل رہی ہے لیکن پھر سکڑنا شروع ہوگی اور سکڑ سکڑ کر اپنے نقطہ آغاز پر پہنچ کر پھٹ جائیگی۔

بعض سائنسدان یہ سوچتے ہیں کہ پھیلنے اور سکڑنے کا عمل لہروں کیطرح ہے اور یوں کائنات بنتی اور ٹوٹتی رہے گی۔بننے اور ٹوٹنے والی اس تھیوری کو (Pulsating Universe) کا نام دیا گیا ہے۔یہ نظریہ ہندوؤں کے عقیدہ آواگون سے متاثر نظر آتا ہے لیکن ابھی تک اس کیلئے کوئی مضبوط حسابی ثبوت نہیں ملا ہے۔اور اسطرح بار بار بننے اور مرنے والی کائنات کا نظریہ ایک واہمہ سے زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔

شکل نمبر 2 تخلیق کائنات کے متعلق جدید نظریات

تخلیق کائنات اور اس کا انجام دونوں مضامین ساتھ ساتھ چلتے ھیں۔ یونانیوں سے لے کر اب تک کئی سائنسدان یہ سمجھتے ھیں کہ کائنات ھمیشہ سے ھے اورھمیشہ رھے گی۔(گراف I) اسی نظریہ کی بگڑی ھوئی شکل وہ ھندوانہ خیال ھے کہ کائنات بنتی بگڑتی رھتی ھے۔ لیکن یہ دونوں نظریات اب باطل قرار دیے جاچکے ھیں۔ (گرافIII) جدید نظریہ کے مطابق کائنات کا آغاز بھی ھے اور اخیر بھی ھوگا۔ یہ اچانک کسی انھونے (Nothingness) سے شروع ھوئی تب سے پھیل رھی ھے۔اور اس وقت سے مسلسل اس میں حیات وممات کا عمل جاری ھے۔لاکھوں کروڑوں ستاروں اور کھکشائوں کے جہان اس میں بنتے رھتے ھیں اور مٹتے رھتے ھیں، آخر میں کیا ھوگا؟ زیادہ تر خیال ھے کہ کائنات کا پھیلائو سکڑنے میں تبدیل ھوجائے گااوربے انتھاء رفتار سے سکڑتے ھوئے دوبارہ اپنے نقطہ آغاز پر پھنچ جائے گی جھاں سے پھرایک اور بگ بینگ کے ساتھ اس کا نیاشاندار ھمیشگی کا آغاز ھوگا(گرافII-IV)



Presented by; https://jafrilibrary.com

تازہ ترین رائے ہے کہ بے شک کائنات بگ بینگ (BIG BANG) کے بعد شروع ہوئی اور اس وقت سے پھیل رہی ہے لیکن ایک دن واپس اپنی پہلی حالت کی طرف چل پڑے گی یعنی سکڑنے لگے گی اس کے بعد دوبارہ اس کی تخلیق ہوگی ۔نئی کائنات موجودہ دنیا سے بے انتہاء بڑی ہوگی اور اپنے زور سے ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رہے گی۔

کائنات کی تخلیق کے متعلق یہ انتہائی مختصر جائزہ ہے جس کی تفصیلات پر سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مقالے ہر سال لکھے جا رہے ہیں اور بے شمار زمینی اور خلائی تجربہ گاہوں میں کام ہو رہا ہے۔ان جدید تحقیقات کے تقابلی جائزے کیلئے 1983ء میں جینوا کے مقام پر نظام کائنات پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں اور طبیعات کے ماہرین کی کانفرنس (2) منعقد ہوئی اور اس کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ " کائنات کی پیدائش واقعتاً کسی اچانک امر سے رونماء ہوئی۔اس سے پہلے نہ وقت تھا نہ مکان، نہ مادہ کا وجود تھا نہ توانائی پائی جاتی تھی۔غرضیکہ کچھ بھی نہ تھا۔ایک دم اس قدر حرارت اور دباؤ پیدا ہوا جس کی کوئی حد نہ تھی۔حساب کی زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔اس "ہونے" میں اس قدر کم وقت لگا جس سے چھوٹی مقدار میں وقت کا تعین ناممکن ہے۔ایک سیکنڈ کے کھربویں کھربویں کھربویں کھربویں .... حصے میں تمام قوانین کا ظہور ہو گیا اور یوں ایک لا وجود نقطہ پھیل کر کائنات کے روپ میں ظاہر ہو گیا۔سوچنے کی بات ہے کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا؟ اسلام اسے 'کن' کے امر ربی کا نام دیتا ہے۔

جہاں تک مستقبل کا تعلق ہے، اس شاندار آغاز کی بنیاد پر اس کو بھی ہم لامحدود یا لاانتہا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا پھیلاؤ ایک مرحلے پر پہنچ کر رک جائے گا اور پھر وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنے لگے گا۔جیسے ارتقاء کا عمل انتہائی سرعت سے ہوا تھا، سکڑنے کا عمل اس سے بھی زیادہ تیز ہوگا۔جونہی کائنات کے مختلف حصے قریب آئیں گے وہ آپس میں ٹکرائیں گے اور موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا یہ سوال کہ، کیا سکڑنے کا عمل معدومیت کی حد تک جاری رہے گا یا کسی جگہ پر پہنچ کر خود بخود رک جائے گا؟ ابھی حل طلب ہے لیکن اغلب یہی ہے کہ پھر نکتہ آغاز سے دوچار ہونے کے بعد کائنات کی دوبارہ تخلیق ہوگی لیکن یہ کب ہوگا، کیسے ہوگا اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کا ابھی فیصلہ کرنا مشکل ہے"۔

اس سائنسی جائزہ کے بعد اب ہم مذاہب کی طرف آتے ہیں۔سائنسدان "پال ڈیویز (Paul Davies)" کے مطابق (10) "مختلف المذاہب لوگ کائنات کے خاتمے کے سلسلے میں الگ الگ آراء رکھتے ہیں۔کچھ صاحبان تو دیدہ آفت ناگہانی کی تنبیہ کرتے ہیں کہ ہمارے گناہ تباہی لائیں گے۔کچھ باور کراتے ہیں کہ ہماری اس بے یقینی اور سختی والی موجودہ دنیا کی بجائے ایک بہتر آسمانی یا عالم بالا والی دنیا کی آمد کی ہم توقع کریں۔ہندوازم اور بدھ ازم ایک چکر کے طریقہ کار کے تحت اس دنیا کے خاتمے کے بعد ایک اور دنیا کی تخلیق کے امیدوار ہیں لیکن ایسا کیوں ہونا چاہیے؟ اس کا جواب ان کے پاس بھی نہیں۔"

2.4 کائنات کے متعلق قرآنی نظریہ

معلوم ہوتا ہے کہ "پال ڈیویز" کو شاید قرآن پاک سے واقفیت نہیں ورنہ وہ ایسا نہ کہتا۔ دراصل قرآن پاک نہ صرف مفصل بیانات سے ہماری راہنمائی کرتا ہے بلکہ تمام الجھنوں اور عقیدوں کو ایسے کھول کر رکھ دیتا ہے جسکی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن پاک کے مطابق کائنات ایک تخلیقی واقعہ ہے جو خالق کے حکم سے معرض وجود میں آیا یعنی اس کائنات کی ابتداء اور آغاز ایک حقیقی واقعہ ہے یہ ہمیشہ سے نہیں اور نہ ہمیشہ رہے گی۔ اسکے پیچھے خالق کی عظیم حکمت ہے اور جدید سائنس کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ کوئی حادثہ تھا بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قانون کے دائرہ کار کے اندر ایک بامقصد تخلیق ہے اور اس کا خالق اور رب اکیلا اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ سب ایک خاص ڈیزائن کے مطابق بنایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ط
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَO

ہم نے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ پیدا کئے ہیں اور ایک معیاد مقرر کر دی ہے اور کافر جس سے ڈرائے گئے ہیں، منہ پھیرتے ہیںO (سورۃ الاحقاف، آیت ۳)

مندرجہ بالا آیت ربانی سے صاف ظاہر ہے کہ :۔

- ☆ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے۔
- ☆ اللہ اس کا بنانے والا ہے۔
- ☆ یہ کوئی حادثہ نہیں بلکہ اس میں ہر چیز کسی خاص ڈیزائن کے تحت تخلیق کی گئی ہے۔
- ☆ یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور پروگرام کے مطابق چل رہا ہے۔
- ☆ اور کائنات کا ذرہ ذرہ بامقصد ہے۔
- ☆ اور یہ سب ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ ایک خاص وقت تک ہے۔

قرآن حکیم کائنات کی تخلیق کے بارے میں یہ اصول بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کرتا ہے کہ خالق کھیل نہیں کھیلتا بلکہ اس کے ہر فعل کے پیچھے کوئی گہری حکمت ہوتی ہے۔ وہ علیم بھی ہے حکیم بھی ہے اور عزیز بھی ہے۔ اس کی ہر تخلیق اور ہر امر بامقصد ہے۔ گو موجودہ سائنس دان بعض اوقات اپنی روحانی جہالت کی وجہ سے اسے بے مقصد حادثہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ سائنس کی تحقیقات کا مقصد بھی کائنات کے ڈیزائن اور اسکے مقصد کو سمجھنا ہے۔

وہ مانیں یا نہ مانیں، حقیقت وہی ہے جو قرآن پاک سے ظاہر ہے کہ کائنات اور اس کے تمام گوشوں میں مقصد کارفرماء ہے قرآن یہ بتاتا ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ بامقصد ہے جونہی مقصد پورا ہو جائے یا مقصد کو گنوا دیا جائے تو وہ تخلیق بیکار ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی جگہ نئی تخلیق لے آتا ہے جو اس کے مقصد کیلئے موزوں تر ہوتی ہے یعنی زندگی مقصد کے ساتھ ہے۔ بے مقصد زندگی موت ہے۔

زمین کی پیدائش اسکی زندگی اور اسکی قیامت بھی اسی مقصدیت کے قانون کا انجام کار ہے۔ خود انسان کا وجود بھی مقصد کیساتھ ہے۔ جب انسان اپنی معراج کو پہنچ جائیگا اور اسکی تخلیق کا مقصد پورا ہو جائے گا یا وہ جب بہت زیادہ پستی میں گرتا جاتا ہے اور مقصد کے قابل نہیں رہتا تو ہمارا مالک وخالق اسکی بساط بھی الٹ دے گا تمام مخلوقات ختم ہو جائینگی۔ دیگر سیاروں کی مانند زمین بھی ایک چٹیل بے آب وگیاہ مردہ سیارے میں تبدیل ہو جائیگی اور آخر کار یہ مردہ سیارہ بھی ختم ہو جائیگا یعنی موجودہ کائنات اور اس میں ہر چیز کی تقدیر فناء ہے۔ قرآن پاک جو اپنی تفسیر آپ ہے وہ اس پہلو کو ایک جگہ اس طرح واضح کرتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت نہ کر، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے۔ حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے O

(سورۃ القصص، آیت ۸۸)

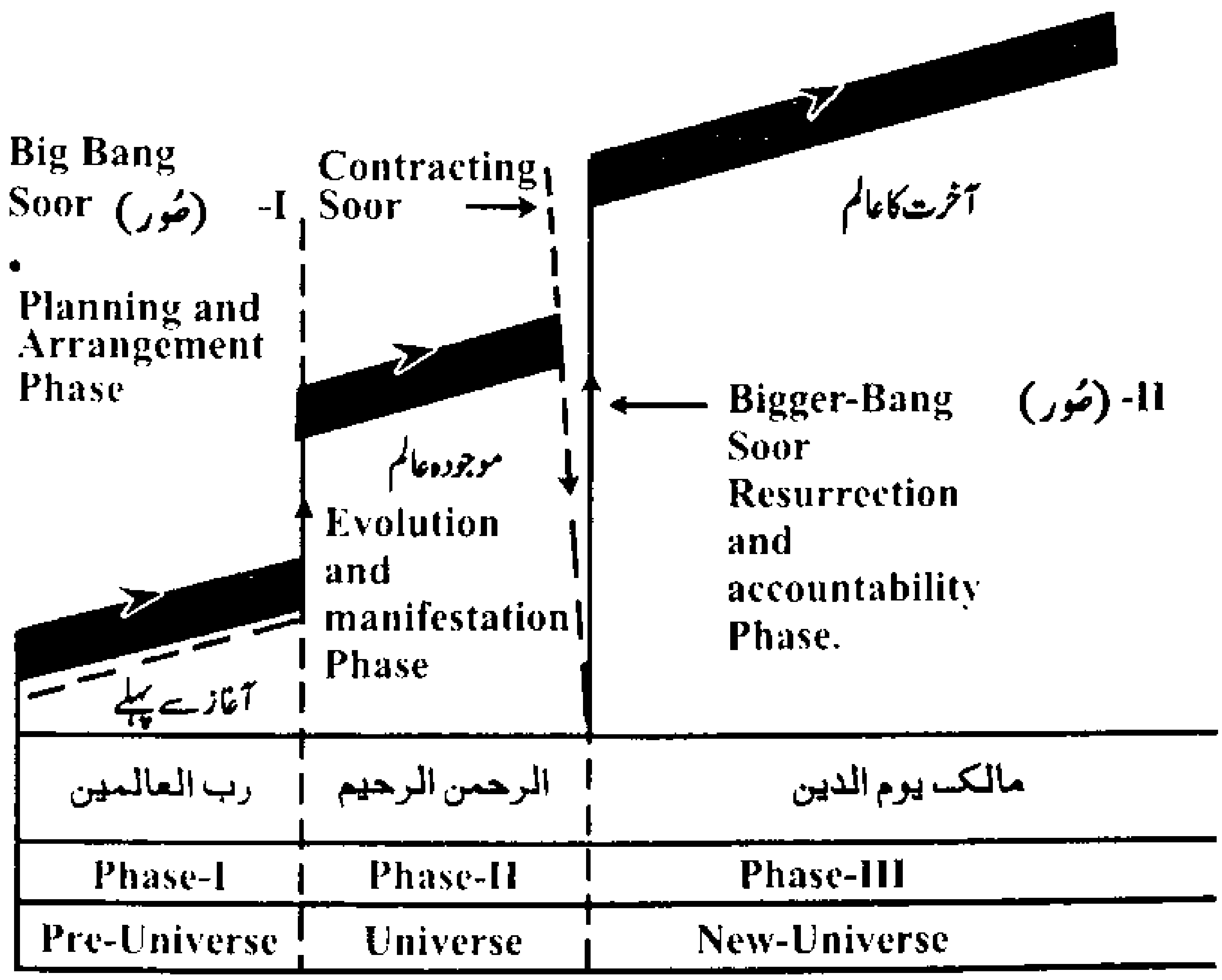
55(26-27) اور 28 (88) اعلان کرتی ہیں کہ کسی بھی چیز کو بقائے دوام حاصل نہیں۔ ہر وہ چیز جس کا آغاز ہوا ہے اس کا خاتمہ بھی ہوگا۔ یہ خالق کائنات کا قانون ہے۔ کوئی بھی دنیا خواہ کتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو ضرور ختم ہوگی۔ اس اصول میں کوئی استثنا نہیں اور اس خدائی قانون کے تحت ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ بڑے مضبوط اور مستحکم ذرات جن کو سائنس دان نیوٹران (Neutron) اور پروٹون (Proton) کہتے ہیں وہ بھی کوئی دائمی چیز نہیں ہو سکتے اور وقت کے ساتھ ساتھ سب گل سڑ کر ختم ہو جائیں گے اور آخر کار یہ تمام کائنات کلی طور پر نیست ونابود ہو جائے گی۔ بقاء صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے جو سب کا خالق ہے اور باقی تمام وجود اس کے طے شدہ پروگرام کے تحت ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

2.5 قانون اور کائنات

قرآن کریم یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ کائنات ایک اصول اور پروگرام کے مطابق چل رہی ہے اس پر کئی آیات مبارکہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:۔

شکل نمبر 3 کائنات کی زندگی کے تین مرحلے

ازل سے ابد تک کائنات کی زندگی میں تین اھم مرحلے آتے ھیں بیگ بینگ سے پہلے کا مرحلہ اس کے بعد موجودہ زندگی والا مرحلہ اور سب سے آخر میں یوم الدین کا مرحلہ۔ قرآن حکیم کی پہلی سورۃ اپنی ابتداء ھی میں یہ کہہ کر ان مرحلہ جات کو واضح کرتی ھے کہ اللّٰہ رب العالمین ھے رحمن ورحیم ھے اور مالک یوم الدین ھے یعنی کائنات ان گنت جھانوں کامجموعہ ھے جن کی نشوونماء ھروقت ھوتی رھتی ھے اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ھے بالآخر خالق کے پروگرام کے مطابق یہ نظام لپیٹ لیا جائے گا اس کی کارکردگی کا انفرادی اور مجموعی جائزہ لیا جائے گاجس کے بعدجزاء اور سزا کا ایک نیا دور شروع ھوگا۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ○

And Cry not unto any other god
along with Allah, there is no god
save Allah,
everything will perish save His Countenance,
He is the command, and
unto Him ye will be brought back.
28(88)

لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَO

ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے O (سورۃ الانعام آیت ٦٧)

یہ آیت مبارکہ صاف صاف بتاتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام ایک ہی قانون کے تحت چل رہا ہے ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا ہے یعنی وقت کا پہلو واقعات کے ظہور کا لازمی جزو ہے۔ یعنی کائنات ایک مقرر شدہ (Pre-programmed) نظام ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی دنیاؤں میں اللہ ہی کا قانون کام کر رہا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ایک معجزانہ پیش گوئی بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن حکیم اترا تھا تو سائنسی قوانین سے کسی کو بھی کوئی خاص آگاہی نہیں تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ تمام واقعات و حرکات کسی خاص پروگرام کے تابع ہیں لیکن اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اس حقیقت کو انسان جلد جان لے گا چنانچہ قرآن پاک کے نزول سے تقریباً ہزار سال بعد جب سائنٹیفک اور انڈسٹریل ترقیوں کا دور شروع ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ قانون قدرت اٹل ہے اور 1906ء میں آئن سٹائن کے کلیہ اضافیت (Theory of Relativity) کی بنیاد ہی یہ بات تھی کہ "قوانین قدرت زمان و مکان کے پابند نہیں بلکہ زمان و مکان قوانین قدرت کے پابند ہیں اور انہوں نے تمام کائنات کو جکڑا ہوا ہے اور ان کی بنیاد پر ہم ہر چیز کے ماضی، حال اور مستقبل کو سمجھ سکتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ خدائی قانون کا پابند ہے"

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر چیز کی زندگی کا حساب، اتار چڑھاؤ ایک مقرر شدہ پروگرام کے تحت چل رہا ہے یعنی زندگی کوئی بے عقل حادثاتی نظام نہیں بلکہ ایک واقعاتی اور پر از حکمت و دانش نظام ہے جس میں ہر واقعہ ایک پروگرام کے تحت ہوتا ہے جسے ہم تقدیر کہتے ہیں۔

آج اس بات کو چودہ صدیاں گزری ہیں اور انسان یقیناً نہیں تو جزوی حد تک اس فلسفہ سے آگاہ ہو چکا ہے۔ یہ کہ ہر چیز پہلے سے مقررہ پروگرام کے تحت چل رہی ہے اس کو سمجھنے کی آسان ترین مثال تابکار (ریڈیو ایکٹو) عناصر کی ہے۔ تابکاری ان کی تقدیر ہے۔ سائنسدان یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ ایٹم سے لے کر بڑے بڑے ستاروں کے اندر اپنے اپنے کلاک ہیں جس کے مطابق ان کے فیصلے ہوتے ہیں۔ خود انسان کی اپنی شخصیت اس کے جنیز (Genes) کی مرہون منت ہے جو کمپیوٹر کی مانند ہیں جن پر پیدائش سے موت تک کے تمام پروگرام درج ہیں اور وہ خود بخود زندگی کو اس پہلے سے لکھی ہوئی محفوظ دستاویز کے مطابق چلاتے رہتے ہیں۔

باب نمبر 3

مختلف قیامتیں اور آخرت (مختصر جائزہ)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

اللہ پہلے خلق کو بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اس کی طرف لوٹو گے۔(سورۃ روم، آیت ۱۱)

اس آیت مبارکہ میں کائنات کے متعلق یہ عظیم کیفیت بتائی گئی ہے کہ کائنات میں حیات وممات کا سلسلہ ایک جاری و ساری عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں کو پیدا کرتا ہے پھر وہ ختم ہو جاتی ہیں اور پھر سے انکی تخلیق کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔اس طرح یہ آیت مبارکہ اور دیگر متعدد آیات کریمہ اس کائنات کی ایک اثر آفریں اور محرک تصویر (Dynamic) پیش کرتی ہیں اور تخلیق در تخلیق کے سلسلے کے شروع سے تواتر کو ظاہر کرتی ہے یعنی کائنات میں نہ کبھی تعطل یا ٹھہراؤ تھا نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور بار بار پیدا کرتا ہے۔وہ ایجاد بھی کرتا ہے ترقی بھی دیتا ہے تنزل بھی لاتا ہے اور ایک پروگرام کے مطابق چیزوں کو جب چاہے ختم بھی کرتا ہے یعنی موت وحیات تخلیق کے عمل کا مسلسل حصہ ہے اس کاروائی میں بعض دفعہ شدید متزلزل واقعات رونماء ہوتے ہیں اور بڑے بڑے انقلابات بھی آتے ہیں۔

3.1 مختلف قیامتیں

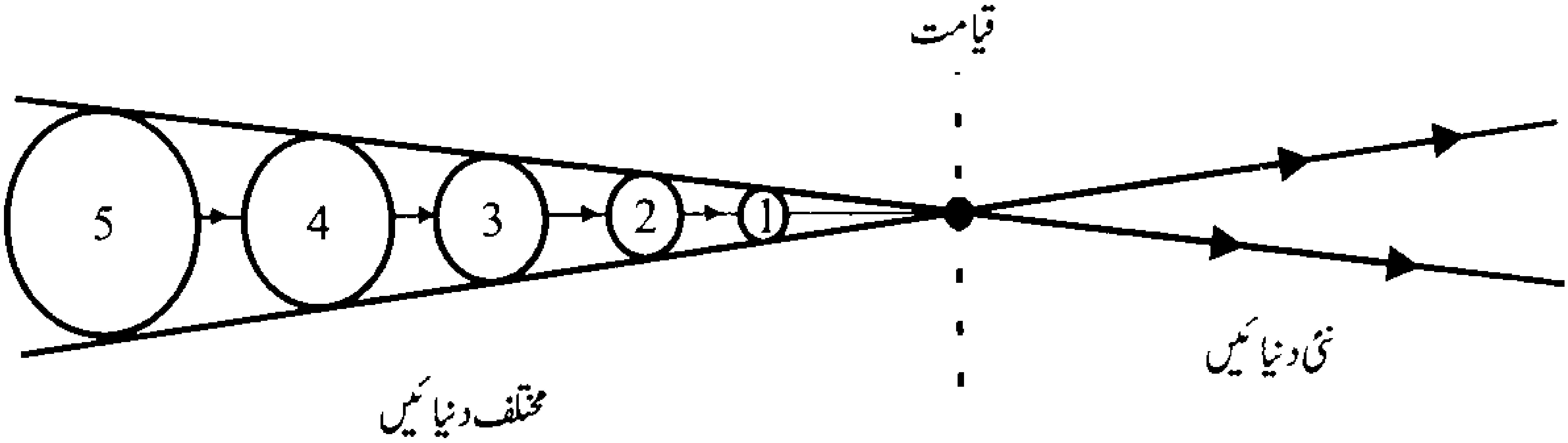
حیات وممات کی انہی ناقابل اصلاح (Irreversible) تبدیلیوں کا نام قیامت ہے اور کائنات میں یہ ایک مسلسل عمل ہے یعنی جیسے تخلیق ایک جاری وساری عمل ہے ویسے ہی قیامت کارخانہ قدرت میں ایک عام سی بات ہے۔

چنانچہ ہم قیامتوں کو حسب ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ چھوٹی قیامتیں (قیامت صغریٰ) 2۔ درمیانہ درجہ کی قیامتیں 3۔ قیامت کبریٰ یعنی عالمگیر قیامت

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ہر آدمی کی موت اس کی قیامت ہے۔اسی طرح کسی قوم پر جب عذاب آتا ہے تو وہ اس قوم کی قیامت ہے۔جب ساری زمین تباہ ہو جائے گی تو وہ کرہ ارض کی قیامت ہوگی۔سارے شمسی نظام کی موت یا اسی طرح کسی ایک کہکشاں کی موت اس کی قیامت ہے اور اس طرح کی قیامتیں کائنات میں ایک عام سا عمل ہے۔ایسی قیامتوں کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ان کے بعد

یوم الآخرت اور نئی کائنات کا ظہور ہوگا۔ مندرجہ ذیل شکل میں دکھایا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی قیامت کی طرف دوڑ رہی ہے۔ آخر کار یہ سب چھوٹی بڑی قیامتیں ایک قیامت کبریٰ کا حصہ بن جائیں گی جس کے بعد آخرت کا آغاز ہوگا۔ یعنی موجودہ کائنات کی کسی چیز کو بھی بقاء نہیں ہے ہر چیز یہاں فانی ہے اور جو بچ جائے گا وہ قیامت کبریٰ میں ہلاک ہو جائے گا۔



ہر چیز اپنی قیامت کی طرف بڑھ رہی ہے۔

دراصل کائنات میں قیامت کے واقعات اس کی تقدیر ہیں اور اپنے اپنے وقت پر یہ واقعات ضرور ظاہر ہوتے رہیں گے۔ قیامت کبریٰ سے پہلے عموماً یہ عوامل مندرجہ ذیل اقسام کے ہیں۔

1۔ کسی فرد کی موت (اس کی قیامت کا آغاز ہے)
2۔ زمین کے کسی حصے میں کوئی آفت ناگہانی (کسی قبیلہ یا قوم کی قیامت ہے)
3۔ کرہ ارض یا نظام شمسی کی مکمل تباہی (یہ تمام بنی نوع انسانی کی قیامت ہوگی)
4۔ کسی کہکشاں (Glaxy) کی تباہی (یہ ہمارے قریبی عالم کی قیامت ہوگی)
5۔ ہمہ گیر بڑی تباہی (یہ ہماری پوری کائنات کی قیامت ہوگی)
6۔ حشر نشر (یہ عظیم قیامت کے بعد دوبارہ تخلیق کے عمل سے گزر کر نتائج کا پانا ہے)

اس کائنات میں ہر چیز کی تقدیر کا پہلے سے فیصلہ کر لیا گیا ہے اور اسکی تخلیق محدود مدت کیلئے ہے جسکے بعد اس کی قیامت آجاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ O

اور تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ اور ایک مقرر مدت تک کے لئے۔ اور بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرتے ہیں O

(سورہ الروم۔ آیت ۸)

قیامت صغریٰ کائنات میں معمول کے واقعات ہیں ان کے وقوع کی ترتیب بھی حتمی نہیں یعنی ضروری نہیں کہ پہلے زمینی قیامت آئے گی اور پھر شمسی نظام کی قیامت ہوگی بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ چھوٹے نظاموں کی قیامتیں کسی بڑے نظام کی تباہی کی وجہ سے ہو جائیں۔ کائنات کے طول وعرض میں ایسا اکثر ہوتا ہی رہتا ہے اسی ضمن میں جب قیامت کبریٰ آئے گی تو اپنے ساتھ تمام چھوٹے بڑوں کو فنا کر دے گی۔

3.2 قیامت صغریٰ، آزمائش اور عذاب

انفرادی قیامتوں کے سلسلہ میں کائنات اور خود ہماری زمین میں ہر آن ان گنت چھوٹے چھوٹے واقعات اور نا قابل اصلاح تبدیلیاں حسب معمول رونما ہوتی رہتی ہیں جو فطرت کے طریقہ کار کا حصہ ہیں اور تخلیق در تخلیق کے عمل کیلئے ضروری مواد مہیا کرتی ہیں یعنی ایک کی موت دوسرے کی حیات کا سامان مہیا کرتی ہے۔ ایسی نا قابل اصلاح تبدیلیوں میں زلزلے، طوفان، شہاب ثاقب کے ٹکراؤ، بڑی بڑی بیماریاں، عظیم حادثات اور بڑی بڑی جنگیں بھی شامل ہیں۔ تباہی کے یہ طریقے وہ مجموعی عمل ہیں جو پوری زمین یا اسکے کسی حصے پر کسی وقت بھی آسکتے ہیں اور ماضی میں ہزاروں دفعہ آچکے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح سے اپنے وقت اور جگہ کیلئے قیامتیں ہیں لیکن ایسی تباہیاں حرف آخر نہیں ہوتیں بلکہ انکے بعد بھی زندگی کا سفر جاری رہتا ہے۔ ان میں ماضی قریب کی مثال تو طوفان نوح ہے جس میں سوائے وہ جو کشتی میں سوار ہوئے باقی سب ختم ہو گئے تھے۔ تقریباً بیس سے تیس ہزار سال ہوئے جب زمین پر ہزاروں سال برفانی زمانہ گزرا جس سے بہت زیادہ تباہی ہوئی ایک طرح وہ اس وقت کی قیامت تھی۔ ماضی بعید میں تقریباً چھ کروڑ سال ہوئے آسمان سے اس قدر پتھروں کی بارش ہوئی تھی کہ زیادہ تر زندگی ختم ہو گئی تھی وہ اس وقت کی قیامت تھی۔ ڈائنوسارز (Dinosaurs) غالباً اس قیامت میں ختم ہوئے تھے۔

یعنی اس طرح کے تباہ کن واقعات زمین پر اکثر ہوتے آئے ہیں اور یہ اپنے اپنے وقت کی قیامتیں تھیں۔ قرآن پاک انہیں عذاب کا نام دیتا ہے اور کئی آیات مبارکہ میں ایسی تباہیوں کو تمثیلی طور پر پیش کرتا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔ یہاں تک کہ یہ کیوں آتے ہیں؟ سائنس ان کی طبعیات پر غور کرتی ہے وہ 'کیا اور کیسے' کا جواب تو دے سکتی ہے لیکن کیوں کا جواب اس کے دائرہ کار میں نہیں ہے۔

اس لئے قرآن پاک کا انداز اس سے مختلف ہے۔ وہ ان کے حقیقی اور روحانی امور کی طرف توجہ دلاتا ہے جن کا تعلق مابعد الطبعیات سے ہے۔ سورۃ ھود میں ایسے ہی کئی واقعات کا ذکر ہے اور آج بھی ویسے ہی واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اگر سائنس کی رو سے دیکھا جائے تو ماسوائے تباہی

ے ان میں سے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی لیکن روحانی آنکھیں ان کے اندر کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ دراصل عذاب حادثات نہیں کہ یونہی آ گئے اور لاکھوں بے گناہ معصوم انسانوں اور جانداروں کو تباہ کر کے چلے گئے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اس لئے ایسی تباہیوں اور مجموعی قیامتوں کے پیچھے قدرت کے ٹھوس مقاصد ہوتے ہیں جن کو روحانی علمت سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرور عالم، فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ ھود کے بارے میں فرمایا کہ "اس سورۃ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔"

ایسی قیامتوں کا عمومی قانون قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں یوں بیان فرمایا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَO

اور ہر ایک کے لئے ایک وقت مقرر ہے پس جب وہ مقرر وقت آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہوگی نہ ایک گھڑی آگے ہوگی۔ O (سورۃ الاعراف، آیت ۳۴)

قرآن پاک کے مطابق قوموں کے مقدر کا تعلق ان کی اخلاقی اقدار پر منحصر ہے۔ اعلیٰ اخلاقی قدریں قوموں کیلئے ڈھال کا کام کرتی ہیں لیکن جب وہی قومیں غلط کاریوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتی ہیں تو ان پر تباہی تیزی کے ساتھ وارد ہوتی ہے۔ (یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے جس پر انشاءاللہ چوتھے باب میں سیر حاصل بحث ہوگی)۔

اس سلسلے میں نیچے دی گئی آیات جن میں قوموں کے عروج و زوال کی کہانی ہے نہایت غور طلب ہیں۔ ان قوموں کو جو واقعات پیش آئے ان کیلئے وہ حالات کسی بھی طرح قیامت صغریٰ سے کم نہ تھے۔ بعض اوقات ایسی اقوام پر زمین ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئی۔ کبھی ان کی تباہی شہاب ثاقب کی بارش سے ہوئی اور سب کچھ ایک لمحہ میں تہس نہس کرتا گیا اور یوں شر پسند لوگ جو وہاں قیام پذیر تھے، تباہ و برباد ہو گئے۔ (ایسا آج بھی ہوسکتا ہے) حکم باری تعالیٰ ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَO ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَO

تو ایک زبردست آواز نے انہیں آلیا حق کے ساتھ، تو ہم نے انہیں خشک گھاس کوڑا کی طرح کر دیا، پس (فلاح سے) دوری ہو ظالموں کے لئے O پھر ان کے بعد ہم نے اور زمانے پیدا کیے O

(سورۃ المومنون، آیت ۴۱۔۴۲)

شکل 4: انسان کے ہاتھوں قیامت

زمین پر بیشمار تباہیوں کا موجد خود انسان ہے۔مندرجہ ذیل تصویر میں ایٹم بم کے پھٹنے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ان بموں سے امریکہ نے 1945ء میں ناگاساکی اور ہیروشیما کے شہر پل بھر میں صفحہ ہستی سے مٹا دئیے تھے۔ آج چھ ملکوں امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس، اسرائیل اور چین کے پاس اتنے ایٹم بم ہیں کہ زمین کو کئی بار تباہ کیا جاسکتا ہے۔اسکے علاوہ اب مغربی ممالک کی صنعتی ترقی کے نتیجہ میں اس قدر فضائی آلودگی بڑھ رہی ہے کہ اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو اگلی چند صدیوں میں زمین پر تمام زندگی ختم ہوجائے گی۔یواین او کی کئی رپورٹوں کے مطابق اب تک سینکڑوں قسم کے جاندار پہلے ہی ناپید ہوچکے ہیں۔



کرہ ارض کی تاریخ کئی چھوٹی چھوٹی قیامتوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ الگ الگ قوموں پر آفت ناگہانی ایسی تیزی کیساتھ وارد ہوتی رہی کہ وہ قومیں نیست و نابود ہوگئیں اور اکثر کی داستان تک بھی باقی نہیں رہی اور آج بھی سائنس حیران ہے کہ کیا ہوا، اور کیسے ہوا؟ کہ اپنے زمانہ کی زبردست تہذیبیں یوں اچانک اٹھ گئیں کہ ان کے پیچھے کوئی رونے والا بھی نہ بچ سکا۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح، قوم فرعون وغیرہ کی نشاندہی تو خود قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۔ لیکن برصغیر میں ہڑپہ، ٹیکسلا کے نشانات بھی بتاتے ہیں کہ یہاں بسنے والی اقوام بھی ضرور کسی ایسی ہی قیامت کا شکار ہوئی ہوں گی۔ اگر چہ وہ اپنے زمانہ کی اعلیٰ تہذیب اور طاقت کا مظہر تھیں لیکن اب ان کی کوئی داستان باقی نہیں ہے۔ دنیا کے تمام براعظموں میں ایسی تباہیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں اور آج جدید سائنسی ذرائع سے ان کی چھان بین ہو رہی ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ لیکن افسوس کہ سائنس ان سے عبرت حاصل نہیں کرتی بلکہ محض دلچسپی کے سامان کے طور پر انہیں پیش کرتی ہے اور طبعی اسباب میں ان کی وجوہ ڈھونڈتی ہے جب کہ ان تمام تباہیوں کے پیچھے انسان کے اپنے گناہ کارفرما تھے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی فرد کی غلطی معافی مانگنے پر معاف فرماتا ہے لیکن جب اکثر افراد سیاہ کار ہو جاتے ہیں تو پھر اس قوم کیلئے اس دنیا میں کوئی معافی نہیں اور جب عذاب آتا ہے تو سب نیک و بد پر یکساں آتا ہے البتہ مرنے کے بعد اکیلے اکیلے حساب و کتاب ہوتا ہے اکیلے اکیلے قبر میں برتاؤ ہوتا ہے اور زندگی میں کئے گئے اعمال کے مطابق اکیلے اکیلے ہی کو جزا یا سزا ملے گی۔

عام طور پر یہ آفتیں پوری قوم پر نازل ہوئیں اور اچھے برے سبھی ان میں مبتلا ہوئے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا عذاب یا قہر بھیجتے ہیں تو بلاتمیز پوری آبادی عذاب کی لپیٹ میں آجاتی ہے"۔ اس کے بعد جب وہ لوگ حشر کے دن دوبارہ جی کر اکٹھے ہوں گے تو پھر وہاں پر ہر فرد کے ساتھ فیصلہ اس کے اعمال ہی کے مطابق ہوگا۔ دراصل ہر چیز اپنی قیامت کی طرف دوڑ رہی ہے۔ (قیامت صغریٰ اور اسباب کی تفصیلات تیسرے باب میں ملاحظہ فرمائیں)۔

3.3 پورے کرہ ارض کی قیامت

چھوٹی چھوٹی علاقائی قیامتوں کے بعد بالآخر پورے کرہ ارض کی قیامت ہوگی جو مقابلتاً بہت ہی بڑی آفت ناگہانی ہے جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اگر چہ ہمارے لئے یہ بہت بڑی تباہی کا منظر ہوگا لیکن کائنات کی وسعتوں میں یہ بھی ایک معمولی نوعیت کا واقعہ ہوگا۔ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور غیر متوقع ہوگا کہ دنیا کے لوگ بوکھلا جائیں گے۔ فرمایا گیا ہے کہ:

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ٥ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ٥ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ

یَرْجِعُوْنَO

اور کہتے ہیں کہ کب آئے گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤO راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ وہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کہ جھگڑوں میں پھنسے ہوں گے O تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔O (سورۃ یٰسین، آیات ۴۸ تا ۵۰)

ان آیات میں ہماری دنیا کی قیامت کا ذکر ہے جس کے ساتھ ہی زندگی کے تمام آثار مٹ جائیں گے لیکن باقی کائنات اپنے مقررہ وقت تک قائم ودائم رہے گی۔ یہ حقیقت کہ ہماری دنیا کی قیامت باقی کائنات کی قیامت سے الگ واقعہ ہے اسکی تصدیق سورۃ رحمٰن سے بھی ہوتی ہے۔اس کی آیات مبارکہ میں ساری کائنات کی قیامت سے جدا انفرادی دنیاؤں کی قیامتوں کی جھلکیاں تواتر سے دی گئی ہیں اور زمین پر رہنے والی انسانیت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہاری باری بھی عنقریب آنے والی ہے۔فرمایا:۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِO

اے زمین کے دونوں بوجھو (مرد اور عورت) ہم جلد ہی تمہارے لئے فارغ ہونے والے ہیں۔

(سورۃ الرحمٰن، آیت ۳۱)

اس آیت مبارکہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی قیامتیں کائنات میں کسی نہ کسی جگہ آتی رہتی ہیں اور ہر دنیا کی قیامت اس کی باری اور مقررہ وقت پر آتی رہتی ہے اور ہماری باری بھی آنے والی ہے۔ یوں یہ آیت مبارکہ ایک قبل از وقت تنبیہ ہے جو اس کرہ ارض کے رہنے والوں کیلئے ہے۔ایسے لگتا ہے جیسے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کائنات کی کسی دوسری دنیا کی قیامت میں مشغول ہے لیکن اہل زمین کا وقت آنے ہی والا ہے۔ہمارے لئے موقع ہے کہ اس سے پہلے معافی مانگ لیں۔(زمینی قیامت کی تفصیلات اور اس کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں کیلئے حصہ دوم ملاحظہ فرمائیں)۔

3.4 درمیانے درجہ کی قیامت

کائنات اس قدر وسیع ہے کہ اس کی مجموعی نسبت میں ہماری زمین کی کوئی حیثیت نہیں، یہ زمین نظام شمسی کا ایک معمولی ستارہ ہے اور ہمارا سارا نظام شمسی ہماری کہکشاں (Glaxy) میں اربوں ستاروں کا ایک معمولی نظام ہے اور ہماری کہکشاں بھی کروڑوں کہکشاؤں میں ایک معمولی کہکشاں ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس عظیم نظام میں کسی ایک کرہ ارض کی قیامت تو کیا اس سے بھی بڑی قیامتیں آتی رہتی ہیں۔ پورے پورے شمسی نظام

اچانک یوں ختم ہو جاتے ہیں کہ کسی دوسرے کو احساس تک نہیں ہوتا کہ کیا ہوا ہے لیکن یہ سب بھی قیامت کبریٰ نہیں۔ درحقیقت یہ سب کچھ ٹوٹل کائنات کی وسعت کی نسبت سے نہایت معمولی واقعات ہیں۔ مثلاً دنیا بھر کی مکھیوں میں سے ایک بھی مکھی مر جائے تو دنیا پر کیا فرق پڑتا ہے۔ یہی حال ہماری زمین کا ہے۔ کائنات میں آسمانی حادثات ایسے ہی ہوتے رہتے ہیں جیسے ہماری سڑکوں پر ٹریفک کے حادثات ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ متعلقہ لوگوں کیلئے یہ بڑی تباہی ہوگی لیکن باقی آبادی کیلئے یہ معمولی خبر ہوتی ہے۔

آج سائنس دیکھ رہی ہے کہ کائنات میں اس طرح کی قیامتیں عام سی بات ہے۔ دوربینوں سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی پورے شمسی نظام کو نیست و نابود کرتا ہے اور اس سے بڑے پیمانے پر ستاروں کے پورے کے پورے جھرمٹ تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان سے بھی بڑھ کر کہکشاؤں یا ان کے کچھ حصوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے لیکن پھر بھی ٹوٹل کائنات میں کوئی ہلچل برپا نہیں ہوتی۔ اسی پروگرام کے مطابق ایک وقت ضرور آنے والا ہے جب ہمارا نظام شمسی بھی تباہ ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ اس بات کا انکشاف کرتی ہے۔

اِذَاالشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ○ وَاِذَاالنُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ○

جب سورج لپیٹا جائے گا○ اور جب تارے دھندلا جائیں گے○ (سورۃ التکویر، آیات ۱۔۲)

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کی زندگی کا لمحہ لمحہ متحرک ہے اور ہمارا رب ہر روز ایک نئی شان و شوکت سے ظاہر ہوتا ہے۔

يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ ○ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

اسی سے سوال کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے○ تو پھر تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ (سورۃ رحمٰن آیات ۲۹ تا ۳۰)

درحقیقت کائنات کی زندگی کا حسن اسی تخلیق در تخلیق کے عمل سے ہے۔ پچھلے دس بیس سالوں میں طاقتور دوربینوں کی مدد سے سائنس دان کسی حد تک کائنات کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے میں کامیاب ہوئے تو عقل ششدر رہ گئی ہے۔ جدھر بھی دیکھا جاتا ہے ادھر قرآن حکیم میں سورۃ الرحمٰن کی آیات (۲۹۔۳۰) کا منظر ہے کہ کیسے ایک کی موت کے ملبہ سے دوسری شاندار دنیاؤں کی تشکیل ہوتی رہتی ہے۔

ابتدائے آفرینش میں ستارے ہائیڈروجن گیس کے سادہ عنصر کے جمع ہونے سے بنتے تھے۔ پھر اندر کے ایٹمی عوامل (Fusion Reaction) کی بناء پر یہ زبردست توانائی کے منبع بن گئے اور ساتھ ساتھ ہائیڈروجن سے بھاری تر عناصر خاص طور پر ہیلیم بننے لگے، جب یہ تمام ستارے تباہ ہوئے تو ان کا ملبہ فضا میں بکھر گیا اور پھر دوبارہ جب یہ ملبہ اکٹھا ہوا تو اب یہ کئی ایک دوسرے عناصر کا بھی مجموعہ تھا۔ ان ستاروں کی موت

سے مزید بھاری عناصر مثلاً آکسیجن، کاربن، نائٹروجن، فاسفورس اور لوہا وغیرہ فضاء میں بکھر گئے اور یونہی یہ سلسلہ ارتقاء اب تک چلتا آرہا ہے۔ چنانچہ آج جو ہمارے جسموں اور زمین کی تشکیل میں بانوے کے لگ بھگ عناصر استعمال ہوئے ہیں تو یہ سب بیشمار ستاروں کی تباہی اور تخلیق کے عمل کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ کا نظام شاندار سے شاندار ترقی کی طرف رواں دواں ہے۔

آیت مبارکہ 55(29) کے الفاظ کہ "ہر ایک جو بیچ آسمانوں اور زمینوں کے ہے وہ اپنے خالق سے سوالی ہے" قابل غور ہیں اور یہ چیز سامنے آتی ہے کہ زندہ مخلوق اس دنیا کے علاوہ باقی سماوات میں بھی ہے جو اپنے رب سے افزائش کی ضروریات کیلئے سوال کرتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو صرف اپنے کرہ ارض تک محدود کرنا ہماری کوتاہ اندیشی ہے۔ یہ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان و شوکت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کوئی جامد قسم کی شے نہیں جو ایک دفعہ بنا دی اور اب اللہ تعالیٰ فارغ یا بے عمل ہو گیا ہے بلکہ یہ چست اور فعالی سلسلہ ہے یا تخلیق در تخلیق کا مسلسل عمل ہے اور عجیب شان و شوکت سے جاری ہے اور یقیناً سب کی باری آنے والی ہے کہ اس توڑ پھوڑ میں بھی حیات آفرینی ہے۔

حقیقت وہی ہے جو قرآن پاک کی سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم اور اس طرح مزید ان کی مدد کیلئے آتے رہیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کا شمار اور حساب نہیں ہو سکے گا درحقیقت اس لامحدود کائنات میں لامحدود ارتقاء کا عمل جاری ہے جس کا مقصد اس کے خالق کی منشاء تک پہنچنا ہے۔ اسی منشاء کا ایک معمولی حصہ ہمارا موجودہ نظام شمسی ہے جو کسی پرانے نظام شمسی کی تباہ کاری کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا تھا اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہمارے جسموں کی مٹی بھی ان گنت ستاروں کی قربانیوں کے بعد وجود میں آئی ہے یوں ان کا مقصد حیات ہماری ذات تھا۔ بالآخر ہر کمال و زوال کے مصداق کائنات اپنے ڈیزائن کی انتہا کو پا کر اپنے انجام کار کو پہنچ جائے گی جس کو ہم قیامت کبریٰ کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اس عظیم ارتقائی سفر کو یوں فرماتا ہے کہ:

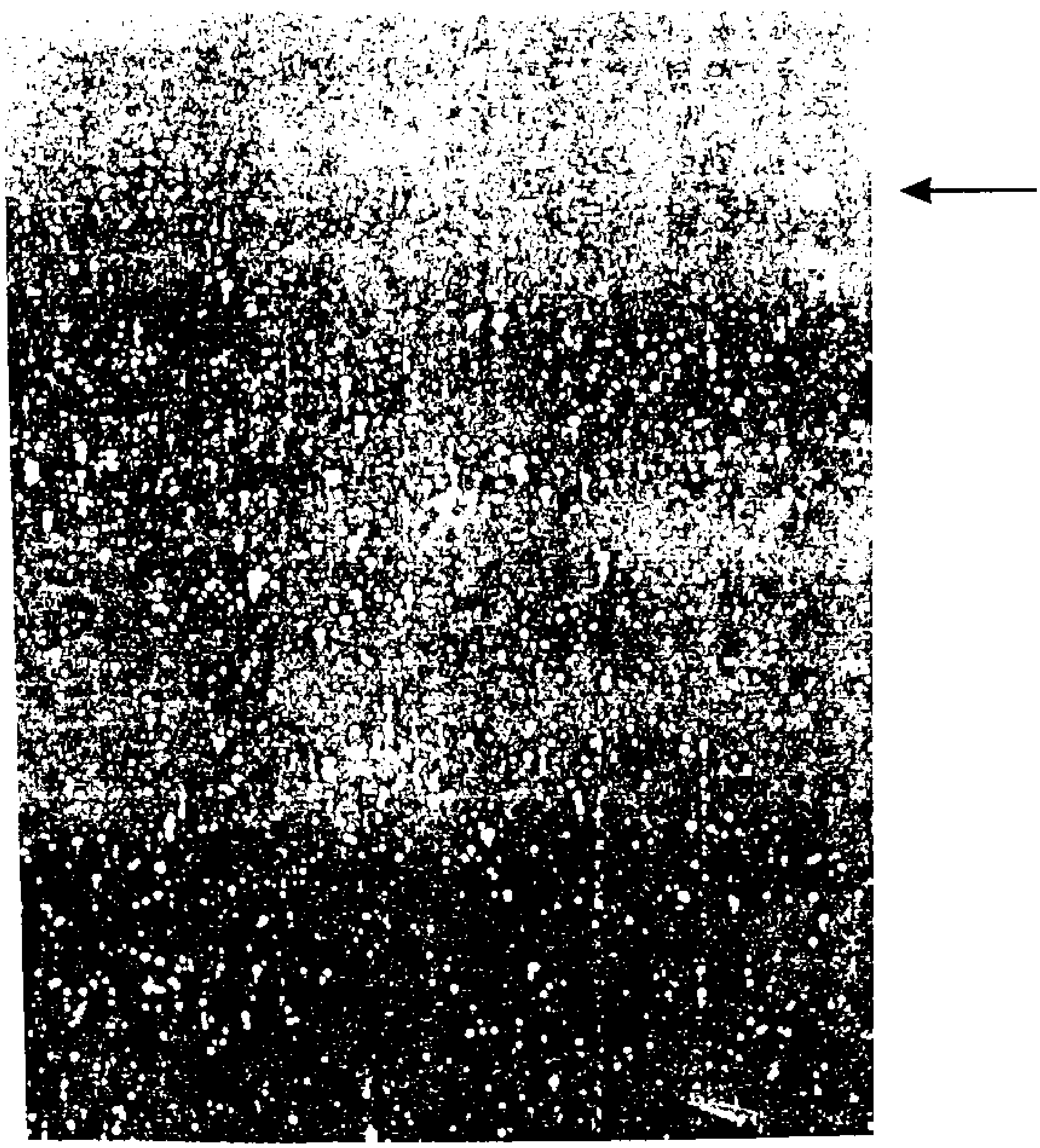
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝

یقیناً تم طبق پر طبق چڑھتے جاؤ گے (سورۃ انشقاق آیت ۱۹)

اس سارے نظام میں کسی ایک ستارہ یا سیارہ کی قیامت صغریٰ ایک معمولی بات ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں ابھی تک انسانی علم بہت محدود ہے۔ ایک بڑی ٹیلی سکوپ یعنی دوربین سے بھی ہم آسمانی دنیا کے ایک چھوٹے سے حصے کو تو دیکھ سکتے ہیں، اس سے آگے کیا ہوگا کوئی نہیں جانتا۔ بقول علامہ اقبال "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" البتہ ماہرین فلکیات قرآن پاک کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سماوات ایک اثر آفرین محرک نظام ہے جس میں حیات و ممات کا سلسلہ ہر آن جاری ہے۔

شکل نمبر 5: کائنات میں قیامتوں کا آنا روزمرہ کا واقعہ ہے

کائنات کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ روشنی کی شعاع جس کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے اگر ہمیشہ بھی چلتی رہے تو اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک شاید کبھی بھی نہ پہنچ سکے۔ جدید سائنس کے مطابق ستاروں کی تعداد زمین کے اوپر ریت کے تمام ذرات سے بھی زیادہ ہے ستاروں کے ٹوٹنے پھوٹنے اور ٹوٹ کر بننے کا عمل بھی شروع سے مسلسل رہا ہے۔ یوں قیامت ہر ستارے کی قسمت کا حصہ ہے۔اس شکل میں آسمانی دنیا کا تھوڑا سا نظارہ ہے۔ اس میں دائیں ہاتھ اوپر ایک قیامت زدہ ستارہ نظر آتا ہے، جس کی تصویر آسٹریلیا کے مسٹر کرس فلڈ نے اپنی گھریلو دوربین کی مدد سے ۱۹۸۶ء میں لی تھی۔اسی طرح ہر وقت لاکھوں ستاروں کے جہاں اپنی اپنی قیامت میں سے گزر رہے ہیں۔



3.5 انجام کار کا واقعہ یعنی قیامت کبریٰ

قیامت کبریٰ موجودہ کائنات کا ڈراپ سین ہوگا اس کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو جائے گا کوئی سورج کوئی کہکشاں کوئی دنیا باقی نہ رہے گی۔ قرآن پاک کے مطابق بس ایک دھماکہ ہوگا اور یہ سب کچھ بھسم ہو جائے گا ماسوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ نیچے دی گئی آیات مبارکہ موجودہ کارخانہ قدرت کی اس مکمل تباہی کی پیش بینی کرتی ہیں۔ جن کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ م لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت نہ کر، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے۔ حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے O (سورۃ القصص، آیت ۸۸)

اس آیت مبارکہ میں لفظ "كُلُّ شَيْءٍ" قابل غور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تباہی ایسی ہوگی کہ ہر چیز نیست و نابود ہو جائے گی اور اس میں ہرگز کوئی استثناء نہیں۔ یہی بات سورۃ الرحمٰن کی آیات (۲۶۔۲۷) میں بھی ہے۔ چنانچہ انجام کار واقعہ یہ ہے کہ موجودہ طبعیاتی کائنات ختم ہو جائے گی اور پھر وہی صورت ہو جائیگی جہاں سے معاملات شروع ہوئے تھے یعنی وہ صورت جو کائنات کی تخلیق سے پہلے تھی۔ کچھ نہیں ہوگا ماسوائے صرف اللہ کے۔ تفصیلات کیلئے اگلے ابواب دیکھیں۔

3.6 نئی کائنات

اس بڑی قیامت کے بعد ایک نئی قسم کی کائنات کی تخلیق کا عمل ظہور پذیر ہوگا جس پر سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 48 اسطرح روشنی ڈالتی ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O

جس دن زمین بدل دی جائیگی غیر زمین سے اور آسمان بھی۔ اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ کے سامنے جو سب پر غالب ہے O (سورۃ ابراہیم، آیت ۴۸)

قرآن پاک کی یہ آیت ایک اہم صورتحال کی نشاندہی کرتی ہے وہ یہ کہ ہمہ گیر قیامت کے بعد ایک نئی کائنات وجود میں آئے گی۔ ممکن ہے وہ موجودہ کائنات کے ریزوں اور ملبہ ہی سے بنے لیکن یہ موجودہ کائنات سے بہت بڑی اور بہت مختلف ہوگی۔ وہاں کے زمین و آسمان موجودہ

زمینوں اور آسمانوں سے مختلف ہونگے وہاں کے قوانین بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔شاید مشابہت اور اسلوب میں کچھ یک رنگی بھی ہو لیکن تفصیلات میں بہت فرق ہو گا جنہیں موجودہ سائنس کی مدد سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔نئی کائنات میں پرانی کائنات کے تمام زمان و مکان کے رہنے والوں کو دوبارہ زندگی دی جائے گی سب اپنی سابقہ زندگی کے حساب و کتاب کیلئے پیش ہوں گے۔ان کے اعمال خود ان کی گواہی دیں گے۔یوں اگرچہ نئے زمینی اور آسمانی خطوں کے اپنے اپنے انداز ہوں گے لیکن مستقبل کے یہ جہاں بھی ماضی کے سایوں سے تشکیل پائیں گے۔

اس کائناتی زمان و مکان کے سفر میں انسان کی مقصدیت ازلی ہے۔وہ اگرچہ زمینی حیات کے بعد باقی کائنات کے انسانوں کیلئے غائب ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت فرد اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے اس سفر کا ایک شاندار باب نئی کائنات کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے جب وہ اپنے بھاری بھرکم جسم سے نجات حاصل کر کے روشنی سے زیادہ تیزی کی قابلیت حاصل کر لیتا ہے۔

عالم برزخ میں اس کی روح زمین و آسمان میں اپنے خالق کی تخلیقات کے نظاروں کیلئے کھلی چھوڑ دی جاتی ہے لیکن یہ وہی ہوں گے جو زمینی حرص، حسرتوں اور گناہوں کے بوجھ سے پاک ہوں گے ورنہ ان کی دنیاوی زندگی کی غیر مکمل ادھوری خواہشات انہیں زمین کے ساتھ چمٹا رکھیں گی۔وہ اسی جہاں میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ان کی قبر ان پر تنگ ہوتی جائے گی اور ان کی حریص زندگی مختلف قسم کے خواب بن کر ان کے نفس کو ہر وقت عذاب میں مبتلاء رکھے گی۔ان کے برعکس وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کی نگاہ دنیا پر رہتے ہوئے بھی عرش بریں کے راستوں پر تھی وہ عالم برزخ میں اپنے دل پسند راستوں پر سفر جاری رکھتے ہوئے اپنے خالق کی عظیم تخلیقات سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔وہاں زمان و مکان ان کی سواری ہوں گے۔قرآن حکیم اور اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث میں جگہ جگہ اس عظیم مستقبل کی تفصیلات دی گئی ہیں جو اس کتاب کے تیسرے حصے کا موضوع ہیں۔

وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عالم برزخ کے درمیانی وقفہ میں نیند طاری کر دی جاتی ہے ان کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت مبارک ہے:

قَالُوا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ‎O‎ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ‎O‎

کہیں گے ہائے افسوس کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا (انہیں بتایا جائے گا) یہ ہے وہ جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا تھا O وہ تو صرف ایک چنگھاڑ ہوگی پس وہ تمام کے تمام ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے O (سورہ یٰسین، آیت ۵۲۔۵۴)

3.7 عالم قبور یا عالم برزخ

سورۃ یسین کی آیہ مبارک 36(52) میں اجداث کا ترجمہ ہم نے اپنے اپنے مقام سے کیا ہے۔ اجداث دراصل عالم برزخ میں روحوں کے ٹھکانے ہیں انہی کو قبر یعنی ٹھہراؤ کی جگہ کہا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری زبان اردو میں قبر کے جو معنی لئے جاتے ہیں وہ انتہائی محدود ہیں۔ قبر صرف مکان نہیں بلکہ زمان و مکان کا مجموعہ ہے جس میں ہر روح یا نفس کیلئے علیحدہ علیحدہ درجات ہیں۔

عالم برزخ میں موت سے یوم حشر تک کے تمام عالم موجود ہیں۔ اسکی وسعت تمام موجودہ کائنات ہے۔ بدقسمت گنہگاروں کیلئے عالم برزخ قبر کا جیل خانہ ہے اور خوش قسمت مومنوں کیلئے یہ کائنات بھر کی سیر ہے۔

3.8 یوم الدین

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ یوم الدین نئی کائنات کی ابتدائی منزل ہے اور ہمارے موجودہ کاروان حیات کا آخری مرحلہ ہے۔ یہ تمام چھوٹی بڑی قیامتیں اور ناگہانی آفات کی آخری منزل ہے اور یہی ساری کائنات کی تقدیر کی تعبیر ہے اور یہیں سے نئے نظام قدرت کی بسم اللہ ہوگی جو موجودہ کارخانہ قدرت سے ہر لحاظ سے وسیع تر زیادہ شاندار اور پر شکوہ جہاں ہے۔ اس کا آغاز یوم الحشر سے ہوگا جہاں تمام انسان زمان و مکان کی ہر کھوہ سے بھاگتے ہوئے پہنچ جائیں گے۔ وہاں لوگوں کے اجسام اور ارواح کا دوبارہ اتصال ہوگا۔ اعمال تولے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے نتائج کے مطابق متعلقہ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔ یہ الگ الگ کرہ حیات ہوں گے جو حسب ذیل ہیں۔

3.8.1 جنت

یہ اعلیٰ ترین مقام ہے۔ رب العالمین کا مہمان خانہ ہے۔ یہ موجودہ تین سمتی (Three Dimensional) کائنات کا حصہ نہیں بلکہ اس کے متوازی کسی اور سمت کی دنیا ہے جس کی وسعت موجودہ تمام کائنات سے زیادہ ہوگی۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ موجودہ کائنات ہی اس قدر بڑی ہے کہ روشنی پندرہ ارب سال بھی چلتی رہے تو پھر بھی اس کا دوسرا کنارہ نہیں پاتی۔ جنت میں کئی درجات ہیں لیکن اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ موجودہ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ تصور سے زیادہ عالیشان اور پر شکوہ ہے۔

3.8.2 جہنم

یہ جنت کے بالکل الٹ مقام ہے۔ اگر جنت خوشیوں کی معراج ہے تو جہنم غموں اور دکھوں والا مکان ہے۔ اس کی وسعت اور

درجات کا بھی کوئی حساب نہیں۔ سزا یافتہ اپنے اپنے جرم کی سنگینی کے مطابق مختلف درجات میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ یہ جنت کے مخالف سمت (Opposite Dimension) کی دنیا ہے۔

3.8.3 اعراف

یہ جنت اور جہنّم کے درمیانی سمت کا نام ہے دوزخ سے رہائی پانے والے خوش قسمت اس سے گزر کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اعراف میں جنت اور دوزخ دونوں کے نظارے نظر آئیں گے۔

دنیا پر انسان جنت، جہنّم اور اعراف کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں۔ ہماری سوچ اور علم کی حد ہمارے مشاہدہ تک ہے اس لئے دیگر سمتوں کے ماحول کے اصل حالات اللہ ہی جانتا ہے لیکن سمجھانے کی خاطر زمینی تمثیلات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بے شمار جگہ وہاں کی تفصیلات کو واضح کیا ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ نئی کائنات میں نئی حیات اچانک نمودار ہوگی جس کا ذکر سورۃ یٰسین کی آیات ۵۲ اور ۵۳ میں ہو چکا ہے۔

3.8.4 حشر کا دن

حشر کا دن ہماری موجودہ دنیا کے ہزاروں بلکہ لاکھوں سالوں سے بھی زیادہ طویل ہوسکتا ہے۔ یہ ایسا دن ہوگا جہاں ہر نفس کو اس کے ان اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا جو اس نے پہلی زندگی میں کیئے تھے۔ یوں دنیاوی زندگی ہمیشہ کی حیات کیلئے ایک امتحان گاہ ہے۔ جو مطلوبہ معیار کو پہنچ گیا اس کیلئے درخشاں مستقبل کی ضمانت ہے۔ جو مطلوبہ معیار سے گر گیا وہ جہنّم کی بھٹی میں پگھلنے کیلئے ڈال دیا جائے گا۔ جب الائش اور گندگیاں دھل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ (انشاء اللہ) اپنی رحمت سے جسے چاہے گا اعراف سے گزار کر جنت میں پہنچا دے گا۔

3.8.5 جزا کا دن

حشر کے بعد جزا کا عمل شروع ہوگا۔ یہ دن بڑا سخت ہے ہر ایک پریشان ہوگا سب کو اپنے اعمال حقیر نظر آئیں گے۔ صرف اور صرف اللہ کی رحمت پر نظر ہوگی۔ جہاں کسی کے اعمال کی پوچھ گچھ نہ ہوگی بلکہ سبھی فیصلہ کے منتظر ہونگے۔ اس کا حال قرآن پاک کی سورۃ رحمٰن کی آیات ۳۹۔۴۰ میں ہے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ O فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O

پھر اس دن کسی سے اس کے گناہ کی پوچھ گچھ نہ ہوگی نہ انسانوں سے اور نہ جنوں سے O تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے O (سورۃ الرحمٰن آیات ۳۹۔۴۰)

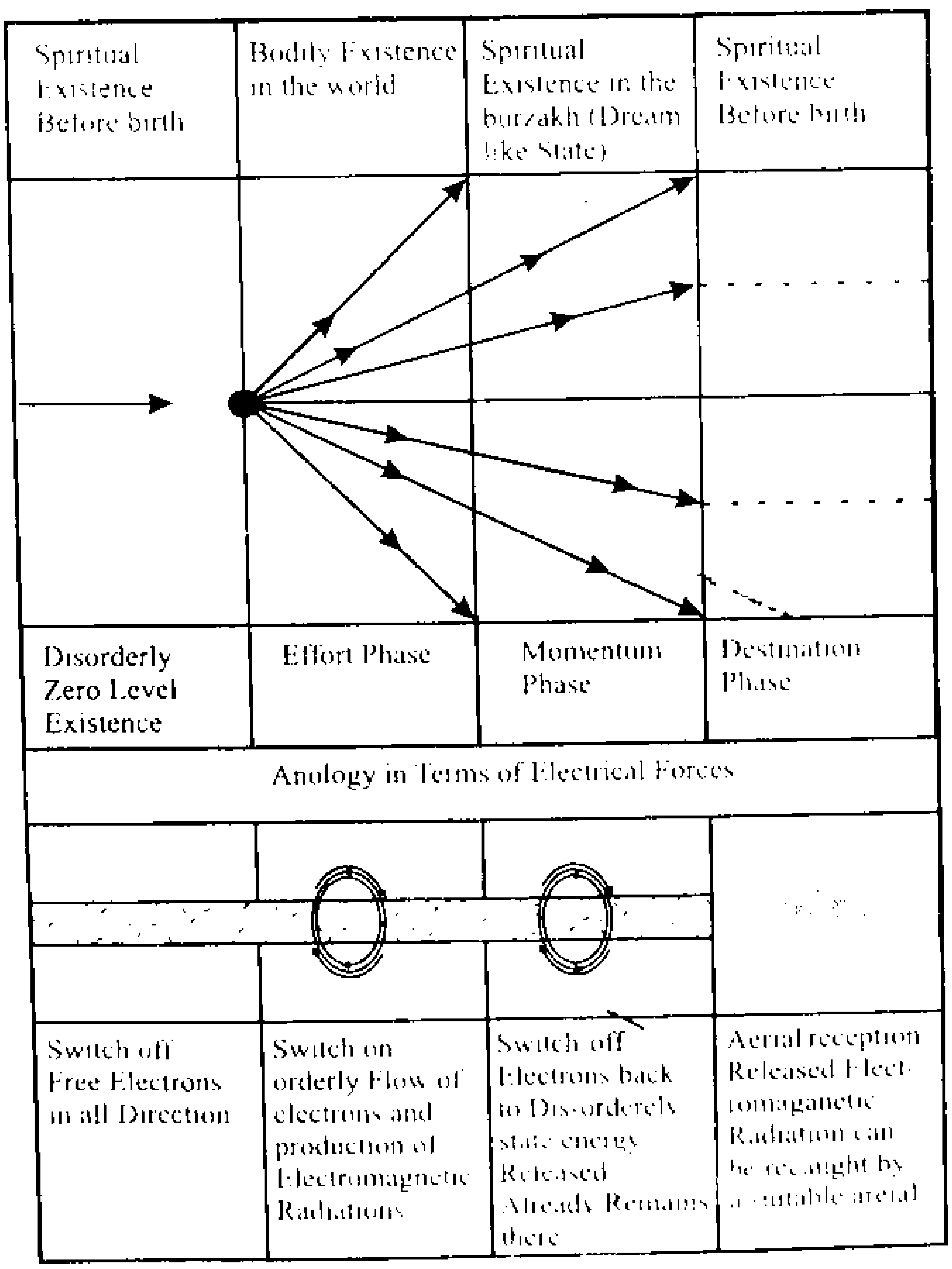
نتائج کے اعلانات کے بعد انسانوں اور جنوں کو اپنے اپنے مقامات پر بھیجا جائے گا۔ کچھ جنت میں جائیں گے کچھ جہنم میں۔ اس دن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ موت کو بھی موت دی جائے گی اور یوں ایک دائمی کائنات اور دائمی زندگی کا شاندار آغاز ہوگا۔ یہ دن مومن کیلئے خوشیوں کا دن ہوگا اور گناہگاروں کیلئے ہمیشہ رہ جانے والی افسردگی اور حسرت کا دن جب گناہگار جہنم کے مقام پر پہنچیں گے تو انہیں یاد دلایا جائے گا۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ O يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ O

یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر وہ ہمیشہ اسکے اندر طواف کرتے رہیں گے (آگ) اور انتہائی کھولتے ہوئے پانی کے درمیان O (سورۃ رحمٰن آیت ۴۳ تا ۴۴)

شکل نمبر6: انسانی نفس، زندگی اور موت کے مرحلات کی تمثیل

قرآن کریم میں انسان کی نسبت سے روح کو نفس کہا گیا ہے یعنی نفس دنیاوی اثرات کے نتیجہ میں روح کی آخری حالت ہے انسانی روح جب نطفہ (Embryo) میں داخل ہوتی ہے تو اس کا امتحان شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ ارضی حیات انتہائی مختصر وقفہ ہے لیکن نفس کے بنانے یا بگاڑ میں یہ اہم ترین موقع ہے۔ جس کے بعد نفس عالم برزخ میں داخل ہوجاتاہے اورجس سمت میں اس کا رجحان دنیا میں تھا اسی سمت میں رہتا ہے۔برزخی سفر کے بعدوہ روزجزا میں پہنچ کر اپنے اعمال کے مطابق جزاوسزا پاتا ہے اور اپنے ڈیزائن کے مطابق جسم کے ذرات سے مل کر اپنی پرانی انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ زندہ جسم کی مثال بجلی سے چلنے والی مشین کی مانند ہے۔ موت وہ حالت ہے جب بجلی کابہاؤ ختم ہوجاتا ہے۔ جب تاربیٹری سے جڑی ہوتی ہے تو اس میں موجود بے ترتیب الیکٹران یک سمتی نظام میں آکر حرکت میں آجاتے ہیں۔ جن سے مقناطیسی لہریں نکلتی ہیں۔ جب تار بیٹری سے ٹوٹ جائے تو اس کے اندر کے الیکٹران دوبارہ بے ترتیب حالت میں آجاتے ہیں لیکن نکلی ہوئی مقناطیسی لہریں واپس نہیں جاتیں بلکہ فضاء میں اپنا سفرجاری رکھتی ہیں جنھیں مناسب ائرئیل سے دوبارہ بجلی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ایساھی معاملہ ہمارے نفس اور جسم کاہے۔



باب نمبر 4

دنیا پر مصائب کی حقیقی وجوہ اور علاج

مصائب رنج وغم اور فکر انسان کے ساتھ ہیں۔ان کا دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ان کی کیفیت آثار و اسباب (Cause and Effects) کے اصول کے مطابق ہے۔ان کی بنیاد ہماری تقدیر ہے اور ان کے اثرات ہمارا تقدیر پر ردعمل ہے۔یوں کبھی یہ امتحانی پرچہ ہیں اور کبھی امتحان میں ناکامی کی سزا ہیں یعنی ان کا تعلق خالصتاً انسان کی اپنی ذات سے ہے اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے مصائب کا ذمہ دار نہیں۔حکم ربی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اور اللہ تعالیٰ ایک ذرّے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دوگنی کرتا ہے۔اور اس کے علاوہ اسے بڑا اجر دیتا ہے ۝ (سورۃ النساء، آیت ۴۰)

ہر انسان کیلئے یہ نہایت اہم سوال ہے کہ دنیا پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟ کیوں آفات ناگہانی آتی ہیں جو چند لمحوں میں ہزاروں لوگوں کو ہلاک کر دیتی ہیں؟ وہ کس قسم کا رب ہے جو اپنی ہی مخلوق کو سزا دیتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو کبھی نہ کبھی ضرور ذہن میں آتے ہیں کچھ لوگ کھلم کھلا کہتے ہیں اور کچھ لوگ اندر ہی اندر شکایت کرتے ہیں لیکن کون ہے جسکے ذہن میں کبھی ایسے سوال نہ اٹھتے ہوں۔فرق صرف حد ادب اور صبر کا ہے۔

جیسا کہ اوپر دی گئی آیت مبارکہ سے ظاہر ہے قرآن پاک اس سلسلہ میں برملاء وضاحت کرتا ہے کہ انسان کے مصائب کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار نہیں۔اس کی صفت تو "رحم وکرم" ہے وہ رحمٰن ورحیم اور کریم ہے اور خود فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے۔ایسا مہربان خالق بھلا اپنے ہی بندوں پر کیوں ظلم کرے گا۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کافر بندے سے بھی اس کی ماں سے ستر (۷۰) گنا زیادہ محبّت کرنے والا ہے۔وہ ظلم سے مبراء ہے۔اس نے اپنی ذات پر مہربانی لازم کر لی ہے۔یہ صحیح ہے کہ باغیوں کیلئے وہ جبار بھی ہے اور قہار بھی ہے لیکن ہر حال کے لئے اس نے اپنی رحمت کو اپنے غضب پر فوقیت دی ہے۔

اس لئے انسان پر آنے والے سب مصائب اسکی اپنی وجہ سے ہیں اور وہ اپنی بدقسمتی کا خود ذمہ دار ہے۔یہ قرآن حکیم کا اعلان ہے۔ اگر بات یہ ہے تو سوال کرنیوالے کہیں گے کہ انسان پر ان بدقسمتیوں کی ذمہ داری کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ خاص کر جب انسان فطری طور پر اپنے

فائدہ کے لئے بہت ہی لالچی ہے۔ ہمیشہ اپنے ہی فائدے کی بات سوچتا ہے تو پھر وہ اپنی بدقسمتی کا کیسے موجد ہوگا یعنی وہ ایسے عمل کیوں کرے گا جو اسے تباہی کی طرف لے جائیں گے؟

4.1 مصائب کی وجہ اور علاج

قرآن پاک ان تمام باتوں اور سوالوں کے جواب بڑے پیارے انداز میں واضح کرتا ہے۔اس کے پیغام کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو ازخود معلوم نہیں کہ اس کیلئے کیا بہتر ہے اور کس میں نقصان ہے۔ بھلائی کس میں ہے اور برائی کس میں ہے؟ بلکہ وہ اپنی خواہشات کی اندھادھند دوڑ میں تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش اور بقول مرزا غالب" ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے" وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے چکر ہی میں ساری زندگی کھو دیتا ہے۔اگر ایک ہی انسان ہوتا تو پھر بھی امن رہتا لیکن کروڑوں انسانوں کی خواہشات کا آپس میں ایسا ٹکراؤ ہے کہ ان سب کی تگ ودو ایک دوسرے کے خلاف جاتی ہے۔اکثر افراد کا مفاد معاشرہ کے مفاد سے ٹکراتا ہے اور یہی ٹکراؤ انسانی مصائب کا سب سے بڑا سبب ہے۔اس لحاظ سے وہ چھوٹے بچوں کی طرح ہیں۔والدین جانتے ہیں کہ تعلیم بچوں کیلئے کس قدر ضروری ہے لیکن اگر بچوں کا بس چلے تو پڑھنے کی بجائے وہ کھیل کود کی طرف دھیان دیں لیکن ماں باپ بچے کو زبردستی سکول بھیجتے ہیں اور کتابوں پر دھیان دینے کیلئے اسے مجبور کرتے ہیں۔اگر چہ بچے اس وقت یہ بات ناپسند کرتے ہیں لیکن بڑے ہونے پر اپنے بچوں کو وہ خود بھی لہو ولعب سے منع کرتے ہیں۔

کچھ یہی حال انسانیت کا ہے۔صرف ان کا خالق ہی یہ جانتا ہے کہ بندوں کیلئے ان کی دنیاوی زندگی میں کیا بھلا ہے جو یہاں بھی اور آخرت میں بھی کام آئے گا۔اس لئے کمال مہربانی سے وہ ہر زمانہ اور ہر خطہ میں انسانوں کی راہنمائی کیلئے انسانوں ہی میں سے اپنے رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجتا رہا ہے جو وحی کے ذریعے ان تک اپنے رب کا پیغام پہنچاتے رہے ہیں۔خیر وشر میں فرق سمجھاتے رہے اور لوگوں کیلئے صراط مستقیم کی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔جونہی پہلے نبی کی تعلیم بھول گئی یا نئے تقاضے ابھر آئے تو رب کریم نے نئے سفیر مبعوث کر دئے۔ان سب کے آخر میں خالق کائنات کے ڈیزائن کی معراج یعنی آخری نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راہ ہدایت کی تکمیل کیلئے بھیجے گئے۔آپ نے فرمایا "مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ سے اوپر پیغمبر بھیجے۔" آپ نے ان سب کی تعلیم کو مکمل کر دیا، آپ کی بعثت کی خبر آپ سے پہلے ہر آنے والے رسول نے دی تھی۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نازل ہوئی جس کا نام "قرآن الحکیم" ہے۔یہ تمام نبیوں کی تعلیمات کا تفصیلی صحیفہ ہے جو قیامت تک انسانیت کی ہدایت کیلئے کافی ہے۔اس کا حرف حرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیل امین اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا تھا۔اب دنیا میں یہی ایک صحیح الہامی کتاب ہے۔باقی مذاہب کے ماننے والے بھی اپنی کتابوں کی صحت کے بارے میں خاموش ہیں۔اس لئے قرآن پاک ہی وہ تازہ ترین راہنمائی ہے جس پر چل کر انسان ایک بے خطر اور بہتر مستقبل پا سکتا ہے اور ان کے سب مصائب کا علاج اس میں

موجود ہے۔ اگر انسانیت اس کتاب کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرے گی تو وہ ہمیشہ حفاظت سے رہے گی۔ مصائب و آلام اس کے جسم کو چھو تو سکتے ہیں لیکن انسان کی روح ان سے آزاد رہے گی۔ بے شک جو اللہ کے بندے ہیں انہیں نہ تو خوف ہے اور نہ کوئی غم ہوگا۔ اگر وہ اس زندہ و جاوید راہنمائی کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ تجویز یا اختیار کر لیتا ہے تو وہ آنے والی آفات، آلام اور مصائب کا خود ذمہ دار ہے۔

4.2 فرد اور قوم کی جزا و سزا

قرآن پاک یہ بھی بتاتا ہے کہ روز محشر ہر فرد کا علیحدہ علیحدہ حساب ہوگا اور جو کچھ اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں کمایا ہوگا اس کے مطابق جزا و سزا مل جائے گی وہاں قوموں کا حساب نہیں ہوگا۔ قوموں کیلئے یہی دنیا مکافات عمل ہے۔ جب ایک فرد اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ شاید اس زندگی میں سزا سے بچ جائے لیکن جب معاشرے کی اکثریت یا پوری قوم اللہ تعالیٰ کے اوامر کی نفی کرتی ہے تو اسے ضرور اس کے گناہوں کی اجتماعی سزا ملتی ہے۔ جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو گنہگار اور نیک سبھی اس میں پس جاتے ہیں بلکہ ایسی آبادیوں کے نام نہاد نیک لوگوں پر عذاب پہلے آتا ہے۔

" حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ پچھلے زمانوں میں کسی قوم کی بڑھتی ہوئی برائی اور اصول خداوندی سے بغاوت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان پر عذاب لانے کا حکم دیا۔ اس پر فرشتوں نے کہا کہ "یا اللہ! اس قوم میں تو تیرے کچھ نیک بندے رہتے ہیں۔ عذاب میں تو وہ بھی تباہ ہو جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میرے ان نام نہاد نیک بندوں کو سب سے پہلے سزا دینا اس لئے کہ وہ اپنی نیکی کے زعم پر قناعت کر کے بیٹھے رہے اور انہوں نے بدی کو روکنے کی کبھی کوشش نہ کی۔"

قرآن پاک کے مطابق جب کسی معاشرے کی اکثریت اخلاقی پستی کی حدیں پھلانگ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قانون کو نظر انداز کرتی ہے تو ان کیلئے تباہی اور آفت ناگہانی مقرر ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ اس کے بعد بھی ان کو سدھرنے کے مواقع مہیا کئے جاتے ہیں اور تنبیہہ کے طور پر چھوٹے چھوٹے عذاب آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کو مختلف طریقوں سے آزمایا جاتا ہے اور راہ راست پر آنے کا موقع دیا جاتا ہے لیکن متواتر جب وہ لوگ ثابت کر دیتے ہیں کہ اب وہ ہدایت پر آنے کے قابل نہیں رہے تو پھر بڑے عذاب کا کوڑا برس پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں قرآن پاک بار بار قوموں کی ان بداعمالیوں کا ذکر کرتا ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے قانون خداوندی سے بغاوت کی بالآخر وہ ذلیل و خوار ہوئے اور پھر صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ ان کی جگہ نئی نسلیں آئیں۔ جب تک یہ لوگ قانون قدرت کے سلسلے میں فکرمند رہے وہ امن اور خوشی سے رہے لیکن جب انہوں نے بھی اخلاقی پستی اختیار کر لی تو بالآخر وہ بھی مٹ گئے اور پھر یہ خلاء پر کرنے کیلئے ان سے بہتر لوگوں کو آگے لایا گیا۔

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ O

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے ہم قوم شعیب (علیہ السّلام) کو بھیجا تو اس نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو O تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں زبردست زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے O

(سورۃ العنکبوت، آیت ۳۶ تا ۳۷)

عذاب کی ایک اور قسم کا ذکر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۳۸ میں ہے۔ یہ واقعہ قوم عاد وثمود کا ہے جو اپنے زمانوں کی بڑی طاقتور قومیں (Super Powers) تھیں لیکن آخر کار انہوں نے بھی اپنے کرتوتوں اور اللہ کے قانون کی بغاوت کی وجہ سے قدرتی بلائے ناگہانی کا مزہ چکھا اور ذلیل وخوار ہو کر تباہ و برباد ہو گئیں۔

وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ قف وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ O

اور قومِ عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں۔ اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں بھلے کر دیے۔ اور انہیں حق کی راہ سے روکا اور انہیں سوجھ گیا تھا O (سورۃ العنکبوت، آیت ۳۸)

انہی تاریخی دستاویزات (Case History) میں قوم فرعون کا قصہ ہے ان پر پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب آئے۔ آخر کار افواج سمیت فرعون سمندر میں ڈبو دیا گیا اور یوں وہ ظالم قوم ذلیل وخوار ہو کر مظلوموں سے مغلوب ہو گئی۔

4.6 عذاب کی اقسام

قرآن کی سورۃ العنکبوت کی آیت چار مختلف اقسام کے عذاب بیان کرتی ہے۔ جس سے کئی باغی اور بدکار قومیں دوچار ہوئی ہوں گی اور اب بھی ہو سکتی ہیں۔ فرمایا:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ج وَمَا كَانَ اللّٰهُ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَO

پھران میں سے ہرایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا۔پس ان میں سے کسی پر ہم نے سنگباری کرائی اور ان میں سے کسی کو دھماکہ خیز آواز نے لے لیا اور ان میں سے کسی کو زمین میں دھنسا دیا۔اور ان میں سے کسی کو ڈبو دیا اور اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے البتہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔O

(سورۃ العنکبوت، آیت ۴۰)

4.7 سائنس صحیح اسباب بتانے سے قاصر ہے

بلائے ناگہانی جن کا ذکر ان آیات مبارکہ میں ہے آج کل بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔اگر آج ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغمبر موجود ہوتا تو وہ کھلے طور پر ان آفات کے اسباب پر روشنی ڈالتا لیکن اب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لئے ہمارے زمانہ میں دانشوروں اور علماء حق پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسی آفات کا قرآن پاک میں بیان شدہ انکشافات کی مدد سے جائزہ لے کر ان کے اصل اسباب کی پہچان اور شناخت کرائیں تاکہ انسانیت کو ایسے المیوں اور مصیبتوں سے بچایا جا سکے۔ جہاں تک سائنس کا تعلق ہے افسوس کہ اس کی سوچ ابھی تک صرف مادیت میں الجھی ہوئی ہے اگرچہ ایٹمی ذرات اور بنیادی قوتوں کی تحقیق کے بعد وہ دن دور نہیں جب اس کی اگلی جست روحانیت کی دنیا میں ہوگی۔

مشہور سائنس دان ہیزن برگ (Hezen Burg) نے قدرت کا یہ قانون دریافت کیا تھا کہ سائنس دان خواہ جس قدر زور لگا لیں کبھی بھی چیزوں کی اصل ماہیت تک نہیں پہنچ سکتے نہ ہی کسی چیز کی حقیقت کا صحیح ترین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ان کی اس دریافت نے یہ مفروضہ غلط قرار دیا کہ سائنس ہر چیز کی تہہ تک پہنچ سکتی ہے۔اس اصول کو ہیزن برگ کا غیر یقینیت کا قانون (Hezen Burg 's Law of Uncertainty) کہتے ہیں۔

یوں جیسے جیسے سائنس ترقی کر رہی ہے اسے کائنات کی پیچیدگیوں اور وسعتوں کا زیادہ علم حاصل ہو رہا ہے ویسے ہی اسے اپنی کم مائیگی کا احساس بھی ہوتا جا رہا ہے۔مثلاً 1980ء کی دہائی سے یہ بات شدت سے محسوس کی جانے لگی ہے کہ سائنسی اصول صرف مادہ نظاموں کی تفصیل بتا سکتے ہیں۔مثلاً سائنس یہ تو بتا سکتی ہے کہ بارش کیسے ہوتی ہے؟ بادل کیسے بنتے ہیں؟ لیکن اگلے لمحے بادلوں کو کیا ہوگا؟ یہ نہیں بتا سکتی۔ایک ہی درخت پر سبھی پھول ایک جیسے کیوں نہیں ہوتے؟ اس سوال پر خاموش ہو جاتی ہے۔گیس کے ایک خاص مالیکیول کو دوسرے لمحے کیا ہوگا؟ الیکٹران کیا کرنے والا ہے؟ اب یہ باتیں سائنسی اصولوں سے باہر نظر آنے لگی ہیں۔یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ سائنس کا دائرہ کار خصوصی سطح (Average

Level) تک تو ضرور ہے لیکن عمومی سطح (Wholistic) پر یہ غیر یقینی علم ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بڑے بڑے نظام مثلاً زمینی موسم، اس کی آبادی، کائناتی ماحول وغیرہ جو ہزاروں چھوٹے چھوٹے نظاموں سے مل کر بنتے ہیں، ان کے رویے کے بارے میں کچھ یقین سے کہنا سائنس کیلئے مشکل ہے بلکہ کچھ سائنسدان اس نظریہ کی طرف آرہے ہیں کہ شاید ہر چیز کا اپنا نفس (Mind) ہے جو کسی حد تک فیصلہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس حد تک وہ کسی سائنسی قانون کا پابند نہیں۔ شعور کی اس صلاحیت کو موجودہ سائنس نے گیا (GYA) کا نام دیا ہے۔

ان سائنسدانوں کے مطابق زمین کی اپنی "گیا" ہے جو اس کی آبادی، فصلات، موسم، گرمی اور سردی کو کنٹرول کرتی ہے اس طرح شمسی نظام کی اپنی گیا ہے اور ستاروں کی اپنی۔ یہ اس کی گیا ہے جو اسے تباہ کن واقعات پر آمادہ کرتی ہے جس کا نتیجہ کبھی شدید زلزلے کبھی آتش فشانی اور کبھی طوفانوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ یوں سائنس طبیعاتی قیود سے باہر بھی سوچنے لگی ہے اور شاید وہ وقت دور نہیں جب سائنس اسلام کی سچائی تک پہنچ جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ کام جلدی ہوسکتا ہے اگر مسلمان سائنسدان آگے بڑھیں اور قرآن حکیم کی سچائیوں سے سائنس کی دنیا کو واقف کرائیں۔ اس طرف ایک اہم قدم یہ ہوگا کہ انسانی مصائب کی قرآن حکیم کی روشنی میں صحیح تشخیص کی جائے اور سائنس کی سوچ کو مادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ روحانی حقائق سے بھی روشناس کرایا جائے۔ قرآن پاک کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "معاشرے کو ان کے اپنے ہی اعمال اور غلطیوں کی وجہ سے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب تک کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے احکام اور اخلاقی قدروں کو اپنائے رکھتی ہے وہ باعزت اور کامیاب زندگی گزارتی ہے لیکن جب خدائی قانون سے منہ موڑتی ہے تو آہستہ آہستہ تباہی کے دہانے پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ دستور صرف سوسائٹی یا قوموں کیلئے ہی نہیں بلکہ کسی حد تک ہر فرد پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ درج ذیل ارشاد ربانی نہایت غور طلب ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا O

جب تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے تو وہ اپنی طرف سے ہے۔ اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس کے لئے اللہ کی شہادت کافی ہے O (سورۃ النساء آیت ۷۹)

4.8 مصائب اور آزمائش میں فرق

خالق کائنات کے ان صاف اور بین اعلانات کہ "اللہ تعالیٰ کسی کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ انسان خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا

ہے" (سورۃ النساء۔ آیت نمبر 40) اور سورۃ النساء کی آیت مبارکہ ۷۹ کے بیان "جو تجھ پر مصیبت آتی ہے وہ تمہاری اپنی وجہ سے ہے" اس کے بعد اس بات میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں رہ جانا چاہیے کہ انسان کی تمام مصیبتوں کی ذمہ داری خود انسان پر عائد ہوتی ہے۔

ہاں اس میں ایک استثناء ضرور ہے اور وہ اللہ کے نیک بندوں کی انفرادی آزمائش ہے جو ظاہراً تو مصیبت نظر آتی ہے لیکن حقیقتاً اس سے اللہ کو اپنے ان نیک بندوں کا امتحان اور کامیابی پر ان کے درجات میں ترقی مقصود ہوتا ہے۔ آزمائش کی پہچان یہ ہے کہ اس تکلیف سے مومن بندے پر خوف اور غم طاری نہیں ہوتا وہ اللہ کی اطاعت میں پہلے سے بھی زیادہ شد و مد سے مصروف ہو جاتا ہے وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہے سرزد غلطیوں پر ندامت محسوس کرتا ہے حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا، صبر کا دامن پکڑے رکھتا ہے وہ آزمائش کی وجہ اپنی کسی کمزوری کو سمجھتا ہے اور اللہ ہی سے اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کیلئے معافی کا درخواستگار ہوتا ہے۔ ایسی آزمائش کبھی مال میں کمی، کبھی اولاد میں کمی، کبھی بیماری، کبھی دشمنوں کا غلبہ، کبھی بھوک، کبھی قحط، کبھی آسمانی آفت، غرضیکہ بیشمار طریقوں سے آسکتی ہے لیکن ہر صورت میں مومن کا ردعمل صبر اور شکر کا ہی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس کافر کا مصائب پر ردعمل صبر و شکر کی جگہ شکایت، مزید بغاوت، مزید گناہ، اللہ سے بے خوفی، دنیاوی ذرائع پر مزید انحصار، آپس میں لوٹ مار، کرپشن اور ظلم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور دل پگھلنے کی بجائے مزید سخت ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں مومنین کی عافیت اسی میں رہ جاتی ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح صورتحال سے واقف کرانے کی بھرپور کوشش کریں اور اگر یہ ہمت نہ ہو تو بستی چھوڑ کر کسی ویرانے میں بیٹھ کر ان کیلئے استغفار کریں۔

4.9 مصائب کی اصل وجوہ

آزمائش کے علاوہ انسان پر باقی تمام مصائب کی وجوہ کو ذیل کی تین صورتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ وہ مصیبتیں جو انسان اپنی بدکرداری، کوتاہ بینی، بدنظمی، بری منشاء اور بداعمالی کی وجہ سے اپنے لئے خود پیدا کرتا ہے۔ اس میں کسی مذہب کا دخل نہیں بلکہ معاشرتی قدروں کی پامالی ہے مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالے فرماتے ہیں **ویل المطفیفین** یعنی "تباہی ہے ان کے لئے جو اپنا حق پورا لیتے ہیں اور دوسروں کے حق میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ خود تول پورا لیتے ہیں دوسروں کو تول کم دیتے ہیں"۔ یہ قانون قدرت ہے جو بلا لحاظ مذہب و ملت کام کر رہا ہے۔ اگر معاشرہ میں اکاون فیصد (51%) مطففین ہو گئے تو سمجھو کہ وہ تباہی کی طرف گامزن ہے یعنی جب بھی معاشرہ میں مطففین کی زیادتی ہو گی اس کے لئے تباہی لازمی ہو جاتی ہے۔ اس میں مسلم اور کافر کا استثنا نہیں۔

2۔ وہ مصیبتیں جو کوئی ایک فرد یا گروہ دوسرے فرد یا گروہ کے لئے پیدا کرتا ہے۔

عام طور پر ایسا آدمی عصبی، نسلی یا جبلی لالچ، بغض اور دوسروں کو غلام بنانے کی خواہشات کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایسے بد کر
آدمی کی پرورش اور رویہ کے سلسلے میں اس کے ماں باپ اور معاشرے کو ہی قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ ان برائیوں میں منافقت ای
بڑی خطرناک برائی ہے۔

3۔ تیسری قسم کے عذاب قوموں کے مجموعی کردار کی وجہ سے ہیں۔ ان کی بڑی وجہ قومی کوتاہیاں اور حماقتیں ہوتی ہیں۔ جہاں برے اور ب
دونوں پس جاتے ہیں اکثر تاریخی غلطیوں کے اثرات بڑے دیر پا ہوتے ہیں۔ لمحوں کی خطاء آنے والی نسلوں کے لئے صدیوں کی س
بن جاتی ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے!!
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مثلاً قومی غلط کاریوں کی ایک مثال ماحول کی آلودگی ہے جس کی وجہ جدید سائنس کے تجارتی مفادات ہیں۔ بیسویں صدی ک
انسانوں کی کوتاہ بینی اور مفاد پرستی کا یہ براہ راست نتیجہ ہیں جن کے اثرات صدیوں رہ سکتے ہیں۔ انہی میں جدید تباہ کن ہتھیاروں کی ایجادات بھ
شامل ہیں مثلاً پچھلے پچاس سالوں میں مغربی دنیا نے پچاس ہزار کے قریب ایٹم بم بنا لئے ہیں اور اس قدر تباہی کا سامان کر لیا ہے کہ آج زمین پر ہ
آدمی کے حصہ پانچ ٹن بارود کے برابر تباہی ہے۔ سود پر مبنی مالیاتی نظام نے غریب کو غریب تر بنا دیا ہے اور اقوام عالم سرمایہ دار کی غلامی میں بر
طرح پھنس گئی ہیں۔ ایسی بے شمار غلطیاں ہیں جنہوں نے انسانیت کا مستقبل مخدوش کر دیا ہے۔ اگر آج کچھ قومیں غریب ہیں تو ان کی غربت ک
ذمہ دار وہ خود ہیں یا دوسری اقوام جو ان کا استحصال کر رہی ہیں۔

یہاں تک کہ قدرتی آفات کا تعلق ہے مثلاً اگر کسی جگہ زلزلوں سے لوگ مرتے ہیں تو وہاں بھی اس قدر تباہی کا انسان خود ذمہ دار ہے
یا تو یہ ان کے گناہوں کی سزا ہے یا یہ کہ زلزلہ زدہ علاقوں میں کیوں غیر محفوظ گھر بنائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں سیلاب سے لوگ تباہ ہوتے ہیں تو یہ بھی
ان کے گناہوں کی سزا ہے یا پھر ان کی کوتاہیوں کی کہ وہ لوگ کیوں اس کو روکنے کا انتظام نہیں کرتے۔ سڑکوں پر ہزاروں لوگ حادثات کا شکار ہو ک
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں تو تقدیر کو الزام دینے سے پہلے اگر وہ اپنے ٹریفک کے نظام پر توجہ کرتے تو بہتر نتائج برآمد ہوتے۔

اسلام مسلسل محاسبہ کی تعلیم دیتا ہے کہ انسان اپنی کوتاہیوں کا خیال رکھے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی کمزوریوں کیلئے معافی مانگتا رہے
اور بہتری کیلئے دعا کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر معافی اور دعا کو اپنے عمل سے حقیقت میں بدلنے کیلئے جدوجہد کرتا رہے۔ جب تک کوئی قوم بحیثیت
مجموعی عمل اور توکل علی اللہ میں توازن قائم رکھے گی اللہ کا ان سے خوشحالی، امن، خوشی اور کامیابی کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ یہ اس سوچ کی دعوت دیتا ہے
جو اس قرآنی دعا میں ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ "اے ہمارے رب! ہم

نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اگر آپ ہمیں معاف نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں کریں گے تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے''۔

4.10 مصائب کا علاج

قرآن پاک کا یہ اعلان کہ انسان پر مصائب، ابتلا اور عذاب اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہیں انسانیت کو سوچ کی ایک نئی راہ دیتا ہے جس پر چل کر ہم حقیقی اطمینان اور ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی روشنی میں انسانی معاشرے کے مصلح اور راہنماؤں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی اقدار اور ابتلاؤں کے باہمی تعلق کے فلسفہ کو سمجھیں کہ دراصل ابتلاء روحانی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے آتی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ملک، قوم یا معاشرہ یا فرد بلا خوف زندگی اور اطمینان، امن اور ترقی کا خواہاں ہے تو اس کیلئے اصلاح کا پہلا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ دیکھیں کہ کہیں وہ اللہ کا کوئی قانون تو نہیں توڑ رہے اور پھر قوم کی معاشرتی اور اخلاقی قدروں کو سدھارنے کی طرف توجہ دی جائے۔

جہاں تک ظلم کا تعلق ہے اسلام اس کو مصائب کی ماں سمجھتا ہے۔ بے انصافی، کرپشن، کم تولنا، زیادہ لینا، رشوت، سود خوری، اللہ کی حدود کو توڑنا بھی ظلم کی اشکال ہیں۔ اس کو روکنے کیلئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا "مظلوم کی مدد کر واسے اس کا حق دلا کر، ظالم کی مدد کرو اسے ظلم سے روک کر" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کو سامنے رکھ کر اگر کوئی معاشرہ ظلم کی جڑ کاٹتا رہتا ہے تو یقیناً مصائب سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

4.11 مصائب کی روحانی اور طبعیاتی وجوہات

مصائب کیوں آتے ہیں اور انکا علاج کیا ہے؟ قرآن پاک میں اس سوال کا تجزیہ اور علاج عمرانی علوم کے ماہرین اور سائنس دانوں کیلئے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سبب اور نتیجہ (Cause and Effect) کے میدان میں ایک نیا نظریہ ہے جس کو سمجھنے کی انتہائی ضرورت ہے تا کہ ماہرین کسی بھی قوم کی کسمپرسی، غربت، بدامنی، بیماریوں، پریشانیوں کی وجوہات اور قدرتی ابتلاؤں مثلاً زلزلوں، طغیانیوں، طوفانوں، شہابوں سے پتھراؤ، جنگوں اور وبائی امراض وغیرہ کے اسباب کی روح تک پہنچ سکیں۔

لوگ جب صرف طبعی دستور کے مطابق ان معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اصل اسباب سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور نتیجتاً علاج بھی غلط ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس ڈاکٹر کی ہے جو ٹی بی کے بخار کا علاج اسپرو سے کرتا ہے۔ یہ تصویر کے صرف آدھے رخ والی بات ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم ہمیں پوری تصویر (جس کا ایک رخ طبیعات اور دوسرا الہیات ہے) دکھاتا ہے جنہیں علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مطابق مصائب کی مندرجہ ذیل دو قسم کی وجوہات ہیں:۔

(۱) روحانی وجوہات (۲) طبعی اسباب

ان دونوں وجوہات کے سلسلے میں قرآن پاک ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ روحانی وجوہات کوطبعی اسباب پر برتری حاصل ہے۔ہم ان سب کوحسابی انداز میں بیان کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل مساوات سامنے آئے گی۔

روحانی وجوہات	طبیعاتی اسباب
وقفہ تعطیل	گناہوں اور عذاب کا درمیانی وقفہ
طبیعاتی اسباب	واقعات کا ظہور

چونکہ روحانیت کی بنیاد اخلاق پر استوار ہے،اس لئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ:

اخلاقی وجوہات + طبعیاتی اسباب = واقعات کا ظہور

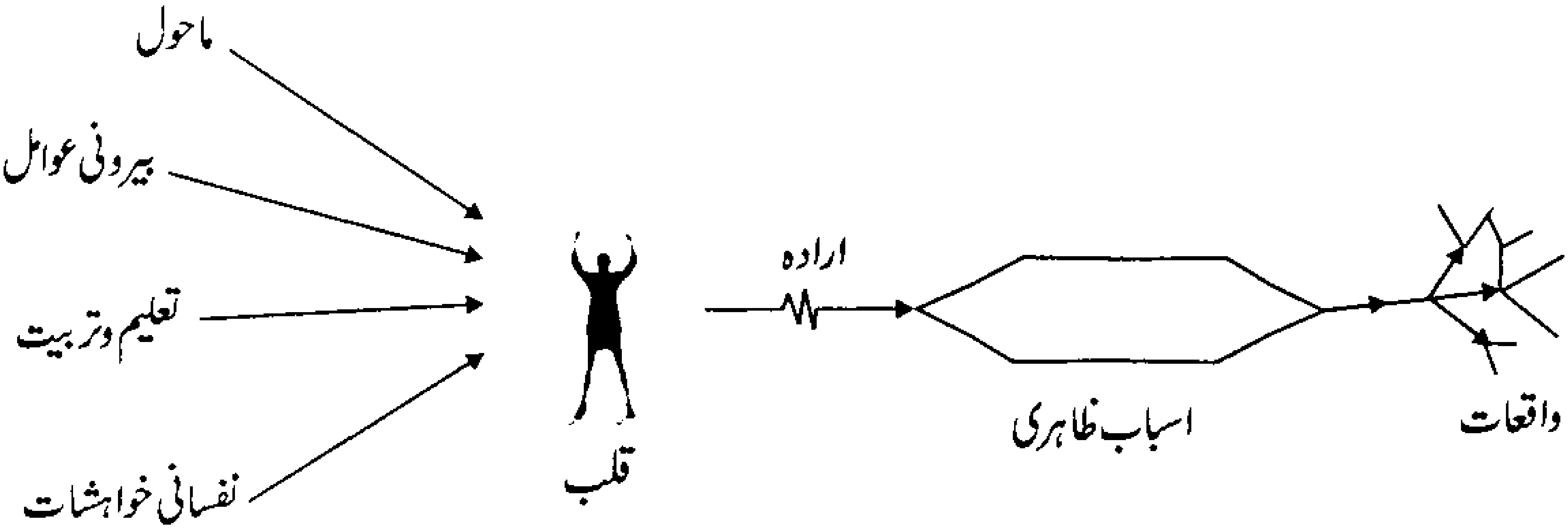
یہ مساوات ظاہر کرتی ہے کہ واقعات محض حادثاتی بناء پر ظہور پذیر نہیں ہوتے بلکہ ان کا اصل سبب روحانی اور اخلاقی وجوہ ہیں۔ اوّل الذکر بنیادی (Primary) وجوہ ہیں جو طبیعاتی اسباب کو حرکت میں لاکر (Trigger) واقعات کا سبب بنتی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے گاڑی سبب ہے منزل تک پہنچنے کا،لیکن گاڑی کو چلانے کیلئے ڈرائیور چاہیے اور اگر وہ خود مالک نہیں تو پھر ڈرائیور کو کام پر لگانے کیلئے کسی بااختیار ہستی کا حکم چاہیے۔یعنی اصل سبب گاڑی کا مالک ہے جس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ خیال بالآخر گاڑی کو چلنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا باعث بنتا ہے۔اس مثال میں سائنس کی مادی وجوہات گاڑی ہے اور روحانی وجوہ مالک کا ذہن ہے۔ایک فرد کے حوالہ سے مالک انسان کا قلب ہے۔ ڈرائیور اس کا ذہن ہے اور گاڑی اس کا جسم اور باقی مادی ذرائع ہیں۔

4.12 واقعات کیسے ظہور پذیر ہوتے ہیں؟

اب ہم اس بحث کی طرف آتے ہیں کہ واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے کیا عوامل ہیں؟ اوپر دی گئی بحث کے نتیجے میں ہم یہ کہیں گے کہ سب سے پہلے واقعات کسی فرد یا معاشرہ یا قوم کے قلب میں جنم لیتے ہیں،وہاں سے ذہنوں پر اترتے ہیں اور وہیں سے مادی صورت اختیار کرتے ہیں۔یعنی ابتداء میں واقعات کی حیثیت طبعیاتی نہیں بلکہ ایک روحانی امر کی ہوتی ہے جسے کسی مادی طریقہ سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہی ارادہ آگے بڑھ کر طبعیات کی دنیا میں حرکت کا باعث بنتا ہے اور پھر انسان کا دماغ اس کے ہاتھ پاؤں اور باقی جسم اس ارادہ کو معرض وجود میں

لانے کیلئے مصروف ہو جاتے ہیں۔اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات سب سے پہلے عالم باطن سے لوگوں کے قلوب پر اترتے ہیں وہاں سے طبعیاتی اسباب کے ذریعہ عالم شہود میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔گندی ذہنیت والے لوگ گندے اور تباہ کن واقعات کو جنم دیتے ہیں اور صاف ستھری ذہنیت والے لوگ صحت مند تعمیری واقعات کا باعث بنتے ہیں۔

چنانچہ واقعات کا ظہور اور انسان پر انکا دارو مدار ایک کنٹرول سسٹم کی طرح ہے۔



4.13 صورتحال کی تبدیلی اور قلبی طاقت

ہر فرد،، معاشرہ اور قوم بہتر حالات کی امیدوار ہے اور تمام امیر اور غریب اپنے اپنے حالات بدلنے کیلئے حریص ہیں لیکن پھر بھی اکثر اپنی خواہشات دل ہی دل میں لے کر ختم ہو جاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی معاشی تھیوریاں صرف مادیات کی بناء پر تشکیل دی گئی ہیں جبکہ انسان صرف مادہ نہیں بلکہ ایک روحانی ذات بھی ہے اور مادہ محض اسکی روح کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔جیسے ٹیلیویژن تصویر نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر سے نکلنے والی برقی لہروں کو تصویر میں بدلنے کا ذریعہ ہے،اس لئے مادی علاج انسانی مسائل کے حل کیلئے ناکافی ہے۔دراصل انسان کے مسائل کے حل کیلئے وہی تھیوری کامیاب ہوگی جو اسکی روحانی شخصیت کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہو۔اس بات کو قرآن حکیم واضح کر دیتا ہے کہ اگر آپ حالات کی اصلاح چاہتے ہیں تو پہلے آپ کو لوگوں کے قلوب کی حالت کو تبدیل کرنا ہوگا۔اسلئے کہ قلوب ذہن کو کنٹرول کرتے ہیں ذہن اجسام کو اور اجسام مادی ذرائع کو۔قرآن پاک نے اس اصول پر اپنی مہر ثبت کردی ہے کہ تم اپنے حالات کو کبھی بھی بدل نہیں سکتے تاوقتیکہ تم اپنے باطن کو نہیں بدلتے ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ج وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّالٍ O

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی باطن کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں O (سورۃ الرعد، آیت ۱۱)

یہ اہم ترین معاشرتی اصول ہے جو نہ صرف ہر فرد پر لاگو ہے بلکہ ہر سوسائٹی اور ہر قوم بلکہ پوری دنیا پر یکساں طور پر لاگو ہے یعنی اگر تم اپنی صورتحال تبدیل کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے اندرونی فکری حالات کو ٹھیک کرو۔

یہ اصول ان سوشل سائنسدانوں کیلئے بھی یاددہانی ہے جن کی سوچ صرف مادیت کے معاملات تک محدود ہے۔انہیں چاہیے کہ ان قرآنی علوم سے استفادہ کریں کہ طبعیات کے پیچھے ایک اور طاقت بھی ہے جو تمام طبعیاتی ضابطوں کو کنٹرول کرتی ہے۔اس طاقت کے اظہار کا سرچشمہ تو انسانی ذہن ہے لیکن اس کا اصل مالک انسان کا قلب (Mind) ہے۔قلب ہی اس کی اپنی ذات اور حقیقی پہچان ہے۔اس کو نفس بھی کہا گیا ہے اور یہی انسان کا مظہر ہے۔ جب بہت سارے لوگوں کے قلوب (Minds) اکٹھے ہوتے ہیں تو اس سے سوسائٹی یا گروہ کا قلب وجود میں آتا ہے، اور اسی طرح قوموں کی مجموعی قلبی طاقت پوری دنیا کی قلبی طاقت کا اظہار ہوتی ہے۔ہم پہلے جدید سائنس کی گیا (GYA) والی تھیوری کا ذکر کر چکے ہیں یہ ہمارے خیال میں GYA بھی دراصل قلوب کے مجموعی اثرات کا نام ہے۔ان سب کو ہم مندرجہ ذیل مساوات کے طریقے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔

کافی زیادہ افراد کی اجتماعی قلبی طاقت	=	سوسائٹی کی قلبی طاقت
کافی زیادہ سوسائٹیوں یا گروہوں کی قلبی طاقت	=	ایک قوم کی قلبی طاقت
کافی زیادہ قوموں کی قلبی طاقت	=	ساری دنیا کی قلبی طاقت
قلبی طاقت	=	طبعیاتی واقعات

4.14 کامیابی کا راستہ

کسی فرد، سوسائٹی یا گروہ اور کسی پوری قوم کی قلبی طاقت (Power of the mind) ہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کرتی ہے۔ قوموں کے عروج و تنزل میں بھی یہی قلبی طاقت فیصلہ کن ہوتی ہے۔اس لئے زرخیز اور تنومند اجتماعی قلبی طاقت ہی کسی قوم کی سب سے بڑی طاقت ہے۔اگر

ی خاص قوم کی یہ طاقت باقی دنیا کے لوگوں کی قلبی طاقت کے مقابلے میں بہتر اور طاقتور ہو تو یہ قوم دنیا کی تاریخ کے دھارے کو اپنے حق میں کر سکتی ۔ اکیلا انسان جس کی قلبی طاقت اپنے اردگرد کے معاشرے یا سوسائٹی کی مجموعی قلبی طاقت سے زیادہ مضبوط ہو گی وہ اس گروہ پر چھا جائے گا اور ی کو اپنے پیچھے لگا لے گا تمام طبعیاتی ضابطے اور دستور اسکے غلام ہو جائیں گے۔

4.. واقعات کی حرکت

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے تمام طبعیاتی واقعات کا ظہور تقدیر کے مطابق پہلے عالم باطن میں ہوتا ہے۔ وہاں سے عالم ظاہر میں لانے ئے الہیاتی اسباب طبعیاتی صورتحال کیلئے ایک لبلبی (Triger) کا کام کرتے ہیں لیکن ردعمل فوری نہیں بلکہ جیسا کہ شکل نمبرے سے ظاہر ہے ان ؛ درمیان ایک وقفہ ہے۔ یہ وہ ڈھیل ہے جس میں سدھرنے کی گنجائش باقی ہے۔

اس جاری عمل میں انسانی قلب، فرد اور سوسائٹی غرضیکہ قومی سطحوں تک سب عملوں کا محرک ان کا مجموعہ قلوب ہوتا ہے۔ قلبی طاقتیں یاتی طاقتوں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ واقعات کا ظہور سب سے پہلے باطنی عالم میں ہوتا ہے۔ وہاں سے اتر کر وہ لوگوں کی روح، پھر ب (Minds) میں تشکیل پذیر ہوتے ہیں۔ وہاں سے ذہنوں پر اترتے ہیں اور پھر ارادہ کی شکل میں عالم ظاہر میں داخل ہوتے ہیں۔ ارادہ پھر یاتی اسباب کی حرکت کا باعث بنتا ہے اور پھر واقعات مادی دنیا پر اترنے شروع ہوتے ہیں اور لوگ ان کے اثرات کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ واقعات کے عالم باطن سے ظہور اور مادی دنیا میں شہود کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے، جس کا انحصار انسانی قلوب اور قوموں کی تقدیر کے متعلق ی فیصلہ پر ہے لیکن بہر حال روحانی اسباب، طبعیاتی عملوں اور وجوہات کے پیشتر ہیں۔ اور یہ سب کچھ قرآن کی سورۃ الرعد کی آیت مبارکہ ا میں دیئے گئے اصول کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں۔

عالم باطن میں ہر طرح کے واقعات منڈلا رہے ہیں۔ وہاں سے ان کا چناؤ اور ان کی نوع کا انحصار قلوب کے حالات کے تابع ہے۔ ے قلوب اچھے واقعات کو چن کر اچھی تبدیلیوں کو پیدا کرتے ہیں، گندے قلوب انسان کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں۔ یعنی مانی وجوہات، طبعیاتی وجوہات کو جنم دیتی ہیں۔ طبعیاتی وجوہات واقعات کو ظاہر کرتی ہیں اور واقعات کا انجام کار ہوتا ہے۔

جب قلب (Mind) کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو مادے میں ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی آدمی کچھ کرنے کا م ارادہ کر لیتا ہے تو سب سے پہلے وہ ذہن کی سوچ کو حرکت دیتا ہے، وہاں سے یہ ارادہ اس کے جسم کے روئیں روئیں میں پھیل جاتا ہے، اس بعد اس کی آنکھیں، منہ، ہاتھ پاؤں اس کی تکمیل کی طرف لگ جاتے ہیں، تب مادے میں ردعمل پیدا ہوتا ہے اور حسب ضرورت مادی جسم کے فرد کی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے حرکت میں آجاتے ہیں۔

یہی کچھ فرد کی سطح سے اوپر سوسائٹی میں ہوتا چلا آرہا ہے۔ جب کوئی قبیلہ یا قوم کسی کام کا تہیہ کر لیتی ہے تو اس قوم کا مجموعی قلب (Collective Mind) تمام مادی ذرائع کو متاثر کرتا ہے جو اس کا حکم بجالانے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور اگر مجموعی قلبی طاقت انفرادی رکاوٹوں سے زیادہ طاقتور رہے تو طبعیات (Physics) قلب (Mind) کی غلام بن کر اس کے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتی ہے۔ یہی حال اقوام عالم کے اجتماعی قلوب کا ہے اور اجتماعی طور پر دنیا کے معاملات اسی اجتماعی قلبی طاقت کی پیداوار ہوتے ہیں۔

4.16 باہمی تباہی یعنی اجتماعی خودکشی

اس سارے نظام میں الٰہیات (روحانی) اور طبعیات کے رشتے مالک اور نوکر والے ہیں۔ روحانیت کا مقام مالک کا ہے اور طبعیات کا کردار غلام کا سا۔ الٰہیات انسانی قلب اور ضمیر کو اپیل کرتی ہیں اور طبعیات انسانی ذہن اور مادیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جب کسی فرد یا معاشرہ میں ضمیر کی آواز کو دبایا جانے لگتا ہے تو وہاں ذہن اور مادیت کو افضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ حالات کے قابو میں آجاتے ہیں۔ انکی مثال پانی کے اوپر جھاگ کی ہوتی ہے۔ دیکھنے میں بہت لیکن وزن میں کچھ نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قلب اور ضمیر کی راہنمائی امر ربی یعنی روح کرتی ہے۔ اسکے برعکس ذہن اور مادیت کی لگام حرص کے ہاتھوں میں ہے۔ حرص (شیطان) اور اخلاقی قدروں کے درمیان ضد ہے جبکہ روحانی قدریں قلب اور ضمیر کی نشو ونماء کیلئے لازمی غذا ہیں حرص و ہوس ان کی بیماریاں ہیں۔ جب کسی فرد، معاشرہ اور قوم میں حرص و ہوس کا دور دورہ ہو جاتا ہے تو قلبی طاقتیں کمزور پڑنا شروع ہو جاتی ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ روحانی قوتیں صرف تماش بین کے طور پر باقی رہ جاتی ہیں وہ خود اسی میں خیر سمجھتی ہیں کہ مزید گراوٹ سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو ختم کر دیں۔

اس حالت کی پہچان آپس کی بلاوجہ دشمنیاں، جھگڑے اور نامناسب موسمی حالات اور طرح طرح کے آسمانی اور زمینی عذاب ہوتے ہیں۔ لوگ بے حسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرہ میں بدظنی اور بدامنی پھیل جاتی ہے۔ یوں جب اصلاح کے راستے بند کر لئے جاتے ہیں تو لوگ آپس کے لڑائی جھگڑوں، باہمی فساد اور انفرادی مایوسیوں کے ذریعہ اپنے آپ کو تباہ کرنے میں (اجتماعی خودکشی) کی طرف پیشرفت کرتے ہیں۔

سائنس اور مادی تجزیہ نگاروں کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی چھان بین اور تحقیق کو مادی و طبعی باتوں تک محدود کر دیتے ہیں۔ وہ وہاں تک پہنچ ہی نہیں پاتے کہ ان طبعی اعمال کے پیچھے اصل طاقت کونسی کارفرما تھی۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ شاید وہ کسی فرد کے بیمار نفس یا پورے گروہ کی قلبی بدحالی تھی جس نے طبعیاتی ضابطوں کو اس راستے پر لگایا اور جو کچھ تباہی ہوئی، اس کے پیچھے وہ بیمار قلب (Mind) تھے جن کی اصلاح کی طرف کسی نے توجہ دی تھی یا وہ اپنوں ہی کی کرتوتوں سے اس قدر تنگ آچکے تھے کہ انہوں نے اسی میں خیر سمجھی کہ اب خودکشی (Self Destruction) ان کے مسائل کا آخری حل ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ الٰہیاتی وجوہات آگے آگے چلتی ہیں اور ایک نازک ترین حد تک پہنچنے کے بعد طبعیاتی وجوہات کو ٹریگر یا لبلبی دبا کر عمل پر لگا دیتی ہیں۔

شکل نمبر 7: مصائب کا روحانی اور طبعیاتی تعلق

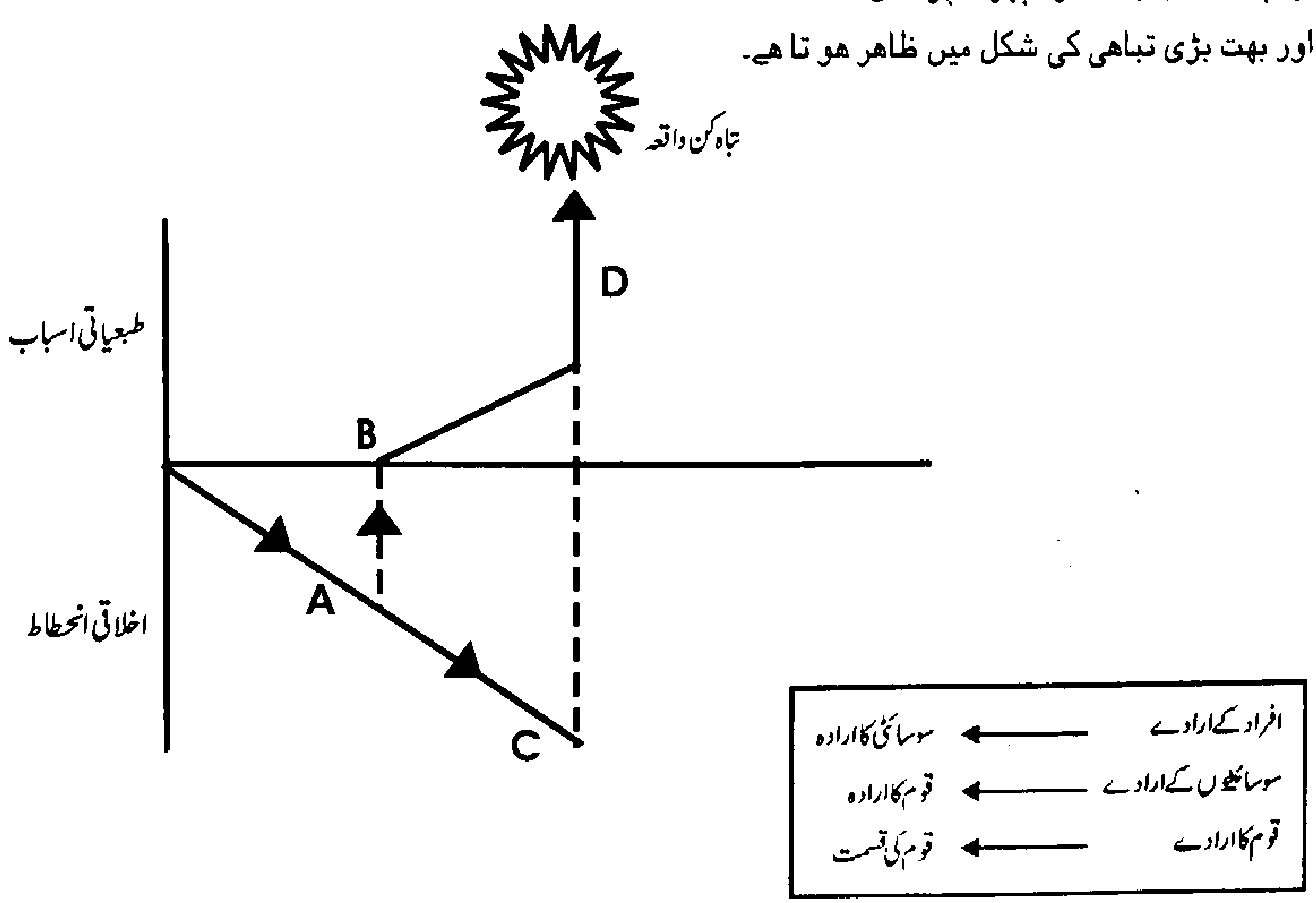
واقعات کا ظهور پہلے لوگوں کے لاشعور میں هوتا هے وهاں سے شعور میں آتے هیں وهاں سے اراده کی شکل میں ظاهر هوتے هیں اور پهر طبعیات کی دنیا اس ارادے کو عملی جامه پهنانے لگ جاتی هے۔ انسانی شعور اس کے اخلاق، نیکی اور برائی سے متاثر هوتا هے۔ انسان کی طرح جمادات،نباتات، حیوانات کا شعور بهی اثر قبول کرتا هے۔ چنانچه انسانوں کے خیالات اور ارادے بلاواسطه اور بالاواسطه سب چیزوں کو متاثر کرتے هیں۔ لیکن واقعات کے شعور میں آنے اور عالم ظاهر میں برپا هونے کے درمیان ایك وقفه هے۔ مندرجه ذیل شکل اس وقفه کو دکها رهی هے جب روحانی وجوه ایك خاص حد سے بڑه جائیں تو پهر طبیعاتی وجوه حرکت میں آکر روحانی مدعا کو مادی شکل میں ظاهر کردیتے هیں۔چنانچه اگر کسی قوم کو اپنے حالات کو بدلنا هے تو سب سے پهلے اس کے افراد کو اپنے دلوں میں جوکچه هے بدلنا هوگا۔

A . اخلاقی انحطاط ظلم اور استعمار۔ جب ایك حد سے زیاده هو ۔(A) آنے والی تباهی کے لئے طبعیاتی وسائل حرکت میں آنا شروع هو جاتے هیں ۔

B . جب برائی ایك ناقابل برداشت مقام پر پهنچ جاتی هے۔

C . تو اچانك اسباب کا لاوه پهوٹ پڑتا هے۔

D اور بهت بڑی تباهی کی شکل میں ظاهر هو تا هے۔



4.17 ابتلاؤں کے متعلق کچھ احادیث مبارکہ

ابتلاؤں اور اخلاقی پستی کے اس تعلق کو ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم پر واضح فرما گئے ہیں کہ قیامت کے نزدیک اخلاقی پستی بھی انتہائی عروج کو پہنچ جائے گی اور ابتلاؤں یا رنج والم کا بھی یہی حال ہوگا تو ثابت ہوا کہ اخلاقی پستی اور رنج والم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جناب ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' آخر زمانہ کے نزدیک لوگ دین سے بے بہرہ ہوں گے روحانی علم کو اٹھالیا جائے گا۔ اس وقت بہت زیادہ حرج ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا'' یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! حرج کیا ہے؟''، آپ نے فرمایا'' بڑے پیمانے پر قتل عام ہوگا جس میں قاتل کو مقتول کا علم نہیں ہوگا اور مقتول نہیں جانتا ہوگا کہ اسے کیوں قتل کر دیا گیا ہے'' آج کل دہشت گردی(Terrorism) اس حدیث پاک کی ایک جھلک ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں جناب ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ '' قیامت کے نزدیک وقت تیزی سے گزرتا معلوم ہوگا (لوگ زیادہ وقت دنیاوی عیش وعشرت میں گزاریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں یعنی فرائض کو بھول جائیں گے) نیکیاں کمتر ہو جائیں گی خودغرضی اور کنجوسی معاشرے پر چھا جائیگی جس کے نتیجے میں ابتلائیں اور رنج وغم زیادتی سے ظاہر ہوں گے اور بہت زیادہ حرج ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی '' یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حرج کیا ہے ''؟ سرکار دوعالم احمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '' قتال اور بے حساب قتال۔ جس میں قاتل اور مقتول کو پتہ نہیں ہوگا کہ ایک دوسرے کو کس نے اور کیوں قتل کیا۔'' (یہ وہ مصائب ہیں جو انسان پر اس کی اپنی بداعمالی اور بدنیتی کی بناء پر وارد ہونگے) (بخاری شریف)۔

4.18 قلبی طاقت(Mind Power) اور مصائب کا علاج

آگے جا کر اس کتاب کے تیئیسویں باب میں اس اصول کی مزید وضاحت ہوگی کہ الہیات کیوں طبعیاتی اعمال کے آگے آگے چلتی ہیں یا طبعیاتی وجوہات کس طرح الہیاتی وجوہات کی پیداوار ہوتی ہیں؟

معلوم ہوگا کہ کائنات میں ایک ایک ایٹم نہ صرف مادہ کا ایک مستحکم اور پکا بنیادی عنصر ہے بلکہ اس کا اپنا بنیادی قلب(Mind) بھی ہے جو قدرت کے قوانین کا امین ہے۔ وہ دوسروں پر اثر ڈالتا ہے اور اثر قبول بھی کرتا ہے اور ایک اعلیٰ قلبی طاقت انہیں اپنی اتباع پر مجبور بھی کر سکتی ہے اور ان سے اپنا حکم منوا بھی سکتی ہے۔ اس لئے عناصر کے ایٹم کوئی مردہ ٹکڑے نہیں بلکہ وہ تو ذہن اور ضمیر کی زندگی کا ایک جوڑ ہیں۔ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین قلبی استطاعت سے نوازا ہے اور کائنات میں ہر چیز کو اس کی تسخیر کے قابل بنایا ہے، وہ اپنی اعلیٰ الہیاتی طاقت کی مدد سے مادہ

کے کمزور تر ذہن یا ادراک (Mind) سے رابطہ پیدا کرسکتا ہے اور بغیر کسی طبعی تعلق کے ان کو اپنے کام پر لگا سکتا ہے۔ یوں ایک مضبوط قلبی طاقت والا انسان پہاڑوں کو، زمین کو، ہواؤں کو، غرض کہ قدرت کے تمام مادی ذرائع کو اپنے تابع لا کر انہیں اپنی مرضی سے اپنے کام میں لا سکتا ہے۔

دیکھا جائے تو سائنسی اور انڈسٹریل دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے کہ مضبوط ارادہ رکھنے والے لوگ کیسے کیسے بیکار مادی عناصر سے معجزانہ کام لیتے ہیں۔ یہ سب سائنسی ترقیاں ایسے ہی عظیم نفوس کی مرہون منت ہیں۔ اس کے برعکس دنیا پر مصائب، غم، بھوک اور بدامنی کے ذمہ دار وہ بیمار ذہن ہیں جنہوں نے اپنی قلبی قوتوں کو شیطان کا آلہ کار بنا لیا ہے۔ لہٰذا انسانی خوشی اور ترقی کے لئے واحد راستہ یہی ہے کہ قلبی قوتوں کا میلان اچھائی اور اعلیٰ اقدار کی طرف بڑھایا جائے اور اگر پوری قوم کی بہتری چاہیے تو یہ کام فرداً فرداً پوری قوم کی سطح پر ہو۔ جب قوم کا مجموئی قلب خیر کا طالب ہوگا تو مصائب کی بجائے آسمانوں سے برکات کا نزول شروع ہو جائے گا۔

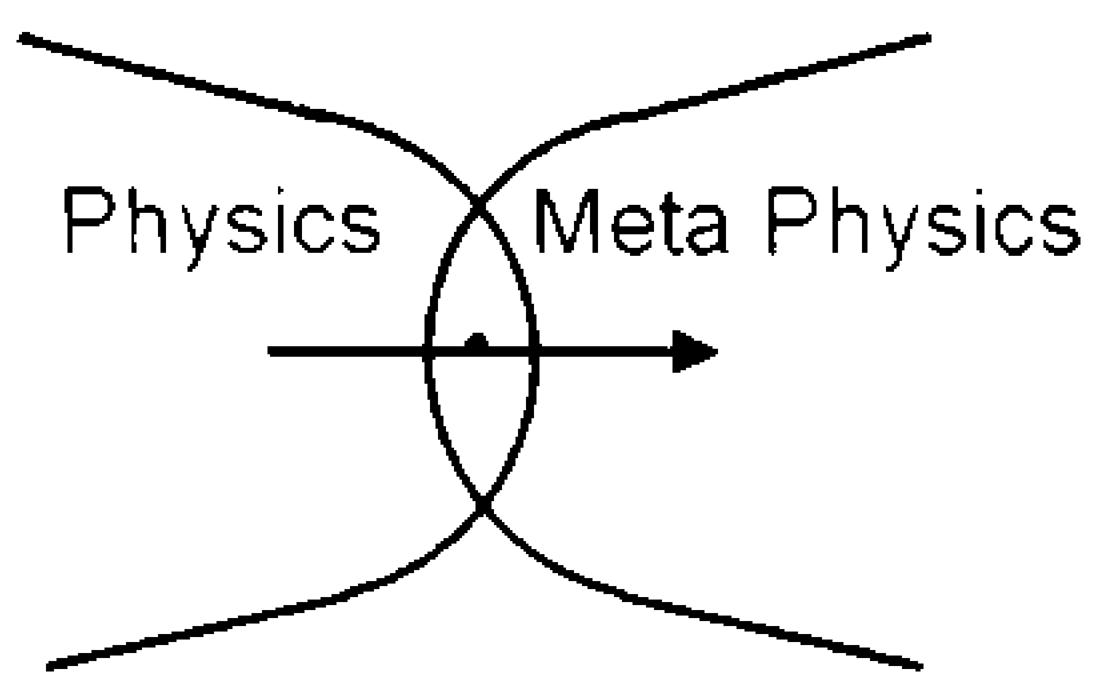
یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک بار بار انسان کو تنبیہہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق ٹھیک رکھیں تا کہ وہ اس دنیا میں بھی عذاب اور ابتلاؤں سے بچتے رہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں۔ اس سلسلے میں عام دستور قرآن پاک میں واضح ہے۔

اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ط وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی جو اس کے حکم سے دریا میں چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے حکم سے بے شک اللہ انسانوں پر بڑی مہربانی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے O (سورہ الحج۔ آیت ۶۵)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O

کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ دیکھیں ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا؟ وہ ان سے (تعداد میں بھی) بہت زیادہ تھے اور وہ زمین میں ان سے قوت میں بھی اور آثار میں بھی ان سے زیادہ مضبوط تھے۔ تو ان کے کیا کام آیا جو انہوں نے کمایا؟ O (سورۃ المومن آیت ۸۲)



طبعیات اور مابعد کی دنیائیں
علیحدہ ہیں لیکن آپس میں
متصل بھی ہیں

باب نمبر 5

کائنات اور ہمہ گیر قیامت کا میکانزم

(مرحلے وار طریقہ کار)

عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ○ الَّذِى هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ○ كَلَّاسَيَعْلَمُونَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ○

یہ آپس میں کا ہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں ○ بہت بڑی خبر کی ○ جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں○ وہ عنقریب قطعی طور پر جان جائیں گے ○ پھر یقیناً بہت جلد جان جائیں گے ○

(سورۃ النباء، آیت ا تا ۵)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ○

اسی کی آسمانوں اور زمینوں میں بادشاہت ہے اور اسی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ○

(سورۃ الحدید، آیت ۵)

5.1 کائنات کی تقدیر

قرآن پاک کی اوپر دی گئی آیات کائنات کے مقدر کی تصویریں ہیں۔ اس میں کائنات کی مسلسل تخلیق کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کوئی جامد چیز نہیں بلکہ ایک انتہائی محرک اثر آفرین نظام ہے جہاں چیزوں کی ابتداء ہوتی ہے، پھر وہ پروان چڑھتی ہیں اس کے بعد ان کا تنزل ہوتا ہے اور بالآخر وہ معدوم ہو جاتی ہیں اور ان کی جگہ نئے نظام ظاہر ہوتے ہیں۔ جدید سائنس ان باتوں میں قرآن کریم کی سچائیوں پر ایک بڑی گواہ کی طرح سامنے آ رہی ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○

اللہ پہلے خلق کو بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اس کی طرف لوٹو گے ○ (سورۃ الروم، آیت ۱۱)

یوں مسلسل حیات و ممات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور بالآخر یہ سب کچھ واپس اپنے خالق کی طرف پھیر دیا جائے گا یعنی اسی پہلی حالت کو چلا جائے گا جو اس کائنات کے نکتہ آغاز پر تھی۔ اس وقت کچھ باقی نہیں رہ جائے گا مگر وہ اکیلا یعنی اللہ کی ذات۔ یہ مکمل حالت فناء ہے اور دراصل یہی پوری موجودہ کائنات کی آخری تقدیر اور ڈراپ سین بھی۔

اس عظیم واقعہ کے بعد تمام حاضر و موجود ایک مرتبہ ختم ہو جائے گا سائنس کے نزدیک یہ خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہی ہوسکتا ہے لیکن قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ یہ ہمیشہ کا خاتمہ نہیں بلکہ اسکے بعد پھر ایک نئی دنیا کی تخلیق ہوگی جو موجودہ کائنات کے نتیجہ ہی میں معرض وجود میں آئے گی اس میں سبھی کچھ ہوگا جواب ہے اور اس سے مزید بھی بہت کچھ ہے۔

جہاں تک کائنات کے انجام کے بارے میں سائنسی تصورات ہیں ان پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "یہ کائنات ہمیشہ کیلئے قائم دائم نہیں نہ ہی یہ ہمیشہ سے چلی آرہی ہے بلکہ اس کی عمر پندرہ بیس ارب سال ہے اور کسی دن یہ سب ختم ہو جائے گا لیکن کب ہوگا؟ اس کا حساب لگانا فی الحال مشکل ہے اسکے بعد اسی ملبہ سے نئی تخلیق کی بنیاد پڑے گی" بہر حال مادی سائنسی علوم کی بناء پر بھی انسان کا تصور آج وہاں پہنچ رہا ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل قرآن حکیم میں فرمایا گیا تھا۔ یوں دھیرے دھیرے سائنسدان قرآن پاک میں بیان شدہ قیامت کے نظریہ کے قریب تر آنے لگے ہیں۔

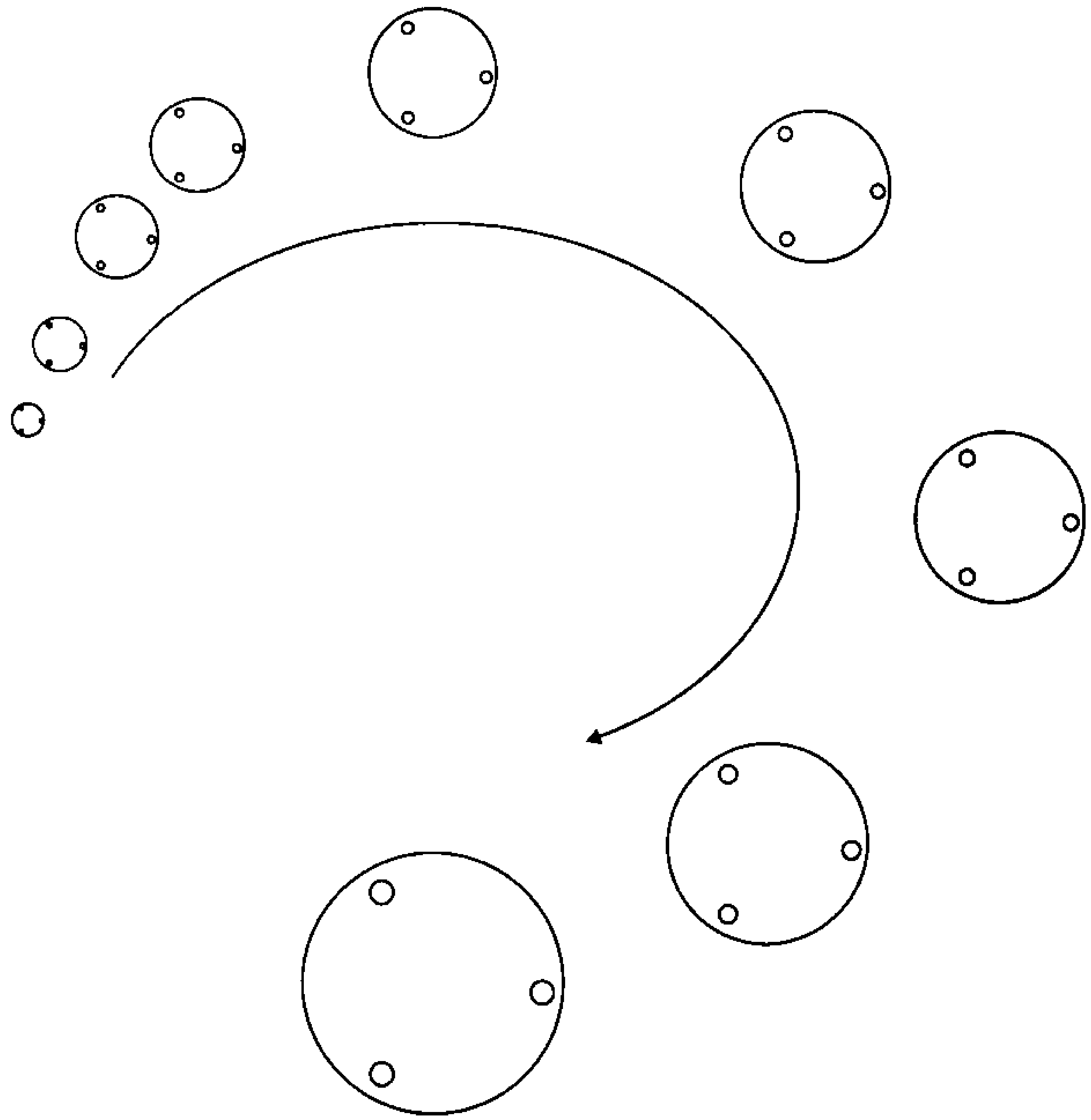
اب آگے ہم قیامت کبریٰ کے متعلق جدید سائنس کی دریافتوں اور نظریات پر سیر حاصل بحث کرینگے۔

5.2 کائناتی قیامت کے بارے میں سائنسی آراء

کائنات کے بارے میں ہم جان چکے ہیں کہ یہ اس قدر وسیع و عریض ہے کہ انسانی کمپیوٹروں میں اس کا حساب نہیں سما سکتا۔ روشنی اگر ایک سرے سے چل کر دوسرے سرے تک پہنچنے کا ارادہ کرے تو اپنی ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ کی لاثانی رفتار کے باوجود اسے کم از کم پندرہ ارب سال لگ سکتے ہیں لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ کائنات کسی جامد گیند کی طرح ہوتی لیکن صورتحال انتہائی عجیب و غریب ہے۔ امریکی سائنسدان ہبل (Hubble) نے 1924ء میں دریافت کیا کہ کہکشائیں (Glaxies) اپنی جگہ پر مقیم نہیں بلکہ ایک دوسری سے دور ہٹ رہی ہیں۔ اس انکشاف کے ساتھ ہی کائنات کے بارے میں پچھلے تمام سائنسی نظریات بدل گئے اور دنیا کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ کائنات پھیل رہی ہے

شکل نمبر 8: کائنات پھیل رہی ہے

غالباً کائنات کا آغاز کوئی پندرہ ارب سال پہلے ایک لاوجود نکتہ سے ہوا۔ اس وقت سے یہ اپنی حدود کی انتہاء میں روشنی کی رفتار سے پھیل رہی ہے۔ اس کی مثال ایک غبارہ سے دی جاتی ہے جس کے اوپر نشان لگے ہوں۔ جیسے جیسے ہوا بھری جاتی ہے غبارہ جس کی مثل (Space) کے ہے کھلتا جاتا ہے اور اس پر موجود نشانات (یعنی کائنات میں فلکیاتی اجسام) آپس میں دور ہوتے جاتے ہیں۔یوں کائنات میں تمام کھکشائی نظام ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں۔



اور اس کے تمام حصے ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے ہیں۔ جس جگہ آپ اس وقت ہیں اگلے لحہ وہاں نہیں ہوں گے۔ جو دنیا آج جہاں ہے وہ دنیا کل وہاں نہیں ہوگی۔ اس کی مثال ایک غبارے کی طرح ہے جس میں ہوا بھری جارہی ہو اگر اس کی سطح پر نقطے ہوں تو غبارے کے پھیلنے کے ساتھ سبھی ایک دوسرے سے دور ہوتے نظر آئیں گے اور غبارے کا حجم بھی بڑھتا جائے گا۔

کائنات کے پھیلنے کی رفتار بھی بے حساب ہے اور اس کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں لگایا جا سکا لیکن یہ ضرور معلوم ہوا کہ جس قدر کوئی دنیا دور ہے اسی قدر تیز رفتاری سے وہ آگے بڑھ رہی ہے اور بہت ہی دور کی دنیائیں تو تقریباً روشنی کی رفتار سے آگے کی طرف بھاگ رہی ہیں۔ کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اس پر بہت سے سائنسی قیاس ہو رہے ہیں۔

عام طور پر یہ کہا جارہا ہے کہ کائنات کے پھیلاؤ کا سبب اس کی تخلیق کے وقت دھماکہ کی طاقت میں ہے۔ ہر دھماکہ کی یہی خاصیت ہوتی ہے کہ اشیاء اس کی طاقت سے دور دور بکھرتی ہیں اور اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ہمیشہ کیلئے بکھرتی جائیں۔ یہ کائناتی دھماکہ (Big Bang) اتنا شدید تھا کہ آج پندرہ ارب سال بعد بھی اس کا اثر زائل نہیں ہوا۔ کائنات کے پھیلنے کا ایک خاکہ شکل نمبر ۸ میں پیش کیا جارہا ہے۔

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ آخر کب تک کائنات پھیلتی رہے گی؟ کیا کشش ثقل جو مخالف قوت ہے اس کو روک نہیں دے گی؟ ہمیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ اندر کی طرف کھچاؤ کی طاقت کا انحصار مادہ کی مقدار پر ہے۔ زیادہ مادہ زیادہ کھنچاؤ۔ اس لئے کہا جاتا ہے اگر مادہ کی مقدار ایک خاص حد سے زیادہ ہوئی تو بالآخر کشش ثقل غالب آجائے گی اور پھیلاؤ رک جائے گا اور یوں کائنات سکڑنے لگے گی۔

اس نظریہ کو حتمی طور پر ابھی قبول نہیں کیا گیا لیکن کچھ ماہرین حساب لگا رہے ہیں کہ کائنات کا پھیلنا آہستہ آہستہ سست روی اختیار کر رہا ہے اور انکا خیال ہے کہ اگر کائنات کی سست روی جاری رہی تو ایک نہ ایک دن اس کا پھیلنا بالکل بند ہو جائے گا اور اس کے بعد کائنات وہاں ٹھہری نہیں رہے گی بلکہ خود بخود اپنی ہی کشش ثقل کے سبب سکڑنا شروع ہو جائے گی۔

کشش ثقل کا ہی ایک اور اصول یہ ہے کہ اجسام کے درمیان باہمی کشش کا انحصار ان کے درمیانی فاصلے پر بھی ہے۔ اگر فاصلہ دگنا کر دیا جائے تو کشش چوتھا حصہ رہ جاتی ہے اور اگر فاصلہ آدھا کر دیا جائے تو کشش چار گنا ہو جائے گی۔ چنانچہ جونہی سکڑنے کا عمل شروع ہوگا تو اندر کی طرف کھچاؤ کی طاقت ہر لحہ بڑھتی جائے گی اور یوں آسمانی اجسام تیز سے تیز تر رفتار کے ساتھ اندر کی طرف رش کریں گے۔ اور شدید ٹکراؤ ہونگے اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب کائنات میں مزید بھینچ جانے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تب یہ ایک انتہائی زبردست دھماکہ کے ساتھ دوبارہ اچھلے گی اور یوں ایک نئی کائنات وجود میں آجائے گی۔

جدید ترین سائنسی انکشافات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ کائنات میں سورج، چاند ستاروں اور زمینوں کی اقسام کے علاوہ بھی ایک طرح کا مادہ ہے جسے مادہ غیب (Hidden Matter) کہا جاتا ہے۔ اس کی مقدار کا اندازہ ابھی لگانا مشکل ہے لیکن اسے بے حساب کہا گیا ہے۔ اسی مادہ غیب میں سے ایک کا نام نیوٹرینز (Neutrion) ہیں ان کے علاوہ بے شمار اور بھی شعاعیں ہیں جو مادہ غیب کا حصہ ہیں۔ سائنسدانوں کے

مطابق اگر کائنات میں ٹھہراؤ آتا ہے اور اس کے بعد یہ سکڑنے لگتی ہے تو اس کی وجہ یہی مادہ غیب ہوگا۔ اگر مادہ غیب خاص مقدار سے زیادہ ہے تو یقیناً کائنات رک کر سکڑنے لگے گی اور اگر وقت کے ساتھ ساتھ مادہ غیب بڑھ رہا ہے تو پھر یہ سکڑنے کا عمل جلدی بھی آسکتا ہے۔

5.3 قرآن اور سائنسی نظریات

قرآن حکیم بھی کائنات میں ٹھہراؤ آجانے کے نظریہ کی تائید کرتا معلوم ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ قرآن پاک مادہ غیب کی بھی خبر دیتا ہے۔ جسے وہ "**غیب السمٰوٰت والارض**" کا نام دیتا ہے شاید یہ یہی ہو۔ اس لحاظ سے مندرجہ ذیل آیت کا سمجھنا سائنس کے ماہرین کیلئے ایک خوشگوار حیرت کا باعث ہوگا کہ کس طرح قرآن پاک نے کائنات کے مادہ غیب (Hidden Matter) جیسی نہایت اہم بات کی طرف انتہائی جامع انداز میں چودہ سو برس پہلے اشارہ کیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ O

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کا غیب۔ اور قیامت کا وقت ایسا ہوگا جیسے ایک پلک جھپکانا یا اس سے بھی پہلے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O (سورۃ النحل، آیت ۷۷)

اس آیت مبارکہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کے درمیان چھپی اور انجانی چیزوں (یعنی **غیب السمٰوٰت والارض**) اور قیامت کے ظہور پذیر ہونے کو اکٹھا کر دیا ہے گویا قیامت کے واقعہ کا **غیب السمٰوٰت والارض** سے گہرا تعلق ہے۔ اب جدید سائنس بھی اسی بات پر پہنچ رہی ہے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ "**غیب السمٰوٰت والارض**" کی نسبت خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملائی گئی ہے۔ اس اضافت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا ادراک انسان کیلئے آسان نہیں ہوگا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ بلا چارج انتہائی چھوٹے چھوٹے ایٹمی ذرات نیوٹرینوز Neutrinos جن کا سائنسی ذکر ہم نے "**غیب السمٰوٰت والارض**" کے طور پر کیا ہے ایسی ہی ایک نوع ہے جس کا ادراک کرنا یا انہیں پکڑنا ابھی تک سائنس کے بس سے باہر ہے۔ انسان کا حساب تو بتاتا ہے کہ وہ موجود ہیں لیکن ابھی تک سائنسی آلات انہیں قابو کرنے سے قاصر ہیں۔

اسی آیت کا اگلا ٹکڑا قیامت کے حکم کے متعلق ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس عظیم واقعہ کا وارد ہونا ایک انتہائی سرعت انگیز امر ہوگا۔ اس کی

تمثیل آنکھ جھپکنے سے دی گئی ہے۔ سائنسی زبان میں Big Bang کی طرح یہ بھی اچانک دھما کہ ہوگا جسے Big Crunch کا نام دیا گیا ہے اور کائنات کا پہیہ الٹی طرف چل پڑے گا۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کی مجموعی عمر کی نسبت سے اس کی بقیہ زندگی زیادہ نہیں۔ اس کے رکنے کا عمل کسی وقت بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے بعض سائنسدانوں کا یہ قیاس کہ ابھی کائنات مزید اربوں کھربوں سال یونہی چلتی رہے گی غلط معلوم ہوتا ہے۔ آیت کا آخری ٹکڑا انسان کو سمجھاتا ہے کہ اس عظیم تبدیلی پر حیرانی کی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ کیلئے یہ ایک معمولی بات ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ جب کائنات میں ٹھہراؤ آجائے گا تو اس کے سکڑنے کا عمل بھی فوری شروع ہو جائے گا۔ سائنس کے مطابق ابتداء میں سکڑنے کا عمل آہستگی سے ہوگا لیکن پھر تیز رفتاری آتی جائے گی۔ کہکشائیں ایک دوسرے کے قریب ہونا شروع کر دیں گی اور پھر ہر طرف سے ٹکراؤ ہی ٹکراؤ، حادثات ہی حادثات ظہور پذیر ہو جائیں گے اور انجام کار ایک عظیم دیوہیکل ٹکراؤ ہر چیز کو نیست و نابود کر دے گا۔

پول ڈیویز (Powl Daries) (۱۰) کے مطابق جب کائنات سکڑ کر اپنی موجودہ حالت کے سینکڑویں حصے کے برابر رہ جائے گی تو اس پر بھینچ جانے کے اثرات یہ ہوں گے کہ زمان و مکان میں ہر جگہ درجہ حرارت ابلتے پانی کی حرارت تک پہنچ جائے گا۔ اس لیے ہماری زمین پر زندگی کے تمام آثار ختم ہو جائیں گے اور جیسے جیسے آسمانی دنیاؤں کا درمیانہ فاصلہ مزید کم ہوتا جائے گا تو اسی لحاظ سے عام فضاء کا درجہ حرارت بھی بڑھتا جائے گا۔ آخر کار آسمان از خود آگ کی بھٹیوں کی طرح ابلنا شروع ہو جائیں گے۔ شاید قرآن پاک اسی صورتحال کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝

وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں ۝ اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں ۝ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو جائے گا ۝ اور پہاڑ ہو جائیں گے جیسے روئی کے گالے ۝ (سورۃ المعارج، آیات ۶ تا ۹)

ان آیات مبارکہ میں بھی سب کیلئے نہایت قابل فکر اشارہ ہے کہ وہ اپنے حساب کے مطابق قیامت کو دور کی بات سمجھتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں۔ مثلاً جدید سائنس اب قیامت کو مان تو گئی ہے لیکن اس کے حساب کے مطابق ابھی اس کے آنے میں اربوں کھربوں سال لگ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن الحکیم ان کی غلط فہمی کی اصلاح کرتا ہے کہ تم جس چیز کو اتنا دور سمجھتے ہو وہ ایسی دور نہیں بلکہ کائنات کی عمر کی نسبت سے یہ اب انتہائی قریب ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ سائنسدان اپنے مفروضوں کا پھر سے اعادہ کریں اور اپنے حساب کی اصلاح کریں۔ قرآنی نکتہ نگاہ سے کائنات کی تخلیق اور انجام کے تصور کی مزید تشریح کیلئے پانچواں باب ملاحظہ فرمائیں۔

اگر مسلمان سائنسدان قرآن حکیم کی اس حقیقت کے پیش نظر کہ قیامت جلد آنے والی ہے پر تحقیق کریں تو کائنات کے بارے

میں ضرور نئے نئے انکشافات سامنے آئیں گے جو ابھی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل پڑے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ کائنات کے پھیلنے کا عمل موجودہ سائنسی حساب کے برعکس پہلے ہی بہت آہستہ آہستہ ہو چکا ہے اور کیا خبر کہ اس نے سکڑنا بھی شروع کر دیا ہو۔ سائنسدان روشنی کی شعاؤں سے جو آج دیکھتے ہیں دراصل یہ کروڑوں اربوں سال پہلے کے واقعات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اجسام سے روشنی کو چلے اتنا عرصہ لگ چکا ہے۔ لہذا کائنات میں جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ آج کے واقعات نہیں بلکہ جس قدر کوئی چیز دور ہے اسی نسبت سے اسکا مشاہدہ قدیم ہے۔ کائنات کے سکڑنے میں ایک اور اہم بات چھپا ہوا مادہ ہے۔ کیا پتہ کہ یہ **غیب السمٰوٰت** (Hidden Matter) آج کے سائنسی حساب کی نسبت بہت زیادہ ہو، اور یہ بھی کہ یہ مسلسل پیدا ہو رہا ہو۔ لہذا کائنات کی قیامت کے بارے سائنس کیلئے کوئی حتمی رائے دینا بہت مشکل امر ہے۔ اسکے علاوہ قیامت کے جلدی آنے کا عمل کہکشاؤں کے درمیان کسی عظیم حادثہ کے نتیجہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال بہت سے نئے زاویے سامنے آسکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم قرآن حکیم کی اس خبر کو کہ "قیامت جلدی آنیوالی ہے" کو سنجیدگی سے لیں اور اسکی وجوہات کو معلوم کرنے پر سائنسی تحقیقات کا کام شروع کریں۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ کائناتی قیامت ایک انتہائی شدید حادثہ ہے جس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق یہ آفت اس قدر شدید ہے کہ ایٹم کے حصہ جات مزید پاش پاش ہو جائیں گے، وقت کا پیمانہ بدحواس ہو جائیگا، مکان (Space) منٹوں کے اندر کہاں سے کہاں سکڑنا شروع کر دے گی، وقت (Time) بھی سکڑ کر الٹے پاؤں چلنے لگے گا۔ آخر کار کائنات یوں ہو جائے گی جیسے کسی چیز کو چبا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس "بگ کرنچ" (Big Crunch) یعنی بیحد سکڑنے کے عمل کے بعد نئی ابتداء کے مرحلہ کا وقت آئے گا۔

کچھ سائنس دان کائنات کے ڈراپ سین (Drop Scene) کو "بگ باؤنس (Big Bounce)" یعنی زبردست اچھلنے کا ردعمل بھی کہتے ہیں۔ جیسے گیند زمین سے ٹکرا کر دوبارہ اچھلتا ہے۔ اس وقت نیوکلیئر Nuclear ذرات مزید چھوٹے ٹکڑوں میں پاش پاش ہو جائیں گے اور ان چھوٹے ذرات کے مزید ایسے ریزے ہو جائیں گے جو اپنے ٹھوس ہونے کی وقعت کھو دیں گے۔ ساتھ ساتھ کشش ثقل بھی اپنا کام کرتی جائے گی اور کائنات کی گیند چھوٹی سے چھوٹی ہوتی جائے گی۔ اس وقت زمان و مکان اور کائنات کے اجسام سب ایک اکائی میں گم ہو کر اپنی اپنی جداگانہ حیثیت کھو دیں گے۔ یہ لامکانی اور لازمانی نکتہ جسے ہم نئی کائنات کا بیج کہہ سکتے ہیں وہی امر ربی ہے جو پہلی کائنات کا باعث تھا اور اب نئی کائنات کو برپا کرے گا۔

جوں جوں سائنسی معلومات بڑھ رہی ہیں قیامت کی یہ تصویر وقت کے ساتھ ساتھ پختہ ہو رہی ہے اور آج بہت سے طبعیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ بگ کرنچ دراصل کائنات کی طبعی حیثیت کا مکمل خاتمہ ہے۔ جیسے بگ بینگ (Big Bang) کے بعد زمان و مکان اور بنیادی عناصر وجود میں آئے تھے اس طرح وہ کہتے ہیں کہ اس بگ کرنچ کے بعد وجود ختم ہو جائیں گے اور اس "نہ ہونے" (Nothingness) میں کچھ بھی نہ رہ جائے گا تمام کا تمام "ظاہر" "باطن" میں چھپ جائے گا۔ صرف ایک "اکائی" رہ جائے گی جسے (Singularity) کا نام دیا گیا ہے۔ (فقراء میں وحدت الوجود کی تلمیح استعمال ہوتی ہے) یہ محض کشش ثقل کی طاقت ہوگی جو دراصل کارخانہ قدرت کی "دائی" ہے اور کائنات

کی تباہی کے بعد یہ طاقت دوبارہ سب کچھ اپنے اندر چھپا لے گی۔

اس وقت سبھی کچھ **غیب السمٰوٰت والارض** ہوگا لیکن یہ بھی ایک تخلیق ہے جسے ہم موت الکبریٰ کہہ سکتے ہیں جس کے بعد حیات الکبریٰ کا ظہور ہوگا۔ وحدت کلی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے اور کائنات کی وحدت اس کی عظیم ذات کا وصف ہے۔ بالآخر وہ ذات باری تعالیٰ تمام شہود کو اپنی وحدت میں چھپا لے گی۔ تمام سائنسی یا قدرتی قوتیں غیب کا حصہ بن کر اس کی وحدت میں گم ہو جائیں گی یعنی ہر تخلیق عالم شہود سے عالم باطن میں جا کر واپس امر ہو جائے گی۔ ڈیزائن رہ جائے گا۔ باقی کچھ نہ ہوگا جس کا تیسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍO وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِO

کل کائنات کے لئے فنا ہے O صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے O

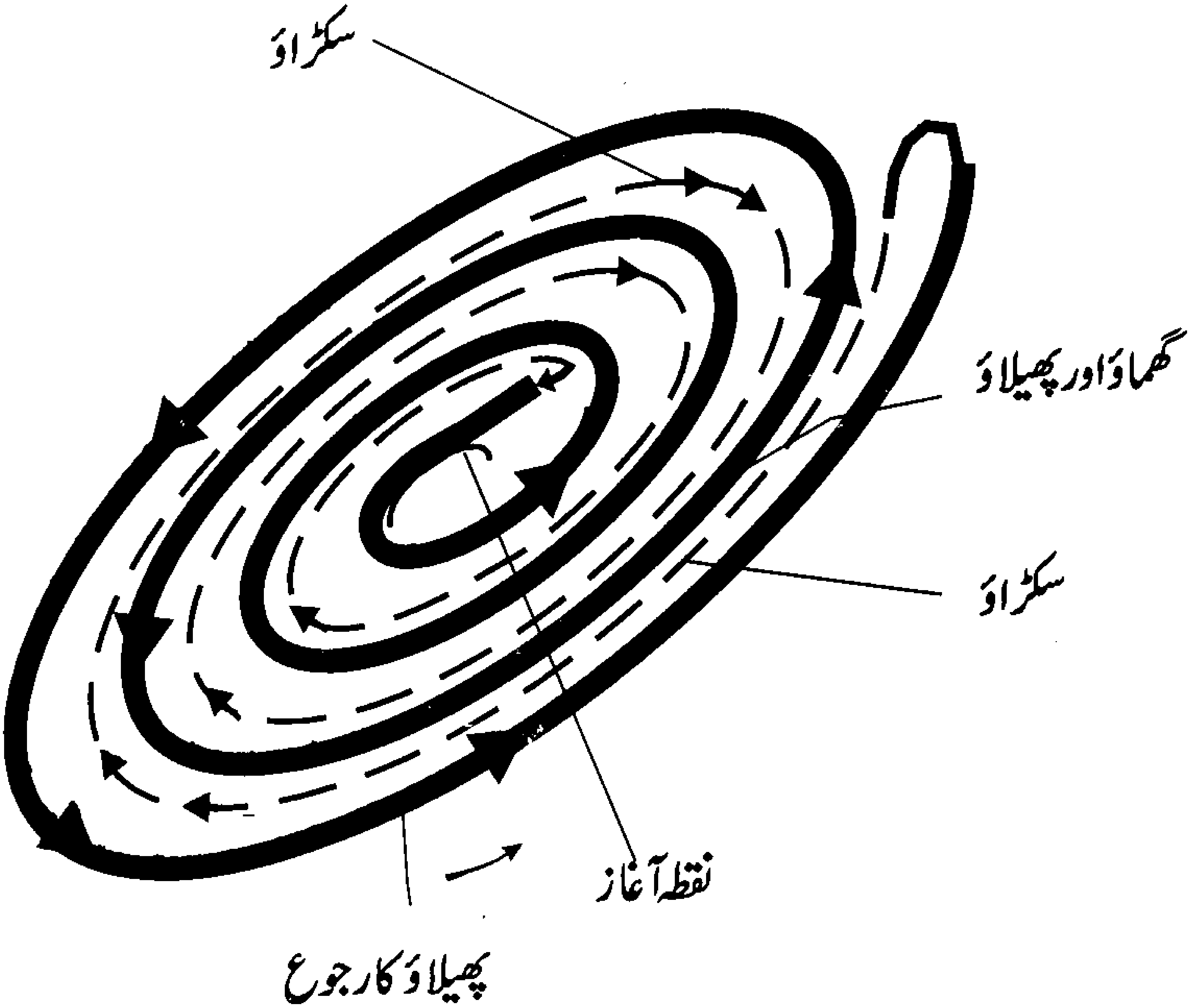
(سورۃ الرحمٰن، آیات ۲۶ تا ۲۷)

اب اگر خلوص اور حق کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج کی سائنس وجود سے لا وجود کے سفر کی حد تک تو قرآن پاک کی راہنمائی کے تابع آ گئی ہے اور وہ دیکھنے لگی ہے کہ کائنات کوئی کھیل تماشہ نہیں بلکہ اس میں کوئی بہت بڑا مقصد پنہاں ہے جس کا کوئی خالق ہے لیکن بعض سائنسدان اب بھی کائنات کے مستقبل سے مایوس ہیں ان کا خیال ہے کہ اس کچھ نہ ہونے کے بعد تخلیق کا عمل ختم ہو جائے گا یعنی کائنات ایک بے معنی حادثہ ہے اور اس بڑے حادثہ میں انسان بھی ایک چھوٹا سا حادثہ ہے لیکن قرآن حکیم اس خاتمہ کو ایک نئے آغاز کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے۔ ایک شاندار آغاز سے ایک اور شاندار کائنات جو ہمیشہ رہے گی جس میں ہم بھی ہونگے۔ یہ بھی ہمارے لئے اور وہ بھی ہمارے لئے۔

سائنس دانوں میں سے ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ کلی طور پر معدوم ہونے سے پہلے بھی ایک زبردست ردعمل ہوگا اور اسکے نتیجے میں سکڑتی ہوئی کائنات الٹے پاؤں پھر جائے گی۔ جیسے گیند کو زور سے زمین کی طرف پھینکیں تو ٹکرانے کے بعد دوبارہ اچھلتی ہے۔ اس طرح کائنات بھی مخالف رخ الٹ کر (Bounce Back) ایک اور سائیکل شروع کر دے گی اور پھر اسی طرح ہوتا رہے گا یعنی ایک کے بعد دوسرا سائیکل شروع ہو جائے گا۔ اس کو چکروں والی کائنات والا نظریہ کہا جاتا ہے البتہ قرآن اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا۔ اس کے مطابق اس کائنات کے خاتمہ کے بعد نئی کائنات کی تخلیق ہوگی جو قائم و دائم رہے گی۔ اس کی وسعت اتنی ہے کہ موجودہ کھربوں اربوں نوری سالوں والی وسیع کائنات اس کے مقابلے میں محض ایک چھوٹی سی دنیا ہوگی۔

شکل نمبر 9: قرآنی نکتہ نگاہ سے کائنات کی تخلیق اور انجام کا تصور

قرآنی نکته نگاه سے کائنات همیشه سے نهیں بلکه الله تعالیٰ کا تخلیقی امر هے اور اسکے حکم پر کچھ نه هونے (Nothingness)سے سب کچھ بن گیا۔ سائنسی زبان میں اپنے بالکل ابتدائی لمحات پر کائنات توانائی کا انتهائی کثیف دھاگه (Universal String)تھا۔ خالق کائنات نے اسکو یوں حرکت دی جیسے لٹو گھمایا جاتاهے۔ اس زبردست گھمائو کے نتیجه میں اس وقت سے کائنات اور زمان ومکان سبھی بیک وقت گھوم رهے هیں اور کائنات کھل رهی هے۔ انجام کارپورا کھل کر یه خود بخود اپنے اوپر الٹ جائے گی اور پھر سکڑ سکڑ کر اپنے نکته آغاز پر پهنچ جائے گی۔ وهیں سے دوباره عالم آخرت کا آغاز هوگا۔اس کیفیت کو قرآن کریم میں الله تعالیٰ ارشاد فرماتے هیں۔ "هم نے اسے اپنے هاتھ کے زور سے گھما دیا اور وه پھیل رهی هے"(سورة الذاریات آیت نمبر47)۔



5.4 کائنات کے آہستہ آہستہ ختم ہونے کا نظریہ

جیسے مذہب کا منتہائے نظر سچائی ہے ایسے ہی سائنس بھی سچائی کی تلاش کرنے کی ایک لگا تار کاوش ہے جس میں جائزے، حقیقت کے مشاہدے، تجرباب اور منطق وغیرہ سے لگا تار استفادہ جاری رہتا ہے اس لئے اس کی دریافتوں کو حرف آخر نہیں کہا جاتا۔ جہاں تک کائنات کا معاملہ ہے یہ تو ویسے بھی انتہائی پیچیدہ ہے۔ اس کی وسعتوں کا کوئی حساب نہیں اور اس کی حدود کو زمان و مکان سے ناپنا ناممکن ہے۔ اس لئے سائنس دانوں کی آراء میں اختلاف قدرتی بات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کبھی بھی آخری سچائی کی دعویدار نہیں۔ اس لئے ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سائنس کے سارے نظریات قرآن پاک کے مطابق ہوں جبکہ قرآن پاک کی آیات، چونکہ رب کائنات کا کلام ہیں اس لئے یہ سب اٹل حقیقت اور حرف آخر ہیں۔ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں اس لئے وہ قرآن پاک کا ٹیسٹ نہیں البتہ اسے سمجھنے میں معاون ہوسکتے ہیں جس کیلئے مسلمان سائنس دانوں کو آگے آنا چاہیے۔

جہاں تک زمان و مکان میں انسان کی اپنی حقیقت ہے اس کا آپ اندازہ کر ہی چکے ہیں۔ کائنات تو نہایت بڑی چیز ہے۔ خود زمین پر بھی انسان کا وجود اس کا ایک نہایت معمولی جز ہے۔ بھلا جز کل کو کیسے پا سکتا ہے۔ پس انسانی سائنس حقیقت کی طرف ایک کوشش ہے اور وہ ہرگز ہرگز حرف آخر نہیں اور انہی کوششوں میں سے امریکی سائنس دان جیمز ٹرفل (James Trifel) کا کائنات کی قیامت کے متعلق آہستہ آہستہ موت والا نظریہ ہے۔ (۴۸)

ان کا خیال ہے کہ کائنات اچانک ختم نہیں ہوگی بلکہ آہستہ آہستہ سسک سسک کر اپنی موت آپ مر جائے گی۔ اس میں موجود ستارے اپنی اپنی عمر کے مطابق رہیں گے اور پھر جوانی بڑھاپے میں ڈھل جائے گی اور بڑھاپے کے بعد یہ سب کچھ ہڈیوں کا ایک ملبہ بن کر فضاء میں تحلیل ہو جائے گا۔ اپنی کتاب "کائنات کا سیاہ رخ (Dark Side of Universe)" میں اپنے سورج اور اپنی کہکشاں کے انجام کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"جب ہم کائنات کے خاتمے کی بات کرتے ہیں تو ہم یہ فرض کر رہے ہوتے ہیں کہ قدرت کے جو قوانین اب کارفرما ہیں وہی مستقبل میں بھی ہمیشہ اسی طرح چلتے رہیں گے۔ جب سطح زمین سے ایک ماہر ننگی آنکھ سے آسمانوں کو دیکھتا ہے تو اسے ہر طرف تاروں سے مزین فضاء کے مناظر ایک ہی سے لگتے ہیں کیونکہ دور دراز کی دنیائیں عام طور پر آنکھ کے مشاہدے میں نہیں آتیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ سورج سمیت تمام دوسرے ستارے اپنے اندر کے ایندھن سے اسی طرح جلتے رہیں گے جب تک ان کی ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس کے ایندھن کے ذخائر ختم نہیں ہو جاتے۔ حساب لگایا جا سکتا ہے کہ سورج کا ایندھن تقریباً چار ارب سال کے بعد ختم ہوگا اور اس وقت یہ ایک سرخ دیو نما ء ڈھانچہ بن

جائے گا اور ایک سوجے ہوئے آماس زدہ ستارے کے طور پر اس کا محیط زہرہ سیارے کے دائرہ سے بھی آگے نکل جائے گا اور زمین پر مشاہدہ کرنے والوں کو ایسا معلوم ہوگا کہ آدھے آسمان پر سورج چھا گیا ہے۔ اس کی گرمی سے زمین پر سمندر ابلنے شروع ہو جائیں گے اور کرہ ارض پر سب زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر انسانیت اس وقت آفاق کی نو آبادیات نہ بن چکی ہوگی تو اس کا معاملہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

"مزید وقت گزرنے پر جب سورج کا یہ سرخ دیونما ڈھانچہ ٹھنڈا ہوتا جائے گا تو ٹھنڈا ہونے کے بعد سفید بونے کی شکل اختیار کر کے زندگی کے آخری لمحات گزارے گا یہی کچھ حال باقی ستاروں کا ہوگا اور یوں یہ اپنی اپنی جگہ سے ایک ایک کر کے جھڑتے جائیں گے اور پھر دھماکہ میں ختم ہو جائیں گے۔"

"جب کائنات کی عمر اس کی موجودہ عمر سے تقریباً ایک ہزار گنا زیادہ ہوگی اس وقت اگر ہمارے کرہ ارض پر کوئی مشاہدہ کرنے والا ہوا تو اس کو آسمان پر اندھیرا ہی اندھیرا نظر آئے گا اور ستارے جو ہمیں آج کل چمکتے نظر آتے ہیں اتنے مدھم ہو جائیں گے کہ نظر ہی نہ آئیں گے جو ستارے سورج سے بڑے ہیں وہ سکڑ سکڑ کر اندھے کنوؤں (Black Holes) میں تبدیل ہو جائیں گے وہ دیوؤں کی مانند ہوں گے کہ جو فلکی جسم ان کے قریب آئیں گے وہ ان کو ہڑپ کر جائیں گے یوں چھوٹے ستارے اور شہاب اور سماوی مادہ جو اس وقت باقی ہوگا ان کائناتی دیوؤں کا شکار ہو جائے گا۔ جہاں تک مثبت اور منفی ذرات کا تعلق ہے وہ بھی قریب آ کر ایک دوسرے کو ختم کر دیں گے۔ یوں سارا آسمانی نظام آہستہ آہستہ درہم برہم ہو جائے گا اور مادہ کی جگہ تابکار شعائیں لے لیں گی اور زمان و مکان ان شعاؤں سے چمک رہے ہوں گے اس اثناء میں کائنات کے پھیلنے کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رہے گا اگر چہ وقت کے ساتھ پھیلاؤ کی رفتار کم ہوتی جائے گی لیکن کلی طور پر یہ حرکت کبھی بھی بند نہ ہوگی"۔

" جب کائنات کی عمر (۳۶) ۱۰ (دس کے بعد ۳۶ صفرے) سال ہو جائے گی یعنی دس کے بعد چھتیس صفر، اس سے بہت پہلے ستاروں نے بھی چمکنا بند کر دیا ہوگا اس وقت پروٹون (طاقت کے مثبت ذرات) بھی اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ یوں کوئی بھی ٹھوس چیز باقی نہ رہ جائیگی اور انجام کار ہر چیز درخشانی ذروں (Radiation) کی صورت میں تبدیل ہو کر زمان و مکان میں گم ہو جائے گا لیکن اس وقت سے بہت پہلے ہمارا کرہ ارض ہمارے قدموں کے نیچے ختم ہو چکا ہوگا۔ اس کے بعد جب کائنات کی زندگی (یعنی دس کے بعد ۶۵ صفرے) تک پہنچے گی تو کالے دیو (Black Holes) جو اب تک ہر طرح کا مادہ ہڑپ کرتے جاتے تھے، ان کا پیٹ بھر چکا ہوگا۔ وہ اب ان سب چیزوں کو شعلوں کی صورت میں باہر پھینکنا شروع کر دیں گے اور بالآخر وہ خود بھی ختم ہو جائیں گے۔ اسکے بعد کائنات میں کوئی ٹھوس چیز باقی نہ رہے گی۔ صرف ٹھنڈی ریڈی ایشن (Cold Radiation) کے بحر ذخار ہونگے اور یوں وجود ہمیشہ کیلئے نور میں معدوم ہو جائیگا"۔

5.5 آخری منظر

اوپر دیا گیا جیمز ٹرائفل کا نظریہ ہو یا کسی اور سائنسدان کا آپ نے دیکھ لیا کہ اس بات پر سبھی اتفاق کر رہے ہیں کہ آخر کار سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اس انجام کار کو قیامت کا نام دیں یا کوئی اور سائنسی نام دیں، بات ایک ہی ہے کہ جو پیدا ہوا اس کو مرنا ہی ہے۔ کب مرنا ہے؟ اس سوال کے متعلق کوئی بھی حتمی رائے نہیں دے سکتا۔ انجام کار قریب ہے یا بدیر لیکن انجام ایک ہی ہے۔ موت کے مہیب سائے سب کو سمیٹ کر ملیا میٹ کر دیں گے۔ اس سلسلے میں اللہ کی کتاب کے مندرجہ ذیل الفاظ کو جتنی بار بھی دہرائیں کم ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے، حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے O

(سورۃ القصص، آیت ۸۸)

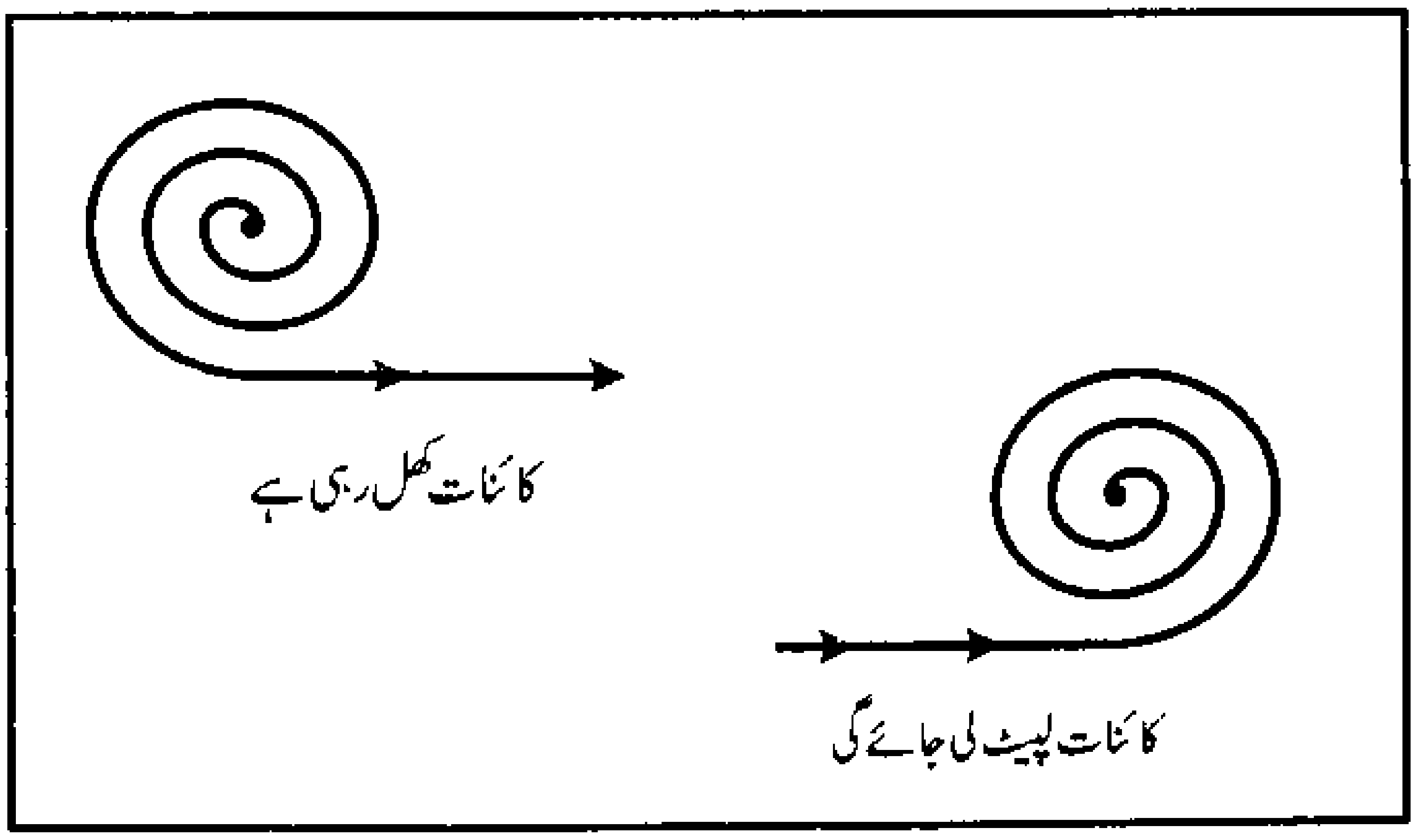
5.6 مایوسی کیوں؟

اس مسئلے پر قرآن حکیم اور سائنس میں فرق یہ ہے کہ کائنات کے متعلق سائنسی نظریات مایوسیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جبکہ قرآن مجید امید کی روشنی ہے۔ جیمز ٹرائفل (James Trifel) کائنات کے متعلق اپنی تحقیقات کی تفصیلات کے بعد مایوسی سے کہتا ہے کہ "خاتمہ کے ان مناظر تک پہنچنے کے بعد سائنس دان اور شاعر دونوں کیلئے خاموشی کے بغیر چارہ نہیں کہ اگلی صورتحال کیلئے کوئی الفاظ نہیں ملتے"۔

نوبل انعام یافتہ سٹیون ویمبرگ (Steven Wenberg) اپنی کتاب "پہلے تین منٹ" میں اس طرح اختتام پر پہنچتا ہے۔ "اس کائنات کے تمام معاملات جتنے زیادہ قابل فہم نظر آتے ہیں اس سے زیادہ بے معنی نظر آتے ہیں۔"

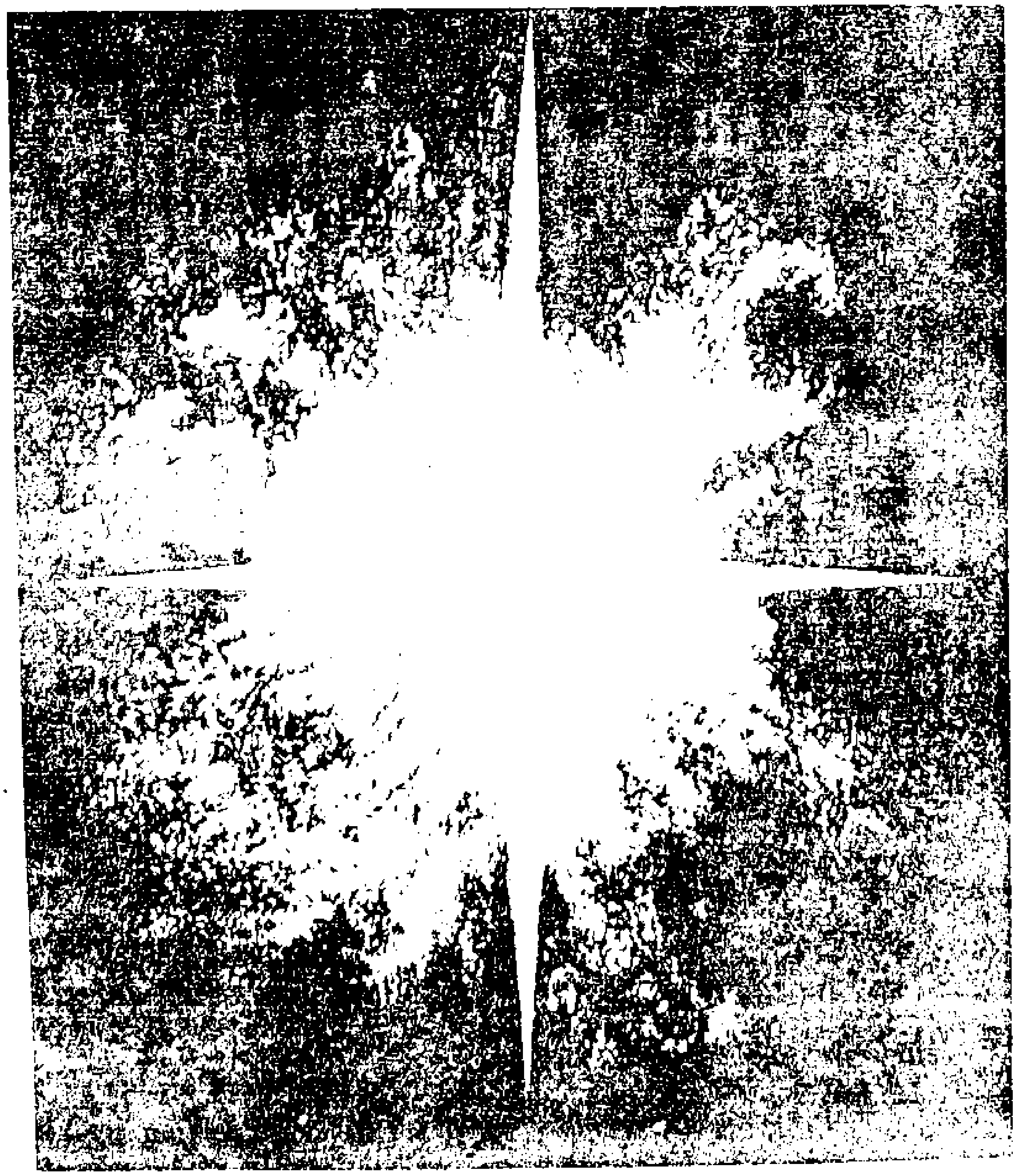
جب کائنات میں اسے کوئی مقصد نظر نہیں آتا تو انتہائی مایوسی کے عالم میں جیمز ٹرائفل کہتا ہے کہ "افسوس کہ اگر کروڑوں، اربوں سالوں کے بعد بھی یہ کائنات ختم ہونے والی ہے جب کوئی زندگی نہ ہوگی، کوئی فہم وادراک نہ ہوگا، انسانیت کی جدوجہد کی یادیں نہ ہونگی تو پھر اس زندگی اور اس سارے جہاں کے ہونے یا نہ ہونے میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟"

ان سائنسدانوں کی مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حیات بعد الموت اور حشر نشر پر یقین نہیں رکھتے لیکن ایک مومن جانتا ہے کہ یہ خاتمہ ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ یہ تو ایک بہت بڑی نئی دنیا کے آغاز کا پیش خیمہ ہے۔ وہ شاندار دنیا اس تمام مخلوق کیلئے ہوگی جو کبھی بھی کہیں موجودہ زمان و مکان میں رہی ہوگی۔ وہ ہم سب کی دنیا ہوگی۔ اس وقت زمان و مکان کے فاصلے ختم ہو جائیں گے اور کائنات کے کونے کونے سے ہم آپس میں مل رہے ہونگے اور سب اپنی اپنی زندگی کی جدوجہد کا بدلہ پائیں گے۔ جیسے ایک ایماندار اور محنتی مزدور دن کے خاتمہ پر مزدوری پا کر خوش ہوتا ہے اسی طرح اپنا انعام پا کر کچھ چہرے اس دن شادمان چمکتے دکھائی دیں گے اور کچھ بدقسمت سیاہ رو حسرت سے ہاتھ مل رہے ہونگے کہ انہوں نے زندگی کا موقع لہو و لعب میں ضائع کر دیا تھا۔ لیکن اللہ کے بندوں کیلئے یہ نیا شاندار آغاز ہوگا جس میں کوئی خوف، کوئی رنج اور کوئی غم نہ ہوگا۔ وہ اطمینان کی تکمیل کا دن ہوگا جب خوشی کو بھی پتہ چلے گا کہ اصل خوشی کیا ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



شکل نمبر 10: پوری کائنات کی قیامت

پوری کائنات کی قیامت کا ایک سبب تو اس کا سکڑنا اور پھر انتہاء تک سکڑنے کے بعد اپنے ہی ردعمل سے پھٹ جانا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہماری کائنات مثبت مادہ سے بنی ہے اور اسی زمان ومکان میں کوئی منفی کائنات بھی ہے تو ان دونوں کے آپس میں ملنے پر بھک سے یہ سب کچھ توانائی میں تحلیل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ جب ایک گلیکسی دوسری گلیکسی سے ٹکرا کرتباہ ہو تواس سے تباہی کاایک مسلسل عمل در عمل (Chain Reaction)چل پڑے اور یوں یہ سب کچھ ختم ہوجائے۔ قرآن پاك بتاتا ہے کہ موجودہ نظام یقیناً ختم ہونے والا ہے اور کچھ نہیں بچے گا ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے۔ موجودہ سائنس اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے۔ نیچے شکل کسی کہکشاں کی قیامت کبریٰ کا ایک سائنسی منظر ہے۔



باب نمبر 6

کائنات اور کائناتی قیامت کے متعلق مزید قرآنی انکشافات

اوپر ہم نے جدید سائنسی نظریات کے مطابق کائنات کی قیامت پر روشنی ڈالی ہے اور جہاں مناسب ہوا وہاں قرآن حکیم کی آیات سے مضمون کو واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم قرآن حکیم کی روشنی میں اسی مسئلہ کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ سائنس حرف آخر نہیں لیکن قرآن حرف آخر ہے البتہ جوں جوں سائنسی معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے قرآن حکیم کی آیات کو سمجھنا ہمارے لئے مزید سہل ہوتا جاتا ہے لیکن اگر سائنسی نظریات کہیں قرآن الحکیم سے ٹکراتے نظر آتے ہیں تو ضرور یا تو ہم ان سائنسی نظریات کو اچھی طرح نہیں سمجھتے یا یہ نظریات غلط ہیں یا ہم قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ مثلاً قیامت کے بارے میں قرآن حکیم اچانک آنے کی خبر دیتا ہے اس لئے ہم ان تمام سائنسی تھیوریوں کو جو قیامت کا آہستہ آہستہ مرنا قرار دیتے ہیں آسانی سے رد کر سکتے ہیں۔ بہر حال سائنس دانوں کی تحقیقات اور قرآن پاک میں بیان شدہ قیامت کے نظاروں کی مشابہتوں کو تلاش کرنے میں طرفین یعنی سائنسدانوں اور قرآنی علوم کے طالب علموں کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ اس خلوص کے ساتھ اگر کوئی قرآن پاک کی آیات میں غور کرنے کے بعد سائنسی تحقیقات کا تجزیہ ایماندارانہ کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن پاک کے حقائق یقیناً سائنس کی راہنمائی کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں اب ذرا سورۃ تکویر کی کچھ آیات مبارکہ پر نظر ڈالیں۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ O وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ O وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ O
وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ O وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ O وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ O
وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ O وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ O بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ O
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ O وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ O وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ O
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ O

جب سورج لپیٹا جائے گا O اور جب تارے دھندلا جائیں گے O اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے O اور جب گابھن اونٹنیاں معطل ہو جائیں گی O اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے O اور جب سمندر آگ پکڑیں گے O اور جب جانیں جوڑا جوڑا بنیں گی O اور جب پیدا ہوئی لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے گا O

یہ کس خطا پر قتل کی گئی O اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے O اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا O اور جب جہنم بھڑکا دی جائے گی O اور جب جنت آراستہ کی جائے گی O تو ہر نفس جان جائے گا جو عمل وہ لایا ہوگا O

(سورۃ تکویر، آیات ۱ تا ۱۴)

یہ آیات کریمہ کائنات کی قیامت کے مختلف ادوار، حشر نشر اور یوم جزا و سزا کی پوری تاریخ کا تصور پیش کر رہی ہیں (سبحان اللہ)۔ اربوں سالوں پر محیط مناظر کو چند الفاظ میں سمیٹ کر تمام واقعات کا نقشہ کھینچ دینا صرف رب العالمین ہی کا کام ہے۔ اب اسی مضمون پر مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر غور فرمالیں:

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ O وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ O وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ O وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ O

جب آسمان پھٹ پڑے گا O اور جب تارے جھڑ جائیں گے O اور جب سمندر ابل پڑیں گے O اور جب قبروں سے اٹھائے جائینگے O ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا O

(سورۃ انفطار، آیات ۱ تا ۵)

قرآن پاک کے یہ بیانات حسن اور اسلوب کی اعلیٰ ترین مثال ہیں جن میں قیامت، زمان و مکان اور آخرت کے مختلف ادوار کی نہایت جامع طور پر انتہائی بلاغت کے ساتھ چند الفاظ میں منظر کشی کر دی ہے لیکن زور واقعات پر نہیں بلکہ مقصد پر ہے کہ لوگ تنبیہ پکڑیں تا کہ حرص و ہوس میں کھو کر اپنا دائمی نقصان نہ کر بیٹھیں۔ عالم برزخ میں ہمارے مقام کا انحصار اس بات پر ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی ہم نے کیسے گزاری تھی۔ ستاروں کے جھڑ جانے کے مناظر، فلکیات کے بکھر جانے کے واقعات، قبروں کے پھٹ جانے، آسمانوں میں شگاف اور بکھر جانے کے عمل اور سورج کو لپیٹ لئے جانے کے مناظر ہمارے زمان و مکان کے سفر میں پیش آنے والے چند واقعات ہیں۔ اصل اور اہم سوال تو یہ ہے کہ ہمارے نفوس نے آگے کیا بھیجا ہے اور اپنے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟ آخرت میں ہماری اگلی زندگی کے سفر کا دارومدار اعمال پر ہوگا جو ہم آگے بھیج چکے ہونگے یا پیچھے چھوڑ چکے ہونگے۔

6.1 سائنس کیلئے سبق

سائنسدانوں کیلئے بھی یہ غور طلب بات ہے کہ کائنات کے رازوں کو دریافت کرنا ایک اہم بات ہے لیکن اس سے بھی اہم تر بات اس

میں اپنے مقام کی تلاش ہے جس سے سائنس نے آج اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں جبکہ قرآن کا مقصد واقعات کی تفصیل نہیں بلکہ ہدایت ہے تا کہ انسان آخرت میں کامیاب ہو جائے۔اس لئے قرآن کریم میں جن رازوں کو آشکارا کیا گیا ہے وہ کسی لادین سائنس دان کیلئے بھی حقیقت کو جاننے کیلئے اہم ہیں۔اسی ضمن میں کائنات کی تباہی اور اس کے پھیلنے سکڑنے کا جو منظر پیش کیا گیا ہے اور یہ کہ آخر میں ساری کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا، یہ آج کی سائنس کی بھی فخریہ دریافت ہے۔

قرآن پاک یہ بھی بتاتا ہے کہ جب" کن " کا حکم ہوا جسے سائنسدان (Big Bang) کا نام دیتے ہیں اس وقت سے کائنات پھیل رہی ہے۔قرآن پاک ہمیں یہ بھی باور کراتا ہے کہ کائنات کا پھیلاؤ ایک وقت پر پہنچ کر سکڑنے میں تبدیل ہو جائے گا اور کائنات لپیٹ لی جائیگی اور بالآخر اپنے نقطہ آغاز پر پہنچ جائے گی۔یہ عظیم سائنسی انکشافات ہیں جن کا آج سائنس خود پرچار کر رہی ہے اور بے شمار سائنسدان یوں اپنی تحقیقات کے ذریعے قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے ہیں لیکن ان سے بھی عظیم تر وہ قرآنی خبریں ہیں جو حیات بعد الموت، روز جزا وسزا اور جنت، دوزخ کی دائمی زندگی کے بارے میں ہیں۔اگر سائنس قرآن کے ایک حصہ کو سچا ثابت کر چکی ہے تو بقیہ جو اس کے سکوپ میں نہیں آرہا اسے کوئی صاحب کیسے غلط کہہ سکتا ہے؟اب سائنسدان کو یہ سوچنا ہے کہ وہ ان کو مانتا ہے یا نہیں۔

موجودہ سائنس وحی الٰہی سے ناواقفیت کی بناء پر اپنے مستقبل سے مایوس ہے۔اس کے پاس انسان کیلئے امید کی کوئی کرن نہیں لیکن قرآن الحکیم بلا شبہ کھل کر اعلان کرتا ہے کہ نئی کائنات ضرور ہوگی اور وہ ہمارے ہی لئے ہوگی۔مادیات کو زوال ہے لیکن روحانیات اٹل حقائق ہیں اور انسان ان سب کا کمال ہے۔یہ کائنات بھی اسی کیلئے ہے اور وہ کائنات بھی اسی کیلئے ہوگی۔(موجودہ کائنات کے مٹ جانے کے بعد جو نئی کائنات یا عالم آخرت وجود میں آئیں گے ان کے تصور کو شکل نمبر ا میں پیش کیا گیا ہے۔تفصیلات اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے)۔

6.2 تخلیق کائنات، گھماؤ اور سکڑاؤ کی حقیقت

قران پاک سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے کچھ نہیں تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے اظہار کے طور پر زمان ومکان کا پہلا جوڑا پیدا کیا اور پھر جوڑے کے باہم عمل سے منفی اور مثبت توانائی کو ان ہونی (Nothingness) سے تخلیق کیا، یعنی کائنات کی ابتداء زمان و مکان (Time and Space) کے جوڑے سے ہوئی اور وہاں سے منفی مثبت توانائی (Positive and Negitive Energy) کے جوڑے پیدا کئے جو مثبت اور منفی مادہ (Matter and Antimatter) کا سبب بنے اور وہیں سے تخلیق در تخلیق کا یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے۔آج بھی زمان ومکان کے انجن سے لطیف مادہ پیدا ہو رہا ہے اور یوں کائنات میں مادہ کی مقدار بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

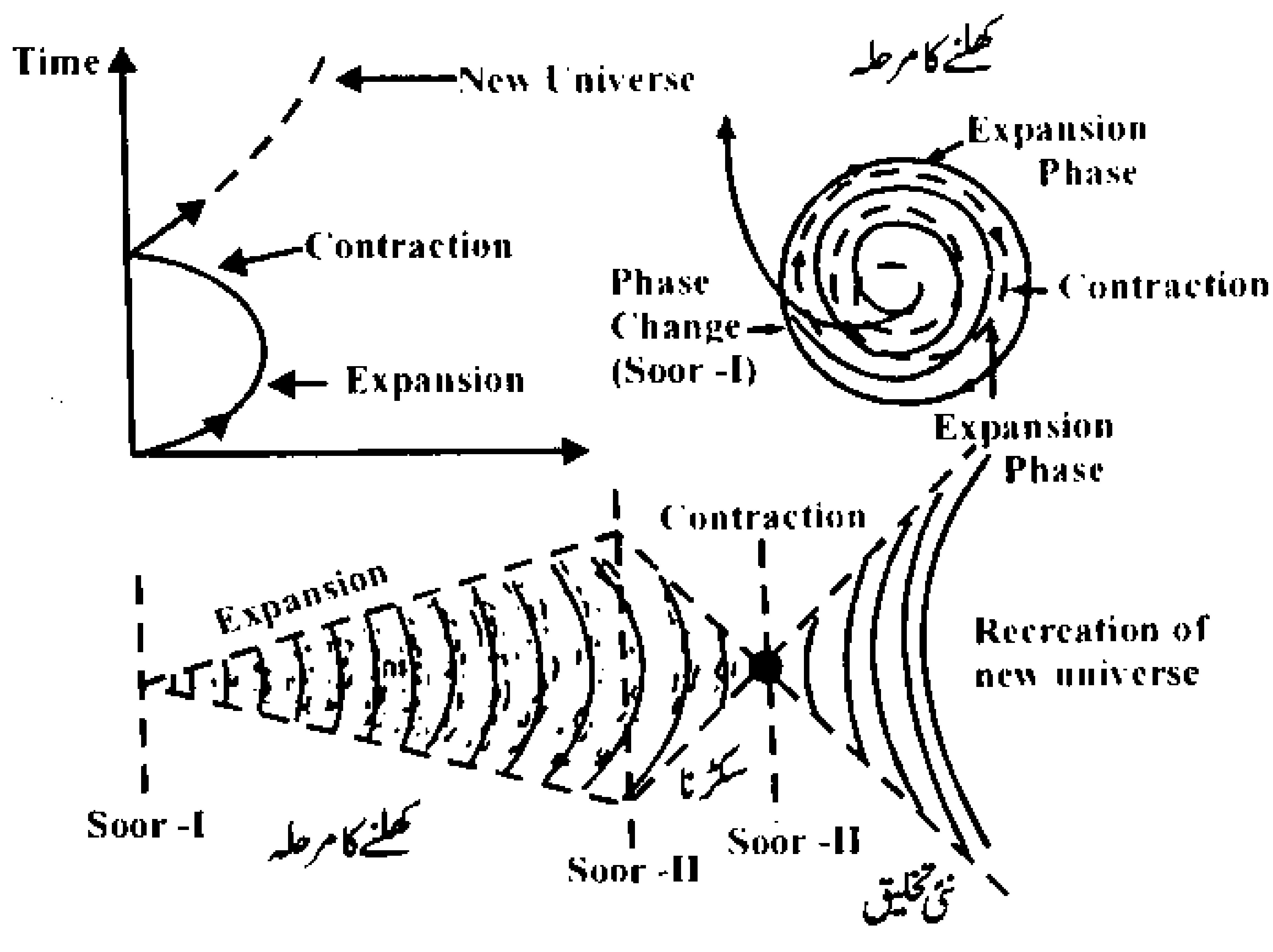
آغاز میں اللہ تعالیٰ نے " کن " کے امر پر آفرینش کو اپنی قوت تخلیق سے گھما دیا۔اس وقت سے طوعاً و کرہاً سب اللہ تعالیٰ کے قانون

شکل نمبر 11: عالم آخرت کی تخلیق

عالم آخرت موجودہ کائنات ھی کے نتیجہ میں وجود میں آئے گا۔ قرآنی نکتہ نظر سے موجودہ کائنات اپنی تخلیق سے کچھ عرصہ تک کھلتی جاتی ھے۔ جیسے لکھنے والا طورمار کو کھولتا ھے اور اس پر لکھتا جاتا ھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کائنات کو کھول رھا ھے اور اس میں کئی نئی دنیائیں تشکیل دے رھا ھے۔ آخر کار جب مالک چاھے گا، جیسے طورمار کو لپیٹ لیا جاتا ھے کائنات خوداپنے پر الٹا دی جائے گی اور وہ اپنے نکتہ آغاز کی طرف لوٹنا شروع ھو گی۔ جب سکڑنے کی انتہاء ھوجائے گی تو ایک چنگھاڑ (صور) کے ساتھ دوبارہ تخلیق کا امر شروع ھو گا اور ایک ھمیشہ قائم رھنے والی نئی کائنات بنائی جائے گی جو موجودہ کائنات کی نسبت انتہائی بڑی ھو گی۔ فرمان ربی ھے:۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَ اْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ O

جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے جیسے کاغذ لپیٹتے ہیں اس کے بعد جیسا ہم نے اسے پہلے بنایا تھا ویسا ہی پھیر کر دینگے اس وعدے کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ہم اس کو ضرور پورا کریں گے O (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۴)



کے مطابق چل رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کائنات پھیل بھی رہی ہے اور اسی خدائی حکم پر سبھی چکر کاٹ رہے ہیں (سورۃ الذاریات، آیت ۴۷) اس بنیادی چکر یا گھماؤ کی طاقت اس قدر تھی کہ اربوں سالوں بعد بھی "امر کن" کے نتیجہ میں تمام کہکشائیں اور تمام چھوٹے بڑے ذرات اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ آخر ایک دن آئے گا جب دوسرے " کن " کے امر سے کائنات سکڑنا شروع کردے گی اور اپنی پہلی آغاز والی حالت پر پہنچ کر ایک بڑی نئی کائنات میں بدل جائے گی۔

اللہ کے رسول معظم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق میں تین دھماکہ خیز واقعات بڑے اہم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو " صور " کا نام دیا گیا ہے۔ پہلا دھماکہ پہلی تخلیق کا تھا، دوسرا دھماکہ اس کائنات کے سکڑنے پر ہوگا، جب زمان ومکان الٹا چلنا شروع ہونگے اور تیسرا دھماکہ نئی کائنات کی تخلیق پر ہوگا۔ موجودہ کائنات کو لپیٹ لینے کا منظر تخلیق کے پہلے عمل کے بالکل برعکس ہوگا۔ دراصل پہلے پھیلنا اور پھر سکڑنا، یہ کارخانہ قدرت کی اندرونی اصولی خصوصیت ہے اور یوں رب العالمین نے کائنات کا انجام اس کی پیدائش ہی میں رکھ دیا تھا۔ اس کی مثال ایک سپرنگ کے زوردار طریقے سے کھل کر اپنے ہی زور سے اپنے اوپر الٹی سمت میں لپٹنے کی ہے۔ یوں کائنات ایک شاندار انجن ہے جس کی ہر حرکت، ہر آواز، ہر کام، ہر منظر ایک جداگانہ شان رکھتا ہے جو سب خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی شان کا اظہار ہیں جس کی وضاحت ہم سورۃ الرحمٰن کی آیت (29)55 کے حوالہ سے پہلے بھی کر چکے ہیں۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ O

اسی سے سوال کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ وہ ہر روز ایک نئی کیفیت (شان) میں ہوتا ہے O (سورۃ الرحمٰن آیت ۲۹)

کائنات کا ایک شاندار پہلو یہ ہے کہ تخلیق در تخلیق لاکھوں شمسی نظاموں کے ٹھکانے لگنے کا سرگرم عمل ہر وقت جاری ہے۔ امریکہ کی خلائی دوربین ہبل (Hubble) نے ستاروں کی تباہیوں کی جو تصاویر بھیجی ہیں وہ اس قدر حیران کن ہیں کہ انسانی آنکھ جہاں دیکھتی ہے وہیں ٹھہر جاتی ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیت 29 سے پتہ چلتا ہے کہ بیشک کائنات کا ہر دن ایک نرالی شان کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کے لپیٹنے کا زمانہ بھی کم شاندار نہ ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ سرگرم عمل ہوگا۔ ستاروں کے پھٹنے سے ایک عجیب آتش بازی کا تماشہ ہوگا جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

اب ذرا سورۃ الانبیاء کی آیت مبارکہ ۱۰۴ کے دوسرے حصے کی طرف دھیان دیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے فرمایا " جیسے ہم نے پہلی پیدائش کی ابتداء کی اسی طرح ہم اس کو دہرانے والے بھی ہیں " اس کے معنی بالکل واضح ہیں کہ ایک مرتبہ جب اس حاضر و موجود کو لپیٹ لیا جائے گا تو پہلی تخلیق کی سی ابتدائی صورت رونما ہو جائے گی جہاں سے دوبارہ اس عمل کو دہرایا جائے گا (شکل نمبر 11)

اب قرآن پاک کی ان آیات مبارکہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ پچھلی ایک صدی میں کائنات کے متعلق سائنس دانوں کی تحقیق پر غور فرمائیے۔ آفرین ہے انسانی مساعی پر کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو ذہن دیا ہے اس کو استعمال کرتے ہوئے وہ قرآن الحکیم کی سچائیوں کے قریب قریب پہنچ چکا ہے۔ کبھی وہ کائنات کے اس وسیع نظام سے اس قدر مرعوب تھا کہ وہ اسے ابدالاباد سمجھتا تھا لیکن آج قرآنی آیات کی مطابقت میں برملا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ بھی قدرت کے دھارے میں سے ایک دھارا ہے جس کا آغاز ہوا جواب اپنی موت کا منتظر ہے۔

6.3 کچھ حل طلب سوالات

یہیں سے ہم چند اہم حل طلب سوالات کی طرف آتے ہیں۔ انہی میں بگ بینگ (Big Bang) ہے جسے سبھی مانتے ہیں لیکن "یہ دھماکہ کیسے ہوا، کس میں ہوا، کہاں ہوا، اسکی شکل کیسی تھی"؟ ان سوالات پر انسان صرف قیاس آرائی ہی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ تو صاف پتہ چل چکا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ "لیکن کیوں پھیل رہی ہے"؟ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی سائنسدان دیکھ رہا ہے کہ ہر چیز، ایٹم کے ذرات سے لے کر عظیم کہکشاؤں تک، سبھی اپنے اپنے مدار میں ایک خاص تنظیم کے تحت گھوم رہی ہے لیکن "کیوں گھوم رہی ہے؟ اس گھومنے کے پیچھے کیا عناصر کام کر رہے ہیں؟

"ابھی تک کی سائنسی تحقیقات میں ان سوالات کے جواب محض سطحی حد تک ملتے ہیں لیکن ان رازوں سے پردہ اٹھانے کیلئے اللہ کی کتاب (قرآن الحکیم) پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ سورۃ الذاریات کی صرف ایک آیت نمبر (۴۷) میں کائنات کی تخلیق کی ایسی منظر کشی کی گئی ہے جس سے ان سوالات میں سے کئی ایک کے جوابات آنکھوں کے سامنے خود بخود آ جاتے ہیں۔ بگ بینگ بھی ایک منظر کی صورت میں نظر آتا ہے اور کائنات کے پھیلنے کے راز بھی کھلتے جاتے ہیں جس پر لاکھوں سائنسی کتابیں بھی ناکافی ہیں۔ یہ قرآن پاک کا معجزہ ہے کہ اس قدر وسیع مضمون کو صرف چھ الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ فرمایا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ O

اور ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھ کے گھماؤ سے بنایا اور یقیناً ہم اسے پھیلانے والے ہیں O

(سورۃ الذاریات، آیت ۴۷)

علامہ عبداللہ یوسف علی نے (**بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ**) کا تحت اللفظ کے طور پر جو انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس کو ہم اردو میں ہاتھ کا گھماؤ کہیں گے جیسے ایک لٹو کو ہم ہاتھ سے چکر دے کر اس میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ صحیح اور دلچسپ ہونے کے علاوہ کائنات کے گھومنے کے پیچھے کارفرما طاقت کا بھی مظہر ہے۔ آیت کا دوسرا حصہ (**وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ**) یعنی "یقیناً ہم اس کو کشادہ کر رہے ہیں"، منظر کو مکمل کر دیتا ہے۔

چنانچہ تخلیق کے عمل کی ابتداء سے کائنات جو گھوم رہی ہے اور کھل رہی ہے تو یہ سب کچھ اس ابتدائی طاقت کا اثر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کے گھماؤ سے بیان کیا ہے یعنی بگ بینگ کوئی بے ہنگم دھماکہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تحت ایک خوبصورت جھٹکا تھا جس سے بیک وقت کائناتی مادہ اور اس کا زمان و مکان بھی پیدا ہوا اور انتہائی زبردست طاقت سے گھما بھی دیا گیا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر گھومنے والی چیز باہر کی طرف زور لگاتی ہے اور یہ زور (Centrifugal Force) گھومنے کی رفتار کی نسبت کے مربع کے مطابق ہوتی ہے ($F=1/2mv^2$) چنانچہ کائنات کا ذرہ ذرہ گھماؤ اور پھیلاؤ سے آج بھی ہر سو گواہی دے رہا ہے کہ قادر مطلق نے اسے کسی خاص مقصد کے تحت خاص ڈیزائن کے مطابق پیدا کیا ہے۔

6.4 توازن اور پھیلاؤ

سائنس کیلئے یہ سوال بھی اہم ہے کہ کائنات کے مسلسل کشادہ ہونے کے عمل میں خالق کا کیا مقصد پنہاں تھا۔ قرآن الحکیم اس مسئلہ کا حل بھی انتہائی جامع اور معجزانہ الفاظ میں واضح کر دیتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ پھیلاؤ کائنات میں توازن کا سبب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ نظام کائنات قائم نہ رہ سکتا۔ اسی سے فلکیات کے سارے سسٹم کو سکون ملا اور عمل میں پختگی آئی۔ ابتداء میں جب کائنات بہت چھوٹی تھی اس کے اندر کی دنیا گھٹن کی حالت میں تھی اور شدید افراتفری والی صورت حال تھی ہر طرف حادثات اور اجسام کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی وجہ سے ابتری کا عالم تھا اور ایسے میں کوئی بڑا نظام مثلاً کہکشانی دنیائیں وغیرہ نہیں بن سکتی تھیں۔ اس کیلئے بڑی وسیع خالی جگہ کی ضرورت تھی اور یہ کام اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پھیلانے کے عمل سے لیا۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک اپنی نرالی ادا کے ساتھ ہمیں کائنات کے پھیلاؤ کے عمل اور فلکیات کے درمیان توازن میں جو تعلق ہے اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ کتنا اہم عمل ہے۔ مندرجہ ذیل آیت ربانی قدرت کی اس شاہکار حقیقت کا بیان ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَO

اور آسمان کو رفعت (کشادگی) دی گئی اور توازن قائم کیا گیاO (سورۃ الرحمٰن، آیت ۷)

اس آیت مبارکہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے فرمایا گیا "ہم نے آسمان (کائنات) کو رفعت بخشی" یعنی اسے کھول دیا گیا اور پھر اس کے بعد فوراً فرمایا گیا "اور اس میں توازن پیدا کیا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات میں میزان یعنی توازن کے عمل کا اس کی رفعت یعنی پھیلاؤ کے عمل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جب کائنات چھوٹی تھی تو توازن قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن ہوا جب آسمان ایک خاص حد سے زیادہ رفیع اور وسیع ہو گیا۔ اب جو اس کارخانہ قدرت میں نسبتاً سکون ہے اور ہر چیز کسی اصول کے تحت چل رہی ہے تو اس کی وجہ اس کے پھیلنے اور کھلنے کا عمل

ہے۔ جوں جوں کائنات کھلتی گئی طلاطم کم ہوتا گیا اور بڑے بڑے اجسام کی تشکیل ہونا شروع ہوئی اور آخر کار زمین اور سورج جیسے زندگی کو نشونماء دینے والے نظام معرض وجود میں آ گئے۔

اس آیت مبارکہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ توازن کے لئے آسمانوں کی وسعت کی بھی ایک کم سے کم حد ہوگی اور اسی طرح زیادہ سے زیادہ حد بھی ہوگی جہاں سے آگے توازن بگڑنے لگے گا۔ اس کے بعد پھیلاؤ رک جانا چاہیے۔ چونکہ بہت زیادہ پھیلاؤ کی وجہ سے نظام کے مختلف حصے اتنی دور جا سکتے ہیں کہ ان پر ایک دوسرے کے باہمی اثرات ختم ہو جائیں گے اور یوں درمیانی طاقتوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے یہ نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔

6.5 کائنات کے سکڑنے کی وجوہات

پچھلے صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک حد تک پھیلاؤ کے بعد سائنسدانوں نے کائنات کے سکڑنے یا واپس الٹنے کا جو نظریہ قائم کیا ہے، وہ دراصل ایک قرآنی نظریہ ہے کہ ہر چیز کی آخری تقدیر اس کی موت ہے اور یہ قانون قدرت ہے کہ ہر کمال را زوال، ہر زوال را کمال۔ سورۃ القصص کی آیت مبارکہ 88 دلالت کرتی ہے کہ سب کچھ ختم ہونے کے بعد بھی اللہ کا حکم باقی رہتا ہے اور انجام کار اسی عالی ذات کی طرف ہر چیز کا رجوع ہے۔ یعنی چیزیں اپنی ابتدائی حالت کو لوٹ جائیں گی۔

جہاں تک کائنات کا تعلق ہے اس سلسلے میں منطقی سوال یہ ابھرتا ہے کہ کونسی چیز ہے جو اس پھیلاؤ میں ٹھہراؤ پیدا کر دے گی؟ اور کائنات کے سکڑنے کا عمل کیونکر شروع ہوگا؟ سائنسی قوانین میں پھیلاؤ کے خلاف کام کرنے والی ایک قوت کا نام کشش ثقل (Force of Gravity) ہے جس پر ہم پہلے بھی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ یہ قوت کائنات کی چار بنیادی قوتوں میں سے اول قوت ہے اور اس کا اصول یہ ہے کہ تمام اجسام آپس میں ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور کھنچاؤ کی طاقت دوری کے مربع کے حساب سے کم ہوتی جاتی ہے۔ کشش ثقل کے علاوہ ایک محرک جسم کی حرکت کو روکنے والی قوت رگڑ (Fricton) ہے۔ یہ رفتار کے مربع اور ماحول کی کثافت کی نسبت سے بڑھتی گھٹتی ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم پوشیدہ مادہ (Hidden Matter) کی بات بھی کر چکے ہیں جو کائنات میں ہر جگہ چھپا بیٹھا ہے۔ سائنسدان اس کو نیوٹرینیز (Neutrinos) کا نام دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ برقیات (Electron) سے بھی چھوٹے ذرات ہیں اور برقی تناؤ سے خالی ہیں لیکن کشش ثقل کے تحت یہی ان دیکھا مادہ کائنات کو کھینچ کر سکڑنے کا باعث بن سکتا ہے۔ (۱۳) جیسے کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن الحکیم بھی انسان کو چھپی اور ان دیکھی چیزوں کے وجود سے آگاہ کرتا ہے جسے "غیب السمٰوٰت والارض" کا نام دیا گیا ہے۔ اور ان کے اور قیامت کے باہمی تعلق کا ذکر بھی کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ نحل آیت ۷۷ کے حوالے سے ہم کائنات کے ٹھہراؤ اور سکڑنے پر یقین کر سکتے ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ

یب السمٰوٰت والارض کی کشش اور رگڑ کی قوت سے پھیلتی ہوئی کائنات رک جائے اور جیسے ہی یہ رکے گی پھر وہاں ہرگز ٹھہر نہیں سکے گی بلکہ مان ومکان الٹ جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت 104 میں دیکھ چکے ہیں۔ قرآن الحکیم نے اس واقعہ کو طومار کر لپیٹنے سے تشبیہہ دی ہے۔

طومار (Scroll) لپیٹنے کی انتہائی معنی خیز اور ڈرامائی مثال ہے جس پر غور کر کے ایک سائنس دان کائنات کے بارے میں بہت کچھ یکھ سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ لپیٹنے کا عمل چھپے ہوئے مادہ کی وجہ سے ہوگا بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیزی سے کھلتے ہوئے سپرنگ کی مانند پورا کھلنے کے بعد کائنات اپنے ہی زعم میں آغاز کو واپس ہونے لگے۔ یہی کچھ بہت زیادہ دباؤ کی لہر (Pressure Waves) سے شروع ہوسکتا ہے جو کسی گلیکسی ی قیامت کی وجہ سے پیدا ہو۔ غرض ایسی کئی وجوہات ممکن ہیں جو سائنس کیلئے تحقیق کے موضوع بن سکتی ہیں۔ ان عظیم تبدیلیوں کے آغاز کو رآن پاک میں صور بجنے کے نام سے پکارا گیا ہے کہ وہ قیامت شروع ہونے کا اعلان ہوگا۔ اس نقارہ کی آواز کے ساتھ زمان ومکان الٹ جائیں گے۔ ماضی مستقبل بن جائے گا جو کچھ اس کائنات پر گزرا ہے اس کی تاریخ دہرائی جائے گی جیسے فلم الٹی چلنے لگتی ہے۔

6.(کائنات گھوم رہی ہے (Revolving Universe)

ہم پچھلے صفحات میں قرآن پاک کی رو سے کائنات کے پھیلاؤ کے فطری امر پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں اور سائنس کی تازہ دریافتیں س نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔ اب ہم اللہ کی کتاب کی مدد سے کائنات کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کائنات گھوم ہی ہے۔ یہ عظیم حقیقت قرآن پاک میں معجزانہ اختصار کے ساتھ واضح کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ O

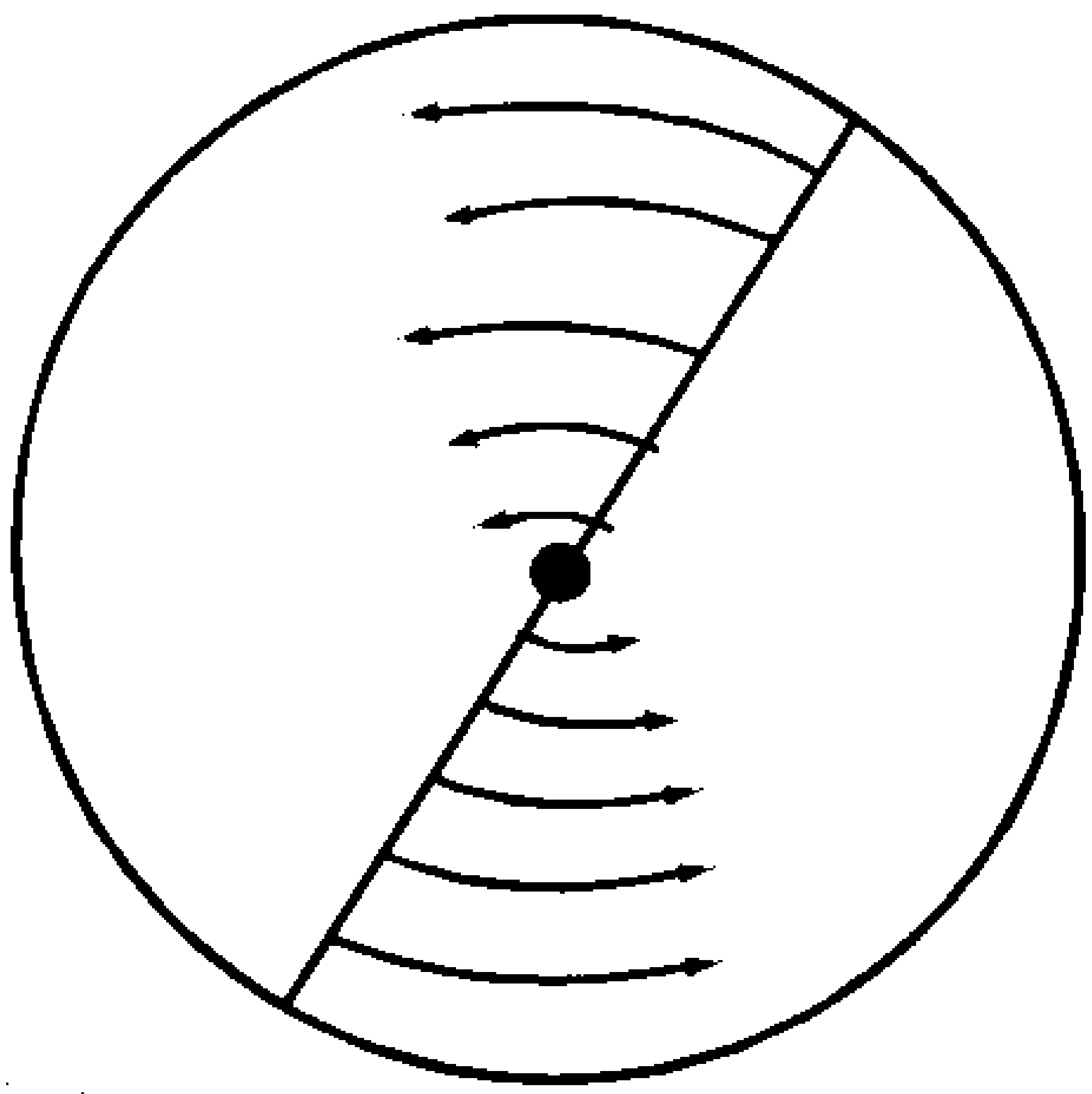
اور آسمان کی فطرت (ذات) میں گھومنا ہے O (سورۃ الطارق، آیت ۱۱)

یہ معجزانہ کلام انتہائی قابل غور ہے جس میں حیران کن اختصار کے ساتھ کائنات کی اس عظیم حقیقت کا چند عام فہم الفاظ میں نقشہ کھینچ دیا لیا ہے کہ گھومنا اور چکر لگانا یعنی اپنی پہلی حالت کو واپس آنا، کائنات کا تخلیقی وصف ہے جو ہر چیز کی تخلیق کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔

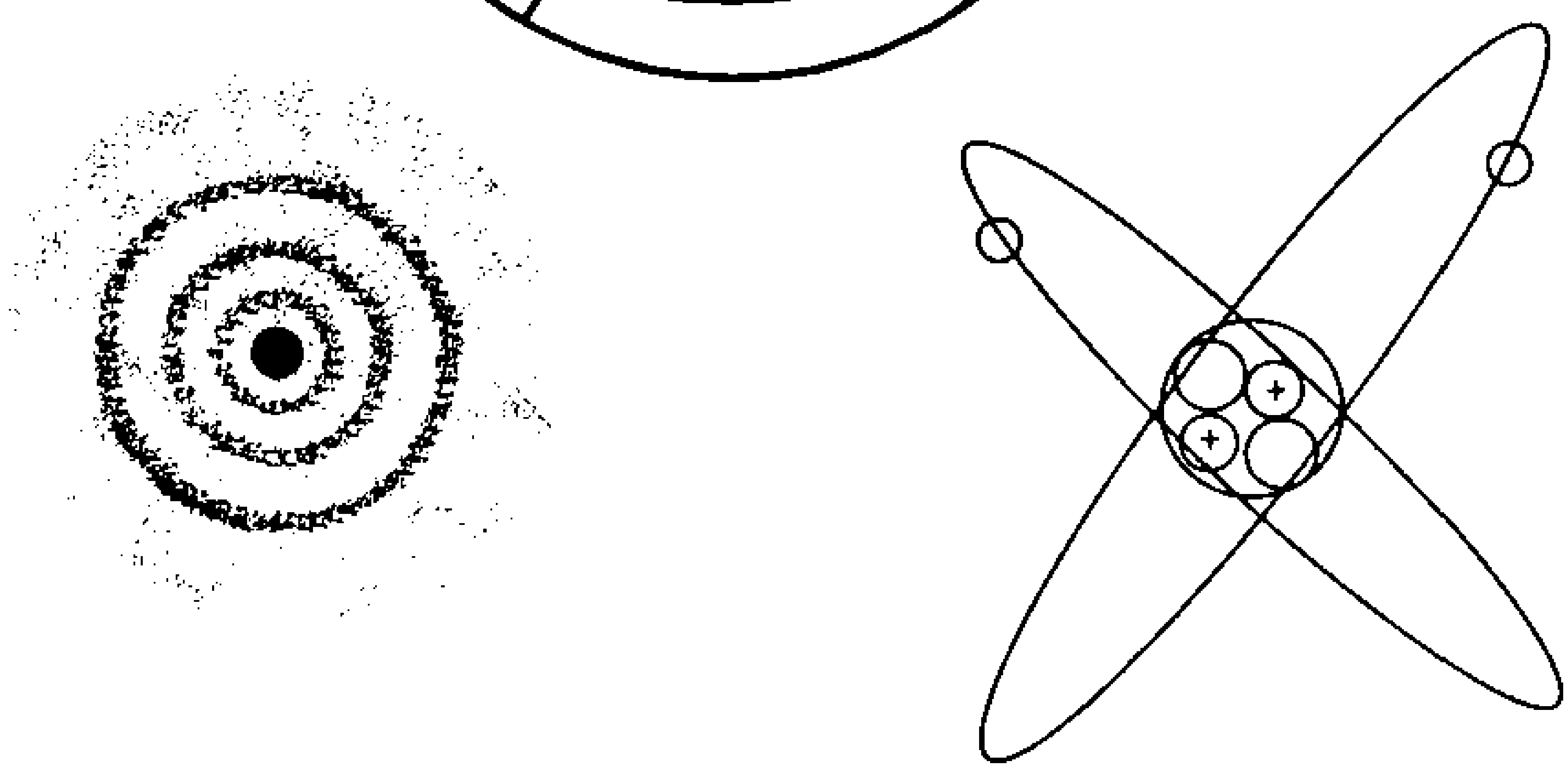
ہمارے سامنے سورج اپنے محور پر گھوم رہا ہے اور کہکشاں میں بھی ایک خاص مدار پر چکر کاٹ رہا ہے۔ زمین اور دیگر سیارے سورج کے لرد گھوم رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے محور پر بھی گھوم رہا ہے۔ ساری کی ساری کہکشائیں اپنے اربوں کھربوں ستاروں کے نظام کے اتھ اپنے محور پر گھوم رہی ہیں اور ساتھ ساتھ کائنات میں بھی ان کا اپنا مدار ہے جس پر چکر کاٹ رہی ہیں اور یوں کوئی عظیم الشان ہاتھ ان لاکھوں لروڑوں ستاروں کے کہکشانی نظام کو ایک بندھن میں باندھ کر کسی عظیم نکتہ کے اردگرد گھما رہا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہاں تو ذرہ ذرہ گھوم رہا ہے، ایٹم

شکل نمبر 12: کائنات گھوم رہی ہے

جیسا که سورة الذاریات کی آیت۴۷ اور سورة انبیاء کی آیت مبارکه۱۰۴ سے ظاهر هے که کائنات کا ذره ذره گهوم رها هے اور سورةالطارق کی آیت ۱۱ کے مطابق یه ایٹم سے لے کر پوری کائنات کی خلق کی خاصیت هے۔ زیر نظر تصویر اسی کیفیت کو ظاهر کرنے کیلئے دی گئی هے اور یهی کیفیت شکل نمبر۱۲ میں دکھائی گئی۔



ٹوٹل کائنات کا
نظام گھوم رہا ہے



گھومنے کا تسلسل مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ یعنی ایٹم کے اندر بھی جاری ہے۔ سامنے شکل میں ایٹم کے نکلیس (Nucleus) کے اردگرد الیکٹران بادل کی طرح گھوم رہے ہیں۔

اپنے محور پر گھوم رہا ہے، الیکٹران ایٹم کے اردگرد چکر لگا رہا ہے، غرض کہ سبھی طواف کے عمل میں مصروف اپنے رب کی تسبیح کر رہے ہیں جیسے مجموعی حیثیت میں سب مل کر عرش عظیم کا طواف کر رہے ہیں۔

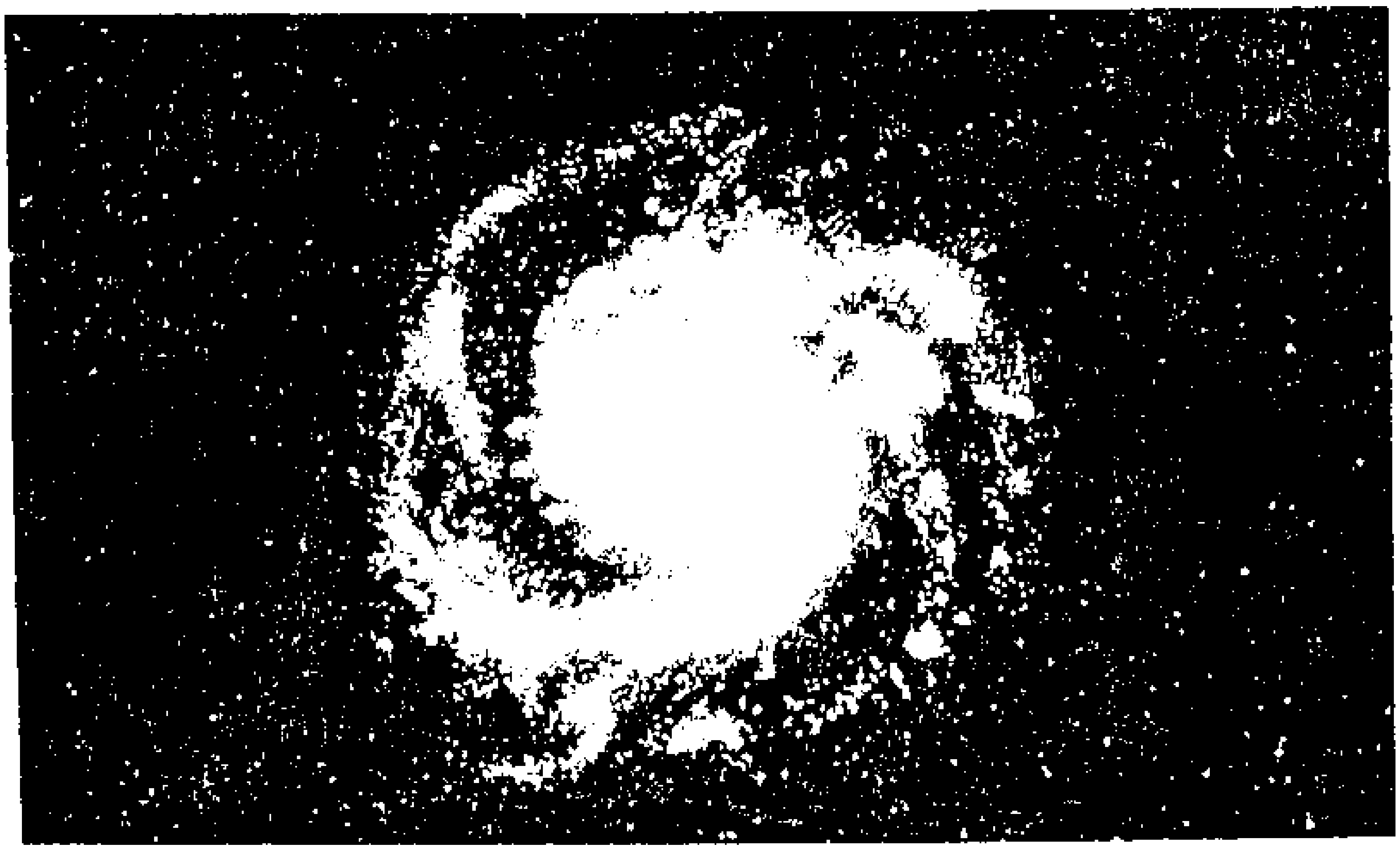
کائنات کے ایک ساتھ گھومنے اور پھیلنے کے عمل کو اشکال ۹، ۱۰، ۱۱اور ۱۲ میں دکھایا گیا ہے۔ کائنات اپنے نقطہ آغاز سے ایک زبردست چکر کیساتھ شروع ہوئی اور گھماؤ کی باہر کی طرف کرنے والی طاقت (Centrifugal Force) سے چکر میں کھلتی نظر آرہی ہے۔ پوری طرح پھیلاؤ اختیار کرنے کے بعد کائنات دوبارہ واپس اپنے اوپر گھومتی اور سکڑتی بھی دکھائی گئی ہے۔ شکل نمبر ۹ میں موٹی لکیریں کائنات کے پھیلاؤ کو ظاہر کرتی ہیں اور ٹوٹی پھوٹی لکیریں واپسی کے سکڑنے کے عمل کو ظاہر کرتی ہیں۔ دراصل یہی عمل ہر کہکشاں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ (۵)

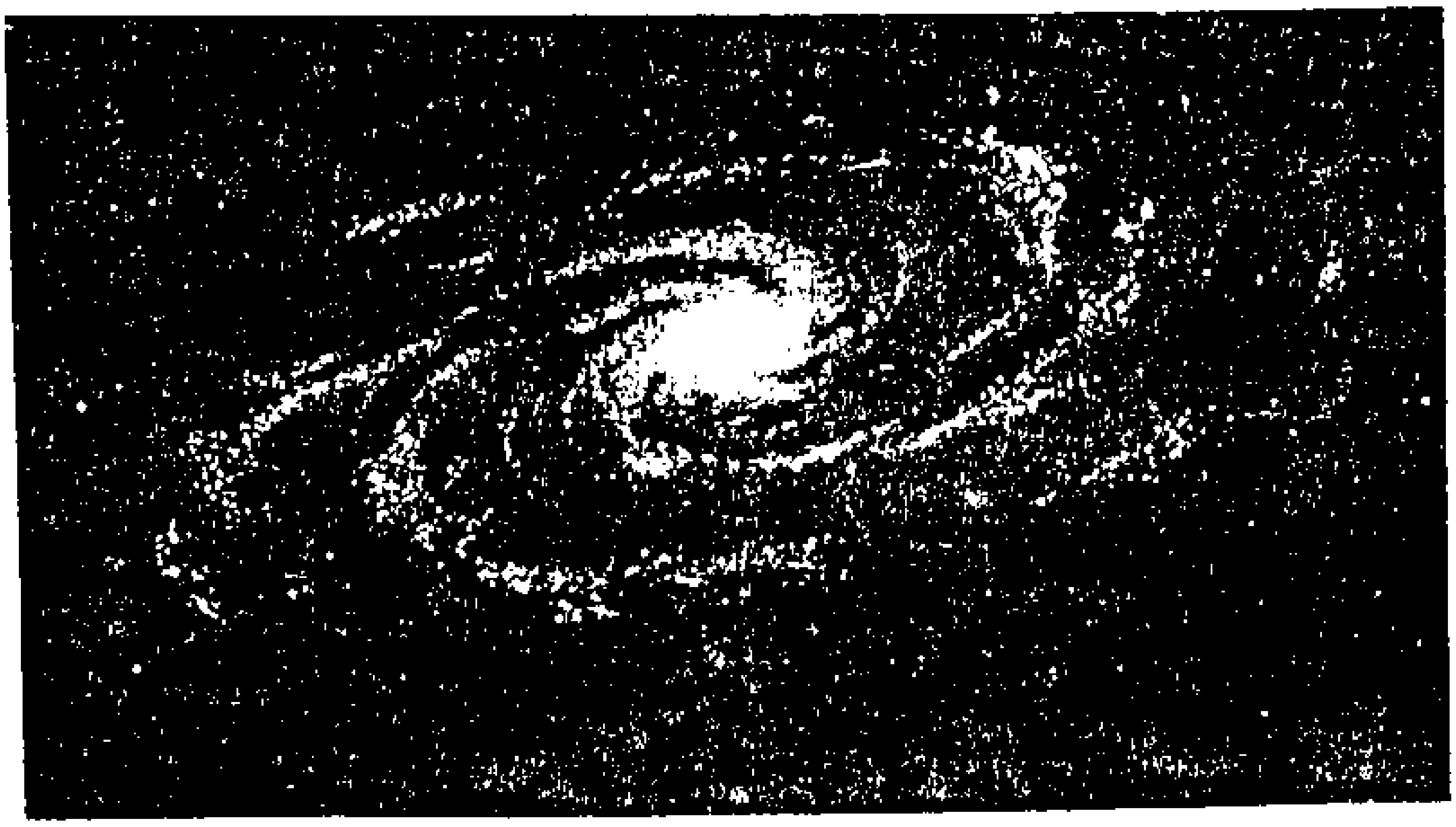
کہکشائیں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک نارمل یعنی عام اور دوسری بیرل (Barrel) یعنی نالی نما۔ عام فلکیات کے درمیان عدسہ یا بیضوی شیشہ کی طرح ایک حصہ نظر آتا ہے۔ جس کی مخالف سمت میں دو بڑھے ہوئے بازو نظر آتے ہیں۔ جو اپنے مرکز کے ساتھ کنڈل بنائے ہوئے ہیں۔ جو نالی دار مجسم فلکیات ہیں ان کے سرے درمیانی چمکدار حصہ کے ساتھ دو مخالف سمت میں کنڈل کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ یہ سب قرآن پاک کی آیت کریمہ کہ "ہم نے کائنات کو ہاتھ کے گھماؤ سے بنایا اور ہم اس کو پھیلا رہے ہیں" کی تفسیر ہیں۔ اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ کائنات میں پھیلاؤ اور گھماؤ کا عمل ایک دوسرے کی جان ہے یعنی گھماؤ کی وجہ سے کائنات پھیلنے بھی لگی اور گھومنے بھی لگی اور یہ "امر کن" کی شان تھی۔ اس نے نقطۂ تخلیق کو گھمایا اس کے ساتھ ہی قضاء و قدر کا بھی فیصلہ کر دیا۔ یوں رب العالمین نے پیدا کیا اور چیزوں کی راہنمائی ان کی فطرت میں ڈال دی۔ (سبحان اللہ)

اس سلسلے میں سپرنگ دار کہکشائیں (Sprial Galaxies) جن کی تصویر شکل نمبر ۱۳ میں دی گئی ہے اب ہزاروں کی تعداد میں سامنے نظر آتی ہیں اور دوربینوں کی مدد سے نت نئے نظارے سامنے آرہے ہیں۔ ان سے ہمارے اس نظریہ کو خوب تقویت ملتی ہے کہ پھیلنے اور گھومنے کا عمل ہی ان فلکیات کو اپنے اوپر الٹا دے گا۔ بالآخر جب یہ کنڈل قریب قریب آجاتے ہیں تو پھر کشش ثقل کا عمل تیز تر ہو کر سکڑنے اور واپس اپنے مقام کی طرف مراجعت کے عمل میں سرعت پیدا کر دیتا ہے۔ اب اگر ہم اس مشاہدہ کو تمام کائنات پر منطبق کریں تو ہوسکتا ہے کائنات بھی سپرنگ دار ہو اور اس طرح پورا کھلنے کی بعد کنڈل مارنا شروع کر دے اور پھر **غیب السمٰوٰت والارض** یعنی (Hidden Matter) اپنی کشش ثقل سے اس سفر میں سرعت پیدا کر دیں اور کائنات یوں کنڈل در کنڈل اپنے نکتہ آغاز کی طرف رواں دواں ہو جائے گی اور پھر کشش ثقل سب کو اپنی تحویل میں لے کر بالآخر نگل جائے۔ یہ نگلنے کا عمل ہی قیامت کی انتہاء ہے، اس کے بعد بے دین کہتا ہے کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا جبکہ مسلمان کہتا ہے کہ ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے۔ پھر امر ربی ہوگا جب کنڈل اک زوردار پھوار (صور) کے ساتھ کھلنے لگیں گے اور اس ایک نئے شاندار وجود کا آغاز ہوگا۔

شکل نمبر 13: سپرنگ دار گلیکسیز کے نمونے (Spiral Galaxies)

قرآن پاک کا یہ بیان کہ کائنات کھل رہی ہے اور آخر میں اپنے ہی اوپر بند ہوجائے گی، اس کی مثال تیز رفتاری سے ایک کھلتے ہوئے سپرنگ کی ہے جو بالآخر ردعمل کے زور سے اپنے اوپر ہی الٹ جاتا ہے۔ کائنات کے سائنسی مشاہدات سے یوں لگتا ہے کہ پہلے کھلنے اور بعد میں الٹنے کا عمل فطرت کے تخلیقی امر کی خاصیت ہے تیں لاکھوں کہکشاؤں (Glaxies) کے وجود میں پنہاں ہے جن کی شکل ایک سپرنگ دار طشتری کی مانند ہے۔ یہ کہکشائیں اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہیں اور ان کے سپرنگ دار بازو ایک حد تک کھل کر واپس اپنے آپ پر ہی بند ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ نیچے شکل میں ان کے مختلف نمونے دکھائے گئے ہیں۔





6.7 حقیقت زمان ومکان

کائنات کی اس ساری کہانی کا حاصل اللہ تعالیٰ کی شان کی پہچان اور اس کی ذات کا ادراک ہے۔ دراصل وہی اول اور وہی آخری حقیقت ہے۔ اس کی ذات پاک میں وقت اور مکان (Time and Space) مفقود ہو جاتے ہیں۔ وہ وقت کا خالق ہے، وقت کا پابند نہیں۔ اسی طرح وہی ظاہر اور وہی باطن ہے، یعنی اس کی ذات مبارک میں سبھی ظاہر و باطن مفقود ہو جاتے ہیں۔ وہ مکان کا خالق ہے، پابند نہیں۔ اس لئے زمان ومکان نہ ہمیشہ سے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ اسی طرح رہیں گے بلکہ یہ سب خالق کائنات کے "امر کن" کا اظہار ہیں۔ شکل نمبر ۱۴ اس اظہار کو سمجھانے کی ایک کوشش ہے۔ آج سائنس دان بھی یہی کہنے لگا ہے کہ زمان و مکان کی تخلیق بھی تخلیق کائنات کے دھماکے کی طرح ہوئی اور ان کی موت بھی کائنات کے ساتھ ہی ہوگی۔ قرآن الحکیم اپنی زبان میں زمان ومکان کی اس عظیم حقیقت کو مندرجہ ذیل آیت سے واضح کرتا ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ O

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے O (سورۃ الحدید، آیت ۳)

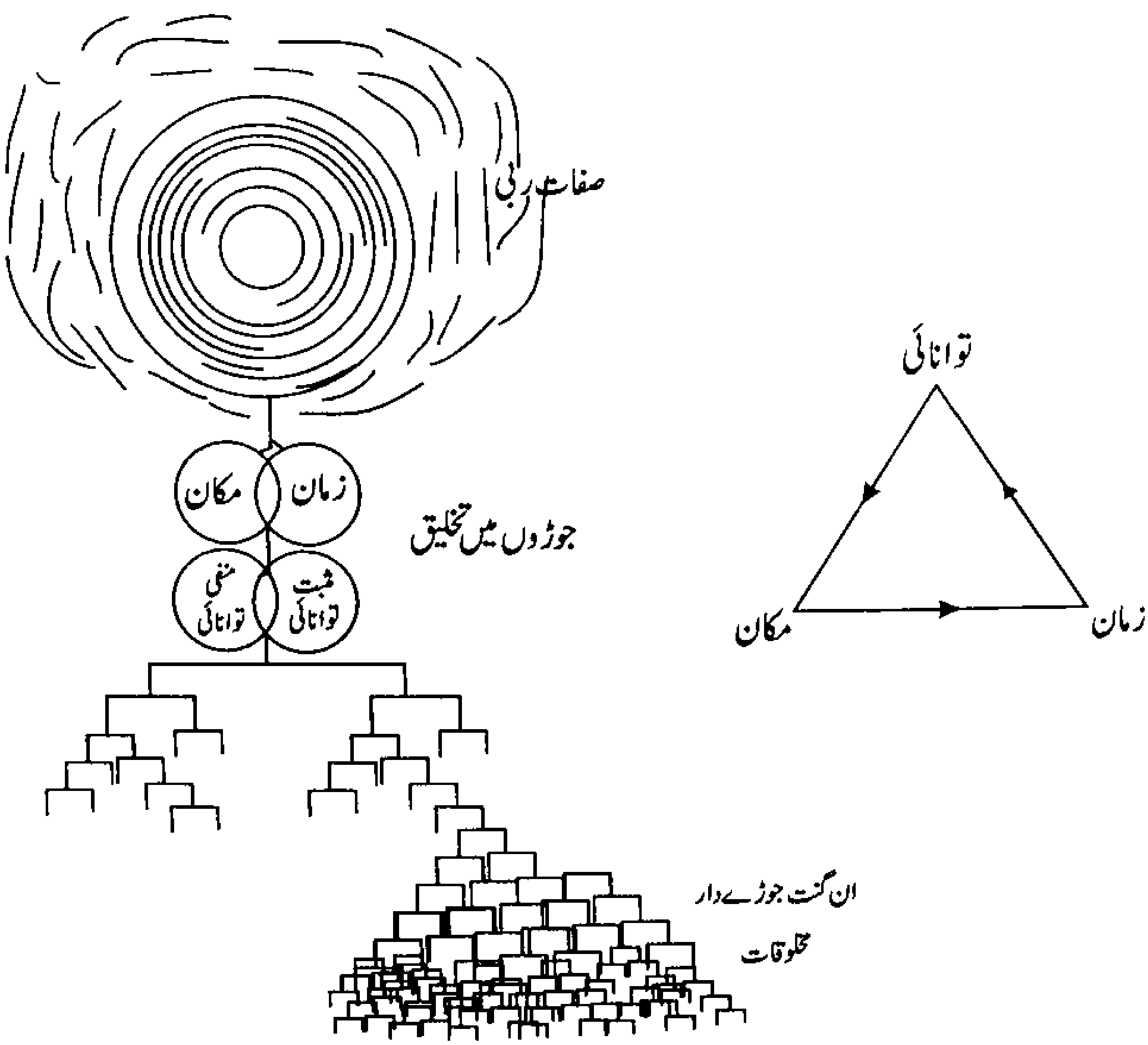
یہ آیات حقیقت تک پہنچنے کیلئے انتہائی اہم ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اول و آخر کا تصور "وقت" سے ہے۔ ظاہر و باطن کا تصور "مکان" سے ہے۔ لہٰذا آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمان ومکان کوئی علیحدہ حقائق نہیں بلکہ خالق کی عظیم ترین ہستی کے اندر اس کی دو صفات ہیں اور اس نے جب چاہا ان کا ظہور کر دیا اور جب چاہے گا ان کو چھپا لے گا۔ اسی طرح آغاز اور اختتام بھی وجود کی دو حالتیں ہیں۔ بالآخر تمام ثانوی وجود خود بخود دائمی حقیقت کی طرف رجوع کر کے معدوم ہو جاتے ہیں اور وہ دائمی حقیقت صرف اور صرف ایک اکیلا اللہ ہے جہاں کوئی دوئی یا شرکت نہیں۔

ماہرین طبعیات بھی آج کل "اکائی (Singularity)" کی بات کرتے ہیں جو ان کی تحقیق اور نظریہ کے مطابق کائنات کی پہلی اور آخری حقیقت ہے لیکن وہ یہاں آ کر رک جاتے ہیں جبکہ قرآن پاک انسان کو یہاں سے آگے اصل مالک اور خالق تک رسائی دیتا ہے جو یکتاء ہے اور بے مثل اور غیر محدود ہے اور کائنات کی اکائی (Singularity) اس کا امر ہے جو پہلی تخلیق کا سبب تھا اور آخر کار موجودہ کائنات کو لپیٹ کر اللہ تعالیٰ اپنے امر سے نئی کائنات کی تخلیق فرمائے گا۔ جیسا کہ ہم بھی پہلے اس بات پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ نئی کائنات قرآن پاک کے مطابق موجودہ کائنات کی نسبت سے انتہائی وسیع اور پرشکوہ ہوگی لیکن اس کی بنیاد یہی کائنات ہوگی یہ سارا ڈیزائن بھی اس کے اندر ہوگا۔ یعنی یہ مادہ، سبھی خالق کی وحدت کے مختلف رنگ ہیں۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے جسے ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے سمجھ چکے ہیں،

شکل نمبر 14: زمان ومکان اور توانائی کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے تعلق

کسی بھی واقعہ کو ہونے کیلئے وقت اور جگہ چاھئیے۔ قرآن حکیم کی آیت "وہ اللّٰہ ہے،ظاھر بھی باطن بھی، اول بھی آخر بھی "ثابت کرتی ھے کہ زمان ومکان کا تعلق اللّٰہ تعالیٰ کی ذات مبارک سے ھے اور یہ اس کی ذات کی خصوصیات ھیں۔ یوں وہ اپنی اس خاصیت سے ھر چیز کا احاطہ کئے ھوئے ھے۔ اور کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نھیں ھوسکتی۔ وھی ھر واقعہ کا خالق، رب اور شاھد ھے۔ جیسے فرمایا گیا ھے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ھر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا ،تخلیق کے اس سلسلہ میں زمان ومکان پھلا جوڑا ھے جس سے توانائی اور مادہ کے جوڑے معرض وجود میں آئے۔ وہ ذات پاک "کل" (Superset) ھے اور باقی سب کچھ اس کی شان کے مظھر ھیں۔مندرجہ ذیل شکل کائنات اور اس میں جو کچھ ھے ان سب کا تعلق رب تعالیٰ کی ذات پاک سے دکھارھی ھے۔زمان و مکان اور توانائی کا اتحاد ثلاثہ خالق کائنات کی تخلیقی صفت کا مظھر ھے۔



موجودہ کائنات کا مقصد خالق کی پہچان ہے "وہ چھپے خزانے کی مانند تھا اس نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو اپنے اظہار کیلئے اس نے یہ کارخانہ قدرت پیدا

کر دیا"۔اس نسبت سے نئی کائنات ان لوگوں کے انعام واکرام کے لئے ہوگی جنھوں نے اپنے خالق کو اس دنیا میں پہچان لیا۔ان کے برعکس جن بدقسمت لوگوں نے خالق کو چھوڑ کر تخلیقات کو سب کچھ سمجھ لیا اوراس میں گم ہو کر زندگیاں ضائع کر دیں ان کیلئے نئی کائنات مقام یاس وحسرت وسزا ہوگا۔موجودہ کائنات میں رہتے ہوئے ہم رب العالمین پر ایمان بالغیب لاتے ہیں لیکن نئی کائنات، مقام ملاقات بھی ہے۔وہاں ہر انسان کی سب سے بڑی تمناء ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ حضوری حق میں گزرے۔

6.8 نئی کائنات کی وسعت

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید! | کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ نئی کائنات موجودہ کائنات سے نہ صرف مختلف ہوگی بلکہ اس کی نسبت بہت زیادہ بڑی ہوگی۔سائنسی اعتبار سے یہ ایک بڑا اہم اور قابل غور بیان ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O

جس دن زمین بدل دی جائے گی کسی اور ہی زمین سے اور آسمان بھی اور لوگ سب نکل کھڑے ہونگے ایک اللہ کے سامنے جو سب پر غالب ہے O (سورۃ ابراہیم، آیت ۴۸)

اس آیت مبارکہ سے یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ موجودہ زمین وآسمان کی جگہ نئی دنیا میں نئے زمین وآسماں ہونگے اور یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ روز محشر موجودہ زمین پر واقع ہوگا۔مزید برآں قرآن حکیم کی سورۃ عمران کی آیت ۱۳۳ یہ انکشاف کرتی ہے کہ نئے زمین وآسمان اپنی وسعتوں میں موجودہ تمام نظام سے انتہائی زیادہ وسیع ہونگے۔ارشاد مبارک ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ O

اور جلدی کرو اپنے رب کی بخشش حاصل کرنے میں اور دوڑو ایسی جنت کی طرف تمام آسمان اور زمین جس کا عرض ہیں (یعنی جنت موجودہ کائنات سے بہت زیادہ وسیع ہے) یہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے O (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۳)

اس مضمون کا مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں ذرا مختلف انداز سے اعادہ کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O

اپنے رب کی بخشش کی طرف بڑھو اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان و زمین کی مانند ہے یہ ان کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے O (سورۃ الحدید، آیت ۲۱)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آنے والی کائنات کے بڑے بڑے علاقے، جنت، جہنم اور اعراف ہیں اور ان میں سے اکیلی ایک جنت ہی موجودہ تمام نظام کائنات کے برابر یا اس سے بڑی ہے۔ اس لحاظ سے نئی کائنات کی تمام تر وسعت کا اندازہ لگانا انسانی عقل سے باہر ہے۔ خاص طور پر جب یہ سوچیں کہ موجودہ نظام قدرت ہی انسانی عقل کو ششدر کرنے کیلئے کافی ہے یعنی اتنا بڑا کہ روشنی بھی اپنی تیز رفتاری کے باوجود اس کی انتہاؤں کو چھو نہیں سکتی۔

مسلم سائنسدانوں کیلئے لمحہ فکر یہ ہے کہ نئی کائنات اس قدر بڑی کیونکر ہوگی۔ اگر نئی کائنات موجودہ کائنات ہی کے ملبے سے بنتی ہے، یعنی مادہ کی مقدار یہی رہتی ہے جو آج ہے تو نئی دنیا موجودہ دنیا سے بڑی نہیں ہونا چاہیے۔ چونکہ نئی کائنات موجودہ کائنات کی نسبت سے بہت زیادہ بڑی ہوگی اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح شروع میں یہ کائنات لاوجود سے وجود میں آئی تھی جب دوسری مرتبہ بگ بینگ (Big Bang) کا صور بجے گا تو اس نئے "کن" کے امر کیساتھ ہی بے حساب نیا مادہ بھی ظہور میں آئے گا جو نئی کائنات کیلئے مٹی گارے کا کام دے گا۔

"قرآن الحکیم کی آیات مبارک سائنسدانوں کیلئے مشعل راہ ہیں اور مسلمان سائنسدان جو قرآن کو بلا شک وشبہ مانتے ہیں، ان کیلئے تو اور بھی ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنی حساب دانی سے ثابت کر کے انسانیت کو راہ ہدایت دکھائیں۔ سورۃ ابراہیم کی آیت مبارکہ ۴۸ یہ انکشاف کرتی ہے کہ نئی کائنات موجودہ کائنات سے زیادہ متشابہ نہ ہوگی۔ اس کائنات کی زمین یا دنیا ایک نام ہے جس کو ہماری اس دنیا کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی ایک رہنے کی جگہ ہوگی ورنہ ہم اس دنیا کی تشکیل اور حجم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اس دنیا کے باقی فلکیات کے طور پر طریقوں کو سمجھتے ہیں۔ وہاں ہمارے نفس کے لئے کونسا جسم ہوگا اور کیا وہاں پھر تقویٰ کا وہی لباس پہن لیں گے جو حضرت آدمؑ وحواؑ نے جنت میں کچھ عرصے پہنے رکھا یا اسی جسد خاکی کے ساتھ ہم معرض وجود میں آئیں گے، اس سلسلہ میں کوئی حتمی رائے بھی نہیں دی جاسکتی۔ لیکن قرآن حکیم اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ آنے والا جہان زندگی سے بھرپور ہوگا، اس کی جنت اور جہنم زندہ انسانوں کے مسکن ہونگے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہاں تک بتایا کہ وہاں کے درخت اتنے بڑے ہونگے کہ ان کے سائے کے نیچے اگر گھڑ سوار سال بھر بھی دوڑتا رہے تو سایہ ختم نہیں ہوگا۔

نے تو یہاں تک بتایا کہ وہاں کے درخت اتنے بڑے ہونگے کہ ان کے سائے کے نیچے اگر گھڑ سوار سال بھر بھی دوڑتا رہے تو سایہ ختم نہیں ہوگا۔ وہاں پھل بھی ہوگا جو شکل میں دنیاوی پھل کے مشابہ ہوگا لیکن خصلت میں کہیں بہتر۔ اس دنیا کے حالات دلچسپ، حیران کن اور سبق آموز ہیں جن کی کچھ تفصیلات ہم آگے آنے والے ابواب میں بیان کریں گے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم کی راہنمائی بے مثال ہے۔

6.9 مثبت اور منفی کائنات ۔۔۔ تصویر کا ایک اور رخ

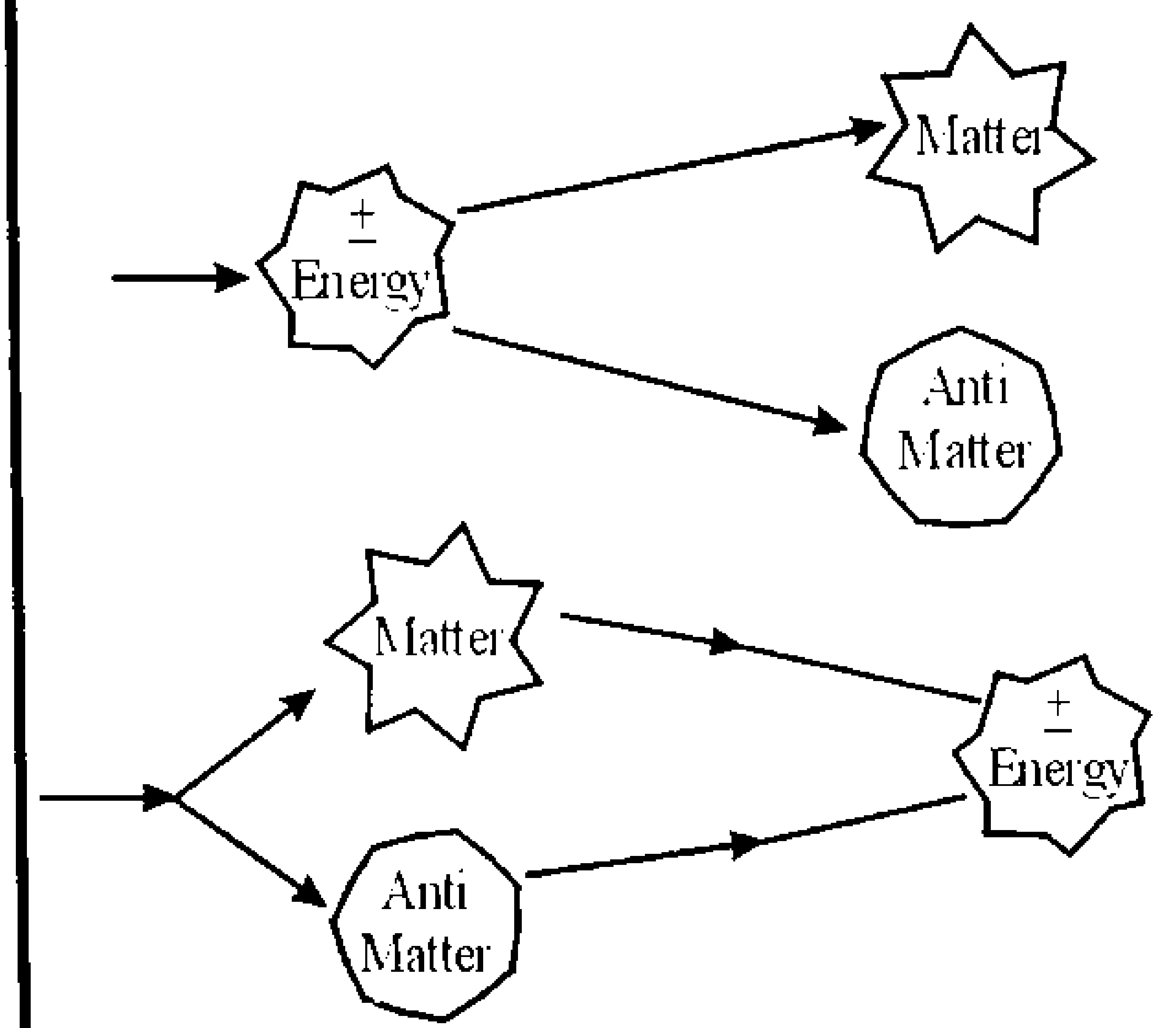
ابھی تک ہم نے جس قدر بات کی ہے وہ ایک ہی قسم یعنی مثبت کائنات کی بات کی ہے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ خالق کائنات ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کرتا ہے یعنی ہمیشہ کیلئے مثبت کے مقابلے میں منفی ہوتا ہے۔ اصل کے مقابلے میں اس کے عکس ہوتا ہے۔ جہاں تک مادہ کا تعلق ہے سائنس منفی مادہ اور مثبت مادہ کا نہ صرف مشاہدہ کر چکی ہے بلکہ دیو ہیکل قوت رساؤں (Giant Accellrators) میں ان کو پیدا کر کے دیکھ بھی چکی ہے۔ یوں سمجھئے کہ محض ایک خلاء کو کھینچ کر خالق اپنی قدرت سے جمع اور منفی مادہ کے برابر برابر ذرات علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے اور پھر جب منفی اور مثبت مادے ملیں گے تو ٹکرا کر پھر سے توانائی کا بگولہ بن کر خلاء میں تحلیل ہو جائیں گے۔ اس تصور کو شکل نمبر ۱۵ میں واضح کیا گیا ہے۔

اگر مثبت ذرات ایک طرف ہو جائیں تو ان سے مثبت دنیا تشکیل پائے گی اور اس طرح منفی ذرات سے منفی دنیا معرض وجود میں آئے گی۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ہماری اس کائنات میں کہیں منفی دنیا بھی ہو۔ اگر کبھی یہ منفی اور مثبت دنیائیں قریب آ جائیں گی تو زوردار دھماکہ سے توانائی کے بگولے میں تبدیل ہو کر اڑ جائیں گی اور یوں آنکھ جھپکنے سے بھی کم عرصہ میں سب وجود معدوم ہو جائے گا۔ جدید ترین سائنسی دریافتوں اور قوانین کے مطابق یہ سب کچھ ممکن ہے۔ تجربہ گاہوں میں منفی اور مثبت ذرات کو پیدا ہوتے دیکھا بھی گیا ہے اور انکے ملنے پر توانائی کے بگولے میں تبدیل ہوتے بھی دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح کائنات اور اینٹی کائنات (Universe and Anti Universe) کا نظریہ بھی سائنسی حلقوں میں جانا پہچانا نظریہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ہماری اس کائنات کا کہیں منفی جوڑا موجود ہے تو پھر ان دونوں کی قیامت کیلئے کسی لمبے چوڑے حساب کی ضرورت نہیں جونہی قریب ہونگے اچانک ایک آواز آئے گی اور پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔ منفی اور مثبت کائنات کا نظریہ قرآن الحکیم کے "جوڑوں میں پیدائش" والے قانون سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○

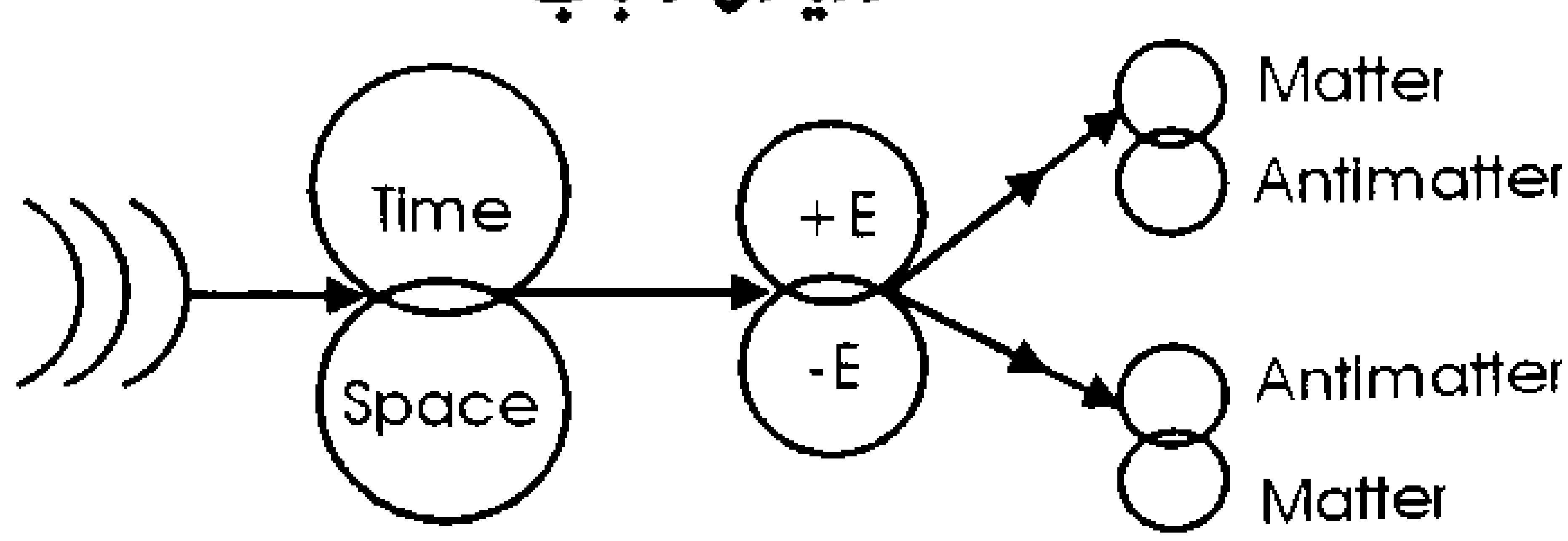
پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کی ذات سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں ○ (سورۃ یسٰین، آیت ۳۶)

قرآن حکیم اس قانون قدرت کاواشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مثبت مادہ کے مقابلہ میں منفی مادہ نہ ہو۔ مشہور سائنسدان ڈراک (Dirac) نے مثبت اور منفی مادہ کا نظریہ 1933 میں پیش کیا اور اس کے تقریباً ۱۰سال بعد اب تجربہ گاہ میں ان کا وجود ثابت ہو چکا ہے حتی کہ سائنسدان اب منفی اور مثبت دنیائوں کی بھی باتیں کرتے ہیں۔ نیچے شکل میں اس کیفیت کو دکھایا گیا ہے کہ جوڑوں میں تخلیق کے اصول کے تحت شروع میں کچھ نہ ہونے سے سب کچھ بن گیا اور آخر میں یہ سب کچھ نہ ہونے میں تحلیل ہوجائے گا۔



جس طرح خالق کے امر سے کائنات شروع ہوئی اس طرح اس کے امر پر ہی یہ مادی کائنات توانائی کے بگولہ میں تبدیل ہوجائے گی

تفکروا یا اولی الالباب



یہی قانون سورۃ الزاریات کی آیت (۴۹) میں یوں ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O

اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے پیدا کیا تا کہ تم اس پر غور کروO (سورۃ الزاریت، آیت ۴۹)

ان آیات مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ جوڑوں میں تخلیق کا قانون حتمی اور بلا تخصیص ہے۔ 1934ء کی بات ہے جب مشہور انگریز سائنسدان ڈیراک (Dirac) نے مادہ کے منفی اور مثبت جوڑوں کی دریافت کا اعلان کیا اور نوبل پرائز حاصل کیا۔

اس وقت سے آج تک سائنسدان اس قرآنی قانون کی سچائی کا ہر چیز میں مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تخلیق کا پہلا جوڑا زمان ومکان کا جوڑا تھا۔ اس جوڑے نے منفی اور مثبت ثقل کے ذرات (Positive and Negative Gravitons) کو پیدا کیا۔ ان سے منفی اور مثبت توانائی کی شعاعیں نکلیں وہاں سے مثبت اور منفی مادہ (Matter and Anti Matter) پیدا ہوئے اور یہ سب کچھ بگ بینگ کے دھماکے میں آن واحد میں ہو گیا۔ ایک سیکنڈ کے اربویں کھربویں حصے میں لا وجود جمع اور منفی وجود میں بٹ کر سامنے آ گیا اور اربوں سال بعد یہ دونوں عالم شباب میں اسی زمان ومکان میں موجود ہیں۔ جب قادر مطلق چاہے گا تو ان کو پاس پاس لے آئے گا تو دھک سے سب کچھ اڑ جائے گا۔ منفی اور مثبت وجود پھر سے لا وجود میں ڈھل کر معدوم ہو جائیں گے۔ بیشک ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ جائے گی۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ O

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کو لوٹنا ہے O

(سورۃ العمران، آیت ۱۰۹)

6.10 کائنات کے آغاز سے اختتام تک کے سفر کا خلاصہ

کائنات کے متعلق ابھی تک پیش کئے گئے قرآنی اور سائنسی جائزوں کا اختصار (Summary) حسب ذیل ہے۔ کائنات کی کہانی زمان ومکان کی طویل ترین داستاں ہے۔ جدید ترین سائنس کے مطابق تقریباً پندرہ ارب سال پہلے یہ عالم باطن سے عالم شہود میں اترنے لگی اور ابھی تک نازل ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ڈیزائن کے مطابق ہو رہا ہے اور وہ ڈیزائن لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔

آج کائنات کا حجم اتنا بڑا ہے کہ روشنی کی شعاعیں اپنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار کے باوجود اسے جی بھر کے دیکھ نہیں سکتیں یہ ہوشربا نظارہ ہے۔ کائنات کا آغاز، اس کا ارتقاء، اسکی انتہاء اور پھر نئے سرے سے آغاز، اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ سب ایک ہی خالق کی تخلیق ہیں،

اسی کے مقاصد کی تکمیل ہیں اور یہ سب کچھ اس کے مقرر شدہ اندازہ کے تحت ہو رہا ہے۔ اس تقدیر کے ذریعے کائنات کے تمام مناظر اور واقعات زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جس میں موجودہ نظام کا خاتمہ اتنا ہی اہم ہے جیسے اس کا آغاز اہم تھا۔ وہ بھی با مقصد تھا اور یہ بھی با مقصد ہوگا۔ دراصل یہ خاتمہ، خاتمہ نہیں بلکہ اس سے ایک نئی کائنات بنے گی جو مقابلتاً بہت شاندار اور عظیم ہوگی۔ موجودہ زمان و مکان میں رہنے والے ہر ذی شعور کا وہ ہمیشہ رہنے والا گھر ہوگی۔ مندرجہ ذیل میں کائنات کے آغاز سے انجام تک کی تصویر کے مختلف واقعات کا ممکنہ رخ جو بہت حد تک موجودہ سائنسی دریافتوں کے بھی مطابق ہے۔

6.11 کائنات کا قرآن کریم کی روشنی میں ابتداء سے انتہاء تک کا سفر

اللہ تعالیٰ

↓

اللہ تعالیٰ کے نور اور زمان و مکان کا ظہور

↓

امر "کن"، (Big Bang)

↓

صور

↓

صور خالص توانائی کا انتہائی کثیف سیلنڈر

↓

خالص توانائی کا کھلتا ہوا کثیف سیلنڈر

عظیم گھماؤ، انتہائی زیادہ دباؤ اور بیحد گرمائش،

↓

توانائی کے منفی اور مثبت جوڑوں کے وجود اور لا وجود کا زمانہ،

↓

مادہ اور توانائی کا بحرانی ترقی زمانہ،

↓

کائنات کا بڑھتا ہوا پھیلاؤ

↓

لطیف عناصر کی (دھواں نما) پیدائش،

↓

دباؤ اور گرمائش کے زیر اثر لطیف عناصر سے بھاری عناصر کا پیدا ہونا،

↓

کائنات کا مسلسل پھیلاؤ اور گھماؤ،

↓

دخان کا زمانہ، فضاء دھواں دار ہو جاتی ہے

کائنات کے پھیلاؤ سے توازن کا آغاز اور تخلیق میں استحکام،

↓

گیس کے دخانی جزیرے اور عمل انجماد،

↓

مجسم فلکیات کی پیدائش اور اربوں کروڑوں ستاروں کا ارتقائی عمل،

↓

گھماؤ اور پھیلاؤ کا عمل جاری رہتا ہے،

↓

زمان ومکان کے جوڑ سے نیا مادہ شامل ہوتا رہتا ہے،

↓

مجسم فلکیات کے توڑ پھوڑ سے تخلیق در تخلیق کا عمل جاری رہتا ہے،

↓

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی وجہ سے پھیلاؤ کا عمل سست ہو جاتا ہے،

↓

==

↓

کائنات کے پھیلاؤ میں دھیما پن آجاتا ہے،

بالآخر کائنات رک جاتی ہے،

زمان ومکان کا چکر الٹا شروع ہو جاتا ہے،

سکڑنے کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے،

زمین، سورج، چاند ستارے، کہکشائیں اور فلکیاتی نظام آپس میں ٹکراتے ہیں،

تمام مادی اجسام آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں،

کائنات پھر سے دھواں دار ہو جاتی ہے اور سکڑنے کے عمل میں انتہائی سرعت آجاتی ہے،

عظیم دیوہیکل بلیک ہولز یا اندھے گڑھوں کی دنیا،

زمان ومکان سکڑ جاتے ہیں،

تمام کائنات ایک واحد بلیک ہول یا اندھا گڑھا بن جاتی ہے،

↓

بلیک ہول سب کو کھا جاتا ہے،

↓

ایک زبردست دھماکہ اور پھر سے نئی کائنات کا آغاز،

↓

==

↓

انتہائی سرعت کے ساتھ ایک نئی انتہائی بڑی کائنات کی تخلیق،

↓

شاندار نئے جہان،

↓

حشر ونشر، جزاو سزا،

↓

جنت، اعراف، دوزخ، آخرت

6.12 یا اولی الالباب

قرآنی آیات کی روشنی میں کائنات کا ابتداء سے انتہا تک کا سفر آپ دیکھ چکے ہیں، یہ وہ اشارے ہیں جو ہم نے مختلف آیات سے اخذ کئے، اسی سلسلے میں ایک اور سائنسی سوال یہ اٹھتا ہے کہ تخلیق کے لمحات سے توازن کی حد تک آنے میں کتنا وقت لگا ہوگا اور توازن سے پھر غیر متوازن میں مزید کتنا وقت باقی ہے۔ اس طرح کے بیشتر سوالات انسانی ذہن میں اٹھتے رہیں گے۔ قرآن پاک ان کی تفصیل بہم پہنچانے کیلئے نہیں بلکہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کیلئے چھوڑ دیا ہے جنہیں وہ اولی الالباب کہتا ہے۔ یہ ان کا کام ہے کہ وہ قرآنی حکمت کی تفصیلات سے انسانیت کو آگاہ کریں۔ دراصل قرآن حکیم انسان کو صراط مستقیم کی راہ دکھاتا ہے اور یہی اس کا بڑا مقصد ہے اور اس کے بعد وہ انسان سے چاہتا ہے کہ اس راہ پر چلے اور تفصیلات خود طے کرے۔

جہاں تک قلبی اور روحانی مسائل کا تعلق ہے چونکہ یہ انسانی عقل کی بساط سے باہر کی باتیں ہیں اس لئے ان کی تفصیلات اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے واضح فرمادیں جنہوں نے اپنی مثال سے عملی طور پر ان کو سمجھا دیا لیکن کائنات کے مادی پہلوؤں کو سمجھنے کا کام عقلمند لوگوں کیلئے چھوڑ دیا جن میں تمام دانشور، انجینئر، ڈاکٹر، فلاسفر اور سائنسدان شامل ہیں۔ آج ہزاروں تجربہ گاہوں اور یونیورسٹیوں میں بیشمار سائنسدان اور انجینئر حضرات تحقیق کے عمل میں دن رات مصروف ہیں لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر قرآن حکیم سے بے بہرہ ہیں۔ اس لئے حقیقت تک پہنچنے کیلئے، اور حقیقت سے صحیح نتائج اخذ کرنے میں انہیں کئی گم راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دراصل یہ کام مسلمان دانشوروں اور سائنسدانوں کا تھا کہ اس میدان میں دنیا کی امامت کرتے لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان دانشور اور سائنس دان اپنے فرض منصبی سے غافل ہے۔ حق امامت ادا کرنا تو بڑی بات ہے، وہ بیچارا تو سائنسی دنیا میں مقتدی بھی نہیں۔

باب نمبر 7

آخر زمانہ کے مختلف ادوار اور مزید واقعات

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ O اِنَّہٗ ھُوَ یُبۡدِئُ وَیُعِیۡدُ O وَھُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ O ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِیۡدُ O

بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے O بے شک وہ ابتدا کرتا ہے اور پھر سے پلٹاتا ہے O وہی بخشنے والا ہے اور پیار کرنے والا ہے O عزت والے عرش کا مالک O (سورۃ البروج، آیات ۱۲ تا ۱۵)

پچھلے باب میں قرآن پاک کے انکشافات اور تازہ ترین سائنسی علوم کی دریافتوں کے حوالے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ کائناتی قیامت ایک بلائے ناگہانی ہوگی جس کے ساتھ ہی تمام مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی اور ہم نے دیکھا ہے کہ یہ سب کچھ اچانک ہوگا مرحلہ در مرحلہ پہلے پھیلاؤ اور آخر میں سکڑاؤ کا عمل کائنات کو ختم کر دے گا۔ اس کے بعد مختلف حالات سے گزر کر دوبارہ تخلیق کا زمانہ آئے گا۔ اختتام کے زمانہ میں بے شمار قسم کی تباہیاں آئیں گی جن کا آغاز ہمیشہ ایک دہشت ناک آواز سے ہوگا جسے قرآن پاک میں 'صور' کا نام دیا گیا ہے۔

7.1 صور اور اعلان قیامت

صور ایک زبردست آواز ہے جو کائنات میں ہر جگہ سنی جائے گی اور امر ربی کے طور پر ایک انتہائی تبدیلی کا اعلان ہوگا۔ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے تین بڑے صور کا ذکر کھل کر سامنے آیا ہے لیکن ان سے چھوٹے صور بھی بے شمار ہو سکتے ہیں۔ پہلا صور موجودہ کائنات کے آغاز کے متعلق تھا جس کو بگ بینگ (Big Bang) کا سائنسی نام دیا گیا ہے۔ اس صور کی طاقت یہ تھی کہ اگرچہ اس واقعہ کو پندرہ ارب کے لگ بھگ سال گزر چکے ہیں لیکن ابھی بھی اس کی سرسراہٹ زمین و آسمان میں ہر طرف سنی جا سکتی ہے۔ 1965ء میں امریکہ کی بیل (Bell Telephone) لیبارٹری کے دو سائنس دانوں نے مشاہدہ کیا کہ وہ جس طرف اپنی ریڈیو دوربین کا رخ کرتے ہیں ادھر ہی سے ایک ساں ساں کی آواز آتی ہے۔ مزید تجربات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ساں ساں نہیں بلکہ بگ بینگ کی پکار ہے یعنی پہلے صور کی آواز کی لہریں جس پر یہ کائنات وجود میں آئی تھی۔

دوسرے صور کی آواز غالباً اس وقت ہوگی جب ہمارا رب کائنات کو پھیلنے سے روک کر سکڑنے کا حکم دے گا یا مثبت اور منفی عناصر

(Matter and Anti Matter) آپس میں ملائے جائیں گے۔ یہ بھی ایک عجیب مرحلہ ہوگا۔ زمان و مکان رک جائیں گے اور پھر اپنے ہی اوپر پلٹنا شروع ہو جائیں گے۔ ماضی مستقبل بن کر ظاہر ہونے لگے گا جیسے کسی فلم کو الٹا چلا دیا گیا ہو۔ جو کچھ کہیں بھی اور کبھی بھی ہوا تھا سب دوبارہ ظاہر ہونے لگے گا، آدمی اپنے آپ کو بڑھاپے سے جوانی اور بچپن کو جاتا دیکھے گا بلکہ اپنی پیدائش سے پہلے واقعات کو دیکھنے پر بھی قادر ہو جائے گا۔ شاید قرآن حکیم کا استعارہ " قبریں الٹ جائیں گی " اسی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔

تیسرا صور مکمل تباہی کے بعد جب سب موجود، معدوم میں گم ہو چکا ہوگا نئی تخلیق کا اعلان ہوگا۔ سائنس کی زبان میں اسے کسی عظیم اچھال (Big Bounce) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی مثال ایک گرتی ہوئی گیند کی سی ہے جو زمین سے ٹکرا کر واپس اوپر اٹھتی ہے۔ اسی نئی دنیا میں حشر نشر، عالم جزا و سزا، جنت دوزخ اور عالم اعراف ہونگے۔ مندرجہ ذیل آیت ربانی آخرت کے آغاز بیان کرتی ہے۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ O

اور جس دن صور پھونکا جائے گا اور جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو کوئی زمین میں ہیں دہل جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سب اس کے حضور عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوں گے O (سورۃ النمل، آیت ۸۷)

اس آیت مبارکہ میں جس صور کا ذکر ہے شاید یہ موجودہ کائنات کے رکنے اور الٹا پھرنے کا اعلان ہوگا اور یہاں سے ہمہ گیر قیامت شروع ہوگی۔ یہیں سے ہولناک واقعات کا سلسلہ چل پڑیگا جو ہر کس و ناکس کو ہر جگہ ہلا کر رکھ دیں گے اس کے ساتھ ہی حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے یہ اس قدر بڑا واقعہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسے زمین اور آسمانوں کیلئے ایک " بھاری دن " کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ

وہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی تو آپ فرما دیں کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے اس کے معرض وجود میں آنے کا کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا، ماسوائے اس

کے اپنے کوئی نہیں جانتا اور وہ زمین اور آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے وہ تم پر نہیں آئے گی O

(سورۃ الاعراف، آیت ۱۸۷)

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کے بس سے یہ باہر ہے کہ وہ قیامت کی گھڑی کی پیش بینی کر سکے۔ صرف قیاس آرائی ممکن ہے۔ اصل آگاہی صرف خالق قدرت کو ہے۔ سائنس کے فارمولے بھی اس قابل نہیں کہ وہ اس غیر معمولی واقعہ کے سلسلے میں کوئی پیش بینی کر سکیں لیکن جیسے بتایا گیا ہے کہ یہ کائنات کی تاریخ کا سب سے بڑا ہولناک واقعہ ہوگا اور اچانک پیش آجائے گا۔

7.2 آخری ادوار کے کچھ واقعات

مندرجہ ذیل میں ہم اس آخری اور عظیم واقعہ سے پہلے، درمیانی مدت کے ان واقعات کا تجزیہ کریں گے جن کا ثبوت ہمیں اللہ کی کتاب اور اس کے پیارے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ملتا ہے۔

7.3 عدم توازن اور افراتفری

درمیانی مدت کے ان واقعات میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس سے کچھ عرصہ پہلے کائناتی نظام کے تسلط کے طریق کار کو کچھ ڈھیلا چھوڑ دیا جائے گا اور اس توازن میں کمی آجائے گی جس سے زمان و مکان میں بہت زیادہ افراتفری کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ستاروں کے پھٹنے کا عمل تیز ہو جائے گا آفاقی دنیاؤں میں آپس میں ٹکرانے کے واقعات بھی بڑھ جائیں گے اور زمان و مکان میں ہمیں اس وقت جو یہ سکوت نظر آتا ہے وہ بھولی بسری بات بن جائے گا۔ دھیرے دھیرے ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور کارخانہ قدرت دھوئیں کی سی کثیف گیسوں سے بھر جائے گا۔ اس سلسلے میں جو منظر بنے گا اس کو ہم قرآن پاک کی زبان میں بیان کر چکے ہیں اور وہ ارشاد ربانی پھر دہرایا جاتا ہے۔

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ O وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ O وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ O وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ O

جب آسمان پھٹ پڑے گا O اور جب آسمانی دنیائیں بکھر جائیں گی O اور جب سمندر ابل پڑیں گے O اور جب قبروں سے اٹھائے جائینگے O ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا O

(سورۃ انفطار، آیات ۱ تا ۵)

اس طرح کے منظر کو قرآن پاک کی سورۃ فرقان کی آیت مبارکہ ۲۵ میں بھی بڑے ڈرامائی انداز میں بیان کیا گیا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ہمہ گیر قیامت کے نزدیک آسمانی نظام پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور فضاء آنکھوں کو چندھیا دینے والے سفید دھوئیں سے بھر جائے گی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا O

اور جس دن آسمان دھماکہ سے پھٹ جائے گا اور بادل نما دھواں نکلے گا، فرشتے اتریں گے جیسے اترنے کا حق ہوتا ہے O (سورۃ فرقان، آیت ۲۵)

گاہے بگاہے تو اب بھی آسمانی دنیاؤں میں اچانک پھٹنے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ اچانک کوئی ستارہ پھٹ جاتا ہے اور پھٹنے پر اس کا زبردست دباؤ اور ملبہ اربوں میلوں میں پھیل کر ارد گرد کے ستاروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر دیتا ہے۔ ابھی چند سال پہلے ایک ایسے ہی بڑے حادثے کا انکشاف ہوا تھا اور اس سے اٹھنے والا گرم مادہ لاکھوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفانی صورت میں چاروں طرف بڑھتے دیکھا گیا۔ ستاروں کے اس طرح پھٹنے کے عمل کو (Nova) کا نام دیا گیا ہے۔

چھوٹے پیمانے پر اس طرح کے طوفانی واقعات تو ہمارے اپنے سورج میں بھی ہر وقت نظر آتے ہیں۔ ان کو شمسی طوفان (Sun Storms) کا نام دیا گیا ہے۔ اگر کہیں یہی شمسی طوفان زیادہ دور زور کر جائیں تو زمین کو بھون کر رکھ دیں۔ بہر حال قیامت کے نزدیک آسمانی دنیا میں بہت زیادہ افراتفری کا منظر ہوگا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا تھا کہ "قیامت کی ایک نشانی شہاب ثاقب میں بہتات ہوگی اور ستاروں کا توڑ پھوڑ ہوگا" اس طرح کی تباہی کی نشاندہی مندرجہ ذیل آیات سے بھی مل رہی ہے۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا O وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا O

جس دن آسمان انتہائی شدت سے افراتفری کے عالم میں ہوں گے اور پہاڑ انتہائی تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے O (سورۃ الطور، آیات ۹ تا ۱۰)

ان آیات مبارکہ میں آسمانوں کے پھٹنے کا منظر بے شک ایک بہت بڑی تباہی کی نشاندہی کرتا ہے۔ پاش پاش کرنے والی کڑکیں اور مہیب آوازیں ہر سو ہلچل مچا دیں گی۔ پہاڑ اور دیگر مجسم فلکیات فضاء میں بے ہنگم طور پر اڑ رہے ہونگے اور آپس میں ٹکرا رہے ہونگے۔ شور ہوگا جیسے کائنات اپنی تباہی پر رو رہی ہے اور خلاء دھوئیں، گرد غبار، ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں اور آلودگی سے بھری ہوگی۔

اس بدنظمی میں آسمانی دنیائیں (Heavenly Worlds) اپنے محکم مقامات سے ہٹ جائیں گی۔ جب ایک ستارہ دوسرے

ستارے سے ٹکرائے گا تو اربوں ایٹم بموں سے بھی بڑے دھماکے ہونگے۔ یہ سب یکے بعد دیگرے تباہی (Chain Reaction) کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں اس قدر توانائی نکلے گی کہ آسمانوں کا درجہ حرارت لاکھوں ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر چلا جائے گا۔ کائنات چمک اٹھے گی لیکن اس کے بعد سب بجھنے لگے گا اور آہستہ آہستہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جائے گا۔ قرآن پاک کی ایسی تمام آیات مبارکہ سوچنے والوں کو گہری سوچ کی دعوت دیتی ہیں۔

مسلم سائنس دانوں کا یہ کام ہے کہ ان حقائق کے ظہور پذیر ہونے کے اسباب معلوم کریں، مثلاً کیا اس ابتری کی وجہ کھچاؤ اور سکڑاؤ کا عمل ہوگا یا کوئی عظیم دیوہیکل بحر ظلمات (Black Hole) اس کا باعث ہوگا یا یہ سب کہیں سے منفی مادہ کے ظہور سے ہوگا کہ منفی اور مثبت مادہ ملنے سے یہ سلسلہ بھک سے اڑ جائے گا؟ غرض سائنس دان اپنی عقل و بصیرت سے ان قرآنی ٹھوس حقائق کو سمجھنے کیلئے کئی مفروضے سوچ سکتا ہے اور پھر ان پر مزید تحقیق سے صحیح نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

7.4 بحر ظلمات کا منظر

بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ قیامت کبریٰ ایک لمبا عمل ہے آسمانوں کی تباہی اور توڑ پھوڑ اس عمل (Process) کا حصہ ہیں۔ یہ سب کچھ اب بھی ہو رہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تیزی آتی جائے گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بتاتا ہے کہ "وہ پیدا بھی کرتا ہے اور اپنی خلق کو بڑھاتا بھی رہتا ہے" اس لئے کائنات میں مادہ کی مقدار بڑھتی جا رہی ہے جو اس کے ٹھہراؤ اور پھر الٹاؤ کا باعث بن کر اس کی تباہی پر مہر ثبت کر دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ سکڑنے کا یہ عمل شروع ہو چکا ہو اگر ہمارے دوربین آج پھیلاؤ کو دیکھ رہے ہیں تو یہ تو پچھلے اربوں سالوں کے پرانے واقعات دیکھ رہے ہیں۔ اسلئے کہ روشنی وہاں سے ہمارے ہاں پہنچتے پہنچتے ایک لمبا عرصہ لیتی ہے۔ جب ہمیں سکڑنا نظر آئے گا تو قیامت ہمارے گھر پہنچ چکی ہوگی۔ سکڑنے کے اس عمل میں فلکیات جب ایک دوسرے کے نزدیک کھنچے چلے جائیں گے تو کشش ثقل کا توازن بگڑ جائے گا۔ ستاروں کے اندر کی پلازما گیس باہر کی طرف نکل کر ساری فضاء کو آلودہ کر دے گی، بڑھتے ہوئے بیرونی کھچاؤ کی وجہ سے ستاروں کا اندرونی دباؤ کم ہوتا جائے گا حتیٰ کہ وہ عوامل جو ان کے اندر توانائی پیدا کرتے ہیں، ان کا عمل معدوم ہو جائے گا اور یوں ستاروں کی روشنی مدھم ہوتی جائے گی۔ فضاء گرم پلازما گیسوں کے ٹھنڈا ہونے کے سبب کئی رنگ بدلے گی اور آخر میں کائنات کا تمام مادہ اندر ہی اندر دب دب کر ایک مہیب دیوہیکل بحر ظلمات (Black Hole) بن جائے گا جو باقی رہا سہا بھی ہڑپ کر جائے گا اور آخر کار یہ زمان و مکان (Time and Space) کو بھی اپنے اندر جذب کر لے گا۔ اس انجام کار کے بعد پھر رب العالمین ایک نئی دنیا کی تشکیل کرے گا۔

جہاں تک آئے دن کی چھوٹی چھوٹی قیامتوں کا تعلق ہے تو آج سائنس دیکھ چکی ہے کہ یہ تو کائنات میں روزانہ کا عمل ہے ابھی ایک

دنیا تھی اور دوسرے لمحے وہ صفحۂ ہستی سے غائب ہو جاتی ہے۔ فضائی دوربین (Hubble) ایسی کئی قیامتوں کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ اسی طرح کے کسی عمل سے ہمارا اپنا شمسی نظام بھی تباہ ہو سکتا ہے۔

7.5 قرآن پاک اور سائنسی نظریات

قیامت سے پہلے جو عام ہلچل یا افراتفری ہوگی اس کی تصویر سورۃ النازعات کی آیات مبارکہ ۱ تا ۸ میں بھی نظر آتی ہے۔ اس وقت باہمی توازن ٹوٹنے کی وجہ سے ستاروں اور سیاروں میں حادثات اور بے ترتیب بھاگ دوڑ کا منظر ہوگا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا O وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا O وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا O فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا O فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا O يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ O تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ O قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ O

قسم ہے کہ وہ جانکنی میں غرق ہو کر اس دنیا سے بے خبر ہو جائیں گے O اور ہر بند اور ہر نس بیجان ہو جائے گی O اور ایسی کیفیت ہوگی گویا ہم تیر رہے ہونگے O پھر پہنچنے میں بہت جلدی کریں گے O پھر حکم کے مطابق تدبیر کریں گے O جس دن تھرتھرانے والی تھرتھرائے گی O اس کے پیچھے ڈھانے والی آئے گی O بہت سے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے O (سورۃ النازعات، آیات ۱ تا ۸)

یہ واقعات مکمل تباہی سے پہلے کے ہیں لیکن یہ چیز دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان آیات مبارکہ میں آدمی کی موت سے لیکر قیامت کے مناظر کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس نظریہ کے کافی مشابہ ہے جو سائنس دانوں نے پیش کیا ہے (۱۰) اور ہم اس پہلو پر کائنات کے سکڑنے کے سلسلے میں سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ انہیں اولیں حالات میں آسمان کہیں بھٹی میں تپتے ہوئے اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح نظر آئے گا، اور کہیں تازہ خون اور چربی کی کھال کا منظر پیش کرے گا۔ مندرجہ ذیل آیات دوبارہ دی جا رہی ہیں تاکہ ہم قرآنی حکمت کی نگاہ سے اپنے سائنسی تصورات کو صحیح طور پر دیکھ سکیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ O فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ O

تم پر آگ کے انگارے بھیجے جائیں گے اور پگھلا ہوا تانبا کی مانند (molten metallic plasma) بھی۔ پس تم اس سے بچ نہ سکو گے O تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے O پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور سرخ کھال کی مانند معلوم ہوگا O (سورۃ الرحمٰن، آیات ۳۵ تا ۳۷)

ان درمیانی وقفوں کے بعد انجام کار کی کہانی کو سورۃ الرحمٰن کی آیات ۲۶۔۲۷ میں نچوڑ کر رکھ دیا ہے جو بار بار قابل غور ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ O وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ O

جو کچھ (کائنات) میں ہے سب کے لئے فنا ہے O اور بالآخر صرف تیرے رب کی ذات باقی رہ جائے گی، جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے O (سورۃ الرحمٰن، آیات ۲۶۔۲۷)

7.6 ہمہ گیر جائزہ

قرآن پاک سے ہمہ گیر قیامت کی تصویر اس طرح ابھرتی ہے کہ: "ہر طرف کائنات کے سکڑنے کا منظر ہوگا ہر چیز اس طرف واپس جا رہی ہوگی جہاں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی، کارخانہ قدرت میں طلاطم زوروں پر ہوگا کہ فلکیات ستارے اور سیارچے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا رہے ہونگے۔ اس عمل سے گرم دھواں نما گیسیں کائنات کو بھر دیں گی فضاء گرد و غبار سے آلودہ ہو چکی ہوگی آسمان ستاروں کے ملبہ سے لبریز ہونگے انسانیت ہر مقام پر خوف زدہ ہوگی اور بے یار و مددگار قیامت کبریٰ کی منتظر ہوگی ساتھ ہی ساتھ وہ نامعلوم مقامات پر پناہ لینے کی تگ و دو میں ہوگی کہ شاید کسی دوسری جگہ امن ہو لیکن امن کہیں نہیں ہوگا۔ اس زمانے میں انسانیت فضاء میں تیزی سے سفر کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر چکی ہوگی لیکن پھر بھی حفاظت کا کوئی مقام نظر نہیں آئے گا۔ تب وہ آخری گھڑی نمودار ہوگی ایک تند و تیز آواز پیدا ہوگی جس کے ساتھ ہی موجودہ کائنات کے ختم ہونے کا سلسلہ تیز ہو جائے گا اور بالآخر یہ سب کچھ اچانک ختم ہو جائے گا۔ وہیں سے وجود کے نئے دور کی بسم اللہ ہوگی جو اس کائنات کے مقابلے میں بہت بڑا، عظیم شان و شوکت والا اور کبھی نہ ختم ہونے والا دور ہوگا"

باب نمبر 8

قرآن حکیم، ایک صحیفہ عالم

ابھی تک ہم نے قیامت کبریٰ کے وقوع پذیر ہونے کے مختلف امکانات کا قرآن حکیم کی آیات اور سائنس کی دریافتوں کے حوالہ سے جائزہ لیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم ان کا ماحصل پیش کریں گے۔ کائنات کی یہ عظیم داستاں پر مقصد بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ پچھلی چند صدیوں سے سائنسی آلات اور علوم کی بدولت انسان کی پہنچ کائنات میں مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔ انسان کیلئے یہ بات قابل فخر ہے کہ زمین پر رہتے ہوئے وہ کائنات کی انتہاؤں کو سمجھنے کیلئے کوشاں ہے اور کئی رازوں سے پردہ اٹھا چکا ہے لیکن قرآن حکیم کے طالبعلم جانتے ہیں کہ سائنس اتنی تگ و دو کے بعد جدھر پہنچ رہی ہے اس کے متعلق بہت کچھ چودہ سو سال پہلے ہی اس عظیم کتاب میں بتا دیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ سوچنے والوں کیلئے ایک اچنبھا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ صدیوں سے عرب کے صحراؤں میں تمام تہذیبوں سے کنارہ کش ایک آدمی کائنات کے بارے میں ایسے عجیب انکشافات لکھتا ہے جن تک پہنچنے کے لئے ہزاروں سائنس دانوں کی کوشش سے بیسویں صدی میں انسان تھوڑا بہت معلوم کر سکا ہے؟

لیکن ایک مومن کیلئے یہ حیرانی کی بات نہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوگا۔ اس لئے کہ قرآن حکیم ایک صحیفہ عالم ہے جو کسی انسان کی تحقیق و تصنیف نہیں۔ یہ کائنات کے ڈیزائنر، موجد اور خالق کا انسان کیلئے خاص ہدایت نامہ **(Road Map)** ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، جو تمام عالم انسانیت کی فلاح کیلئے رب العالمین کی طرف سے رحمت العالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ پر اتاری گئی کتاب تمام عالموں یعنی موجودہ دنیا، عالم قبر، عالم برزخ، عالم حشر، عالم جزا و سزا، جنت دوزخ ہر جگہ راہنمائی اور رحمت کا منبع ہوگی۔ آپ کائنات کی تمام وسعتوں اور گہرائیوں میں کہیں بھی چلے جائیں آپ کی سنت اور قرآن الحکیم کا سنہری کلام بہترین طریقہ اور باعث برکت و رحمت ہوگا۔

سچ اور حق تو یہ ہے کہ وہ سچائی جس کی دنیا کے تمام دانشوروں، فلاسفروں، سائنسدانوں اور نیک انسانوں کو تلاش ہے وہ سب اس کتاب میں موجود ہے اور انسانیت کے تمام مسائل کا حل اسی میں ہے۔ یہ انسانی فطرت کی کتاب ہے۔ آدمی کو اسی کتاب میں اپنی حیات و ممات کے معنی ملیں گے، زمان و مکان میں اسکی ابتداء سے انتہاء تک کے سفر کیلئے راہنمائی ملے گی اور انسان کو اپنے مقام کی پہچان سے یہ آگاہی حاصل ہوگی کہ خالق کون و مکان نے اس کو تمام کائنات میں بزرگی عطاء فرمائی ہے۔ "ولقد کرمنا بنی آدم" کا مژدہ سب نیک و بد مسلم و غیر مسلم موحد اور مشرک کیلئے یکساں سچ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم اس عزت کیلئے خالق کا شکریہ کیسے ادا کریں۔ وہ فرماتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

اس نے آسمان اور زمین با مقصد بنائے اور اس نے شکم مادر میں تمہاری صورت بنائی۔ کیا خوب صورت بنائی اور تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے ○ (سورۃ التغابن، آیت ۳)

8.1 انسانی فرض

یوں ہمارے خالق نے تمام آسمان و زمین کو انسان کی خاطر بنایا اور ہمیں پوری کائنات میں اشرف المخلوقات، احسن تقویم احسن تصویر اور مکرم بندے کا خطاب عطاء فرمایا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سب مہربانیوں کے عوض ہمارے ذمے بھی کوئی فرض بنتا ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو ہم سے کچھ نہیں چاہیے لیکن یہ ہمارے اپنے لئے ضروری ہے کہ اپنے پرعظمت مہربان خالق اور پروردگار کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ قرآن حکیم میں اس سلسلے میں بھی راہنمائی موجود ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندوں کے طور پر کیسے زندگی گزاریں۔ انہی میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ خالق کی تخلیق سے خالق کو پہچانیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عبادہؓ بن الصامت روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ! قلم نے عرض کی "کہ وہ کیا لکھے؟" اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ " وہ امر جو اس نے جاری کئے ہیں (یعنی انصاف کے دن تک کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہونگے) وہ لکھ لے۔" چنانچہ جو کچھ واقع ہوگا وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کتاب لوح محفوظ میں لکھ چھوڑا ہے۔" (ترمذی شریف)

قرآن پاک کی سورۃ بروج میں بھی اسی بات کا اشارہ موجود ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کی کہانی قلم کی اپنی کہانی ہے۔ وہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے، وہ قلم کے مغز میں ہے اور اس کی نوک ہی سے باہر نکلے گا۔ خالق تقدیر نے بھی قلم کی قسم کھائی ہے اور فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بھی وحی اقراء فرمائی تا کہ انسان قلم اور کاغذ کے زور سے اپنی معراج کو پالے۔ اولی الالباب جو قلم کی پاکیزگی کو سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں وہ حق تک جلدی پہنچ سکتے ہیں۔ حق وہ نور ہے جو انسانوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے منور کر دیتا ہے۔ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے سچ اور حق کا زندہ مظہر ہے۔ اس لئے زندہ و جاوید بھی وہی ہونگے جو حق اور سچ کیلئے جستجو کرتے ہیں اور الحق کی تسبیح کرتے رہے ہیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ج لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌوَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌO

اللہ ہی کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اسی کا ملک ہے اور سب تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مومن اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ ان کو دیکھ رہا ہے O (سورۃ التغابن، آیات ۱ تا ۲)

8.2 اسفل السافلین

کائنات کی تخلیق سے پہلے صرف نور (توانائی) تھا۔ آخر میں نور ہی باقی رہ جائے گا۔ اُس وقت مادی اجسام ختم ہو جائیں گے۔ انسانی (روح) نفس اس لئے بچ جائے گا کہ وہ اسی نور کا حصہ ہے جو توانائی کا اعلیٰ ترین وصف ہے۔

انرجی کا عام اصول یہ ہے کہ جیسے پانی بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے یہ بھی اوپر کی لہروں (High Frequency) سے نچلی سطح کی لہروں (Lower Frequency) والی توانائی میں تبدیل ہونا چاہتی ہے مثلاً بجلی جو اعلیٰ توانائی ہے بالآخر گرمائش (Heat) میں تبدیل ہو جاتی ہے جو نچلی سطح کی توانائی ہے۔ یہی حال تمام دوسری اعلیٰ توانائیوں کا ہے سب کی فطرت یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح گرمائش میں بدل جائیں جو کہ توانائی کا کم سے کم درجہ ہے۔ جنات بھی اسی سے بنے ہیں۔ (دوزخ بھی کم سے کم درجہ والی چیز ہے) یہی حال انسانی نفس کا ہے۔ اس کا میلان بھی یہی ہے کہ نور کی حالت سے اتر کر کثیف حالت میں آجائے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنے انسانی مقام یعنی نوری مقام کو ضائع نہ ہونے دیں اور اتر کر جہنمی جناتی اور شیطانی مقام کی طرف عود کر کے اسفل السافلین میں شامل نہ ہو جائیں۔

وَالْعَصْرِO اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ O اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِO

وقت کی قسم O بے شک انسان (قدرتی طور پر) گھاٹے میں ہے O ماسوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے O (سورۃ العصر، آیات ۱ تا ۳)

کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے؟ اس سوال کا جواب انسان کا خالق ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم بتاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام کائنات پر بزرگی عطاء فرمائی ہے۔قرآن حکیم میں دی گئی ہدایات کے مطابق چل کر انسان اپنی روحانی اور مادی ترقی جاری رکھ سکتا ہے ورنہ دنیا میں آکر وہ سخت خسارہ میں ہے۔زمینی موت اسکی آسمانی حیات کا آغاز ہے۔اگر اس نے یہاں رہ کر اپنے مقصد حیات کو ضائع کیا تو اس نے اپنی آسمانی حیات کو نقصان پہنچایا لیکن جس کسی نے بھی زمین پر رہ کر اپنے آپکو اگلے سفر کیلئے موزوں اور قابل ثابت کیا اسے نا صرف کائنات کے بقیہ عظیم مناظر کے مشاہدہ کا موقع دیا جائے گا بلکہ وہ خالق کے آنے والے نئے ڈیزائن کا حصہ بھی ہوگا جس کی شان کوئی انتہاء نہیں۔یوں خالق اپنے بندے کیلئے امید کا پیغام دیتا ہے جس کی خوشخبری تمام پہلے آنے والے پیغمبر دیتے رہے اور آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سب کچھ قرآن پاک میں اکٹھا کر دیا گیا۔اگر زندگی اس ہدایت نامہ کے مطابق گزاری جائے تو یقیناً ابدی حیات کیلئے موزوں ترین نتائج برآمد ہونگے۔

نہ صرف ابدی حیات بلکہ قرآن پاک انسان کی ارضی حیات میں بھی کامیابی کی گارنٹی دیتا ہے۔اگر وہ اس کی تعلیمات پر عمل کرے گا تو یقیناً اپنی دنیاوی اور اُخروی زندگی میں خوف اور غم سے آزاد ہو جائے گا۔یہی ہمارے خالق کی منشاء ہے۔وہ اپنے شاہکار کو غم اور رنج میں نہیں دیکھنا چاہتا۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارا رب تم سے تمہاری ماں کی نسبت ستر گنا زیادہ محبّت کرتا ہے" وہ ہمیں محبّت سے دیکھ رہا ہے۔اپنی طرف محبّت سے بلا رہا ہے۔قرآن پاک اس کی محبّت کا انسان کی طرف تحفہ ہے۔اس میں اس نے ہمارے فائدے کیلئے قانون دیئے ہیں۔اگر کوئی انسان ان قوانین کے برعکس عمل کرتا ہے تو نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ مجموعی حیثیت سے پورے معاشرے کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔لہٰذ ہماری بہتری کا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انحصار صرف اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی قرآن پاک کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پیروی میں ہے نہ کہ شیطان کی پیروی میں جس سے بڑا انسان کا کوئی دشمن نہیں ہے۔

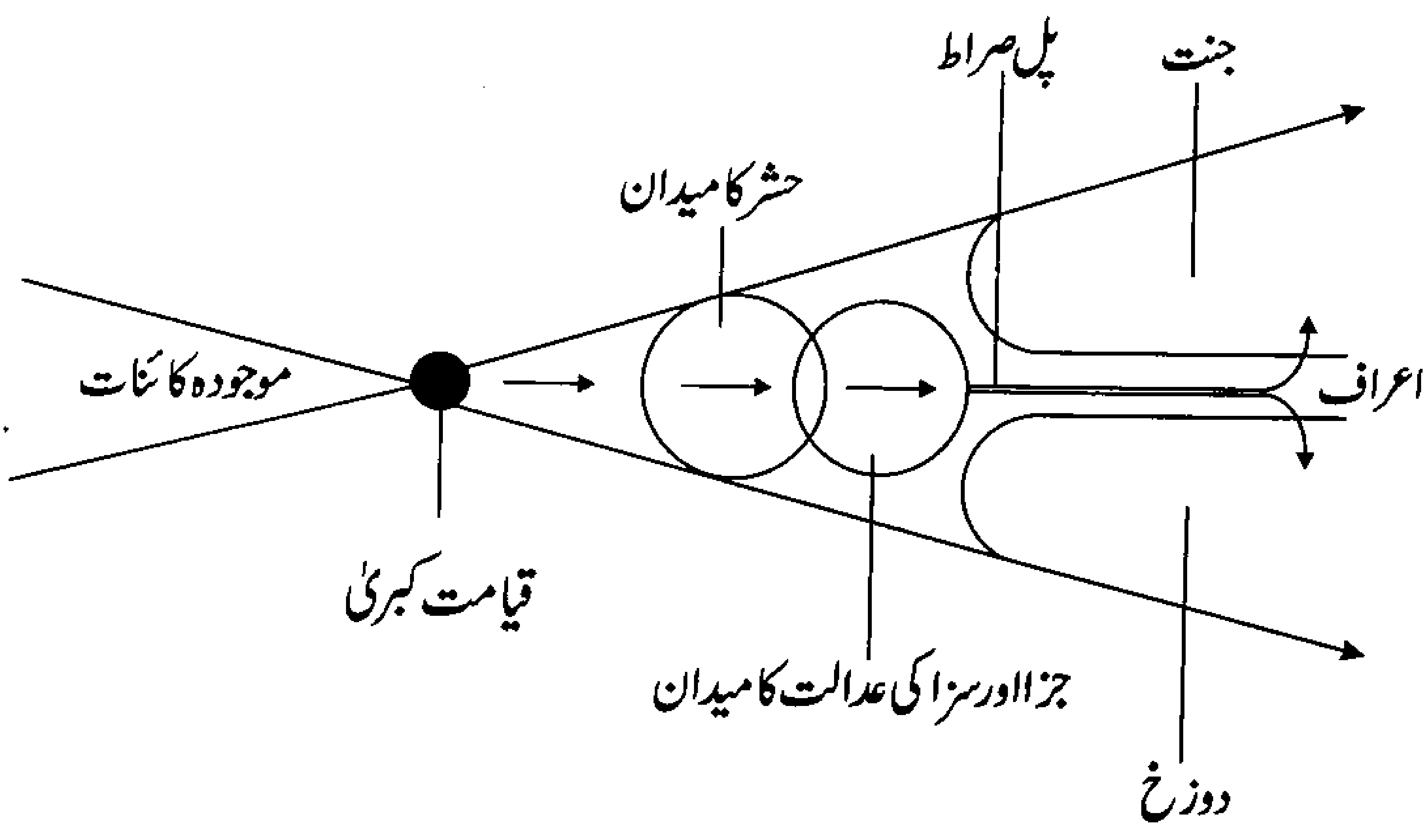
يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ O فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ O فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا O وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا O وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ O فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا O وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا O اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا O اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ O

اے انسان! یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے اور پھر اس سے ضرور ملاقات ہونا ہے O پس جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا O پس اس پر حساب سہل ہو جائے گا O اور اپنے گھر والوں کی طرف مسرور پلٹے گا O اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کے پیچھے دیا جائے گا O وہ اپنے فنا ہونے کی آرزو کرے گا O اور بھڑکتی آگ میں جلایا جائے گا O بے شک وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا O وہ گمان کرتا تھا کہ ہرگز نہ لوٹایا جائے گا O (سورۃ الانشقاق، آیات ۶ تا ۱۴)

☆

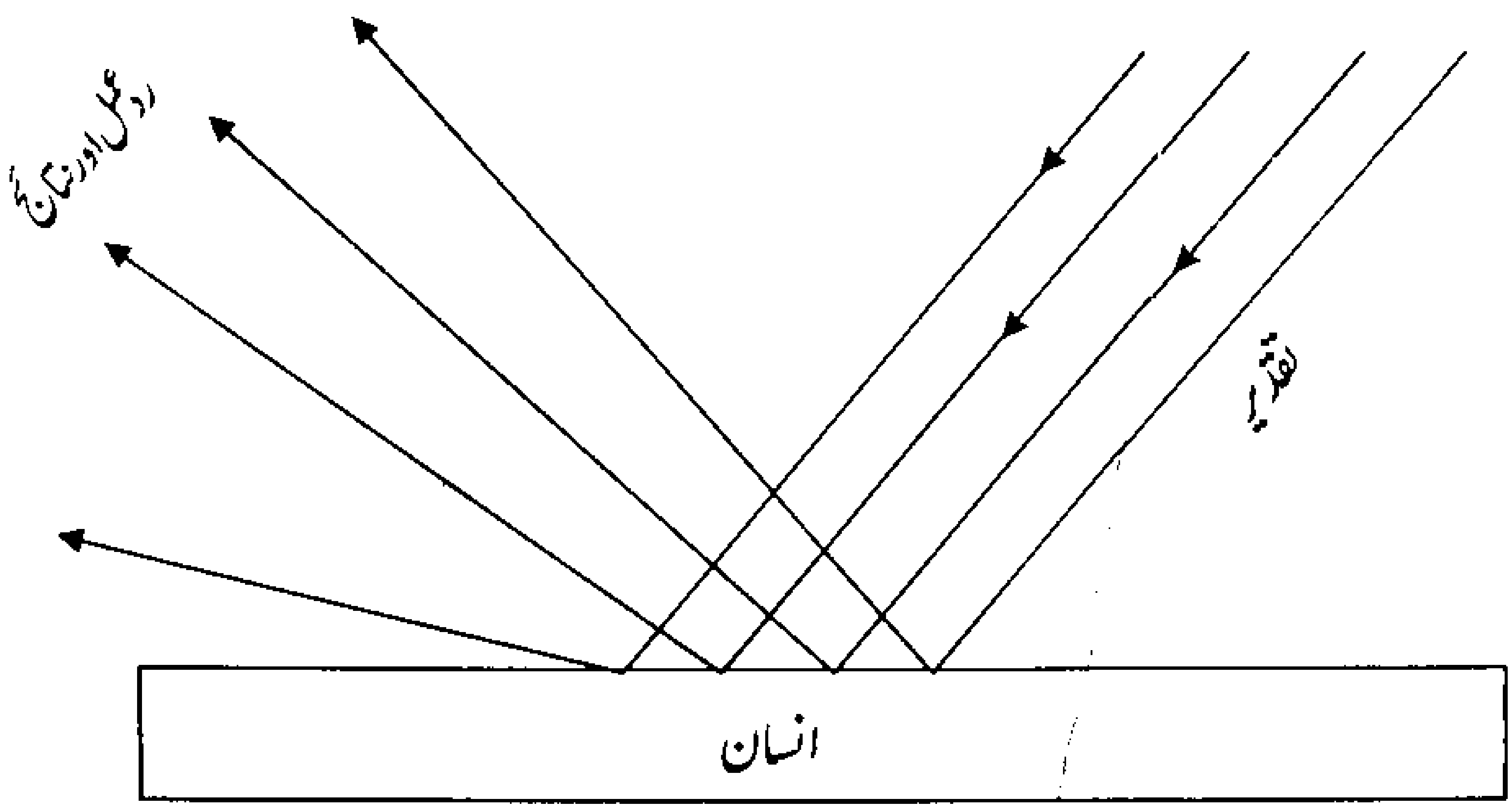
شکل نمبر 16: مسافر کائنات میں

زمین پر انسان کا سفر انتہائی محدود اور مختصر وقفہ کیلئے ہے۔ موت کے ساتھ ہی اس کا قیامت کی طرف انتہائی طویل سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ حضور پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے کہ موت فرد کیلئے قیامت کی پہلی منزل ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ عالم برزخ میں داخل ہوجاتا ہے جسے عالم قبر بھی کہا جاتا ہے۔ قیامت کبریٰ سے پہلے کائنات میں لاکھوں کروڑوں قیامت صغریٰ ہوسکتی ہیں۔اس کے بعدیوم الدین ہوگا جب ہر زمان و مکاں سے انسان میدان حشر کی طرف بھاگتے آئیں گے وہاں سب کی کارکردگی کا حساب ہوگا۔اس کے بعد پل صراط سے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستہ ہے گزر کر میدان اعراف سے ہوتے ہوئے لوگ اپنے اپنے کے مقام کی طرف روانہ ہوں گے دوزخی پل صراط ہی سے دوزخ میں گرتے جائیں گے۔اور جنتی اس پر سے گزر کر اعراف سے گزر کرجنت میں پہنچ جائیں گے۔



شکل نمبر 17: تقدیر اور اعمال

تقدیر مقرر ہوچکی ہے اور انسان پر وقت کے ساتھ نازل ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک امتحانی پرچہ کی طرح ہے۔ انسان کا اپنی تقدیر پر ردعمل اس امتحانی پرچہ کا جواب ہے۔ردعمل کا انحصار انسان کے عقیدہ، تربیت، شخصیت، علم، کوشش اور کئی دوسری وجوہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اگر میلان طبع شیطان کی طرف ہے تو ردعمل میں شیطان کا بڑا دخل ہوگا جس کا نتیجہ آخرت میں بھی برا ہوگا۔ بہترین ردعمل یہ ہے کہ انسان تقدیر کو اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لے اور ہر مسئلہ کو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے مطابق حل کرنے کی کوشش کرے۔



تقدیر۔اختیار۔عمل اور جزا وسزا

﴿حصہ دوم﴾

نظام شمسی اور کرہ ارض کی قیامت

تمہید

کتاب کے پہلے حصے میں کائنات کے انجام کے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ قیامت ہے جسے ہم قیامت الکبریٰ کہتے ہیں اور یہ موجودہ عالم وجود کا ڈراپ سین ہوگا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جہاں تک چھوٹی قیامتوں کا ذکر ہے یہ کائنات میں عام سی بات ہے اور معمولی واقعات ہیں۔ لیکن جیسے جیسے قیامت کبریٰ قریب آئے گی ان میں شدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ہماری زمین اور شمسی نظام کی قیامت اسی نوع کی ہے اور کبھی بھی آسکتی ہے۔ کتاب کا حصہ دوم ان چھوٹی قیامتوں کے حالات اور تجزیہ پر مشتمل ہے چونکہ ان کا تعلق خاص ہم سے ہے اس لئے ان پر غور وفکر اور ان کی اصلیت کو سمجھنا قارئین کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر انسان کی موت کو اس کیلئے قیامت قرار دیا ہے۔

(امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، احیائے العلوم)

حدیث مبارک

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ کچھ علم سے نابلد دیہاتی قسم کے بدو حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ قیامت کی گھڑی کب قائم ہوگی؟

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے سب سے چھوٹی عمر والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر اس نوجوان نے بڑی عمر پائی تو پھر ان میں سے سب سے بڑی عمر والے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ نوجوان تمہاری قیامت کو ضرور دیکھے گا" (صحیح مسلم)

باب نمبر 9

قیامت

قیامت ایک لازمی امر ہے۔ جدید سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ موجودہ نظام کائنات میں کسی چیز کو دوام نہیں۔ جو پیدا ہوا وہ ضرور مرے گا۔ اس قانون کا نام حرارت کا دوسرا قانون (2nd Law of Thermodynamics) ہے۔ اسکے مطابق ہر ایک نظام ہر وقت بے نظمی کا شکار ہو رہا ہے۔ قیامت بے نظمی کی انتہا ہے۔ کرہ ارض کی قیامت کائنات کی قیامت کا ایک حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس واقعہ سے پہلے زبردست سیاسی اور اخلاقی انحطاط ہوگا۔

9.1 کرہ ارض ایک خلائی مسافر

قرب قیامت کی نشانیوں پر غور کرنے سے پہلے آئیے! اب ہم اپنے اس چھوٹے سے کرہ ارض کی بات کرلیں جو ہمارا اپنا گھر ہے۔ چھوٹا ہونے کے باوجود یہ بھی ایک حیرت انگیز نظام کا حصہ ہے۔ اس پر سوار ہم کائنات میں چھ سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے جس منزل کی طرف دوڑ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ آج ہم جس جگہ ہیں کل اس سے تقریباً پانچ کروڑ میل پیچھے تھے۔ یعنی ہم سب نہایت تیز رفتار خلانورد ہیں ہمارا ایک اور سفر کہکشاں یعنی ملکی وے (Milky Way) میں بھی ہے۔ شمسی نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہم تقریباً دو سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے یہاں بھی کسی اور فلکیاتی منزل کی طرف رواں دواں ہیں یعنی کل ہم آج کی جگہ سے کہکشاں میں تقریباً ایک کروڑ سترہ لاکھ میل دور جا چکے ہونگے۔

ہماری ایک اور رفتار زمین کے محور کے گرد بھی ہے۔ آج تک جتنے ہوائی جہاز بن چکے ہیں خط استوا پر ان کی رفتار کے مقابلے میں یہ کہیں زیادہ تیزی سے گھوم رہی ہے اس کے علاوہ تقریباً انیس میل فی سیکنڈ کے حساب سے ہم سورج کے گرد بھی چکر کاٹ رہے ہیں غرض ہر آدمی کے اوپر بیک وقت کئی رفتاریں کام کر رہی ہیں۔ پھر اس کائناتی خلا میں ہم اکیلے بھی نہیں۔ بلکہ ہماری کائنات میں ہمارے شمسی نظام کے علاوہ اور بھی اربوں اور کھربوں کے حساب سے اجسام فلکی ہیں جو سب اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ یوں سمجھئے یہ ایک دوڑ ہے جس میں ان گنت گاڑیاں حصہ لے رہی ہیں۔ یہ سب کیوں ہے اور یہ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن ہر وقت آپس میں ٹکراؤ کا خدشہ ضرور ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو گیا تو زمین کیا بلکہ پورے نظام شمسی کی قیامت ایک پل بھر کی بات ہوگی۔

9.2 کرہ ارض کی ساخت

کرہ ارض کی قیامت کی ممکنہ وجوہات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس کی ساخت کو سمجھیں۔ جیسا کہ شکل نمبر (۱) میں دکھایا گیا ہے، اس کا اندرونی حصہ سخت گرم اور انتہائی دباؤ میں ہے اور شائد سارا کا سارا لوہے پر مشتمل ہے۔ اس کے نصف قطر کے آدھے حصہ تک جو مادہ ہے اس کی کثافت پانی کی نسبت تقریباً دس گنا زیادہ بھاری ہے۔ اس کے بیرونی پرت (Outer Crust) کے اردگرد تقریباً ایک ہزار میل موٹائی کا تقریباً ۵.۵ گرام فی کیوب سینٹی میٹر کثافت سے بھرپور لاوا لپٹا ہوا ہے اور اس لاوا کے اردگرد تقریباً سات سو میل موٹی پتھروں کی ایک تہہ ہے جس کی کثافت تقریباً ۳.۴ گرام فی کیوب سینٹی میٹر ہے ان سب سے باہر والا کرسٹ (Crust) یا ٹھنڈا پرت تقریباً پچیس میل موٹا ہے جس میں پہاڑ میخوں کی مانند گڑے ہوئے ہیں اور سمندر تالابوں کی طرح موجود ہیں۔

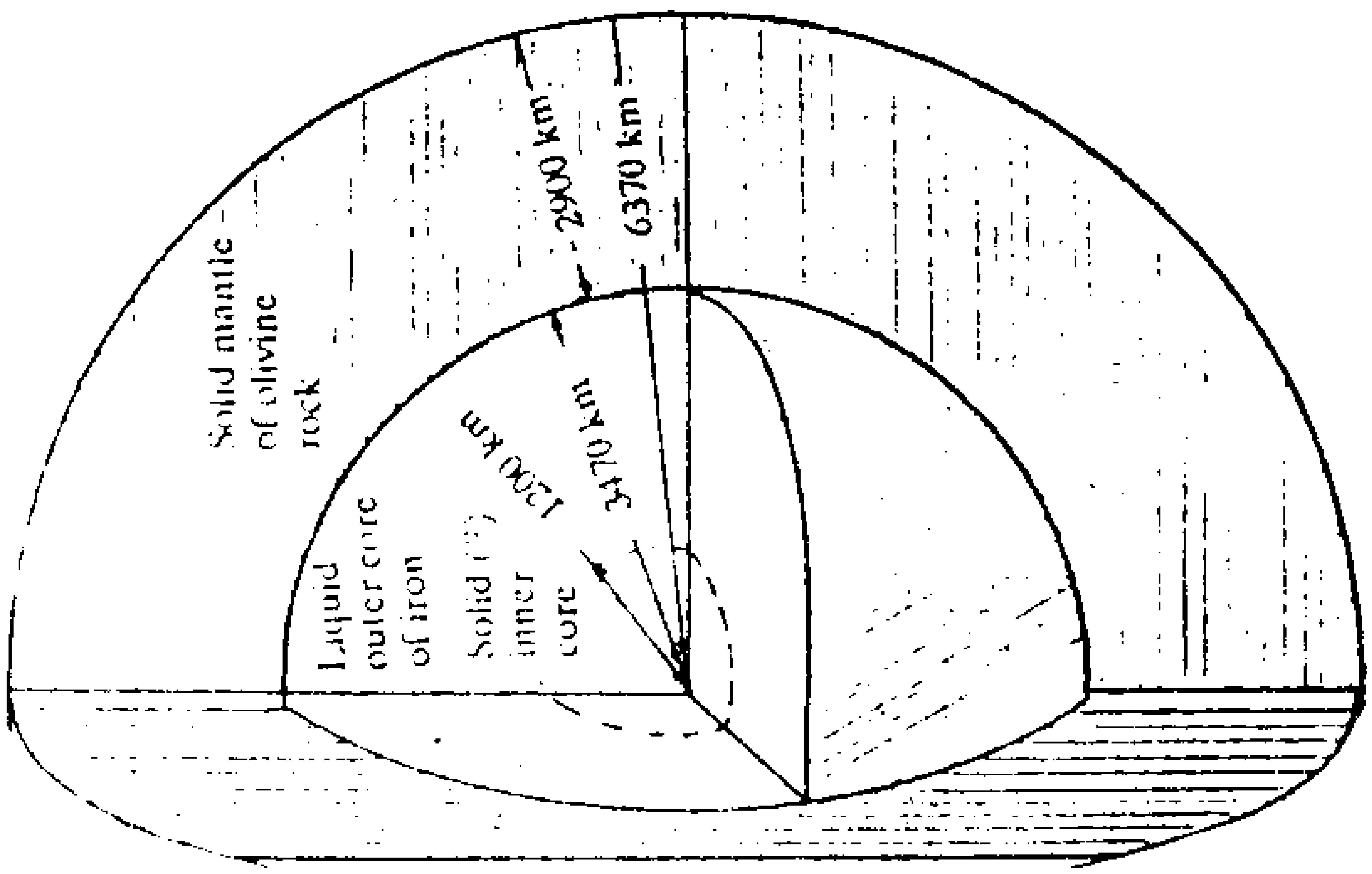
سب سے اوپر ایک آدھ میل موٹی مٹی ہے جو فرش کی مانند ہے جس پر ہم سب رہتے ہیں اور جو تمام نباتات وحیوانات کیلئے خوراک مہیا کرتی ہے۔ زمین کے اوپر ہوائی کرہ ہے جس کی کثافت بلندی کی طرف جاتے ہوئے کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ ہمارے لئے ایک مضبوط چھت کا کام دیتا ہے جو بیرونی دنیاؤں سے آنے والی خطرناک شعاعوں، ذرات اور مادی اجسام کو روک لیتی ہے۔ اگرچہ ہوا کے مالیکیول تقریباً ایک ہزار میل تک پائے جاتے ہیں لیکن سطح سے تین چار میل اوپر یہ اس قدر لطیف ہو جاتی ہے کہ انسان کے سانس لینے کیلئے بھی کافی نہیں رہتی۔ زمین کا مجموعی وزن تقریباً $4x10^{21}$ ٹن یعنی چار کے بعد اکیس صفر۔ اس کے اندرونی گودے پر تقریباً چھ کروڑ پونڈ فی مربع انچ دباؤ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس قدر دباؤ کے باوجود یہ سب نظام حیرت انگیز طریقے سے قائم دائم ہے اور ابھی تک پھٹا نہیں ہے۔

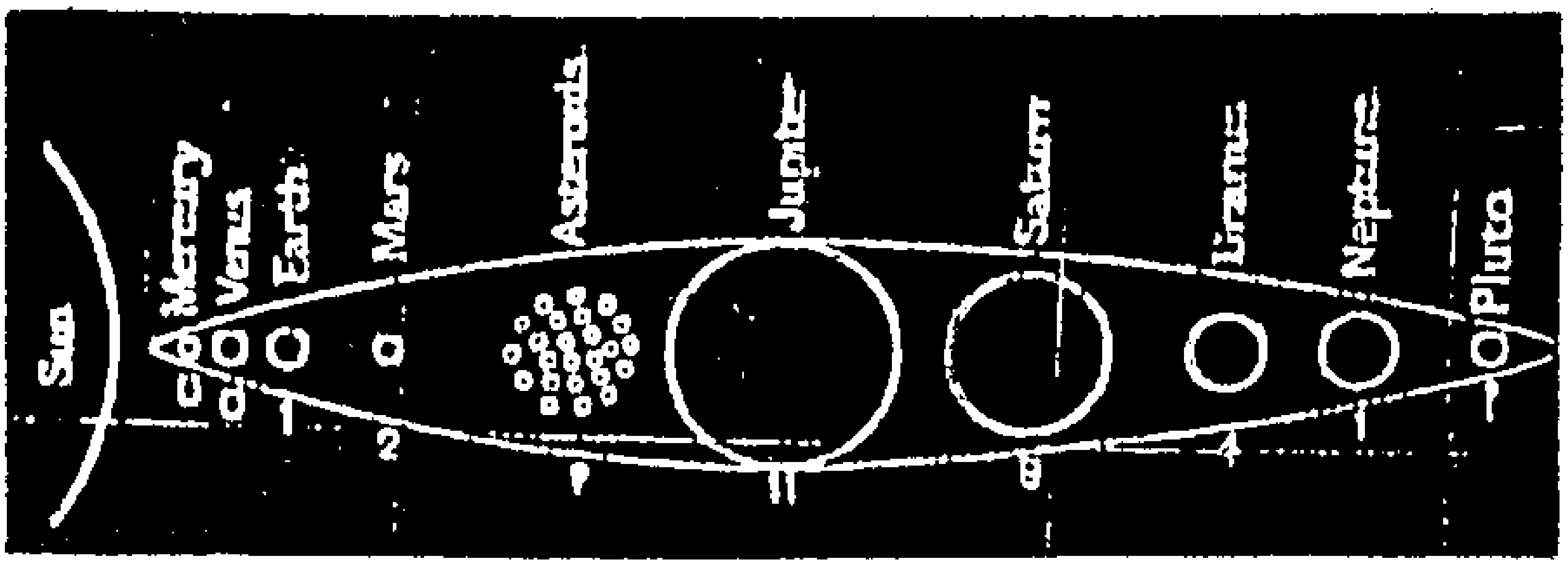
9.3 ارضی قیامت اور وقت کا تعین

کسی بھی قیامت کے متعلق پیش گوئی کرنا کوئی آسان بات نہیں کہ سائنس کچھ حساب کتاب کر کے کوئی مدت معلوم کر لے۔ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (سورۃ اعراف کی آیت ۱۸۷)۔ ہم اندازے ہی کر سکتے ہیں لیکن جیسے کسی فرد کے بارے میں ہم حتمی طور پر کبھی بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص کتنے سال زندہ رہے گا یا وہ کب وفات پائے گا، اسی طرح ہم قیامت کی آمد کے صحیح وقت کا تعین نہیں کر سکتے۔ خواہ وہ زمینی قیامت ہو یا پورے نظام شمسی کی یا پوری کائنات کی یہ سب انسانی عقل اور علم کی حد سے باہر ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ انسان کیلئے یہ بات اہم نہیں کہ قیامت کب آئے گی بلکہ اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ قیامت اور حیات بعد الموت پر ایمان لائے اور آخرت بنانے کی فکر کرے۔

شکل نمبر 18: کرہ ارض کی ساخت اور نظام شمشی میں اسکا مقام

ہماری زمین شمسی نظام میں واحد ایسا منفرد سیارہ ہے جس پر زندگی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ اپنے موجودہ مقام سے تھوڑا سا بھی ادھر ادھر ہوجائے تو جلد یا بدیر یہ بھی دوسرے سیاروں کی مانند بنجر بے آب و گیاہ ہوجائے گی یعنی زمین ایک انتہائی حساس نظام کے تحت اپنی جگہ قائم ہے اور شمسی نظام کے تمام باقی سیارچے بھی یہ توازن قائم رکھنے میں اسے مدد دے رہے ہیں۔ اپنی ساخت میں بھی زمین باقی تمام سیاروں سے مختلف ہے۔ اس پر تقریباً ایک سو کے لگ بھگ مادی عناصر پائے جاتے ہیں جو ایک منفرد بات ہے۔ یہ اپنے مرکز پر لوہے کے سیال مادہ سے بنی ہوئی ہے جو انتہائی دباؤ کے اندر ہے۔ اوپر کی وہ سطح جس پر ہم رہتے ہیں اس پر پہاڑ اور سمندر قائم ہیں اس کی صرف پچیس تیس کلومیٹر کی موٹائی ہے۔ اس کے نیچے گرم سے گرم تر تھہ در تھہ لاوا ہے جو کبھی کبھی آتش فشاں کے ذریعے ظاہر ہوکر بتاتا ہے کہ اللہ کے حکم سے کبھی ساری زمین بھی پھٹ کر تباہ ہوسکتی ہے۔





حکم باری تعالیٰ ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ج لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ؔ ط ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ط يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O

وہ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی تو آپ فرمادیں کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اور وہ اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا اور وہ زمین اور آسمان پر بھاری ہوگی وہ تم پر آئے گی، لیکن اچانک وہ تو آپ سے ایسا پوچھتے ہیں کہ گویا آپ نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے آپ فرمادیں کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے مگر اس کو بہت لوگ جانتے نہیں O (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ O بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ز قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ O

آپ فرمادیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب نہیں جانتے سوائے اللہ کے اور انہیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے O کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا۔ نہیں وہ تو اس کی طرف سے شک میں ہیں؟ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں O (سورۃ النمل، آیات ۶۵ تا ۶۶)

اب دوبارہ سورۃ الاعراف کی آیت مبارکہ ۱۸۷ پر غور فرمائیے۔ اس آیت میں خاص کر زمینی قیامت کا ذکر ہے۔ یہ کفار کے سوال کا جواب ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ "قیامت کب قائم ہوگی"؟ ان کو اور بقیہ انسانیت کو خبردار کیا گیا کہ اس سلسلے میں کوئی بھی پیش بینی نہیں کر سکتا کہ ایسا کب ہوگا۔ البتہ اس کا وقت مقرر ہے جسے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا ظاہر کر دے گا۔ یہ اچانک ظہور پذیر ہوگا۔ قرآن پاک کی سورۃ یٰس کی

آیت مبارک ۴۹ بھی ظاہر کرتی ہے کہ قیامت لوگوں پر ایک دھماکہ کی طرح آچانک آن پڑے گی اور ان کو کسی پیش بینی کا موقع ہرگز فراہم نہ کرے گی۔

سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۷ بھی یہ باور کراتی ہے کہ قیامت کرہ ارض کیلئے ایک تڑپا دینے والا واقعہ ہوگا جو آسمانی فضاء پر بھی اثرات چھوڑے گی۔

جہاں تک جدید سائنس کا تعلق ہے پچھلے چالیس، پچاس سالوں کی تحقیقات نے قیامت کو ایک سائنسی حقیقت ثابت کیا ہے اور اسکے آنے میں شاید ہی کسی سائنس دان کو شک ہو۔ سبھی مانتے ہیں کہ ایسا ہونا نہ صرف عین ممکن ہے بلکہ ضرور ہوگا لیکن کب اور کیسے ہوگا؟ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے۔

9.4 جزوی قیامتیں

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ زمینی قیامت کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً زمین کے کسی خاص حصے پر قیامت تو انسانی ہاتھوں سے بھی آسکتی ہے۔ اگر ایٹمی جنگ چھڑ جائے تو آج کل انسان کے پاس زمین کو درجنوں بار تباہ کرنے کیلئے مواد موجود ہے۔ اسی طرح انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے غلط استعمال سے اس کے ماحول کو اتنا آلودہ کرسکتا ہے کہ زمین پر زندگی کے تمام آثار معدوم ہو جائیں گے یا یہ کہ درجہ حرارت اتنا بڑھ جائے گا کہ قطبین اور پہاڑوں پر پڑی برف پگھل جائے گی اور سمندر خشکی پر چڑھ جائے گا۔ انسانی حماقتوں کے علاوہ بے شمار بیرونی اسباب کی بناء پر بھی زمینی قیامت ایک حقیقت ہے۔ فرض کریں آج ایک بڑا شہاب ثاقب، بہت بڑا بھی نہیں بلکہ کوئی دس مربع میل کا پتھر زمین سے ٹکراتا ہے تو اس کے تصادم کے اثرات سے تمام ذی روح ختم ہوسکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم زمین کی ساخت میں دیکھ چکے ہیں یہ اپنے اندر بھی اپنی تباہی کے سامان چھپائے ہوئے ہے۔ اس کے پیٹ میں ہزاروں ڈگری سینٹی گریڈ کی حرارت پر سخت دباؤ میں پگھلا ہوا مادہ ہے اگر کہیں یہ پھٹ جائے تو فوری قیامت آسکتی ہے اور یہ سب کچھ اس سرعت کے ساتھ ہوگا کہ کسی کو ہوش بھی نہ ہوگی کہ کچھ کرسکے۔

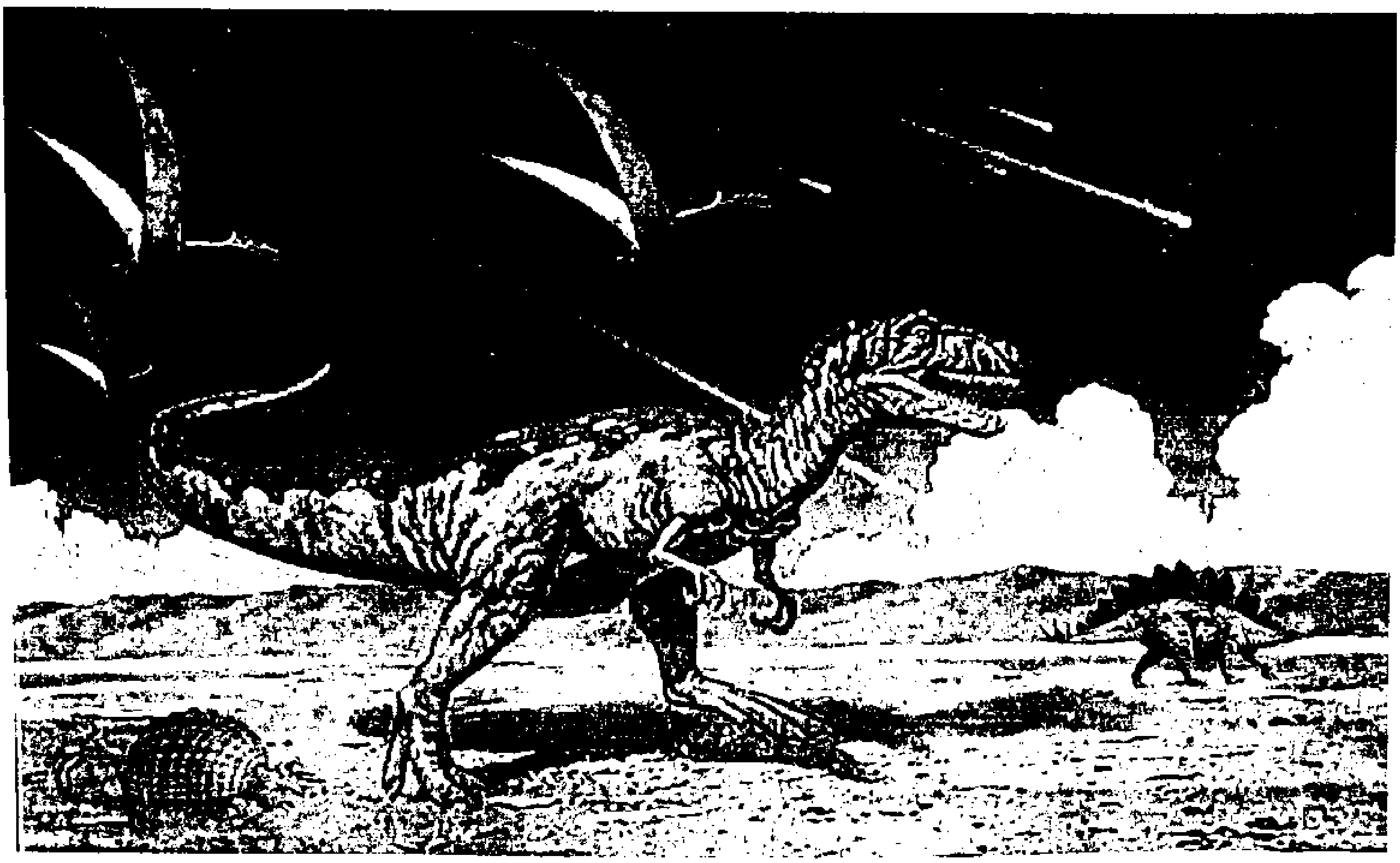
ایسی کئی وجوہات سے زمین پر جزوی قیامتیں کئی مرتبہ آچکی ہیں اور سائنسی ریسرچ کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ مثلاً آج سے بیس کروڑ سال پہلے سائبیریا کے علاقے میں ہزاروں آتش فشاں پھٹ پڑے اور لاکھوں سالوں تک وہ لاوا، دھواں اور تیزابی گیس فضاء میں بکھیرتے رہے جس کے نتیجہ میں اس وقت جو بھی زمین پر رہتا تھا معدوم ہوگیا۔ گویا یہ اس وقت کی قیامت تھی۔ اس طرح کی ایک اور قیامت تقریباً چھ کروڑ سال پہلے بھی آئی تھی جس نے ڈائنوسار (Dina Sours) جیسی عظیم الجثہ مخلوق کو صفحہ ہستی سے یوں مٹا دیا جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں۔ اس منظر کو شکل نمبر ۱۹ میں پیش کر دیا گیا ہے۔ ڈائنا سار کی تباہی تقریباً دس مربع میل کا شہاب گرنے سے واقع ہوئی تھی جس کی طاقت لاکھوں ایٹم بموں سے بھی زیادہ تھی۔ فضاء گرد وغبار سے بھر گئی اور سورج کی روشنی زمین تک پہنچنا بند ہوگئی۔ یوں درجہ حرارت گرتا گیا اور چند صدیوں میں اس ٹھنڈی قیامت نے سب کچھ ختم کر دیا۔

ایسی ہی ایک چھوٹی ٹھنڈی قیامت تقریباً پچاس ہزار برس پہلے بھی آئی تھی۔ اس کا آغاز بھی آتش فشاں پھٹنے اور آسمان پر سے شہابوں

شکل نمبر 19: ڈائنوسارز (Dinosaurs) کی قیامت

زمین پر زندگی کا آغاز اس کی پیدائش سے ایک ارب سال بعد یعنی تقریباً تین یا ساڑھے تین ارب سال پہلے شروع ہوا۔ جیسے قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ زندگی پانی سے ہے زمین پر بھی سب سے پہلے زندگی کا ظہور سمندروں میں ہوا اور وہیں سے نکل کر یہ خشکی کی طرف بڑھی۔ کوئی چھ کروڑ سال پہلے اس پر بہت بڑی جسامت کے حیوانوں کی حکومت تھی جنکو ڈائنا سورز کہتے ہیں۔ اچانک ایک شہاب (Meteorite) جو صرف دس کیوبک میل کا ہوگا، زمین سے ٹکرایا اور اس قدر تباہی لایا کہ زمین ہزاروں سالوں تک گرد وغبار سے اٹ گئی۔ سورج کی روشنی پہنچنا رک گئی اور یوں اس ٹھنڈی قیامت کے نتیجہ میں تمام بڑے حیوانات ختم ہو گئے۔

ماضی میں کئی دفعہ زمین پر ایسی قیامتیں آچکی ہیں اور ممکن ہے کہ کوئی آوارہ شہاب (Meteorite) کسی وقت بھی ٹکرا کر آج بھی اس زندگی کو ختم کردے۔ چند سال پہلے زحل سیارہ کو ایک بڑے شہاب نے ٹکرا کر ہلا کر رکھ دیا تھا۔ 1995 میں زمین کے پاس سے ایک سیارہ یا شہاب (Meteorite) اس قدر قریب سے گزرا تھا کہ سائنسدان گھبرا گئے۔



کے گرنے سے ہوا جس سے زمین پر پہنچنے والی سورج کی توانائی بہت کم ہوگئی اور اس کے اوپر ہر جگہ پانی جم گیا۔ نتیجتاً بارش ہونا بند ہوگئی۔ تمام طرح کی خوراک کے ذرائع تلف ہوگئے اور کئی طرح کے جاندار ختم ہو گئے۔ اس وقت زمین پر ایک انسان نماء دوپاؤں پر چلنے والی مخلوق (Homoerectus) بھی رہتی تھی وہ بھی نیست ونابود ہوگئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کیلئے زمین کو خالی کروا دیا اور موجودہ انسانیت کا سلسلہ چلا دیا۔ غرضیکہ زمین پر جزوی قیامتیں ایک عام سی بات ہے اور معلوم نہیں کہ موجودہ انسانیت کب ان کا شکار ہو جائے۔ آخر میں قیامت کبریٰ آخری قیامت ہوگی جس کے ساتھ ہی زمین وآسمان ختم ہو جائیں گے۔

9.5 زمینی قیامت کی اچانک آمد

جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ قیامت بڑی ہو یا جزوی، قرآن کے مطابق ان سب میں ایک قدر مشترک ہے کہ یہ سب اچانک آتی ہیں۔ اسلئے زمینی قیامت آنے کا بھی کوئی نوٹس نہیں دیا جائے گا۔ اس کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ "جب یہ واقعہ وقوع پذیر ہوگا تو انسان کے ہاتھ میں کھانے کا جو لقمہ ہے اس کو منہ میں ڈالنے کی مہلت نہ مل سکے گی" (صحیح بخاری شریف) اور قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ O

راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ وہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہوں گے O

(سورۃ یٰسین، آیت ۴۹)

زمینی قیامت کب آئے گی؟ جیسے پہلے واضح کیا گیا ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب ناممکن ہے لیکن قرآن پاک سے یہ چیز ظاہر ہے کہ اس میں اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌO

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں اور قیامت کا کام ایسا ہوگا جیسے ایک پلک جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ قریب، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O (سورۃ نحل، آیت ۷۷)

مشہور جرمن نژاد نومسلم محمد اسد اپنی انگریزی تفسیر میں اس آیت کے حوالہ سے رقمطراز ہے (۱۵) کہ یہاں قیامت کے متعلق نزدیک یا

جلد ہونے کے الفاظ نسبت کے طور پر ہیں۔ یہ عرصہ غیر معین حد تک لمبا بھی ہوسکتا ہے۔ سائنسی تخمینہ ہے کہ کائنات کی موجودہ عمر پندرہ ارب سال ہے جس میں ہماری زمین تقریباً چار ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آئی تھی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مدت کے مقابلے میں بقیہ زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہے لیکن پھر بھی لاکھوں سال باقی ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں جناب ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

''ان کو اس دنیا میں آخری پیغمبر کے طور پر مبعوث کیا گیا ہے اور اب قیامت کی گھڑی اتنی نزدیک ہے جتنی میری دو انگلیاں ایک دوسری کے نزدیک ہیں''

ہماری زمینی اور شمسی قیامت کے حوالہ سے وجہء پریشانی حال ہی میں ہماری کہکشاں کے مرکز میں ایک بڑے بحرظلمات Black Hole) کی دریافت ہے۔ اس بحرظلمات میں مادہ کی مقدار ہمارے دو کروڑ سورجوں کے برابر ہے، اندازہ ہے کہ یہ مہیب دیو شاید اسی صدی میں پیدا ہوا ہے اور بڑی رفتار کے ساتھ اپنی قریبی دنیاؤں کو ہضم کرتا جارہا ہے اور خطرہ ہے کہ اگلے چند ہزار سال میں وہ ہمارے سمیت اس ساری کہکشاں کو کھا جائے گا اگر ایسا ہوا تو پھر ہماری قیامت بہت قریب نظر آتی ہے اور یہ آخری قیامت ہوگی۔ جسکے بعد ہمیں دوبارہ اٹھنے کے لئے حشر تک کا انتظار کرنا ہوگا۔

قیامت کب آئے گی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح پیش بینی نہیں کی جاسکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک راز ہے جس کو راز میں رکھنا اس کی مصلحت ہے۔ البتہ ایک پرتجسّس محقق اس کی آمد کے بارے میں کچھ اندازے لگا سکتا ہے۔ سائنس دان اس کا اندازہ اپنے مشاہدوں، حساب کتاب اور تحقیق سے لگا رہے ہیں۔ لیکن عام آدمی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں بے شمار شواہد بیان کردیئے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے نہ سائنسدان کا دماغ چاہیئے اور نہ ہی صوفی کی بصیرت۔

جب ہم ان پیشگوئیوں کا گزرے ہوئے اور موجودہ زمانہ کے حالات سے موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرب قیامت میں زندہ ہیں اور قیامت آنے میں اب زیادہ وقت باقی نہیں ہے۔ ان میں کئی ایک واقعات اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں، بہت سے بیسویں صدی میں منظر عام پر آئے ہیں اور اب اکیسویں صدی انہیں پورا ہوتے دیکھ رہی ہے۔ کچھ واقعات ابھی باقی ہیں جو انتہائی قرب قیامت کی نشانیاں ہیں جہاں تک انفرادی قیامت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا ہے کہ وہ ہر کسی کی موت کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر یہاں چھوٹی چھوٹی قیامتیں تو آتی ہی رہتی ہیں۔ جہاں تک سارے شمسی نظام کی قیامت یا ٹوٹل کائنات کی قیامت کی بات ہے تو اب مغربی سائنسدان بھی کہتے ہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ یہ قانون قدرت ہے ہر چیز کا انجام اس کی فنا ہے۔

باب نمبر 10

قیامت سے پہلے کے حالات پر قرآن کریم کی حیرت انگیز پیشگوئیاں

قرآن کریم خالق کائنات کی کتاب ہے جس کے لئے ماضی، حال اور مستقبل برابر ہیں۔اس لئے اس میں پیشگوئیوں کا ہونا لازمی امر ہے۔قیامت، حیات بعد الموت اور جزا، سزا، جنت، جہنم کے متعلق جتنی تفصیلات آئی ہیں وہ سب مستقبل ہی کا بتاتی ہیں۔جہاں تک عالم شہادت کے متعلق پیشگوئیوں کا تعلق ہے وہ بھی کلام پاک میں کم نہیں جو اس کا منجانب اللہ ہونے کا زندہ معجزہ ہیں۔ذیل کے مضمون میں ہم انہی میں سے کچھ کا ذکر کر رہے ہیں۔

10.1 عظیم صنعتی دور کے متعلق پیشگوئی

یہ ایک بڑی اہم اور نمایاں پیشگوئی ہے جو قرآن حکیم آخری زمانہ کے متعلق دیتا ہے۔بتایا گیا ہے کہ اس وقت کرہ ارض کے لوگ بہت اونچے پایہ کی تکنیکی مہارتیں حاصل کر چکے ہونگے اور یہ ایک عظیم صنعتی اور سائنسی دور ہوگا۔ایسے لگے گا جیسے اب انسان سب کچھ کرنے کے قابل ہے۔استعارہ کے طور پر ارشاد ربانی ہے:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○

یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ اب ہم اس پر قادر ہو گئے ہیں۔تو اس پر ہمارا حکم ہو گا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے ملیا میٹ کر دیا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں۔ایسے ہی ہم اپنی آیتیں مفصّل بیان کرتے ہیں، غور اور فکر کرنے والوں کے لئے ○
(سورہ یونس۔آیت ۲۴)

جرمن نژاد نومسلم مرحوم محمد اسد اس آیت مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں لوگوں کو اس غلط فہمی پر یقین ہوگا کہ

انہوں نے قدرت پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے اور جو وہ چاہیں کر سکتے ہیں حالانکہ وہ اس حد تک نہ پہنچ پائے ہونگے۔ اس بودی سوچ کے تحت انسان یہ سوچے گا کہ اس نے اپنی مہارت اور صنعت کے زور سے اس کی زینت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس کو بڑا زعم ہوگا کہ وہ اپنی طاقت عقل، سائنس اور صنعت کی مدد سے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اصل میں وہ اپنی تباہی کی طرف جا رہا ہوگا۔

بہر حال بیسویں صدی کی صنعتی اور سائنسی ترقی اس پیشگوئی کی تفسیر ہے۔ ابھی مزید ترقی کے بھی امکان نظر آتے ہیں۔ خشکی ہو تری پہاڑ ہو یا غار کوئی ایسا خطہ نہیں رہ گیا جو انسان کی دسترس سے اب باہر ہو۔ دریاؤں کے رخ موڑ دیئے ہیں سمندروں کے آگے بند باندھ دیئے ہیں۔ یوں لگتا ہے انسان نے دنیا کو مسخر کرلیا ہے۔ اب تو اس نے ماحول کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا ہے اپنی مرضی سے بارش برسا لیتا ہے اور زمین کے ذرائع کا بھرپور استعمال کر رہا ہے، ریگستانوں کو باغات میں تبدیل کر رہا ہے اور دور دراز علاقوں کو خوبصورت قطعات میں تبدیل کر رہا ہے، اوپر کی فضاء میں اسکی پہنچ ہے چاند پر اترنے کے بعد اس کو آباد کرنے کی تگ و دو جاری ہے۔ زمین کے لاکھوں میل اوپر اسکے سیٹلائٹ چکر لگا رہے ہیں مواصلات کی ترقیوں سے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ فضاء میں جزیرے قائم کئے جا رہے ہیں۔ ایک عام آدمی کو آج جو کچھ میسر ہے وہ پہلے بادشاہوں کو بھی میسر نہیں تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان نے اپنی تباہی کے بھی اتنے ذرائع جمع کر لئے ہیں کہ اسکے ایٹم بم زمین کو کئی بار تباہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یوں صدیوں میں انسان نے اتنی صنعتی ترقی کر لی ہے جو پچھلے ہزاروں سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ یہ طوفانی ترقی بڑی معنی خیز ہے اور اس کے بعد کیا ہونے والا ہے اس سے بھی زیادہ قابل غور ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات میں جہاں اس دور کی پیش گوئی اور اس حیرت انگریز ترقی کی خبر دی گئی ہے وہاں اس کمال کے بعد زبردست زوال کی بھی پیش گوئی کر دی گئی ہے۔ چاہیے کہ انسان ان نعمتوں پر اپنے رب کا بہت شکر ادا کرے اور اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی معافی مانگتا رہے تاکہ آنے والے عذاب سے بچا رہے۔

10.2 عظیم فضائی دور

ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں ایک اور اہم انکشاف یہ ہے کہ آخری دور میں کرہ ارض کے لوگ آسمانوں میں دور دراز تک سفر کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور اتنی مہارت پیدا کرلیں گے کہ وہ دوسری دنیاؤں میں اپنی نو آبادیات بنانے کی تگ و دو میں ہونگے۔ جو لوگ استطاعت رکھیں گے وہ زمین کو چھوڑ کر کائنات کے دوسرے حصوں میں جانے کی تیاری کریں گے۔

ان حالات کی پیش بینی سورۃ الرحمٰن کی درج ذیل آیات مبارکہ میں کی گئی ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ O فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O
یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ O

اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن یہ طاقت کے بغیر ممکن نہیں O تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (جب تم زمین سے باہر خلائی دنیاؤں میں پناہ کے لئے جاؤ گے تو) تم پر آگ کے انگارے بھیجے جائیں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کی مانند مادہ پھینکا جائے گا، پھر تم اس سے بچ نہ سکو گے O (سورہ الرحمٰن۔ آیت ۳۳۔۳۵)

سورۃ الرحمٰن کی آیت مبارکہ 35 بتاتی ہے کہ اس شاندار خلائی ٹیکنالوجی پر دسترس کے باوجود انسان تلخیوں سے نہ بچ سکے گا۔ زمین پر خطرات کے پیشِ نظر جب وہ زمین وآسمان کی حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا تو آگ اور تابکار شعلے اس کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک قرآن کریم کی ان پیشگوئیوں کا ادراک مشکل تھا لیکن بیسویں صدی کے آخری نصف حصہ میں خلاء کی تسخیر کے سلسلے میں ہونے والی حیرت انگیز ترقی دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہونے والی ہے۔ چاند بیچارے کی حیثیت تو اب دوسرے محلے کی سی ہے۔ انسان اس سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات میں یہ آشکار کیا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں انسان آسمانی فضاؤں میں نو آبادیاں قائم کرے گا۔ بعض اقوام کی یہ فضائی کامیابی ان کی خلائی جنگوں کے لئے بھی ایک اہم پلیٹ فارم ہوگا۔ ان نو آبادیوں کے مالک وہاں سے زمین پر حکومت کے خواب دیکھ رہے ہونگے لیکن ان کی یہ ساری چالیں مشیتِ الٰہی کے سامنے بے بس ہوں گی۔ آج کل زمین سے لاکھوں میل اوپر امریکہ کی طرف سے ایک خلائی جزیرہ (Space Station) بنانے کے منصوبہ پر کام ہو رہا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ زمین سے اوپر اسکے مالکوں کی پناہ گاہ بھی اور کمین گاہ بھی ہو جہاں سے وہ آسانی سے اوپر نیچے آجا سکیں۔

جہاں تک فضائی تابکاری اور شعاعوں کا تعلق ہے خلائی مسافر کو آج بھی ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے۔ سورج سے چھوٹنے والے آگ کے طوفانی گولے بھی ایک مسلسل خطرہ ہیں اس کے علاوہ سورج کے مدار میں اربوں کے قریب چھوٹے چھوٹے شہاب ہیں جو انسانی سیٹلائٹ اور فضائی مشینوں اور گاڑیوں سے ٹکرا کر انہیں تباہ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے خلا کے اندر مزید دور جانے پر یہ خطرات بڑھتے ہی جائیں گے۔

10.3 عظیم سائنسی دور

اوپر دی گئی آیات مبارکہ حیرت انگیز صنعتی ترقیوں کے بارے میں پیش گوئیاں ہیں جن کا آج سے چودہ سو سال پہلے تصور بھی ناممکن

تھا لیکن آخری دور میں قرآن حکیم انسان کی حیرت انگیز سائنسی ترقی کی بھی پیشگوئی کرتا ہے۔اس سلسلہ میں سورۃ حٰم سجدہ کی آیت مبارکہ ۵۳ انتہائی قابل غور ہے جس میں بتایا گیا کہ اس وقت تک انسان کائنات اور اپنی تخلیق کے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہوگا۔ارشاد ربانی ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّه عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ O

پس عنقریب ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کی ذات میں، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یقیناً وہ حق ہے۔کیا آپ کے رب کا ہر چیز پر متصرف ہونا کافی نہیں بے شک تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہے O (سورہ حم سجدہ۔آیت ۵۳)

ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا اس وقت آفاق اور انفاس کے بارے میں انسانی علم نہ ہونے کے برابر تھا۔آج جو معلومات ہمیں حاصل ہیں ان کا تصور بھی ناممکن تھا بلکہ اس وقت انسانیت نہایت مہمل لغویات اور توہمات میں پھنسی ہوئی تھی۔اس وقت قرآن پاک کا یہ اعلان کہ "عنقریب ہم انسان پر آفاق اور ان کے نفوس کے راز ظاہر کر دیں گے"۔ایک عجیب پیشگوئی بھی۔آج چودہ صدیوں بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ پیشگوئی کیسے پوری ہو رہی ہے۔تمام سائنس اس قرآنی آیت کی تفسیر بن کر سامنے آ رہی ہے۔ان چودہ صدیوں میں انسان نے ایک طرف زمین سے دور آسمان کی لامتناہی وسعتوں تک رسائی حاصل کی ہے (Cosmological Developments) اور دوسری طرف اپنے نفس کے اندر جو جھانکا ہے (Biological Developments) وہ دریافتیں بھی حیران کن ہیں۔اس سلسلہ میں فضائی سائنس، حیاتیاتی سائنس اور طبعی سائنس میں جو مزید دریافتیں ہو رہی ہیں وہ سب قرآن پاک کی سچائی کا زندہ ثبوت ہے اور اس بات کا واضح اعلان ہے کہ دنیا اپنی انتہا کو پہنچنے والی ہے اور اب قیامت بھی آنے والی ہے۔

10.4 اہم ترین سبق

مادی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سائنسی ترقیاں انسانی عقل کیلئے خراج تحسین ہیں لیکن ایک صاحب نظر کیلئے اس میں بہت سبق ہیں۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور قرآن کریم کی پیشگوئیوں پر غور کرنے سے سائنسی علوم اور دریافتوں کے منطقی نتائج بالکل ظاہر ہیں۔وہ سائنسی معراج میں انسانیت کا خاتمہ دیکھ رہا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اب بھی قرآن پاک کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر چلنے کیلئے تیار نہیں۔

اب سائنس دان ماننے لگا ہے کہ جسمانی حواس خمسہ کے علاوہ بھی انسان میں کچھ مافوق الفطرت (Extra sensory powers) ہیں۔

مرنے کے بعد کی حالت پر جو ریسرچ ہو رہی ہے وہ بھی یہی ثابت کرتی نظر آتی ہے کہ موت خاتمہ نہیں ہے۔ لیکن پھر وہ بھی حیات بعد الموت اور جزا و سزا کو دل سے تسلیم نہیں کرتا۔

کائنات میں جو کچھ دیکھا گیا ہے وہ بھی ہر سو خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے لیکن اسکے باوجود شیطان نے اسے سیدھے راستے پر آنے سے روکا ہوا ہے۔ تمام تر سائنس اللہ کی ہستی کی گواہ ہے لیکن آج کا انسان ادھر متوجہ نہیں۔ عقل اسکے سامنے عاجز ہے لیکن وہ اسکی عظمت سے بے خبر ہے۔ فلاسفر مقصدیت کو مانتا ہے لیکن اپنی حیات کو بے مقصد شئے سمجھ رہا ہے۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک بتاتا ہے کہ

''شیطان نے انہیں باؤلا دیا ہے۔ انکے دماغ ہیں لیکن سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں، دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ وہ مانند حیوانات ہیں۔ نہیں! بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں''۔

ہماری ثقافت، عقیدہ یا قوم کچھ بھی ہو سکتی ہے لیکن موت والے معاملے میں ہم سب ایک ہیں۔ کوئی بھی اس سے مبراء نہیں لیکن پھر بھی موت کے بعد زندگی کو کیوں اہمیت نہیں دیتے۔ عجب بات تو یہ ہے کہ زندگی کے دوران ہمارا مرنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جو مر جاتے ہیں ان کے لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئے۔ حالانکہ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لا کر اپنے تعصبات سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ قرآن پاک کی سورۃ الحج میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الصّٰبِئِیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا ٭ۖ اِنَّ اللّٰہَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ O

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ جو یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست ہوئے اور جنہوں نے شرک کیا۔ بیشک اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر گواہ ہے O

(سورہ الحج۔ آیت ۱۷)

باب نمبر 11

قربِ قیامت کے متعلق احادیث نبی پاک ﷺ

علاماتِ بعیدہ

(وہ پیشگوئیاں جو پوری ہو چکی ہیں)

علاماتِ بعیدہ وہ ہیں جن کا ظہور ماضی میں کافی پہلے ہو چکا ہے ان کو 'بعیدہ' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان نسبتاً زیادہ فاصلہ ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، شق القمر کا واقعہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات، جنگ صفین، یہ سب واقعات از روئے قرآن و حدیث علاماتِ قیامت میں سے ہیں اور ظاہر ہو چکے ہیں۔ انہی علامات میں مندرجہ ذیل واقعات بھی شامل ہیں جن کی خبر الصادق اور الامین رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی اور دنیا نے انہیں پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔

11.1 فتنہء تاتار (منگولوں کے حملے) کی پیش گوئی

علاماتِ بعیدہ میں سے ایک فتنہء تاتار تھا (عرب منگولوں کو ترک کہتے تھے) جس کی پیشگی خبر احادیث صحیحہ میں دی گئی تھی۔ ان کے بارے میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ روایات ذکر کی ہیں۔

''ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم تُرکوں (منگولوں) سے جنگ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی چہرے سُرخ اور ناکیں چھوٹی اور چپٹی ہوں گی ان کے چہرے (گولائی اور موٹائی میں) ایسی ڈھال کی مانند ہوں گے جس پر تہہ در تہہ چمڑا چڑھا دیا گیا ہو''۔

''قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ کرلو جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے''۔ (صحیح بخاری)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''علامتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے چہرے عریض (چوڑے) ہوں گے''۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ان کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بالوں کا لباس پہنتے ہوں گے۔

ان احادیث میں جس قوم سے مسلمانوں کی جنگ کی خبر دی گئی ہے یہ تاتاری ہیں جو ترکستان (منگولیا) سے قہرِ الٰہی بن کر عالمِ اسلام پر ٹوٹ پڑے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا حلیہ تک بتا دیا تھا۔ اس فتنہ کا آغاز چنگیز خان سے ہوا اور ۶۵۶ھ میں اپنے عروج پر پہنچا جب کہ تاتاریوں (منگولوں) کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کا عبرتناک حادثہ پیش آیا۔ انھوں نے بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم کو قتل کر ڈالا اور عالمِ

اسلام کے بیشتر ممالک ان کی زد میں آ کر زیر وزبر ہو گئے۔

احادیث کی مشہور کتاب مسلم کے شارحِ علامہ نوویؒ نے وہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ان کی ولادت ۶۳۱ھ میں اور وفات
۶۷۶ھ میں ہوئی، وہ قیامت کی علامت کے بارے اپنی کتاب احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ سب پیش گوئیاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہیں کیونکہ جن ترکوں (منگولوں) سے جنگ ہو کر رہی وہ سب
صفات ان میں موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں، آنکھیں چھوٹی، چہرے سُرخ، ناکیں چھوٹی اور چپٹی، چہرے
عریض، ان کے چہرے ایسی ڈھال کی طرح ہیں جن پر تہہ در تہہ چمڑا چڑھا دیا گیا ہو بالوں کے جوتے پہنتے ہیں غرض یہ ان تمام صفات کے ساتھ
ہمارے زمانہ میں موجود ہیں مسلمانوں نے ان سے بارہا جنگ کی ہے۔ہم خدائے کریم سے دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے حق میں بہر حال انجام
بہتر کرے ان کے معاملہ میں بھی اور دوسروں کے معاملہ میں بھی اور مسلمانوں پر اپنا لطف وحمایت ہمیشہ برقرار رکھے، اور رحمت نازل فرمائے اپنے
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے''۔

11.2 نارُ الحجاز کی پیشگوئی

قیامت کی انہی علامات میں سے ایک حجاز کی وہ عظیم آگ ہے جس کی پیشگی خبر چھ سو سال قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے
دی تھی یہ علامت بھی پوری ہو چکی ہے۔ بخاری اور مسلم نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ سر زمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو بصریٰ میں
اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی''۔

فتح الباری میں بھی یہ روایت ہے جس میں مزید تفصیل ہے۔

''حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ ''قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ حجاز کی
وادیوں میں سے ایک وادی سے ایسی آگ سے بھڑک پڑے جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی''۔

اس حدیث شریف کی تشریح میں صحیح مسلم کے شارح علامہ نوویؒ (676۔631 ہجری) لکھتے ہیں۔

''بصریٰ مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان کا مشہور شہر ہے جو دمشق سے تین مرحلہ (تقریباً ۴۸ میل) پر واقع ہے۔یہ عظیم آگ فتنہ تاتار
سے تقریباً ایک سال پہلے مدینہ طیبہ کے نواح میں انہی صفات کے ساتھ ظاہر ہو چکی ہے جو ان احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔یہ آگ جمعہ ۶ جمادی
الثانیہ ۶۵۴ھ کو نکلی اور بحر زخار کی طرح میلوں تک پھیل گئی جو پہاڑ اس کی زد میں آ گئے انھیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا اتوار ۲۷ رجب (۵۲ دن) تک

مسلسل بھڑکتی رہی اور پوری طرح ٹھنڈی ہونے میں تقریباً تین ماہ لگے۔ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ، ینبوع، تیماء حتیٰ کہ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بصریٰ جیسے دور دراز مقام پر بھی دیکھی گئی اس کی خبر تواتر کے ساتھ پورے عالمِ اسلام میں پھیل گئی تھی چنانچہ اس زمانہ کے محدثین و مورخین نے اپنی تصانیف میں اور شعراء نے اپنے کلام میں اس کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔''

علامہ نوویؒ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں مزید فرماتے ہیں:۔

''حدیث میں جس آگ کی خبر دی گئی ہے یہ علاماتِ قیامت میں سے ایک مستقل علامت ہے اور ہمارے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں ایک آگ ۶۵۴ھ میں نکلی، جو بہت عظیم آگ تھی مدینہ طیبہ سے مشرقی سمت میں حرہ کے پیچھے نکلی، تمام اہل شام اور سب شہروں میں اس کا علم بدرجہ تواتر پہنچ چکا ہے اور خود مجھے مدینہ کے ان لوگوں نے خبر دی ہے جو اُس وقت وہاں موجود تھے''۔

علامہ محمد بن احمد قرطبیؒ بھی اسی زمانہ کے بلند پایہ عالم ہیں انھوں نے اپنی کتاب ''التذکرۃ بامور الآخرۃ'' میں اس آگ کی مزید تفصیلات بیان کی ہیں۔

بخاری و مسلم کی اسی حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

''حجاز میں مدینہ طیبہ میں ایک آگ نکلی ہے اس کی ابتداء زبردست زلزلہ سے ہوئی جو بدھ ۳ جمادی الثانیہ ۶۵۴ھ کی رات عشاء کے بعد آیا اور جمعہ کے دن چاشت کے وقت تک جاری رہ کر ختم ہو گیا اور آگ قریظہ کے مقام پر حرہ کے پاس نمودار ہوئی جو ایسے عظیم سیلاب کی صورت میں نظر آرہی تھی جس کے گرد فصیل بنی ہوئی ہو اور اُس پر کنگرے برج اور مینارے بنے ہوئے ہوں کچھ ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے تھے جو اُسے ہانک رہے تھے جس پہاڑ پر گذرتی تھی اُسے ڈھا دیتی اور پگھلا دیتی تھی، اس مجموعہ میں سے ایک حصہ سُرخ اور نیلا نہر کی سی شکل میں نکلتا تھا جس میں بادل کی سی گرج تھی، وہ سامنے کی چٹانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا اور عراقی مسافرین کے اڈہ تک پہنچ گیا تھا، اس کی وجہ سے راکھ ایک بڑے پہاڑ کی مانند جمع ہو گئی، پھر آگ مدینہ کے قریب تک پہنچ گئی، مگر اس کے باوجود مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آتی رہی، اس آگ میں سمندر جیسا جوش وخروش مشاہدہ کیا گیا۔ میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ میں نے اُس آگ کو پانچ یوم کی مسافت سے فضاء میں بلند ہوتا دیکھا، اور میں نے سنا ہے کہ وہ مکہ اور بصریٰ کے پہاڑوں سے بھی دیکھی گئی ہے۔ علامہ قرطبیؒ آگے فرماتے ہیں کہ ''یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ہے''۔

علامہ سمہوریؒ نے اپنی ''کتاب وفاء'' میں اُس زمانہ کے لوگوں کے بیانات نقل کیے ہیں کہ ''اُس زمانہ میں مدینہ طیبہ کے نواح میں آفتاب اور چاند کی روشنی دھوئیں کی کثرت کے باعث اتنی دھندلی ہو گئی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج اور چاند کو گرہن لگا ہوا ہے''۔

اسی زمانہ کے ایک بزرگ قاضی القضاۃ صدر الدین حنفی ہیں جو دمشق میں حاکم رہے ہیں ان کی ولادت ۶۴۲ھ میں ہوئی قاضی القضاۃ ہونے سے پہلے یہ بصریٰ میں ایک مدرسہ کے مدرس تھے اور آگ کے واقعہ کے وقت بھی بصریٰ میں تھے انھوں نے مشہور مفسر و مورخ حافظ ابن کثیرؒ کو

خود بتایا کہ

''جن دنوں یہ آگ نکلی ہوئی تھی میں نے بصریٰ میں ایک دیہاتی کو خود سنا جو میرے والد کو بتا رہا تھا کہ ہم لوگوں نے اس آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی ہیں''۔

یہ بعینہ وہ بات ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح حدیث میں دی تھی کہ اس آگ سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی اس آگ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائی تھیں ایک یہ کہ وہ آگ حجاز میں نکلے گی، دوسری یہ کہ اس سے ایک وادی بہہ پڑے گی، اور تیسری یہ کہ اس سے بصریٰ کے مقام پر اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔ یہ سب باتیں من وعن کھل کر ظاہر ہو گئیں۔ غرض رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ایسے معجزات ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے صدیوں بعد ظاہر ہوئے اور آئندہ کے بھی جن واقعات کی خبر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے بلاشبہ وہ بھی ایک ایک کر کے سامنے آتے جائیں گے اور آئندہ نسلوں کے لئے آپ کی صداقت وحقانیت کی تازہ ترین دلیل بنیں گے۔

واقعات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳ جمادی الثانی ۶۵۴ ھ ہجری کو مدینہ منورہ کے نواحی پہاڑوں میں زلزلہ کے ساتھ کوئی آتش فشاں پھٹا، جسکی آگ سینکڑوں میل سے نظر آتی تھی۔ مندرجہ بالا بیانات آگ کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جس آگ کی خبر دی تھی وہ یہی آتش فشانی آگ تھی۔

باب نمبر 12

موجودہ زمانہ کے متعلّق پیشگوئیاں

یہ وہ علامات ہیں جن میں سے تقریباً 80 فی صد ظاہر ہو چکی ہیں جو ظاہر ہو گئی ہیں لیکن ابھی اپنی انتہاء کو نہیں پہنچیں۔ ان میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ انتہائی قرب قیامت کی علامات ظاہر ہونے لگیں گی۔

ان علامات کی فہرست بہت طویل ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی جیسی معتبر احادیث کی کتابوں میں جو علامات قیامت کی دی گئی ہیں ان کو اختصار کے ساتھ (Summary) ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:۔

12.1 دنیا کی سیاسی اور معاشی حالات

جناب ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک مندرجہ ذیل واقعات رونما نہ ہو جائیں قیامت برپا نہ ہوگی۔ (حوالہ صحیح بخاری باب الفتن)

۱۔ "جب تک کہ دو بڑے گروہ جن کا مذہبی نظریہ ایک جیسا ہوگا ایک دوسرے کے ساتھ شدید جنگوں میں مبتلا نہ ہو جائیں اور دونوں اطراف کا بے حساب نقصان نہ ہو" (شاید یہ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کی طرف اشارہ ہے)۔

۲۔ "تقریباً تیس دجال (کذاب) ظاہر نہ ہوں اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول یا پیغمبر ہے" (ابھی تک کئی جھوٹے نبی آچکے ہیں اور اس سلسلے میں مرزا غلام احمد قادیانی کذاب جدید دعویدار تھا۔ امریکہ میں راشد خلیفہ نے بھی 1970ء کی دہائی میں یہی دعویٰ کیا اور جہنم واصل ہوا)۔

۳۔ "زلزلوں کے واقعات نہ بڑھ جائیں" (پچھلے سو سال سے یہ مسلسل زیادہ ہو رہے ہیں)۔

۴۔ "وقت بڑی تیزی سے گزرتا نظر نہ آئے" (یعنی ہر کام میں تیزی ہو جائیگی یہ آج کل کے زمانے کا خاص وصف ہے)۔

۵۔ "امارت بڑھ نہ جائے کہ امیر آدمی فکر مند ہو جائیگا کہ کوئی آدمی زکوٰۃ لینے کو تیار نہ ہوگا اور جب وہ زکوٰۃ کسی کو دے گا تو اسے یہ جواب ملے گا کہ اس کو اسکی ضرورت نہیں۔" (سعودی عرب اور بہت سے مسلمان ممالک جن میں تیل کی دولت ہے، وہاں یہ حالات پیدا ہو چکے ہیں)۔

۶۔ "لوگ ایک دوسرے کے ساتھ فلک بوس عمارتیں بنانے کا مقابلہ شروع نہ کر دیں" (آج کا زمانہ فلک بوس عمارتوں کا ہے، مقابلے میں

سرمایہ اور حکومتیں اونچی سے اونچی عمارات بنوا رہی ہیں۔ خود مکہ مکرمہ میں حرم پاک کے اردگرد پہاڑوں سے اونچے ہوٹل بن چکے ہیں جنہیں صحن کعبہ سے دیکھ کر دل پریشان ہو جاتے ہیں۔)

۷۔ "امن و امان کی یہ حالت ہوگی کہ قبر کے پاس سے گزرنے والے کہیں گے "کاش وہ بھی اس قبر میں ہوتے"۔ (موجودہ زمانے میں اکثر ملک دہشت گردی اور بدامنی کا شکار ہیں اور حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں)۔

۸۔ "سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور لوگ اسکو دیکھیں گے" (شائد قرب قیامت میں مغربی ممالک کی طاقت کی طرف اشارہ ہے)۔

۹۔ "آخر کار وہ گھڑی (قیامت) اچانک ظاہر ہوگی اور اتنی اچانک کہ دو آدمی خرید و فروخت کیلئے اپنے سامنے کپڑے کا تھان پھیلائیں گے تو نہ قیمت کا فیصلہ ہو سکے گا نہ تھان کو واپس لپیٹنے کا وقت ملے گا"۔

12.2 دنیا کے معاشرتی و اخلاقی حالات

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی آمد سے پہلے مندرجہ ذیل واقعات کی نشاندہی فرمائی: (حوالہ مدخل ابن الحج) پڑھتے وقت موجودہ حالات سے موازنہ کرتے جائیں تو حقیقت صاف نظر آئے گی۔

۱۔ "نمازوں کی ادائیگی کے سلسلے میں غفلت برتی جائے گی" (موجودہ مسلمانوں کی حالت دیکھ لیں)۔

۲۔ "جنسی خواہشات میں بے راہ روی عام ہوگی" (یہ بیماری پہلے مغربی ممالک میں پھیلی اب مشرق میں بھی عام ہوتی جا رہی ہے)۔

۳۔ "ظالم اور جفاجو لوگ قوموں کے راہنما بن جائینگے" (دنیا کے اکثر ممالک کا حال دیکھ لیں)۔

۴۔ "حق اور باطل میں فرق کرنا ناممکن ہو جائے گا" (کہ باطل حق کا لبادہ اوڑھ لے گا جس طرح آج کل ہو رہا ہے)۔

۵۔ "جھوٹ بولنا ایک فیشن بن جائے گا" (اسی کا نام آج کل سیاست اور ڈپلومیسی ہے)۔

۶۔ "زکوٰۃ کی ادائیگی کو ایک بوجھ سمجھا جائے گا" (مسلمانوں کے حالات سامنے ہیں)۔

۷۔ "دنیا میں مومنین کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا اور ایمان والے اپنے اردگرد کے حالات اور برائیاں دیکھ کر کڑھیں گے اور انکے دل پسیجتے ہونگے لیکن وہ اس قدر مجبور ہوں گے کہ کچھ نہ کر سکیں گے" (۲۱ویں صدی کے آغاز میں جو حالات ہو چکے ہیں کہ مومنین کئی طرح کے ظلم کا شکار ہیں)۔

۸۔ "بارش کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ یہ موسم یا ضروریات کے مطابق نہ برسے گی" (پچھلے کچھ سالوں سے یہ دنیا بھر میں عام ہو رہا ہے)۔

۹۔ "مرد اپنی جنسی خواہشات مردوں کے ساتھ پوری کریں گے اور عورتیں عورتوں کے ساتھ" (امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں اس بات کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔ دفتروں اور سیاست میں بھی عورتیں بڑی تیزی سے آگے آ رہی ہیں)۔

۱۰۔ "عورتیں مردوں پر سبقت لے جائیں گی" (تقریباً تمام ملکوں میں یہ ہوتا نظر آرہا ہے کالجوں میں لڑکیاں لڑکوں پر سبقت لے جا چکی ہیں)۔

۱۱۔ "اولاد ماں باپ کا کہنا نہ مانے گی" (آجکل یہ عام سی بات ہے)۔

۱۲۔ "گناہوں کو کوئی اہمیت نہ دی جائے گی" (آج کل یہ عام سی بات ہوگئی ہے ہر ملک میں نیکی اور گناہ کا تصور کمزور پڑتا جارہا ہے، دنیا سیکولر ہورہی ہے)۔

۱۳۔ "دوست دوست کے ساتھ بری طرح پیش آئے گا" (آج کل یہ عام سی بات ہے)۔

۱۴۔ "مسجدوں کو باہر سے خوب سجایا جائیگا، نمازی مسجدوں میں جائیں گے ضرور لیکن ان کے دل منافقت اور ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی سے بھرے ہونگے" (آج کل کے حالات دیکھ لیں مسجدوں کی زیبائش تو بہت ہے لیکن عبادات میں خشوع وخضوع ختم ہے)۔

۱۵۔ "قرآن پاک سنہری حروف میں لکھے جائیں گے لیکن اس کو پڑھنے کی طرف توجہ نہ دی جائے گی۔ لوگ قرآن پاک کو سروں میں پڑھیں گے لیکن عمل نہیں کریں گے" (حالات کا موزانہ کرلیں قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کا رواج دن بدن کم ہوتا جارہا ہے)۔

۱۶۔ "سودخوری قابو سے باہر ہو جائے گی یعنی سودخوری معاشرہ پر چھا جائے گی" (آج کوئی اس سے محفوظ نہیں بنکوں کے نظام سے نا چاہتے ہوئے بھی کوئی شخص سود سے بچ نہیں سکتا ہے)۔

۱۷۔ "انسانی خون کی کوئی وقعت نہ رہ جائے گی، یعنی عام قتل ہونگے" (طاقتور ملکوں اور معاشرہ کے غنڈے بدمعاشوں کی دہشت گردی سے انسان کا خون نہایت ارزاں ہو کر رہ گیا ہے پچھلے دس پندرہ سالوں میں ناحق قتلوں کا دوردورہ بہت بڑھ گیا ہے)۔

۱۸۔ "ایمان ویقین والوں کا کوئی ساتھ دینے والا نہ ہوگا" (آج سب سے کمزور اچھے مسلمان ہیں)۔

۱۹۔ "گانے والی عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا" (۵۰ سال میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے ٹیلی ویژن، ویڈیو، فلمی صنعت نے حد کردی ہے اور گانے والی عورتیں بڑی عزت سے دیکھی جاتی ہیں)۔

۲۰۔ "امیر لوگوں کیلئے حج تفریح بن جائے گا" (آج کل یہ ایک عادت بن گئی ہے)۔

۲۱۔ "اوسط آمدن والے لوگ حج تجارت کی غرض سے کرینگے اور غریب لوگ خیرات مانگنے کیلئے" (ایسا ہونا بھی شروع ہوگیا ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قرب قیامت کے زمانہ کے مندرجہ ذیل واقعات کی پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ فرمایا: (حوالہ ترمذی، المشکواۃ۔ باب المصائب وفتنہ)

۱۔ "مال غنیمت (بانٹنے کی بجائے) مرضی کے مطابق لیا جائے گا"۔

۲۔ "جو مال کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا جائے گا اس میں لوٹ کھسوٹ کی جائے گی"۔

۳۔ "زکوۃ کی ادائیگی کو اپنے اوپر ایک جرمانہ سمجھا جائے گا"۔

۴۔ "علم و فضل اسلام سیکھنے کی بجائے مالی ضرورتوں کیلئے حاصل کیا جائے گا" (آجکل کے حالات سے موازنہ فرمائیں)۔

۵۔ "مرد اپنی عورت کی تابعداری کریگا اور والدہ کی کوئی پرواہ نہ کریگا" (آجکل کیا یہ ہورہا ہے کہ نہیں؟ والدین سے تعلق مغرب میں تو ختم ہو چکا ہے اور اب مشرق میں بھی یہ وبا زوروں سے پھیل رہی ہے)۔

۶۔ "مرد اپنے دوست کو اپنے نزدیک لے آئے گا اور اپنے والد کو اپنے سے دور کریگا" (کیا ایسا ہی تو نہیں ہو رہا؟)

۷۔ "مسجد میں لوگوں کے جھگڑنے کی آوازیں بلند ہونگی" (اکثر ایسا ہی ہوتا ہے)۔

۸۔ "کسی قبیلے یا معاشرے کا سب سے شرپسند آدمی ان کا رہبر بن جائے گا" (اکثر ایسا ہی ہو رہا ہے)۔

۹۔ "نکمے ترین آدمی اپنی قوم کے لیڈر بن جائیں گے" (اکثر یہی ہو رہا ہے)۔

۱۰۔ "ایک آدمی کی عزت اس لئے کی جائے گی کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں" (اکثر آج کل ایسا ہی ہے)۔

۱۱۔ "معاشرے کے نچلے طبقے والے نکھٹو لوگ معاشرے کے اچھے لوگوں کو برا بھلا کہیں گے"۔

۱۲۔ "گانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کے اوزار عام ہو جائیں گے" (موجودہ زمانہ انکی تفسیر ہے)۔

۱۳۔ "شراب کا استعمال کثرت سے ہوگا" (پچھلے پچاس سالوں سے بہت بڑھ گیا ہے)۔

باب نمبر 13

قُربِ قیامت میں سیاسی، معاشرتی، معاشی اور صنعتی حالات اور فتنوں کی پیش گوئیاں

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں فتنوں کا عروج ہوگا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک فتنے کی تفصیل سے اپنی امت کو آگاہ کر دیا تا کہ اس کی روشنی میں لوگ اپنے لئے صحیح راہ عمل کا انتخاب کر سکیں۔ احادیث کی مختلف کتابوں میں ابواب فتنہ کے تحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ان باتوں کا تفصیلی ریکارڈ موجود ہے۔ (حوالہ محمد عمران اشرف عثمانی، استاد جامع دارلعلوم کراچی کی کتاب ''فتنوں کا عروج اور قیامت کے آثار'')۔

13.1 قدرتی آفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید خبردار کیا کہ " خبردار! اس زمانے میں طوفانی آندھیاں، زلزلے، شہاب ثاقبوں کے زیادہ گرنے، پتھروں کی بارشیں اور دوسری ایسی تباہیوں کی نشانیاں یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جس طرح تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو منکے تیزی سے ایک دوسرے پر گرتے ہیں۔

افسوس کہ ہم اسی زمانہ میں رہ رہے ہیں قدرتی آفات دن بدن بڑھتی جاتی ہیں۔ جرمنی کی انشورنس کمپنی میونخ ری انشورنس Munich Reinsurance جو دنیا پر آنے والی قدرتی آفات کا حساب رکھتی ہے کے مطابق 1960 سے لیکر 1990 تک دنیا میں قدرتی آفات کی اوسط تقریباً تین گنا بڑھ چکی ہے۔ حوالہ (Los Angeles Times - Washington October- 2005)۔ زلزلوں کی شدت اور تعداد میں بھی کئی گناہ اضافہ ہو چکا ہے۔

13.2 سیاسی حالات

13.2.1 دہشت گردی اور نامعلوم قتل

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: " بے شک قیامت کے قریب زمانہ میں قتل وقتال ہوگا' وہ کافروں سے قتال نہ ہوگا

بلکہ امت کے بعض افراد بعض کو قتل کریں گے، یہاں تک ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملے گا اور اسے قتل کر دے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی عقلیں سلب کر لی جائیں گی اور کچھ بے عقل امیر بن جائیں گے' ان میں سے اکثر لوگوں کا یہ گمان ہوگا کہ وہ کچھ ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ ہوں گے۔ (اکثر مسلمان ممالک کے حالات اسی طرح کے ہوگئے ہیں)" (کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۲۰ عن مسند ابن حنبل ومسلم عن ابی موسی)

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک ایک روز ایسا نہ آجائے کہ مقتول کو پتہ نہ ہو کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیسے ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حرج (فتنے) کی وجہ سے اور پھر فرمایا کہ ایسے میں قتل کرنے والا اور قتل کیا ہوا، دونوں جہنم میں جائیں گے۔" (رواہ مسلم ۸۔۲۹ کتاب الفتن)

(افسوس کہ آج وہی زمانہ ہے۔ پچھلے 25 - 20 سالوں میں ہر ملک میں دہشت گردی کے واقعات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ ہوائی حملوں سے اموات بھی اسی ضمن میں شامل ہیں)۔

13.2.2 مسلم امہ کی بیچارگی

حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "قریب ہے کہ تمہارے اوپر مختلف اطراف سے مختلف اقوام دشمنی پر متفق ہو جائیں جس طرح بہت کھانے والے لوگ دسترخوان پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ ہماری تعداد کی کمی کے سبب ہوگا؟"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا "نہیں بلکہ تم سیلاب کی جھاگ کی مانند ہوگے، تمہارے دل کمزور ہو چکے ہوں گے اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھالیا جائے گا چونکہ تم دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگو گے" (ابو دائود ومسند احمد کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۳۲ رقم ۳۰۹۱۶) (افسوس کہ پچھلی ایک صدی سے مسلمان ان حالات کا شکار ہیں)۔

13.2.3 جنگ عظیم اور ابتری کے حالات

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک قائم نہ کی جائے گی جب تک دو عظیم جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں اور ان دونوں کے درمیان عظیم قتال ہوگا حالانکہ دونوں کا دعویٰ بھی ایک ہوگا اور یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال اٹھائے جائیں گے ان میں سے ہر ایک اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ کرے گا اور علم قبض کر لیا جائے گا اور زلزلوں کی کثرت ہو جائے گی زمانہ قریب قریب آجائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل بڑھ جائے گا تم میں مال وزر کی کثرت ہو جائے گی اور اس کا بے جا استعمال بڑھ جائے گا، یہاں تک کہ صاحب اموال لوگ اس وجہ سے فکرمند ہوں گے کہ ان کا صدقہ کون

قبول کرے اور یہاں تک کہ جس کو وہ مال دیں گے وہ یہ کہے گا کہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں، اور لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگیں گے (خوف وہراس، بے اطمینانی اس قدر بڑھ جائے گی) یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کہ کاش! میں اس کی جگہ ہوتا۔ (صحیح بخاری)

(غالباً یہاں جنگ عظیم اول (1914-1918) اور جنگ عظیم دوم (1940-1945) کی طرف اشارہ ہے پچھلے 50 سالوں میں زلزلوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ دولت کی بھی ریل پیل بڑھ رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بے اطمینانی میں بہت اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے خودکشیوں کے واقعات خاص طور پر امیر ملکوں میں بہت اضافہ ہو رہا ہے غرض حدیث مبارک میں کی گئی ایک ایک پیشگوئی سچ ثابت ہو چکی ہے)۔

حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"جب زمانہ قریب آئے گا تو طیلسان (ریشم نما کپڑا) عام ہو جائے گا، تجارت بڑھ جائے گی مال میں اضافہ ہو جائے گا، مالدار کی مال کی وجہ سے تعظیم کی جانے لگے گی، بے حیائی کی کثرت ہوگی، بچے حاکم بن جائیں گے، عورتوں کی کثرت ہوگی، بادشاہوں کا ظلم عام ہو جائے گا اور ناپ تول میں کمی کی جانے لگے گی، آدمی کیلئے کتے کے پلے کی تربیت کرنا آسان ہوگا بہ نسبت اپنے بچہ کی تربیت کے، بڑے کی تعظیم نہ کی جائے گی، چھوٹوں پر رحم نہ کیا جائے گا، زنا کی اولاد کی کثرت ہو جائے گی، یہاں تک کہ آدمی عورت کے ساتھ راستے کے کنارے پر جماع کرے گا۔ لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں گے اور ان کے دل بھیڑیے کی طرح ہوں گے اور اس زمانے میں لوگوں کے درمیان سب سے بہتر شخص وہ ہوگا جو مداہنت سے کام لے۔" (حوالہ طبرانی کبیر کنز العمل ج ۱۴ حدیث ۳۸۵۰۱) (افسوس کہ دنیا تیزی سے ان حالات کی طرف بڑھتی نظر آ رہی ہے، بہت سی باتیں پوری ہو چکی ہیں جو قیامت کا پیش خیمہ ہے)۔

13.2.4 عیسائی اور مسلمان ممالک کا باہمی اتحاد اور تیسرے ملک کے خلاف جنگ

بخاری شریف میں ہے کہ " آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عوف بن مالک کو غزوہ تبوک کے موقعہ پر قیامت کی چھ علامات بتائیں جن میں بنی الاصفر (یعنی عیسائیوں) اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہونے کا بھی ذکر فرمایا اور مزید فرمایا کہ عیسائی بدعہدی کریں گے اور (صلح توڑ کر جنگ کرنے کیلئے) تمہارے مقابلہ میں آئیں گے جن کے اسی جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گے۔ (جن کی مجموعی تعداد بارہ ہزار کو اسی میں ضرب دینے سے نو لاکھ ساٹھ ہزار بنتی ہے)"

بعض احادیث میں ایک بڑی جنگ کا بھی ذکر آیا ہے مثلاً ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ "یعنی جنگ عظیم فتح قسطنطینہ اور دجال کا نکلنا سات مہینہ کے اندر اندر ہو جائے گا یعنی یہ تینوں چیزیں قریب قریب ہوں گی اور سات ماہ میں ہو جائیں گی۔

(غالباً اس حدیث میں روس کے خلاف عیسائی امریکہ اور مسلمان ممالک کا مل کر افغانستان میں جنگ کرنا بالآخر عیسائی روس کی شکست اور اس کے بعد عیسائی امریکہ کا افغانستان میں حملہ اور دیگر مسلم ممالک اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگا کر جنگ کرنے کا بیان ہے

جس میں وہ اسی ممالک کا اتحادی گروہ بنائیں گئیں جو مسلمانوں کے خلاف ہر ملک میں جنگ کرے گا۔ غالباً عراق امریکہ اور اسکے اتحادیوں کا قبضہ اس حدیث کا موضوع ہے۔ لبنان کے حزب اللہ اور اسرائیل کے درمیان جنگ، ایران اور شام کو دھمکیاں وغیرہ سب اس بات کی نشانی ہے کہ حدیث پاک میں جس بڑی جنگ کی پیشنگوئی کی گئی ہے یہ جلد ہی پوری ہونے والی ہے)۔

13.2.5 مغرب کی طرف آبادی کا انخلاء اور مغربی تہذیب کی تقلید

جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی کونسی ہوگی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کی گھڑی کی پہلی نشانی ایک ایسی آگ ہوگی جو لوگوں کو ہانک کے مشرق سے مغرب تک لے جائے گی" (صحیح بخاری باب الفتنہ)

(یہ واقعہ ابھی پیش آنے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب بڑی جنگ کے نتیجہ میں یہودی ریاست اسرائیل. کے بعد مشرق وسطی سے اٹھ کر بے شمار عرب لوگ مغربی ملکوں میں آباد ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد اور کویت، عراق جنگ کے بعد بھی بے شمار لوگ ان ملکوں سے بھاگ کر مغرب میں جا کر آباد ہوئے ہیں یعنی جنگ کی آگ کا خوف لوگوں کو مغربی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ مستقبل کی کسی جنگ کے متعلق ہو جس کے بعد ان علاقوں کے لوگ ہجرت کر سکتے ہیں۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں جس آگ کا ذکر ہے وہ حرص کی آگ ہے جس کی وجہ سے اقوام مشرق کے لوگ مغربی ملکوں میں ہجرت کر رہے ہیں)۔

جرمن نژاد نو مسلم محمد اسد اس حدیث مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ بیانات ایک استعارہ یا تمثیلی اشارہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مغربی تہذیب وتمدن، مشرقی ثقافت وتمدن کی جڑیں کاٹ کر رکھ دے گی اور مشرقی علاقوں کے لوگ اندھا دھند مغربی ثقافت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں گے۔ آگ کے الفاظ کا استعمال اس لئے ہوا ہے کہ مغربی ثقافت آگ کی طرح مشرقی اقدار کی بنیادوں کو جلا کر اہل مشرق کا ماضی اور تاریخ ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دے گی۔ حتیٰ کہ ان میں سے اکثر ان اقدار سے بے تعلق ہو جائیں گے۔ (صحیح بخاری کا ترجمہ وتبصرہ از محمد اسد اشاعت دار الاندلس جیرالڈا ۱۹۸۱۔ صفحہ ۲۴۱)

13.2.6 ابتداء میں مسلمانوں کی فتوحات اور بعد ازاں حالات

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ قیامت کی آمد سے پہلے مسلمان اہل فارس سے جنگ کریں گے اور

ان کو شکست دیں گے، پھر اس کے بعد اہل روم سے لڑیں گے اور فتح مند ہونگے ۔ فارس اور روم کے بادشاہوں کی اولادیں اور نسلیں ان کی ماتحت یا باجگذار ہونگی لیکن بعد میں مسلمان جھوٹے تفاخر یا تکبر کا شکار ہونا شروع ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی آخری کھیپ کے حکمران انکے بدترین لوگ بن جائینگے ۔ یہ قیامت کی گھڑی کی آمد کی پہلی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی ۔ (ترمذی اور صحیح مسلم)

(اہل فارس اور اہل روم کو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے زمانہ میں شکست فاش دی ۔ چودھویں صدی عیسوی تک وہ دنیا کی سپر پاور تھے ۔ سترھویں صدی کے بعد مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں اور موجودہ زمانہ میں مسلم ریاستوں کے حکمرانوں کا طور طریقہ بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ قیامت کی یہ نشانی پوری ہو رہی ہے)۔

ایک اور موقع پر حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”قیامت اچھے لوگوں پر نہ آئیگی (صحیح بخاری)

(یعنی اچھے لوگ جب مر جائیں گے یا آئندہ کوئی اچھا آدمی باقی نہ رہے گا صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے تو قیامت آئیگی)۔

13.2.7 مسلمانوں کی تعداد اور حالت زار

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " قیامت کی آمد کے نزدیک مسلمانوں کی تعداد کافی زیادہ ہوگی لیکن وہ بہتے پانی پر جھاگ کی طرح ہونگے ان کا کوئی وزن یا وقعت نہ ہوگی ۔ "

(یہ نشانی آج کل کے حالات پر دلیل کرتی ہے ۔ اگرچہ مسلمان دنیا کی چوتھائی آبادی سے زیادہ ہیں لیکن اسکے باوجود وہ چند کروڑ اسرائیلی یہودیوں کے سامنے بے دست و پا ہیں ۔ علاوہ ازیں ہنود و یہود اور نصاریٰ سبھی کے سامنے بھیگی بلی بن کر زندگی گزار رہے ہیں)۔

13.3 معاشرتی حالات

13.3.1 عورتوں کے حالات

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " قیامت کے قریب عورتیں ایسے لباس پہنا کریں گی جو باریک اور تنگ ہونے کی وجہ سے عریاں نظر آئیں گی اور ان کے سروں پر بختی اونٹوں کے کوہان جیسے ہوں گے ۔ ان کے اوپر تم لعنت کرو' اس لئے کہ وہ ملعون عورتیں ہیں ۔ "(الاشاعة ص ۷۷ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ ابن ابی شیبہ) تمام مغربی ممالک اور بہت سے مسلمان ممالک میں بھی عورتوں کی بے پردگی عام ہوتی جا رہی ہے ۔ بالوں کے سٹائل بھی ایسے بن گئے چکے ہیں ۔ یعنی اس حدیث میں کی گئی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے ۔

13.3.2 حلال اور حرام کی تخصیص ختم

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انہیں کوئی فکر نہ ہوگی کہ ان کے پاس مال حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے۔" (کنزل العمال ج ۱۱ ص ۱۳۲ رقم ۳۰۹۱۵)
(افسوس کہ آج کل یہی کچھ ہونا شروع ہوگیا ہے۔ بہت کم لوگ حرام کو حرام کہتے ہیں۔ اب رشوت اور بے انصافی سے حاصل کردہ مال کو برا نہیں کہا جاتا ہے۔ یعنی پیشگوئی پوری ہورہی ہے)۔

13.3.3 مسلمانوں کا یہود اور نصاریٰ کی تہذیب پر چلنا

حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم ماقبل کی امتوں کی ہر بالشت اور ہر ہر قدم پر ضرور اتباع کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے صحابہ نے دریافت کیا کہ یہود ونصاریٰ کی اتباع کی جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور کس کی؟" (متفق علیہ و ابن ماجہ و مسند احمد، کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۳۳، ۳۰۹۲۳) (افسوس کہ مسلمان اس دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ تمام مسلمان ممالک مغربی تہذیب، مغربی لباس اور معاشرت کو اپنا رہے ہیں اور سیکولر ہورہے ہیں)۔

13.3.4 ہم جنس پرستی کا رجحان

"قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی آدمی کے ساتھ بدفعلی کرے گا، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اور جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے، اسی طرح عورت عورت کے ساتھ بدفعلی کرے گی، اس کو بھی اللہ نے حرام کیا ہے اور وہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔" (الاشاعۃ ص ۷۵)۔ (افسوس کہ مغربی ممالک میں یہ کھلے عام ہورہا ہے کئی ملکوں میں اسے قانونی تحفظ حاصل ہے۔)

13.3.5 گانے بجانے کا عام رواج

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اس امت میں چار فتنے ہوں گے ان میں سب سے آخری گانا بجانا ہوگا" (اَخرَجَہُ ابن ابی شیبہ ابو دائود، درمنثور ج ۶ ص ۵۶) (افسوس کہ گانا بجانا اس زمانہ کی پہچان بن چکا ہے)۔

13.3.6 حیوانی خصلتیں

قیامت کے نزدیک لوگوں کے چہرے مسخ ہو جائیں گے اور ان میں سے کئی سوروں اور کتوں کی شکلوں میں نظر آئیں گے، (صحیح مسلم اور ترمذی)۔

(شاید یہ ایسے ممکن ہے کہ وقت کے ساتھ کچھ انسانی معاشرے اپنی بدکاریوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ جانوروں والی خصلتیں اختیار کرتے جائیں گے اور عمل ارتقاء سے انہی جیسے ہو جائیں گے۔ ابھی یہ نشانی پوری ہونا باقی ہے)۔

(جرمن مسلمان محمد اسد اللہ اپنی کتاب روڈ ٹو مکہ (Road to Makkah) میں لکھتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسکے دل میں اسلام کی محبت ڈالی تھی لیکن ابھی اس نے اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا تو اسے یہ حیرانی ہوتی تھی کہ کئی لوگ اسے آدمیوں کی بجائے اپنے کردار کے مطابق سوروں، کتوں، بلیوں اور گیدڑوں کی شکل میں نظر آتے تھے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد نارمل بچے پیدا ہونے کی بجائے تغیر کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ایٹمی دھماکوں سے نکلے ہوئے تابکاری کے عناصر کے اثرات کی وجہ سے ہو رہا ہے)۔

13.3.7 اچانک اموات اور دہشت گردی

قیامت کی آمد کے سلسلے کی نشانیوں کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "اس سے پہلے غیر متوقع اور اچانک اموات کا سلسلہ بہت بڑھ جائے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے نزدیک زمانہ میں بلاوجہ قتال عام ہونگے۔ قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اسکا تختہ مشق کون بننے والا ہے اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے اور کس نے قتل کیا"۔ (صحیح بخاری)

(بدقسمتی سے ان دنوں ایسے حالات و واقعات کے سب لوگ چشم دید گواہ ہیں۔ ہر سال لاکھوں آدمی اچانک حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں یا دل کی بیماریوں کی قسم کے امراض سے چند لمحوں میں راہی عدم ہو جاتے ہیں۔ کئی لوگ دہشت گردی کا شکار ہو کر چل بستے ہیں جہاں دہشت پسند کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کس کو تختہ مشق بنایا ہے اور اسی طرح جو مارے جاتے ہیں انکو اپنے قاتلوں کے ساتھ کوئی ذاتی عناد یا دشمنی نہیں ہوتی۔ امریکہ اور اسرئیل کی ہوائی بمباری سے افغانستان، عراق اور لبنان میں جس حساب سے بے گناہ لوگ مارے گئے ہیں وہ سب بھی ریاستی دہشت گردی ہے۔ یوں یہ نشانی بھی پوری ہو رہی ہے)

13.4 معاشی حالات

13.4.1 معاشرہ میں شرافت کا خاتمہ اور دولت کا دور دورہ

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جب تم باندی کو دیکھو کہ وہ اپنے آقا کو جنے اور لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اونچی اونچی عمارات تعمیر کرنے لگیں اور ننگے پیر ننگے بدن چرواہے لوگوں کے سردار بن جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔"(متفق علیہ از مشکوۃ ج ا ص ۹)

(افسوس کہ آج یہی ہو رہا ہے ساری دنیا میں اونچی سے اونچی عمارات (High Rise Buildings) بنانے کا مقابلہ لگا ہوا ہے۔ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے اردگرد اونچے اونچے ہوٹل اور محل بن گئے ہیں کہ بیت اللہ دب کر رہ گیا ہے عرب ملکوں میں بدو لوگ حکمران بن چکے ہیں۔ غرض یہ نشانی پوری ہو چکی ہے)۔

13.4.2 چرب زبانی سے روپیہ کمایا جائے گا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسے لوگ نہ پائے جائیں جو اپنی زبانوں کے ذریعہ پیٹ بھریں گے، جیسے گائے بیل اپنی زبانوں سے پیٹ بھرتے ہیں۔" (مشکوۃ عن احمد) ۔(افسوس میڈیا کی بے حساب ترقی جہاں نوکریاں ہی بولنے کی ہیں اس حدیث پاک کے پورا ہونے کی نشانی ہے)۔

13.4.3 سود عام ہو جائے گا

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " لوگوں پر ضرور ضرور ایک ایسا دور آئے گا کہ کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو سود کھانے والا نہ ہو اور اگر سود نہ بھی کھائے تو اسے سود کا دھواں (اور بعض روایات میں غبار) پہنچ جائے گا۔"(مشکوۃ ا) (افسوس کہ آج کل سود سے بچنا محال ہو چکا ہے بینکاری نظام نے دنیا کے ہر آدمی کو جکڑ لیا ہے۔ گویا یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے)۔

13.5 صنعتی حالات

13.5.1 مکہ مکرمہ کا پیٹ چاک کیا جانا، عمارتوں کی تعمیر اور بالآخر تباہی

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " جب تم دیکھو کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ چاک کر

کے نہروں کی طرح بنادیا گیا ہے اور اس کی عمارتیں پہاڑ کی چوٹیوں کے برابر ہوگئی ہیں تو جان لو کہ معاملہ سر پر آگیا ہے۔(لسان العرب مادۃ کظم ۲:۲۱۴)۔

یہ روایت یوسف بن ماھک سے مروی ہے " کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس مسجد حرام کے ایک کونہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے ایک گھر کی طرف دیکھا جو ابوقبیس کی پہاڑی سے بلند تھا تو آپ نے کہا کہ کیا تم کو یہ ناپسند ہے؟ میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اس (مکہ) کے گھر مکہ کے پہاڑوں سے بلند ہوگئے ہیں اور اس کے پیٹ کو نہروں کی شکل میں چاک کر دیا گیا ہے تو معاملہ سر پر آگیا ہے"۔(اخبار مکہ للازرقی' ج اص ۲۸۲)۔

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "(ایک زمانہ آئے گا کہ)''اہل مکہ مکہ مکرمہ سے نکل جائیں گے، پھر کچھ عرصہ بعد مکہ پھر آباد ہو جائے گا، اور اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنائی جائیں گی پھر کچھ دنوں بعد لوگ مکہ سے نکل جائیں گے یہاں تک کہ پھر کبھی نہیں لوٹیں گے۔"(مسند احمد، کنز العمال ۳۸۴۵۹ ج ۱۴)

(افسوس کہ مکہ المکرمہ نے یہ زمانہ دیکھ لیا ہے۔ وہاں کی عمارات پہاڑوں سے اونچی ہوگئی ہیں۔ پہاڑوں بیچوں بیچ سرنگوں (Tunnels) کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ گویا مکہ کا پیٹ چاک کر کے اندر ہی اندر سرنگوں اور نہروں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ پچھلے دس سالوں میں بلند عمارتیں بنانے میں انتہائی تیزی آچکی ہے۔ یہ سب قیامت جلد آنے کی خبریں ہیں)۔

13.5.2 چاند کو پہلے دیکھ لینا

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے قریب چاند کو پہلے سے دیکھ لیا جائے گا اور (پہلی تاریخ کے چاند کو) کہا جائے گا کہ یہ تو دوسری تاریخ کا ہے اور مساجد کو آراستہ بنایا جائے گا' اور اچانک موت کے واقعات رونما ہونگے۔"(طبرانی اوسط العمل ۳۸۴۷۰ ج ۱۴)۔

(افسوس کہ موجودہ زمانہ میں یہ ممکن ہو چکا ہے۔ حساب کے طریقوں سے چاند کو پہلے دیکھا جاسکتا ہے۔ پھر ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر یا بہت اونچی عمارات سے بھی چاند کو پہلے دیکھا جاسکتا ہے۔ مساجد کا بھی یہی حال ہے اور اچانک اموات کا تو آج کل دور دورہ ہے)۔

13.5.3 جانداروں کی ہلاکت (ماحول کی خرابی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے (حیوانات کی) ہزار قسمیں پیدا فرمائی ہیں جن میں سے چھ سو دریائی اور چار سو خشکی کی ہیں اور انہیں میں سے سب سے پہلے (قیامت کے قریب) ٹڈی ہی ہلاک ہوگی اور دوسری (حیوانات کی) قسمیں یکے بعد دیگرے ہلاک ہوں گی

جیسے کسی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگتے ہیں۔(علامات قیامت)

(افسوس کہ آج کل ماحول کی بڑھتی ہوئی خرابی سے کئی طرح کے جانداروں کو نسلیں ختم ہو رہی ہیں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق پچھلی ایک صدی میں ایک سو سے زیادہ حیوانی انواع ختم ہو گئی ہیں گویا کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی ہے)۔

13.5.4 وقت کی تیزی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "قیامت کی آمد سے پہلے وقت اتنی تیزی سے گزرے گا کہ ایک سال کا عرصہ ایک ماہ کے برابر نظر آئے گا اور مہینہ ہفتے کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور دن ایک ساعت کے (گھنٹہ) کے برابر اور ایک ساعت یا گھنٹہ آگ کی بھڑک کے وقت کے برابر ہو جائے گا"

(کیا یہ سب کچھ موجودہ حالات کی طرف اشارہ نہیں کہ زندگی کے طریق کار میں اتنی مصروفیت اور تیزی ہے کہ وقت گزرنے میں دیر نہیں لگتی۔علاوہ ازیں ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے نقل وحمل کے ذرائع نے فاصلوں کو کم کر دیا ہے یا ان فاصلوں کو طے کرنے کے اوقات اتنے کم ہو گئے ہیں کہ جو فاصلے مہینوں میں طے ہوتے تھے اب دنوں میں طے ہوتے ہیں اور دنوں والے گھنٹوں میں اور گھنٹوں والے منٹوں میں طے ہونے شروع ہو گئے ہیں۔قدرت کی طرف سے بھی حساب کتاب کے معاملہ میں تیزی آ گئی ہے اور اب انسان اپنی کارکردگی کے نتائج بھی جلد بھگت لیتا ہے واقعات کے وقوع ہونے کی رفتار میں بھی حیرت انگیز تیزی آ گئی ہے۔مصنّف نے ماضی قریب کے مختلف تاریخی اہمیت کے واقعات کا تجزیہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے ایک سو سال میں اتنی تعداد میں بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں جو پچھلے تیس ہزار سالوں میں ہونے والے واقعات سے بھی زیادہ ہیں۔یوں یہ نشانی پوری ہو گئی ہے۔

(اگر اس حدیث مبارکہ کے لفظی معنوں کو اپنایا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قیامت کے نزدیک زمین اپنے محور اور سورج کے گرد بھی اپنے چکر کو تیزی سے مکمل کرے گی۔سائنس دانوں نے دریافت کر لیا ہے کہ جب ہماری زمین کی عمر تقریباً ایک ارب سال تھی (اب یہ اندازاً ساڑھے چار ارب سال کی ہو چکی ہے) اس وقت اس کا دن آٹھ گھنٹے کے برابر ہوتا تھا یعنی زمین تیزی سے چکر کاٹتی تھی۔آہستہ آہستہ زمین کے چکروں کی رفتار میں دھیما پن آتا رہا اور دن کا دورانیہ بڑھتے بڑھتے اتنا ہو گیا جتنا آج کل ہے۔آئندہ یہ سارا عمل اپنی ابتدائی حالت کی طرف بھی مڑ سکتا ہے۔ایسا ہونا کسی بڑے شہاب کے ٹکرانے سے بھی ممکن ہے)۔

13. مذہبی حالات

13.6. مومنین کیلئے مشکلات

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " آخری زمانہ میں میری امت کو ارباب اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملہ میں) بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی ان کے وبال سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے۔

اول وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک ٹھیک پہچانا پھر اس کی خاطر دل، زبان اور ہاتھ (تینوں) سے جہاد کیا یہ شخص تو (اپنی تینوں) پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا۔

دوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا پھر (زبان سے) اس کی تصدیق کی (یعنی برملا اعلان کیا)۔

سوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا تو سہی مگر خاموش رہا کسی کو عمل خیر کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے محبت کی اور کسی کو باطل پر عمل کرتے دیکھا تو اس سے دل میں بغض رکھا پس یہ شخص اپنی محبت اور عداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود بھی نجات کا مستحق ہوگا۔" (مشکوۃ ص ۴۳۸)

افسوس کہ ایسا شروع ہو چکا ہے مسلم ممالک میں ارباب اختیار کی جانب سے روشن خیالی کے نام پر سیکولر اقدار کی حوصلہ افزائی اور اسلامی اقدار کی خلاف ورزی ظاہر کرتی ہے کہ قیامت کی یہ نشانی بھی پوری ہونے کو ہے)۔

13.6.2 نئے عقیدے اور نئی حدیثیں رائج ہوں گی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " آخری زمانہ میں بڑے بڑے مکار اور جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے جو تمہیں وہ باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے سنی ہوں گی تم ان سے بچنا اور انہیں اپنے سے بچانا وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔" (مسلم) (آج کل یہ مختلف نوع کی فرقہ بندی، جھوٹے نبیوں اور بے دین دانشوروں کی بھرمار اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی نشانی ہے)

13.7 موجودہ حالت سے موازنہ

اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اوپر دی گئی ایک ایک بات نہایت قابل غور ہے۔ سونے کی تاروں سے لکھے گئے قرآن ہم نے خود شاہ فیصل مسجد اور دوسری جگہوں پر دیکھے ہیں جو پڑھے کم جاتے ہیں اور ملاحظہ زیادہ کئے جاتے ہیں۔ یہی حالت حج اور عمرہ کی ہے۔ امیر لوگ لندن نہیں گئے تو مکہ مکرمہ چلے جاتے ہیں اور سال میں کئی کئی مرتبہ جاتے ہیں۔ جھوٹ کو سیاست کہا جاتا ہے اور زکوۃ بہت کم لوگ دیتے ہیں۔ کئی

مغربی ممالک میں ہم جنس پرستی قانونی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔عورتوں کی عالمی تنظیمیں بن چکی ہیں جو مردوں پر سبقت کیلئے کام کررہی ہیں اور جہاں تک سود کا تعلق ہے، بینکوں کے نظام کی وجہ سے دنیا بھر میں سود کینسر سے زیادہ خطرناک صورت میں پھیل گیا ہے۔انسانی خون ہر ملک میں بہایا جارہا ہے، دہشت گردوں نے انسانی جان کو بے وقعت کردیا ہے۔ جہاں تک مغربی ممالک کا تعلق ہے پچھلے تین چار سو سالوں سے ان کی دنیائے اسلام پر سبقت ہے اور اب تو اس اجارہ داری کا یہ حال ہے کہ کوئی اسلامی ملک باقی نہیں رہا جو ان کے حلقہ اثر میں نہیں اور اس کے سیاسی، معاشی، دفاعی فیصلے نیویارک، لندن یا پیرس میں نہ ہوتے ہوں۔ مسلم ممالک کے حکمران کلیدی آسامیوں پر تعینات لوگ اگر انکی مرضی کے مطابق کام کریں تو خیر ورنہ ان کی چھٹی کروادی جاتی ہے۔

ٹیلیویژن، ریڈیو اور فلم کی ایجاد نے گانے والی لڑکیوں کی بھرمار کردی ہے۔ معاشرہ میں ان کا خاص مقام ہے اور گانا بجانا گھر گھر پہنچ چکا ہے۔شرفاء اپنی بیٹیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہی حال شراب کا ہے اور مغرب میں تو اس کا استعمال پانی کی طرح ہوتا ہے۔ جہاں تک آج کل کے لیڈر حضرات اور معاشرہ کے راہنماؤں کا تعلق ہے، ان میں اکثر دغابازی اور چالاکی کی بناء پر حاصل کئے گئے منصب کو ظلم اور دھاندلی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ ماں باپ کی عزت، مقام اور منزلت یہ ہے کہ بیوی کا مقام سب پر فوقیت لئے ہوئے ہے۔

قیامت کی یہ خبریں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ایسے دور میں دی تھی جب کہ ان حالات کا تصور بھی مشکل تھا مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے ان سب کا مشاہدہ کررہے ہیں، کوئی علامت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور کوئی ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہے جب یہ سب علامات اپنی انتہاء کو پہنچیں گی تو قیامت کی بڑی بڑی اور قریبی علامات کا سلسلہ شروع ہوجائے گا اللہ عزوجل ہمیں ہر فتنہ کے شر سے محفوظ رکھے اور سلامتی ایمان کے ساتھ قبر تک پہنچادے۔

باب نمبر 14

قیامت کے قریب ترین اہم واقعات

(وہ نشانیاں جو ابھی پوری ہونے والی ہیں)

14.0 تعارف

قیامت کی چھوٹی نشانیوں کا پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر آپ حساب لگائیں تو دیکھیں کہ ان میں سے 80 فیصد سے زیادہ نشانیاں پوری ہو چکی ہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا قیامت کے آخری دور میں داخل ہو چکی ہے۔ جس کی پہلی نشانی امن و امان کی بربادی ہر جگہ حکومتی مظالم، دہشت گردی، ناحق قتل اور خوف و ہراس کی فضا ہے۔ اب حالات کبھی بھی قابو میں آنے کے نہیں بلکہ بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔ اس کے بعد قیامت کے متعلق بڑے بڑے واقعات کا دور ہے۔ ان میں سے پہلا بڑا واقعہ ایک عالمی جنگ ہے جو سر پر نظر آتی ہے۔ اس سے دنیا بھر میں بہت تباہی ہوگی۔ اسکے بعد وہ قدرتی آفات کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ اب پورا ہونے کو معلوم ہوتی ہے۔ پچھلی ایک صدی میں آنے والے زلزلوں اور قدرتی تباہیوں کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے بیس سالوں میں ان میں بڑی شدت پیدا ہوگئی ہے یوں نظر آتا ہے کہ اگلے بیس سالوں میں شہابِ ثاقب کے گرنے کے واقعات بھی شروع ہو جائیں گے ان سب کے نتیجہ میں دنیا کا موجود نظام بہت جلد تہس نہس ہو جائے گا، جو لوگ بچ جائیں گے ان کے لئے یہ سائنسی صنعتی ترقی قصہ پارینہ بن جائے گی۔ اور انسان دوبارہ زرعی معاشرہ کے طور پر زمین پر آباد ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد قیامت کی وہ نشانیاں جنہیں علامات کبریٰ کہا گیا ظاہر ہونے لگیں گی۔ ان میں ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السّلام، یاجوج ماجوج، آفتاب کا مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض اور یمن سے نکلنے والی آگ وغیرہ شامل ہیں جب اس قسم کی تمام علامات ظاہر ہو چکیں گی تو کسی وقت بھی زمین کی آخری قیامت آجائے گی۔ اب ہم علامات کبریٰ میں سے کچھ ایک کی تفصیلات بیان کریں گے۔

14.1 دجال (Devil King)

احادیث کی مختلف کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ دجال ایک انتہائی ظالم اور بدکار حکمران ہوگا اور ہر جگہ وہ حق و سچ کی مخالفت کرے گا۔ اس کے پاس معجزانہ طاقتیں ہونگی اور اپنے اقتدار کا بدترین استعمال کرے گا۔ اسکے پاس مشرق سے مغرب تک (یعنی دنیا کے گرد) سفر کیلئے ایسی سواری ہوگی کہ وہ ایک دن یا اس سے بھی کم عرصہ میں یہ سفر طے کرے گا۔ وہ اسی دنیا میں مصنوعی جنت اور جہنم بنائے گا جو لوگ اس کی فرمانبرداری

کریں گے انکو جنت میں رکھے گا اور جو لوگ اس کی مخالفت کریں گے انکی زندگی جہنم بنادے گا۔ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہو گا وہ ہر جگہ سچے مومنوں کو قتل کرے گا اور اپنے خدا ہونے کے ثبوت میں وہ مردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ" جن مردوں کو وہ زندہ کرے گا وہ اصل کے نہیں ہوں گے بلکہ انکی نقل ہوں گے۔"

دجال کے حالات کے متعلق شاہ رفیع الدین اپنی کتاب ''قیامت نامہ'' طبع 1894 عیسوی اپنے زمانہ کی تمثیلی زبان میں لکھتے ہیں:۔

''دجال یہودیوں کی قوم کا ایک شخص ہے اور لوگوں میں اُس کا خطاب مسیح ہوگا اور اُس کی داہنی آنکھ اندھی اور انگور کی طرح لٹکی ہوئی ہوگی اور اُس کے سر کے بال گھونگریالے ہوں گے اور اُس کی سواری میں بہت ہی بڑا گدھا ہوگا پہلے پہل شام اور عراق کے مابین اُس کا ظہور ہوگا وہاں نبوت کا دعویٰ کرے گا اُس کے بعد اصفہان آئے گا اور اصفہان کے ۷۰ ہزار یہودی اُس کے تابع اور اس کے ساتھ ہوں گے تب خدائی شروع کرے گا اور ہر جگہ فتنہ وفساد برپا کرتا پھرے گا اور ساری سرزمین پر گشت کرے گا اور لوگوں کو اپنی خدائی کے اقرار کرنے کے لئے بلائے گا اور بندوں کے امتحان کے لئے بڑے بڑے عجائبات اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کے ہاتھ سے ظاہر ہوں گے باوجود اس کے اُس کی پیشانی پر **ك ا ف ر** لکھا ہوگا۔ جس کو ہر مسلمان پڑھا بے پڑھا پڑھ لے گا اور جو لوگ ایماندار نہ ہونگے اُس کو پڑھ نہ سکیں گے اور اس کے ساتھ بہت ہی بڑی آگ ہوگی اُس کا نام دوزخ ہوگا اور بہت ہی بڑا باغ اُس کا نام بہشت ہوگا اپنے دشمنوں کو آگ میں جھونکے گا اور اپنے دوستوں کو بہشت میں ڈالے گا لیکن درحقیقت اُس کی آگ میں سرد ہوا اور باغ کی خاصیت ہوگی اور اُس کی بہشت میں جلتی ہوئی آگ کی۔ اور اُس کے ساتھ روٹیوں کا انبار اور پانی کی سبیل ہوگی جس کو چاہے گا دے گا نہ چاہے گا نہ دے گا جب لوگوں کے پاس جائے گا اگر اُس کی خدائی کا اقرار کریں گے تو بادل کو کہے گا کہ برس جا بادل برس جائیگا اور زمین کو کہے گا کہ اناج پیدا کر زمین اناج پیدا کرے گی اور درختوں کو کہے گا کہ پھل لاؤ درخت پھل لائیں گے اور جانوروں کو کہے گا کہ موٹے تازے ہو جاؤ اور جانور موٹے تازے بن جائیں گے اور دودھ دینے لگیں گے اور اگر لوگ اُس کا کہنا نہ مانیں گے تو پیداوار کو بند کر دیگا میوے اور دودھ سے محروم رکھے گا اور جانور دُبلے ہو جائیں گے اور اُس کے ظاہر ہونے کے دو برس پہلے ہی سے کال پڑے گا اور وہ تیسرے سال نکلے گا اور اُس سال خشک سالی ہوگی اور زمین کے خزانوں کو کہے گا کہ نکل آؤ تو وہ آپ ہی آپ زمین کے نیچے سے نکل کر اُس کے ساتھ ساتھ پھرینگے اور بعضے آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے ماں باپ کو زندہ کر دیتا ہوں تا کہ وہ تمہیں میری خدائی کو گواہی دیں تب شیاطین سے کہے گا کہ دوسرے جسموں کے ساتھ زمین پر ظاہر ہو کر مردوں کی شکل بنا کر نکلیں یوں ہی مسلمانوں کو بھی ہر قسم کی تکلیف پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت مسلمانوں کو تسبیح اور تہلیل یعنی **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِکُلِہٖ سُبْحَانَ الْعَظِیْمِ** اور **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلَ اللّٰهِ** کھانے پینے کو قوت بخشے گی اور بھوک پیاس کی تکلیف کو دور کر دے گی اسی طرح بہت سے ملکوں میں مارا مارا پھرے گا یہاں تک کہ یمن کی سرحد میں پہنچے گا اور ہر جگہ سے بہت سے مرتدوں کو اپنے ہمراہ لے گا حتیٰ کہ مکہ معظمہ کے باہر اُتر پڑے گا اور فرشتوں کی مدد اور حفاظت سے مکے کے اندر جانے نہ پائے گا اور وہاں سے مدنیہ منورہ کا ارادہ کرے گا ان دنوں مدینہ منورہ میں سات دروازے ہوں گے اللہ تعالےٰ ہر دروازے پر دو دو فرشتے مقرر کرے گا جو نگی

تلوار لے کر کھڑے رہیں گے اور دجال کی فوج کو یا دجال کے شور وشر اور دبدبے کو شہر کے اندر جانے نہ دینگے اور اُس وقت مدینے میں تین مرتبہ ایسا زلزلہ آئے گا کہ جس شخص کے دل اور اعتقاد میں فتور ہوگا زلزلے کے ڈر سے شہر سے باہر نکل جائے گا اور دجال کی پنچ میں گرفتار ہوکر اُسی کے لوگوں میں داخل ہو جائے گا اس وقت مدنیہ منورہ میں ایک نوجوان بزرگ بھی ہوں گے جو دجال سے سوال وجواب کرنے کے لئے باہر آئیں گے جب اُس کے لشکر کے پاس پہنچ جائیں گے تو پوچھیں گے کہ دجال کہاں ہے اُس کے لوگ اس بات کو بے ادبی سمجھ کر چاہیں گے کہ ان کو مار ڈالیں لشکر کے اورلوگ منع کریں گے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے تمہارے پروردگار نے اس بات سے منع کیا ہے کہ میرے بے حکم کسی کو مار نہ ڈالنا۔تب وہ لوگ دجال کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ ایک شخص بے ادب آپ کے پاس آنا چاہتا ہے دجال ان کو اپنے پاس بلوائے گا جب وہ اُس کی شکل دیکھیں گے تو کہیں گے کہ میں نے تجھے پہچان لیا کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو تیرے ہی احوال کی خبر دی ہے تیری ہی گمراہی اور دغابازی کا احوال بیان کیا ہے تو تو وہی دجال ملعون ہے۔دجال غصے میں بھر آئے گا اور کہے گا کہ آرا لاؤ اور اس کے سر پر رکھ کر چلاؤ یہاں تک کہ لوگ انہیں آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر ڈالیں گے اور وہ خود دونوں ٹکڑوں کے پاس جا کر کھڑا ہوگا پھر اپنے امیروں کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا کہ اگر میں اس مردے کو زندہ کر دوں تو تم کو میری خدائی کا پورا پورا یقین نہ ہو جائے گا اور تمہارا شک وشبہ دور نہ ہو جائے گا۔وہ جواب دیں گے کہ ہم لوگوں کو اب بھی شبہ نہیں ہے اور اگر یہ ہوگا تو ہم لوگوں کا ایمان اور بھی تر وتازہ ہو جائے گا تب وہ دونوں ٹکڑوں کو ایک میں جوڑ کر کہے گا کہ زندہ ہو جا تب وہ اللہ کی قدرت سے زندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب تو مجھے پورا پورا یقین ہو گیا کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرا ہی احوال بیان کیا تھا کہ تو ہی دجال ملعون ہے دجال پھر غصے میں کہے گا کہ اسے زمین پر پچھاڑو اور ذبح کرو اُس کے لوگ حلق پر چھری چلائیں گے لیکن کوئی ایذا پہنچا نہ سکیں گے تب دجال شرمندہ ہوکر اپنی اُسی دوزخ میں جس کا احوال اوپر لکھا گیا ہے پھینک دے گا اور اللہ تعالیٰ اُس آگ کو سرد اور مرغوب طبع بنا دے گا۔اُس کے بعد دجال کسی مردے کو زندہ نہ کر سکے گا"۔

14.2 حضرت امام مہدی علیہ السّلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا ظہور

جب دجال کا بہت زور ہو جائے گا تو اس وقت اسے اور اسکے کفر کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جس کا نام نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک پر احمد ہوگا باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔اس کا ظہور خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر ہوگا یہ وہی شخص ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی آخری نشانیوں میں ایک نشانی کے طور پر دی ہے۔ لوگ جوق در جوق اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کریں گے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی بکھری ہوئی جمعیت کو اکٹھا کر کے ان کی دجال کے خلاف رہنمائی کریں گے اسلئے لوگ ان کو امام مہدی علیہ السلام کہیں گے۔امام مہدی علیہ السّلام کی شان میں متواتر احادیث صحیحین میں موجود ہیں۔اسلئے ان کا ظہور ایک لازمی امر ہے۔وہ لوگ جوان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی طرف سے کفر کے خلاف لڑیں گے بہت درجات کے حامل ہوں

گے۔ان کی شہادت باکمال اور زندگی بے مثال غازی کی مانند ہوگی۔

پھر امام مہدی علیہ السلام دجال کا مقابلہ کریں گے اور خود اپنے ہاتھوں اس کا اور اس کے شر کا قلع قمع کریں گے۔ابھی اسلام اور کفر کی یہ جنگ جاری ہوگی کہ دمشق کی کسی مسجد کے مینار پر سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ان کے دور کے بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں۔ اس لئے ان کا آنا لازمی امر ہے۔حضرت امام مہدی علیہ السلام اپنی فوج کی کمان ان کو دینا چاہیں گے لیکن وہ محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی کی حیثیت سے امام مہدی علیہ السلام کی ہی قیادت میں دجال کا مقابلہ کریں گے۔عیسائیوں کو اسلام پر دعوت دیں گے اور بتائیں گے کہ میں عیسٰے ابن مریم ہوں لیکن وہ انکار کریں گے اور اپنے جھوٹے عقیدہ پر اصرار کریں گے۔ان کے سامنے حضرت عیسٰے علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے اور سود کو حرام قرار دیں گے لیکن عیسائیوں کی اکثریت ان پر ایمان نہیں لائے گی۔

بہر حال دجال اور اسکے معاونین (Allies) کی شکست کے بعد دنیا پر اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی۔امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس سال تک حضرت عیسٰی علیہ السلام دنیا کو اسلام کی برکات سے بھر دیں گے۔اسکے بعد وہ وفات پائیں گے۔

دجال امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کی آمد قیامت کی آخری نشانیوں میں سے ہے اس کے بعد دابۃ الارض ظاہر ہوں گے۔

14.3 دابۃ الارض

دابۃ الارض انتہائی قرب قیامت کی نشانی ہے۔یہ عجیب وغریب قسم کی مخلوق ہوگی۔جسم جانوروں کا سا ہوگا لیکن باتیں آدمیوں کی طرح کرے گی۔قیامت کے قریبی دور میں ظاہر ہوگا اور بہت تیزی سے پھیل جائے گا۔

(ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ شاید انجینئرنگ اور حیاتیات کی ملی جلی کوشش کا نتیجہ ہو، آج کل جینٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering) میں تخلیق کے سلسلے میں جو تجربات ہو رہے ہیں ممکن ہے کہ یہ سائنسی تجربات کسی وقت دابۃ الارض کی پیدائش کا باعث بن جائیں۔ (واللہ اعلم)

14.4 شدید زلزلے

قرب قیامت کی ایک بڑی نشانی بہت ہی شدید قسم کے متواتر زلزلے ہیں۔یہ زلزلے زمین کو ہلا کر رکھ دیں گے ان سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے زمین پر اونچ نیچ ختم ہوتی جائیں گی جن کی وجہ سے بعض جگہ پر زمین بیٹھ جائیگی اور یہ قطعات زیر آب چلے جائیں گے۔پہلے ایسا مشرق میں ہوگا پھر مغرب میں اور پھر سرزمین عرب کا کافی حصہ غرق ہو جائے گا۔

14.5 فضائی آلودگی

آخری دور میں آسمانی فضائیں دھوئیں سے بھر جائیں گی۔تمام کرہ ارض ایک بلائے ناگہانی سے دوچار ہو جائے گی سرخ آندھی کے طوفان آئیں گے جو پورا پورا سال چلتے رہیں گے آخر کار انکی وجہ سے تمام زندہ مخلوق کرہ ارض کی سطح پر معدوم ہو جائیگی۔(آسمانی فضاؤں کا دھوئیں سے بھر جانا موجودہ زمانہ میں فضائی آلودگی (Pollution) کی ایک مثال ہے۔مستقبل میں فضائی آلودگی بڑھنے کے امکانات شدید تر ہیں۔یہ فضائی آلودگی شہاب ثاقب گرنے اور آتش فشاؤں کے پھٹنے سے ہوگی)۔

14.6 شہاب ثاقب کی بھرمار

آخری زمانوں میں زمین پر شہاب ثاقب کی بوچھاڑ ہوگی۔یہ ایک طرح سے پتھروں کی بارش ہوگی (شہاب ثاقب کی بارش تاریخ میں کئی مرتبہ ہو چکی ہے اور ہمیشہ اپنے ساتھ بڑی تباہی لاتی رہی ہے)

14.7 سورج کا مغرب سے طلوع

پھر ایک ایسا واقعہ ہوگا کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اس وقت قیامت کی آمد میں زیادہ دیر نہیں ہوگی یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ظہور پزیر ہوگا کہ آدمی کو وہ لقمہ منہ میں ڈالنے کا موقع نہ ملے گا جو اسکے ہاتھ میں ہوگا۔(یہ کسی بہت بڑے شہاب کے زمین سے ٹکرانے پر ممکن ہے)۔

14.8 صور قیامت اور قیامت کا ظہور

آخر میں جب اللہ تعالےٰ چاہے گا تو قیامت وارد ہو جائے گی۔

''یکا یک جمعہ کے دن جس دن عاشوراء بھی ہوگا صبح کی روشنی کے بعد لوگ اُٹھیں گے اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہوگا کوئی تو سوداسلف میں کوئی جانوروں کے جمع کرنے میں کوئی مویشیوں کی صفائی کرنے میں اور کوئی کھانا پکانے کے سامان موجود کرنے میں اسی طرح ہر شخص ہر کام میں مستعد ہوگا کہ یکا یک لوگوں کو ایک لانبی باریک آواز سنائی دے گی یہی صور کی آواز ہے اور ہر جگہ کے لوگ اس آواز کے سُن لینے میں یکساں ہوں گے اور سب گھبرائیں گے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آتی ہے تب وہ آواز تیز ہوتی جائے گی یہاں تک کہ بادل کے گرجنے اور

بجلی کے کڑکنے کی سی آواز ہو جائے گی تب لوگوں کو بڑی گھبراہٹ اور بیقراری ہوگی جب زیادہ تیزی ظاہر ہوگی تو لوگ خوف سے مرنے لگیں گے اور زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا اور لوگ گھروں سے جنگل میں نکل آئیں گے اور جنگلی جانور گھبرا کر آدمیوں کے پاس چلے آئیں گے اور زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی اور سمندر کا پانی اُبل آئے گا اور کنارے ٹوٹ جانے سے ہر طرف پانی پھیل پڑے گا اور اُس کا پانی سوکھ جائے گا اور بڑے بڑے مضبوط پہاڑ گرمی کی شدت سے شق ہو جائیں گے اور ہوا کی تیزی سے ریت کی طرح اپنی اپنی جگہ سے اُڑینگے ڈھول، اور ابر ہوا کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں ہر طرف دوڑے پھریں گے اور سارا جہان اندھیرا ہو جائے گا اور وہ آواز لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس تیز اور دہشت ناک آواز سے آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے اور پاش پاش ہو جائیں گے اور اس واقعہ کی ابتدا ہی میں لوگ موت کی بلا میں گرفتار ہوں گے اور آگے پیچھے مرنا شروع ہوں گے۔ تب ملک الموت ابلیس کی جان نکالنے کو مستعد ہوں گے اور یہ ملعون بھاگا بھاگا پھرے گا فرشتے آگ کے گرز سے مار مار کر اُس کو پچھاڑیں گے اور جان نکال لیں گے اور جتنے صدمے اور تکلیف ہر ہر بنی آدم پر گذری ہے اس اکیلے پر اُتنی تکلیف بیتے گی اور نفخ صور کے ختم ہونے کے بعد جس کا ایک سُر لگا تار چھ مہینے تک دراز ہوگا جس سے نہ آسمان رہیں گے نہ زمین نہ ستارے نہ پہاڑ نہ دریا اور نہ کوئی چیز سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے اور فرشتے بھی مر جائیں گے۔ الغرض سارا کھیل بگڑ جانے کے بعد جس وقت کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ آج روئے زمین کے بادشاہ کہاں ہیں سلطنت کے دعوی کرنے والے کدھر گئے بتلائیں کہ آج کس کی سلطنت ہے پھر آپ ہی جواب دے گا کہ آج اُس خدا کی بادشاہت ہے جو بے مثل اور قہار ہے پھر مدتوں تک اُسی کی ذات کا ظہور رہے گا تب ایک مدت کے بعد جس کی تعداد اُس کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا نئے سرے سے پھر پیدائش کی بنیاد قائم کرے گا اور آسمان، زمین اور فرشتوں کو پیدا کرے گا''۔ (حوالہ مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کتاب ''قیامت نامہ'' تحریر 1894 عیسوی ترجمہ محمد ابراہیم داناپوری)

باب نمبر 15

کرہ ارض پر قیامت کے اسباب اور واقعات

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ج إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ O يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكْرٰى وَمَا هُمْ بِسُكْرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌO

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے O جس دن تم اسے دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے کہ وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشے سے نہ ہونگے۔ مگر اللہ کا عذاب سخت ہوتا ہے O

(سورہ الحج۔ آیت ۱۔۲)

پچھلے صفحات میں ہم نے زمینی قیامت کے متعلق کچھ سائنسی اسباب پر غور کیا ہے اب ہم اسی حقیقت پر قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں غور کرینگے۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی کئی آیات مبارکہ واضح اور زوردار طریقہ سے کرہ ارض پر قیامت کے اسباب کا انکشاف کرتی ہیں جنہیں سائنس بنیاد بنا کر آگے چل سکتی ہے۔

یہ کیسے ہونگے کب ہونگے اور ان کے کیا اسباب ہونگے؟ اس سلسلے میں کئی مفروضے، تجزیے اور آراء ہو سکتی ہیں۔ اگلے چند صفحات میں ایسے ہی تجزیے ہیں ان کی بنیاد منطق اور دلیل پر ہے یہ سب ایک سائنسدان کی قیاس آرائیاں ہیں لہٰذا کسی صورت بھی ان کو حرف آخر ہرگز نہیں کہا جا سکتا لیکن سائنس کیلئے یہ ایک مثبت قدم ہے اور مسلمان سائنسدانوں کیلئے لمحہ فکریہ کہ وہ اٹھیں اور قرآن پاک میں اللہ کی دی گئی معلومات کی بناء پر سائنس کی راہنمائی کریں۔

15.1 کرہ ارض کی قیامت کی ابتداء

پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن پاک کے مطابق ہر قسم کی قیامت اچانک رونما ہوگی اور یہی کچھ زمینی قیامت کا معاملہ ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ الزلزال میں یہ باور کرایا گیا ہے کہ اس کا ظہور ایک زبردست بھونچال اور ڈرانے والی آواز سے ہوگا۔ اس سے پہلے قدرتی آفات کا

سلسلہ بہت زیادہ بڑھ چکا ہوگا۔عربی زبان میں قیامت کے اس بگ بینگ کیلئے صور کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔

جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے قرآن پاک میں بیشمار آیات قیامت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں جن میں سے بعض کو اس کتاب میں مناسب جگہوں پر لکھ دیا گیا ہے۔اگر قرآن پاک کی ان آیات مبارکہ کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں مندرجہ ذیل ممکنہ صورتیں نظر آتی ہیں۔

15.2 ایک عظیم تصادم

بہت ممکن ہے کہ زمینی قیامت کی ابتداء اس کے ساتھ کسی اجرام فلکی کے ٹکراؤ سے شروع ہو۔اس ٹکراؤ سے بے حساب گیسیں اور گردوغبار اٹھے گا جو فضاء کو بھر دے گا، زوردار طوفان اٹھیں گے جو ایک ایٹمی جنگ کا سا سماں ہوگا۔فوری طور پر تو یہ کسی ایک علاقہ کی قیامت ہوگی لیکن رفتہ رفتہ شہابی گردوغبار ساری فضاء کو آلودہ کر دے گا اور زمین پر مسلسل بارشیں ہونگی رفتہ رفتہ زمین ٹھنڈی ہو جائے گی اور بالآخر بارشیں ختم ہو جائیں گی ہماری زمین ایک برفانی سیارہ بن جائے گی جس پر تمام زندگی ختم ہو جائے گی۔

15.3 سورج کا قرب

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شہاب ثاقب کے ساتھ ٹکراؤ کے باعث زمین اپنے مدار سے ہٹ جائے اور اپنے سالانہ چکر میں آہستہ آہستہ سورج کے قریب ہوتی جائے یہاں تک کہ سورج کے اندر گر کر تہہ و بالا ہو جائے۔قربت کے اس زمانہ میں جوں جوں زمین سورج کے قریب ہوگی اس پر درجہ حرارت بڑھتا جائے گا اور ساتھ ساتھ سورج کی کشش بھی بڑھتی جائے گی۔حرارت اور کشش کے زیر اثر سمندروں کا پانی ابلنے اور اچھلنے لگے گا۔مسلسل بارشیں ہونگی۔سورج کی کوشش کے زیر اثر زمین کی ہوا اور آبی بخارات سورج کو منتقل ہونا شروع ہو جائیں گے اس کے نتیجہ میں کچھ عرصہ کے بعد زمین ایک خشک کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گی۔اور سورج کی بڑھتی ہوئی کشش کے اثرات سے آخر کار وہ وقت بھی آئے گا کہ اس کے پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور ان کے ذرات فضاء میں روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہونگے۔

15.4 ٹھنڈی موت

شہابی ٹکراؤ کا اثر اوپر دیئے گئے منظر کے بالکل الٹ بھی ہوسکتا ہے یعنی ٹکراؤ کی سمت یوں ہو کہ زمین سورج کے قریب ہونے کی بجائے باہر کی طرف نکلنا شروع ہو جائے۔اس صورت میں گرم موت کی بجائے ٹھنڈی موت زمین کی قسمت بن جائے گی اور آہستہ آہستہ یہ خلاء میں گم ہو جائے یا کسی شہابی سیارہ سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جائیگی۔

15.5 ایک عظیم اندرونی دھماکہ

قرآن پاک سے زمین کی قیامت کا ایک اور ممکن سبب شہابی تصادم سے بھی زیادہ ڈرامائی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی اندرونی دھماکہ سے ایسے پھٹ جائے جیسے کوئی ہائی پریشر بوائلر پھٹ جاتا ہے۔اس سلسلے میں زمین کی تخلیق کی سائنسی کہانی کچھ یوں ہے کہ ابتداء میں یہ دھویں کا ایک بہت بڑا گولہ تھا۔اسکی بناوٹ کے تمام موجودہ عناصر بخارات کی شکل میں تھے آہستہ آہستہ اندر کی طرف کشش کے زیراثر دھوئیں کا یہ گولہ سکڑتا گیا اور بخارات دباؤ کے تحت مائعات میں تبدیل ہوتے گئے۔خلاء کی ٹھنڈک سے بیرونی حصے کی تہہ ٹھنڈی ہوکر ٹھوس ہوگئی لیکن اندر سے یہ اب بھی نہایت گرم مائع کا گولہ ہے۔

ارضی سائنس دانوں (Geologists) کا خیال ہے کہ آغاز کے وقت زمین کا حجم آج کی نسبت سوگنا بڑا تھا۔اس وقت اسکی محور کے گرد حرکت بھی آج کی نسبت زیادہ تیز تھی اور اس کے دن رات کا چکر آٹھ گھنٹے میں پورا ہو جاتا تھا پھر زمین سکڑنا شروع ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے اندر کا پریشر بڑھتا گیا۔اس وقت یہ حال ہے کہ زمین کے مرکز پر تقریباً چھ کروڑ پونڈ فی مربع انچ دباؤ ہے۔اس شدید دباؤ کا احساس آپ کو یہاں سے ہوگا کہ بڑے بڑے بجلی گھروں میں جو بوائلر (Boiler) لگے ہیں ان میں بھاپ کا دباؤ تقریباً پندرہ سو سے دو ہزار پونڈ فی مربع انچ ہوتا ہے۔اس دباؤ پر زمین کے اندر کا لاوا ہر دم باہر نکلنے کیلئے بے تاب ہے اور کبھی کبھی آتش فشاں جب پھوٹتے ہیں تو یہ لاوا باہر بھی ابل پڑتا ہے۔ یوں آتش فشانی ایک طرح سے زمین کا اندرونی دباؤ کم رکھنے کا حفاظتی انتظام (Safety Valve) بھی ہے اور اس کی بیرونی فضاء (Atmosphere) کو بھی توازن میں رکھنے کا ذریعہ ہے۔لیکن یہ عین ممکن ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کے باعث زمین اپنے اندرونی دباؤ کو مزید برداشت نہ کرسکے اور یہ کرہ ارض ایک بوائلر کی طرح پھٹ جائے۔اور آنکھ جھپکنے کے عرصے میں خوبخو دٹکڑے ہوکر برباد ہو جائے۔

یہ تھیوری قرآن پاک کی سورۃ انبیاء کی آیت مبارک ۱۰۴ میں بیان شدہ قیامت کے بارے میں حالات سے مطابقت رکھتی ہے کہ کائنات اپنی پیدائش کے بعد پھیلنے لگی پھر ایک حد کے بعد پھیلاؤ کو طومار کی طرح لپیٹ لیا جائے گا۔اور پھر سکڑ جانے کے بعد اچانک دوبارہ دھماکہ سے کھل جائے گی۔چونکہ قرآن حکیم کے اصول آفاقی ہیں اس لئے اگر یہ بات پوری کائنات کے بارے میں صحیح ہے تو زمین بھی اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتی، یعنی زمین اب بھی سکڑ رہی ہے اور انتہائی سکڑاؤ کے بعد پھٹ کر فضاء میں تحلیل ہو جائے گی۔

15.6 بیک وقت ٹکراؤ اور دھماکہ کا نظریہ

اوپر دیئے گئے علیحدہ علیحدہ ممکنات کی بجائے زمین کی قیامت کا تیسرا ہنگامی منظر یوں ہے کہ اسکی تباہی میں بیرونی ٹکراؤ اور اندرونی

دھماکہ دونوں کارفرما ہونگے ۔ ممکن ہے کہ جب زمین کے ساتھ باہر سے کوئی ٹھوس جسم آکر ٹکرائے تو اس کے دباؤ کی لہروں کے اثر سے زمین کے اندر سے بھی دھماکہ پھوٹ پڑے یعنی قیامت کی ابتداء یہ باہر والا ٹکراؤ کرے اور مکمل تباہی اندرونی دھماکہ سے ہو۔ ہمارے خیال میں یہ نظریہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

اوپر بیان شدہ تفصیلات کے علاوہ قیامت کئی اور طریقوں سے بھی آسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کو تمام طبعی ضوابط پر مکمل دسترس اور اختیار حاصل ہے۔ وہ ذات پاک جس وقت جو چاہے کرسکتی ہے، وہ اسباب کی پابند نہیں بلکہ اسباب پیدا کرنے والی ہے اور طبعی قوانین کو بھی اپنی مرضی کے مطابق چلانے والی ہے۔

پس اللہ تعالی کا امر اس طرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکم دیتا ہے کہ " کن " یعنی ہو جا اور تمام طبعی ضابطے بلا چوں و چرا اس حکم کو پورا کرنے پر لگ جاتے ہیں اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔

15.7 زمین سکڑ رہی ہے

پہلے ابواب میں ہم نے کائنات کی دھواں نما گیسوں سے تخلیق، اس کے پھیلاؤ، اس کے سکڑنے اور توازن کے بعد موجودہ شکل میں اس کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو ابھی بیسویں صدی میں معلوم ہوئے ہیں جبکہ قرآن پاک آج سے چودہ سو صدیاں پہلے ان کے اشارے دے چکا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کائنات کے متعلق فلاسفر اور سائنس دان یہ سوچتے تھے کہ یہ ہمیشہ سے ایسے ہی چلی آرہی ہے اور ان کے مطابق زمین کائنات کا مرکز تھی اور تمام آسمان اس کا طواف کرتے تھے۔ بیسویں صدی کی سائنس نے اس غلط نظریہ کو رد کرتے ہوئے صحیح صورتحال کو واضح کیا جس پر ہم سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔

کائنات کے پھیلاؤ اور سکڑاؤ کے اصول کے متعلق مندرجہ ذیل وہ معجزاتی آیت ہے جہاں خالق کائنات نے چند الفاظ میں تخلیق کی اصلیت کو بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے تو آیت میں خطاب ہی کو لیجئے۔ یہ معجزانہ خطاب مسلمانوں سے نہیں بلکہ کفار سے ہے جنہوں نے کائنات کے متعلق اس عظیم راز سے پردہ اٹھایا ہے۔ چونکہ مسلمانوں نے یہ راز معلوم نہیں کیے، اس لئے اس خطاب میں ان کا ذکر نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بھی قرآن کریم کی معجزاتی پیش گوئی ہے جس پر غور کرنے سے ہدایت مل سکتی ہے۔ منکرین حق کی بدقسمتی ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی وہ اس ذات پاک پر یقین نہیں رکھتے جو اس سارے نظام کا اصل خالق ہے اور انسانی راہنمائی کیلئے آج سے چودہ سو سال پہلے ایسے زبردست مضمون نازل فرمائے جب سائنس کے مضمون نے جنم بھی نہ لیا تھا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ط وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

لِحُكْمِهٖ ط وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ O

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم ہر اطراف سے زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟ اور جو اللہ حکم دیتا ہے اس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے O (سورۃ الرعد، آیت ۴۱)

قرآن پاک کے پرانے مفسرین نے لفظ "ننقصہا" یعنی زمین کو گھٹانے کا یہ مفہوم پیش کیا کہ یہ کرہ ارض پر اسلام کے پھیلنے کی طرف ...ارہ ہے۔ یہ سب کچھ سر آنکھوں پر کہ قرآن پاک کو معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا لیکن قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں نہ تضاد ہو سکتا ہے اور ...بہام، تو اس کے لفظی معنی بھی صحیح ہونگے۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ ارضی سائنس کے لئے ایک اہم دریافت کی نشاندہی کرتی ہے جو یہ ہے کہ ...راء میں کرہ ارض اپنے موجودہ حجم سے بہت زیادہ بڑا ہوگا اور اب تک آہستہ آہستہ اسکا حجم ہر طرف سے گھٹ رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا ...یلہ یہی اس کی قیامت کا باعث بن جائے۔

جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ طبعیات ارضی کے ماہرین اپنی سوچوں میں قرآن پاک کے اس حیران کن انکشافات کے قریب ...ہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری تیس سالوں میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں کرہ ارض اپنے موجودہ حجم سے کم از کم سو ...نا بڑا تھا اور زمین موجودہ صورت میں پچھلے چار بلین سالوں کے سکڑنے کے رفتہ رفتہ عمل کی وجہ سے پہنچی ہے۔ (۴۸)

زمین کے سکڑنے کی کئی وجوہات پیش کی جاتی ہیں جن میں کشش ثقل کی طاقت نے سب سے بڑا اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ حالیہ ہی ...ں ایک اور سوچ سامنے آئی ہے اور وہ یہ کہ اس کی تخلیق کے وقت سے ہی زمین کے کچھ اجزاء خلاء کی طرف ضائع ہوتے رہے ہیں جس کا ایک سبب ...سی کشش ہے اور دوسرا تابکاری حرارت ہے جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس سے زمین کا مادہ بھی گھٹتا جا رہا ہے۔

اسکے علاوہ سکڑنے کے عمل میں زمین کے دھیرے دھیرے ٹھنڈا ہونے کو بھی کچھ دخل حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے ...یسٹ (چھلکا یا پرت) کی موٹائی بڑھتی جا رہی ہے ابتداء میں جب گیس ٹھنڈی ہو کر مائع بنی تو حجم میں یکدم بہت فرق پڑ گیا۔

بہر حال اس عجیب و غریب صورتحال کی خواہ کوئی سی وجہ ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ کرہ ارض اپنے حجم میں گھٹ رہا ہے۔ یہ ...رے سوچنے کا کام ہے کہ اس معجزانہ دریافت کا بیان سب سے پہلے قرآن کریم میں کیسے آیا۔

15. زمین کا سکڑنا اور قیامت

اب ذرا سورۃ الرعد کی آیت مبارکہ ۴۱ کی ادائیگی کی طرف دھیان دیں۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے " کیا وہ دیکھتے نہیں؟" یہ ...ظ باور کراتے ہیں کہ یہ مظہر لازماً انسانیت کیلئے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے لیکن افسوس ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں۔

اس حقیقت سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس سکڑاؤ کے عمل کی وجہ سے ہمارا کرہ ارض خود بخود اپنے آخری انجام کی طرف رواں دواں ہے۔ اس سکڑنے کے عمل کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ زمین کے اندرونی پگھلے ہوئے حصوں پر دن بدن دباؤ بڑھ رہا ہو اور بعید نہیں کہ کسی وقت اس بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے یہ ایک دھماکے سے پھٹ جائے۔ اس سے قیامت سے وابستہ باقی واقعات خود بخود رونماء ہونے شروع ہوجائیں گے یعنی تباہی مچانے والے زلزلے، فضاء کے دھواں دار ہونے اور سمندروں کے ابلنے کا عمل، پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا وغیرہ سارے وہ واقعات جن کا قرآن پاک میں انکشاف ہے، ظہور پذیر ہونے لگیں گے۔

15.9 بیرونی شہابی پتھر سے ٹکراؤ

ہم پچھلے صفحات میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ زمین پر قیامت کا باعث کوئی بیرونی شہابی پتھر بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ تقریباً ہر چھبیس بلین سالوں کے بعد زمین پر شہاب ثاقب کی طوفانی بارش ہوتی آئی ہے جو اپنے وقت کی قیامت ہی تھی۔ مندرجہ ذیل میں ہم اس نظریہ کے متعلق قرآنی انکشافات پر غور کریں گے۔ زمین کے قریبی سیارے مریخ اور زحل کے درمیان لاکھوں شہاب ہیں جن میں آج کل بڑی حرکت پائی گئی ہے۔ سائنسدانوں کا اندازہ ہے کہ ان میں 350 کا رخ ایسا ہے کہ ان کے زمین کے ساتھ ٹکرانے کے امکانات کافی زیادہ ہیں۔ چنانچہ 6 جولائی 2006 کو ایک ایسا ہی بڑا شہابیہ زمین کے قریب سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا۔ اکتوبر 1995 میں بھی ایسا ہی ایک خوفناک شہابیہ زمین کے قریب آ گیا تھا اگر ان میں سے کوئی ایک بھی زمین سے ٹکرا جائے تو زمینی قیامت آسکتی ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الحاقہ کی آیات مبارکہ (۱۵-۱۳) بالواسطہ ایسی صورتحال کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ ایک بہت بڑا ٹکراؤ ہوگا اور اس سے پرشور دھماکہ ہوگا جو قیامت کی ابتداء کا ایک نقارہ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ○ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○

جب صور پھونکا جائے گا ایک ہی پھونک ○ اور زمین اور پہاڑ اٹھالئے جائیں، پس توڑے جائیں گے جیسا توڑنا ہو کہ ایک ہی وار میں ریزہ ریزہ کردئے جائیں گے ○ پس وہ دن ہے کہ جب واقع ہونے والی واقع ہوگی ○ (سورۃ الحاقہ، آیات ۱۳ تا ۱۵)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کا یہ بیان کہ " توڑے جائیں گے جیسا توڑنا ہے " اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے کرہ ارض کا کسی شہاب سے ایسا زبردست ٹکراؤ ہوگا جو اس کو توڑ کر رکھ دے گا۔ اس کے بعد زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ یہ ٹکراؤ کچھ اس طرح ہوگا کہ اس کے اثر

سے زمین اپنے محور پر بھی تیزی سے گھومنے لگے گی جس سے وقت میں تیزی آجائے گی۔ دن چند گھنٹوں کا ہو جائے گا اور نہ صرف یہ بلکہ باہر کو پھینکنے والی قوت (Contrifugal Force) کئی گنا ہو جائے گی جس کے اثرات سے پہاڑ زمین سے علیحدہ ہو جائیں گے اور خلاء میں آزاد گھومنے لگیں گے بالآخر خود زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سو مربع کلومیٹر کے شہاب اگر زمین پر لگے تو یہاں قیامت آجائے گی ان کی طاقت ایک لاکھ اکٹھے ایٹم بم چلنے سے زیادہ ہوگی جو زمین کا بیرونی پرت توڑ کر رکھ دے گی اور پہاڑ علیحدہ ہو جائیں گے۔

یوں زمین پر تباہیوں کا ایک سلسلہ چل پڑے گا۔ اندرونی دباؤ کے تحت ایسی آتش فشانی ہوگی کہ اس میں سے نکلنے والا پگھلا ہوا مادہ چند ماہ میں سورج کو ڈھانپ لے گا سورج کی روشنی زمین تک پہنچنا رک جائے گی، چاند اندھیروں میں ڈوب جائے گا اور ہماری یہ دنیا ٹھنڈی موت مر جائے گی۔ اگر آتش فشانی سمندروں میں شروع ہوگئی تو پانی بھاپ بن کر فضاؤں کو بھر دے گا اور ایسی بارشیں ہونگی کہ زمین پر زبردست سیلاب آئیں گے۔ آتش فشانی کی موجودگی میں سمندر بذات خود یوں لگیں گے جیسے آگ پکڑے ہوئے ہیں، اور پانی جب آتش فشاں کے دھانہ میں گرے گا تو فوری بھاپ میں تبدیل ہوگا جس سے وہ شور بپاء ہوگا کہ الامان، جیسے ساری کائنات کانپنا شروع ہوگئی ہو۔

آج کل یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ بعض مقامات پر زمین کے پرت کے نیچے میتھین (Methane) گیس ہے۔ (جس کو آگ لگ جاتی ہے اور جلانے کے کام آتی ہے) اور گندھک کے ذخائر ہیں۔ اگر فرض کریں آتش فشانی وہاں ہوتی ہے تو یہ آگ ہزاروں لاکھوں برس جاری رہ سکتی ہے۔ گندھک کے جلنے سے گندھک کے تیزاب کی بارش ہوگی اور میتھین (Methane) کے جلنے سے زمین کا درجہ حرارت بڑھتا جائے گا۔ ایک طرف بارشیں، دوسری طرف پہاڑوں اور قطبین پر سے برف کا پگھلنا، یہ سیلاب لاکھوں سال تک زمین کو ڈبوئے رکھیں گے۔ تمام جاندار ختم ہو جائینگے۔ تیزابی پانی کے ذخائر ہر چیز کو گلا کر رکھ دیں گے اور جب یہ پانی اڑ کر فضاء میں چلا جائے گا تو زمین ایک سفید چٹیل میدان ہوگی جس پر سب اونچ نیچ ختم ہو چکی ہوگی۔

15.10 زمین کا سورج کی طرف سرکنا

قیامت کا دوسرا منظر یہ ہے کہ کوئی بیرونی اجرام فلکی، جیسے کوئی شہاب ثاقب زمین سے اس طرح ٹکرائے کہ زمین اپنے مدار سے ہٹ جائے اور پھر زمین اپنی حرکت کے دوران سورج کے قریب ہوتی جائے جب زیادہ نزدیک چلی جائے گی تو سب سے پہلے یہ اپنے چاند کو کھو بیٹھے گی (جس کو سورج ہڑپ کر لے گا) اور جب مزید زیادہ نزدیک چلی جائے گی تو اسکی فضاء سورج کے طوفانی مادوں سے بھر جائے گی۔ زمین کے اندر جو پگھلا ہوا مادہ یا دھاتیں ہیں ان کو سورج کی ثقل کی طاقت اپنی طرف کھینچے گی جس سے زمین کے اندر ہلچل مچ جائے گی اور شدید زلزلے آنا شروع ہو جائیں گے، بے حساب آتش فشانی ہوگی، آخر کار زمین پھٹ جائے گی اور اپنے آپ کو خود تہہ و بالا کر دے گی۔

اندازہ ہے کہ اگر بیرونی شہابیہ سے ٹکرا کر زمین سورج کے گرد مدار سے ۱۰ ڈگری بھی ہٹ جائے تو موجودہ رفتار یعنی انیس میل فی سیکنڈ کے حساب سے (۶۸۴۰۰ میل فی گھنٹہ) زمین کو سورج میں گرنے میں تقریباً سو سال لگ جائیں گے لیکن اس پر زندگی کے آثار چالیس سال کے اندر اندر جل بھن کر راکھ ہو جائیں گے۔ جیسے جیسے زمین سورج کے قریب آئے گی ویسے ہی اس کی سورج کے گرد گھومنے کی رفتار میں اضافہ ہوتا جائے گا چنانچہ سال چھوٹا ہو جائے گا اور دن وقت میں تیزی آ جائے گی۔ ساتھ ساتھ سورج کی کشش بھی بڑھتی جائے گی، جسکے نتیجے میں پہاڑ علیحدہ ہو سکتے ہیں اور زلزلوں کی شدت بھی بڑھ سکتی ہے۔

زمین کا کسی دمدار ستارے یا اجرام فلکی کے ساتھ ٹکرا جانا ایک ایسا عمل ہے جس کو ہمیشہ ایک واضح امکان تسلیم کیا گیا ہے۔ نگل ہینبسٹ (Nigal Henbest) کے مطابق زمین پر کوئی شہاب ثاقب گرنے سے ہلچل مچ سکتی ہے۔ (حوالہ کیلئے ڈی کلارک جی ہنٹ ڈبلیو [illegible] 1979 [illegible])۔

اندازہ ہے ۶۵ کروڑ سال پہلے جب اس کرہ ارض سے ڈائنا سار اور اس قسم کی دوسری جاندار چیزوں کا خاتمہ ہوا تھا تو اس وقت صرف دس کلومیٹر کا ایک سیارچہ زمین سے ٹکرایا تھا۔ (New Scientist-Vol: 85 Page 1980)(50) لیکن زمین پر زندگی کے آثار کو مکمل ختم کرنے کیلئے اس سے بڑی جسامت کی اشیاء کا نمودار ہونا ضروری ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ اگر اس سے دس گنا بڑا سیارچہ زمین پر گرے تو وہ اس کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دے گا۔

15.11 بیرونی حادثات اور زمینی قیامت

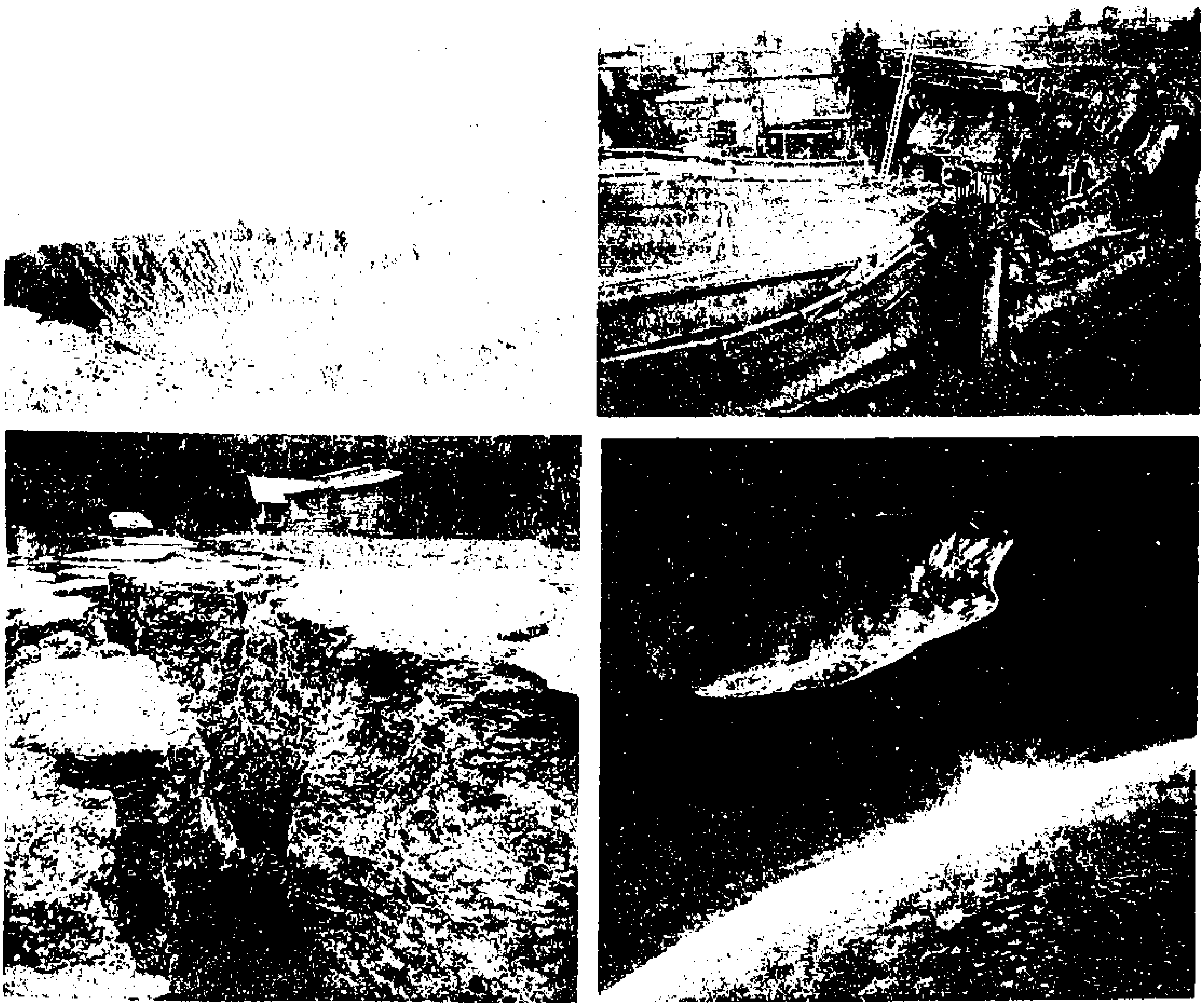
خلائی سائنسدانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ شمسی نظام اتنا حساس ہے کہ اگر زمین سے دس نوری سال کی دوری پر بھی کوئی بڑا ستارہ پھٹ جاتا ہے تو وہ ہمارے شمسی نظام کے توازن پر شدید اثرات مرتب کرے گا اس سے ہوسکتا ہے کہ سورج بھی پھٹ پڑے۔ اس کی تباہی سے اٹھنے والی لہریں اور مقناطیسی طوفان ہمارے شمسی نظام کو ہلا کر رکھ دیں گی اور اس کے خاندان کے سارے رفقاء بری طرح متزلزل ہو جائیں گے۔

موجودہ خلائی سائنس اس کو بھی ممکن سمجھتی ہے کہ کسی قریبی ستارہ پھٹنے کے زیر اثر سورج کے گرد زمین کی حرکت میں تبدیلی آجائے۔ اس کا یہ اثر بھی ہوسکتا ہے کہ زمین کا سورج کے مرکز سے فاصلہ کم ہوتا جائے اور اس کے ساتھ ہی زمین جو اپنے محور کے گرد گھومتی ہے، اس رفتار میں بھی تیزی آجائے۔ رفتار کی زیادتی کی وجہ سے تباہ کن واقعات زنجیر کی کڑیوں کی طرح یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گے۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمثیلاً بتایا تھا کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں ابتلائیں تسبیح کا دھاگہ ٹوٹنے کی مانند جیسے منکے ایک دوسرے پر گرتے ہیں اسی طرح یکے بعد دیگرے نمودار ہوں گی۔

شکل نمبر 20: زلزلے، شہاب ثاقب اور قیامت

زلزلے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔ رچٹر سکیل(Richter Scale)سات کے زلزلے بہت ہی تباہ کن ہوتے ہیں۔ آٹھ اور نو نمبر کا زلزلہ پہاڑوں تک کو توڑپھوڑ کر رکھ دے گا۔ نیچے دی گئی شکل ۵ ۲ سکیل کے زلزلہ کی ہے جو کہ 1986ء میں نیوزی لینڈ میں آیا تھا۔ اس نے زمین میں بڑے بڑے شگاف کر دئیے اور بعض جگہ سے سطح زمین اٹھ کر اوپر چلی گئی اور بعض جگہ بیٹھ کر جھیل بن گئی۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے نزدیک شدت کے زلزلے آئیں گے جن سے زمین کی سب اونچ نیچ ختم ہوجائے گی۔ زلزلوں کے علاوہ شہاب ثاقب بھی زمین کیلئے تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیچے میٹرائیٹ کے گرنے کے بعد زمین میں بہت بڑا گڑھا پڑ جانے کی تصویر ہے۔ اگر شہاب ۱۰ کیوبک کلومیٹر کا ہو تو اس کے ٹکرائو سے زمین پر قیامت آجائے گی۔ اور یہاں سب کچھ اچانک ختم ہوجائے گا۔



مثال کے طور پر زمین کے اپنے محور کے گرد چکروں کی رفتار اگر دگنی ہو جائے تو اسکے بیرونی حصہ پر مرکز سے دور پھینکنے والی طاقت(Centri Fugual Force) میں چار گنا اضافہ ہوگا جس کے نتیجے میں پہاڑ الگ ہو جائیں گے اور فضاء میں اڑنے لگیں گے۔ اور سمندروں کا پانی اچھل پڑے گا۔ زمین کے اپنے چکروں میں بھی تیزی آجانے کی وجہ سے زمین کے اندر جو پگھلا ہوا لاوہ ہے اس پر بھی باہر کو دباؤ بڑھ جائیگا جس سے وہ زمین کے اوپر ٹھوس پرت کو توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرے گا جس سے زمین پھٹ بھی سکتی ہے۔

اس کے علاوہ سورج کے گرد زمین کی گردش میں تیزی آنے سے سال کا عرصہ بھی کم ہو جائے گا اور جب یہ اپنے محور کے گرد جلدی چکر مکمل کرے گی تو چوبیس گھنٹے دن ورات کے عرصے میں بھی کمی واقع ہو جائے گی یوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی بھی پوری ہو جائے گی کہ قیامت کی آمد کے وقت میں تیزی آجائے گی۔ سال کا عرصہ مہینہ کے برابر ہو جائے گا۔ مہینہ ہفتے کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن گھڑی کے برابر۔ (مسلم و بخاری) قرآن پاک اس دھماکہ خیز واقعہ کی جھلکی مندرجہ ذیل آیات میں دکھاتا ہے۔

اِن کَانَت اِلَّا صَیحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَاھُم خٰمِدُونَ○ یٰحَسرَۃً عَلَی العِبَادِ ج مَا یَاْتِیھِم مِّن رَّسُولٍ اِلَّا کَانُوا بِہ یَستَھزِءُ ونَ ○ اَلَم یَرَوا کَم اَھلَکنَا قَبلَھُم مِّنَ القُرُونِ اَنَّھُم اِلَیھِم لَا یَرجِعُونَ ○ وَاِن کُلٌّ لَّمَّا جَمِیعٌ لَّدَینَا مُحضَرُونَ○

وہ تو بس ایک ہی چیخ تھی پس وہ سب اسی وقت بجھنے والے ہو گئے تھے ○ اور کہا گیا کہ ہائے افسوس ان بندوں پر، جب ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اس سے ٹھٹھا کرتے رہے ○ کیا وہ نہیں دیکھتے ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جماعتیں ہلاک فرمائیں کہ وہ اب ان کی طرف پلٹنے والے نہیں ○ اور جتنے بھی ہیں سب کے سب ہمارے حضور حاضر لائے جائیں گے ○ (سورۃ یٰسین، آیات ۲۹ تا ۳۲)

شکل 21: زمین کی قیامت کے چند امکانات

تخلیق کے وقت زمین کا حجم موجودہ سے تقریباً سو گنا تھا جیسا کہ قرآن کریم کی آئت (۴۱) ۱۳ میں بتایا گیا ھے کہ زمین اپنی ابتداء ھی سے مسلسل سکڑ رہی ھے۔ جدید سائنس بھی اسی نتیجہ پر پھنچی ھے کہ اپنی تخلیق کے وقت زمین کا حجم موجودہ حجم سے تقریباً سو گنا زیادہ تھااور اس وقت سے یہ اندر کی طرف پچک رھی ھے اوراس کے ساتھ ساتھ اندر کا دباؤ بھی بڑھ رہا ھے۔ اگر دباؤ بھت زیادہ بڑھ گیا تو یہ کسی وقت بھی پھٹ سکتی ھے (21.1)۔ مینی قیامت کسی شھاب ثاقب کے ساتھ ٹکرانے سے بھی آسکتی ھے (21.2)۔ اس ٹکراو کے نیتجہ میں زمین اپنے موجودہ مدار سے کھسک سکتی ھے اور یوں آخر کار سورج میں گر کر تباہ ھوسکتی ھے (21.3)۔

Fig. 21.1

Fig. 21.2



Fig. 21.3



باب نمبر 16

ارضی قیامت کے متعلّق قرآنی واقعات اور ممکنہ سائنسی وجوہات

جیسا کہ ہم پچھلے ابواب میں دیکھ چکے ہیں کہ قرآن حکیم اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور جدید سائنس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرہ ارض پر قیامت کی آمد بہت افراتفری کا باعث بنے گی۔ قرآن پاک نے ان میں سے بڑے بڑے واقعات کی کھل کر نشاندہی کی ہے۔ مندرجہ ذیل میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایسے ہی کچھ واقعات کے اسباب پر بھی غور کیا جائے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں کیلئے مددگار ثابت ہوسکتی ہیں جو اس مضمون کی سائنسی بنیادوں پر مزید تحقیق اور تجسّس میں دلچسپی رکھتے ہوں۔

16.1 سمندر ابلنے لگیں گے

قرآن پاک کا یہ انکشاف ہے کہ کرہ ارض کی قیامت کے ایک مرحلہ پر سمندر ابلنے لگیں گے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی سورۃ انفطار کی آیت مبارکہ ۳ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِذَاالْبِحَارُ فُجِّرَتْ O

اور جب سمندر ابل پڑیں گے O (سورہ الانفطار۔ آیت ۳)

سمندروں کے پانی کے ابلنے کی کئی وجوہات سوچی جاسکتی ہیں۔ ایک ممکن وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ زمین کا درجہ حرارت بہت بڑھ جائے۔ زمین کے سورج کے قریب جانے کی وجوہات پر ہم پہلے بحث کرچکے ہیں۔ جب کرہ ارض سورج کے قریب ہوتا جائیگا تو نزدیکی کی وجہ سے درجہ حرارت بھی بڑھتا جائے گا جس کی وجہ سے پانی بخارات میں تبدیل ہونے کے عمل میں تیزی آتی جائے گی ان کے اوپر جاکر ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے متواتر طوفانی بارشیں ہوں گی لیکن ساتھ ساتھ ہی سورج کی بڑھتی ہوئی کشش کی وجہ سے بخارات خلاء میں بھی گم ہوتے جائیں گے۔ آج کل زمین سورج سے اوسطاً ۹۳ ملین میل دور ہے لیکن جب یہ وینس (Venus) کی جگہ پر یعنی تقریباً ۱۷ ملین دور ہوگی تو اس پر درجہ حرارت ۴۵۰ سنٹی گریڈ ہوجائے گا جس پر پانی تو کیا سیسہ بھی پگھل جائے گا۔ ایسے میں زمین کی گھومنے کی رفتار میں تیزی سورج کی کشش میں بڑھوتری اور زمین پر فضائی دباؤ میں کمی مزید کئی قسم کی تباہیوں کا باعث بنیں گے۔

سمندروں کے پانی ابلنے کی ایک اور وجہ اس کے اندر کے دباؤ کی وجہ سے پھٹنے کے مفروضے میں بھی تلاش کی جاسکتی ہے۔اس سے زمین کے اندر سے بے پناہ حرارت خارج ہوگی اور ہر طرف آتش فشاں مادہ سے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔جیسا کہ ہمارے آقا اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیش گوئی فرما گئے ہیں کہ قیامت کے نزدیک زلزلوں اور آتش فشانی کے واقعات کثرت سے ہونگے۔

سمندروں میں آگ کا سماں اور ان کے پانیوں کا ابلنا ان کی تہہ کے نیچے سے آتش فشاں پھٹنے سے بھی ممکن ہوسکتا ہے۔آج کل بھی بعض اوقات ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ سورج کی تہہ میں کوئی آتش فشاں پھٹتا ہے تو وہاں سمندر کی سطح پر آگ اور پانی کے ابلنے والا عمل نظر آتا ہے۔

کرہ ارض پر درجہ حرارت کے بڑھنے اور اس کے نتیجہ میں سمندروں کا پانی ابلنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے سورج کا پھیلاؤ بڑھ جائے لیکن جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں سائنسدانوں کے ایک مفروضہ کے تحت ایسے تب ہوگا جب سورج بڑھاپے کو پہنچے گا جس کے لئے شاید پانچ یا چھ ارب سالوں کا عرصہ درکار ہے۔

بہرحال اس تمام بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن پاک میں قیامت کے نزدیک سمندروں کے ابلنے اور اچھلنے کے متعلق جو کچھ بتایا گیا ہے اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں سے کوئی ایک سبب یا کئی اسباب مل کر اس واقعہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

قرآن پاک کی سورۃ انفطار، آیت مبارکہ ۳ کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ قرب قیامت کے وقت پانی سمندروں سے باہر ابل آئے گا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اس وقت سمندروں کا پانی خشکی کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔سائنس کے مطابق ایسا کرہ ارض پر درجہ حرارت میں زیادتی کی وجہ سے ممکن ہے جس سے قطبین کی برف پگھلنے لگے گی، سمندروں کی سطح بلند ہونے لگے گی اور سمندر اپنے کناروں سے باہر ابل پڑیں گے اور یوں خشکی کے کئی بڑے بڑے علاقے زیر آب آجائیں گے۔آج کل سائنسدانوں نے محسوس کیا ہے کہ فضائی ماحول کی خرابی کی وجہ سے بھی کرہ ارض کا درجہ حرارت مسلسل بڑھ رہا ہے جس کے اثر سے سمندروں میں پانی کی سطح ہر سال چند سنٹی میٹر کے حساب سے اونچی ہورہی ہے۔حساب لگایا گیا ہے کہ اگر درجہ حرارت پانچ ڈگری سینٹی گریڈ بھی بڑھ گیا تو بہت سے ساحلی علاقے ڈوب جائیں گے اور اگر دس ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ گیا تو عین ممکن ہے تمام زمین زیر آب آجائے۔

16.2 سمندروں میں آگ کا بھڑکنا

قرآن پاک کی سورۃ تکویر کی آیت مبارکہ ۶ میں قیامت کے ایک مرحلہ پر سمندروں کے آگ پکڑ لینے کے واقعہ کا ذکر ہے۔اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○

اور جب سمندر آگ پکڑلیں گے O (سورہ التکویر۔آیت ٦)

ہر سوچنے والا ذہن ضرور اس بات پر حیران ہوگا کہ سمندر جو پانی ہیں، انہیں کیونکر آگ لگے گی۔ ذیل میں ہم کچھ ممکنات پر غور کریں لے۔ان میں سے چند ایک کے بارے میں ہم اوپر پہلے ہی بحث کر چکے ہیں جن میں ایک زیر آب آتش فشاں ہے۔سمندر کی تہہ کے پھٹ جانے کی بہ سے آتش فشانی سرخ لاوہ کی شکل میں اس شدت سے سمندروں کے پانی پر چھا جائے گی کہ سمندر جلتے نظر آئیں گے۔ ماضی قریب میں چھوٹی طحوں پر ایسے کئی مناظر دیکھے جا چکے ہیں۔خاص کر کراکاٹو (Karakato) آتش فشاں کے پھٹنے کا واقعہ سائنس دانوں کیلئے بہت دلچسپی کا حامل ہے۔اس کا منظر ایسے تھا جیسے آتش فشاں نہیں بلکہ سمندر میں آگ لگ گئی ہو۔

16.. زمین کے اندرونی حصہ میں ہائیڈروکاربن مرکبات

ہم سب جانتے ہیں کہ پانی کو آسانی سے آگ نہیں لگ سکتی اس لئے قرآنی انکشاف یعنی "جب سمندروں کو آگ لگ جائے" ں شاید کسی بلاواسطہ آگ کا ذکر ہے جس کی وجہ سے سمندر ایسے لگیں گے جیسے انہوں نے آگ پکڑ لی ہے۔لہٰذا قرآن پاک کی سورۃ تکویر کی آیت بر٦ سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زمین کے اندرونی حصے میں ہائیڈروکاربن کے وسیع ذخائر موجود ہوں جو قیامت کے نزدیک مندروں کے اندر سے پھوٹ کر نکلیں گے اور جب آگ پکڑلیں تو ایسے معلوم ہو گویا سمندر جل اٹھے ہیں۔ایسی ہائیڈروکاربن گیس اور مائعات یامت کے دوران سخت زلزلوں کی وجہ سے بھی باہر نکل سکتی ہیں کہ زمین کا اوپر کا چھلکا یا پرت پاش پاش ہو جائے۔اس وقت اس کے اندرونی یٹرولیم ذخائر باہر اگل پڑیں گے جن کے جلنے سے خشکی اور سمندروں پر آگ کا سماں ہوگا۔

اگر ہمارا مفروضہ صحیح ہے تو قیامت سے پہلے یہ بات انسانیت کیلئے باعث رحمت بھی ہو سکتی ہے کہ جس سے مستقبل میں توانائی کے سائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔مطلب یہ کہ زمین کی گہرائیوں میں ہائیڈروکاربن کے وسیع ذخائر موجود ہیں جو گہری کھدائی (deep drilling) ہ دسترس حاصل کر لینے سے انسان کیلئے توانائی کا کبھی نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے۔

16.4 کرہ ارض کی فضاء کا دھوئیں سے بھر جانا

قرآن کی سورۃ الدخان کی آیات مبارکہ ١٠ سے ١٢ میں یہ انکشاف ہے کہ قیامت کے واقعات کا ایک تباہ کن پہلو یہ ہوگا کہ آسمان کثیف ھوئیں میں چھپ جائے گا۔یہ کثافت اس قدر شدید ہوگی کہ کرہ ارض پر زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔آخر کار یہ دھواں ساری فضاء پر چھا جائے گا۔ ں خوفناک صورتحال کو قرآن پاک اس طرح بیان کرتا ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○

تو آپ اس دن کے منتظر رہو کہ جب آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہوگا ○ کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہی ہے دردناک عذاب ○ اس دن کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر سے اس عذاب کو ٹال دے ہم ایمان لاتے ہیں ○ (سورہ الدخان۔ آیت ۱۰۔۱۲)

قرآن پاک کا یہ انکشاف کہ قرب قیامت آسمان دھوئیں سے بھر جائے گا سائنسی دنیا کیلئے تحقیق کا بڑا اہم میدان ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ آسان ترین وضاحت تو یہ ہوسکتی ہے کہ قیامت کے نزدیک زمین کے اندر سے بہت زیادہ آتش فشاں مادہ باہر نکلے گا اور یوں زمینی فضاء دھوئیں سے بھر جائے گی۔ دراصل ماضی میں بھی زمین پر آتش فشانوں کے پھٹنے کے زبردست واقعات ہو چکے ہیں جن سے کئی سالوں تک آسمان گردوغبار کی آلودگی سے بھرا رہا اور بعض اوقات یہ گردوغبار اتنا کثیف تھا کہ سورج کی روشنی اور گرمی بھی کرہ ارض کے متعلقہ حصوں تک نہ پہنچ پاتی تھی۔ ایسا عمل کیونکہ سالوں تک جاری رہا اس لئے ان علاقوں میں موسم سرما اتنا شدید سرد ہو گیا کہ زندگی جم کر ختم ہو گئی۔ یہ صورت حال اب بھی ممکن ہے اور کبھی بھی دوبارہ وقوع پذیر ہو سکتی ہے اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو پہلے ہوا تھا۔

آسمانی فضاء کے دھواں آلود ہونے کے سلسلے میں ہم بیرونی ٹکراؤ کے نظریہ کو پہلے ہی زیر بحث لا چکے ہیں کہ کوئی بہت بڑا شہاب اگر کرہ ارض سے ٹکرا جائے تو فضاء دھواں دھار ہو جائے گی۔ یہی کچھ کسی نزدیکی اجرام فلکی کی تباہی سے بھی ممکن ہے اور یہ سورج کے اندر کے طوفانی مادہ کے زمین تک پہنچنے سے بھی ہوسکتا ہے۔ ہم یہ پہلے بھی زیر بحث لا چکے ہیں کہ سائنسی علوم میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ تقریباً چھ ملین سال پہلے جب ڈائنوسار (Dinosaur) اپنی قیامت سے دوچار ہوئے تو اس زمانے میں بھی کرہ ارض کی فضاء گردوغبار سے ابر آلود ہو گئی تھی اور ایسا محض ایک دس کلومیٹر قطر والے ایک سیارچے کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس سے اتنا زیادہ ملبہ گردوغبار بن کر فضاء پر چھا گیا کہ سینکڑوں سال سورج کی روشنی زمین تک نہ پہنچ پائی تھی جس سے کرہ ارض کا درجہ حرارت بہت نیچے چلا گیا تھا اور ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا اور کرہ ارض پر چند سو سالوں کے اندر اندر کئی طرح کی زندگی کا وجود مٹ گیا تھا۔

یہ بھی غور طلب بات ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ الدخان کی آیات مبارکہ ۱۰ سے ۱۲ میں دھوئیں کی وجوہات کو آسمان کی طرف وابستہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ "بس انتظار کرو اس دن کا کہ لائے گا آسمان دھواں ظاہر" اس آیت مبارکہ کی دو وضاحتیں کی جا سکتی ہیں، پہلی یہ کہ دھوئیں کا سبب کچھ بھی ہو لیکن اوپر کی فضاء کو مکدر کر دے گا۔ دوسری وضاحت یہ ہے کہ اس دھوئیں کا سبب آسمانی وجوہ سے ہوگا اور یہ اوپر سے نیچے کی طرف اترے گا۔

اس صورتحال کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فضاء کی آلودگی انتہائی تشویشناک صورتحال اختیار کر لے گی۔ آج کل آلودگی کا یہ غبارہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا ہے لیکن ایک عرصہ کے بعد انسان کے اپنے ہاتھوں کی پھیلائی ہوئی یہ تباہی اپنے ہی بوجھ سے نیچے اترنا شروع ہو جائے گی اور یوں تمام کرہ ارض گندی گیسوں سے ڈھانپا جائیگا۔ جو لوگ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں انہوں نے تو اکثر یہ نظارہ دیکھا ہوگا کہ یہ لٹکتی ہوئی آلودگی آسمانی فضاء میں کئی ایام تک نظر آتی رہتی ہے۔ اہل یورپ اس کو سماگ (Smog) کہتے ہیں یعنی دھوئیں اور دھند کا مرکب جو انسانی صحت کیلئے انتہائی زیادہ خطرناک ہے۔

اس دھوئیں کی ایک اور ممکنہ وجہ سورج میں بڑے پیمانہ پر طوفان ہیں۔ فلکیات کے ماہرین آگاہ ہیں کہ اکثر بہت بڑے پیمانے پر سورج میں طوفان ہوتے رہتے ہیں جو لاکھوں میل دور تک اپنے اثرات اس طرح دکھاتے ہیں کہ وہاں تک گرم پلازما کا ملبہ پھیل جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جب کوئی بہت ہی بڑا دھماکہ ہو تو یہ آتشی تیر (Flares) کرہ ارض تک بھی پہنچ جائیں۔ البتہ سورج اور زمین کے درمیانی فاصلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شمسی دھواں کرہ ارض تک پہنچتے پہنچتے بھی بیس سے تیس سالوں کا وقت لے گا لیکن آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی فوری نظر آئے گی۔ اس ضمن میں قرآن پاک کی سورۃ القیامت کی آیات مبارکہ ۷ تا ۱۰ انتہائی قابل غور ہیں۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝

پس جس دن آنکھ چندھیا جائے گی ۝ اور چاند ڈھانپ لیا جائے گا ۝ اور سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہو جائیں گے ۝ اس دن انسان کہے گا، آج کدھر بھاگنے کی جگہ ہے ۝ (سورۃ القیامت، آیات ۷ تا ۱۰)

ان آیات کریمہ کو سمجھنے کیلئے شکل نمبر ۲۲ میں سورج سے نکلنے والے آتشی مادہ (Flare) کا فوٹوگراف ہے جو اکثر دھاکوں کے ساتھ نکلتے رہتے ہیں۔ اوسطاً یہ آتشی مادے تقریباً ۴۵۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کی سطح سے تقریباً دس لاکھ میل دور تک پہنچ جاتے ہیں سفر خلائی سائنسدان جانتے ہیں کہ اگر یہ شمسی مادہ زیادہ ہو جائے تو فضاء میں خلائی گاڑیوں کیلئے یہ تابکاری بڑی خطرناک صورت پیدا کرسکتی ہے۔ اگر یہ شمسی طوفان مزید شدت اختیار کر جائیں تو تابکاری زمین کے نزدیک تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ لہذا قرآن پاک کی سورۃ الدخان آیت (۱۰) کے انکشاف سے ہم اس نتیجہ پر بھی پہنچ جاتے ہیں کہ قیامت کے ایام میں شمسی فلیرز اور گرم پلازمہ (Plasma) ہماری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

آیات مبارکہ (۷۔۱۰) سورۃ القیامت میں جو آنکھوں کے چندھیا جانے کا ذکر ہے۔ ایسا شمسی پلازما کی چمک کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ جب یہ شمسی آتش فشاں مادہ فضاء میں بکھر جائے گا تو اس کی آلودگی سے لوگوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جائے گی۔ اسی دھوئیں اور گرد و غبار کے اثر سے

شکل نمبر 22: سورج میں طوفان اور زمینی قیامت

سورج میں ہر وقت ایک طوفانی صورت برپا ہے۔ ایک طرح اربوں ہائیڈروجن بم جیسے بیک وقت دھماکے ہورہے ہیں جن کے نتیجہ میں یہ توانائی کا منبع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں سے ہر وقت انتہائی گرم گیس کی لہریں ۲۰ لاکھ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے فضاء میں لپکتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ طوفانی صورت اتنی شدید ہوتی ہے کہ سورج سے دس لاکھ سے سو لاکھ میل تک ان کی مار ہوجاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی ان کی شدت یہاں تک پہنچ جائے کہ زمین بھی ان کی زد میں آجائے۔ اگر ایسا ہوا تو چند دنوں کے اندر اندر زمین پر ہر طرح کی زندگی ختم ہوجائے گی۔ اس غیر معمولی حادثہ کے وقت سورج کی چمک بہت بڑھ جائے گی اور زمین پر رہنے والوں کی آنکھیں چندھیا جائیں گی، آتشی مادہ کی وجہ سے زمین پر گرمی اور زہریلی گیسوں کی وجہ سے سانس تک لینا بھی مشکل ہوجائے گا اور اس کی قیامت برپا ہوجائے گی۔ نیچے دی گئی شکل میں سورج میں معمول کے ایک طوفان کا منظر ہے۔



چاند بھی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ جب زمین کے اردگرد کی ساری فضاء زہریلی گیسوں سے آلودہ ہو جائے گی اور لوگوں کا سانس گھٹنے لگے گا تو وہ انتہائی مایوسی اور گھبراہٹ کی حالت میں پکار اٹھیں گے "اے پروردگار"! ہم کہاں جائیں' ہے کوئی جائے فرار؟

اس سلسلہ میں سورۃ الرحمٰن (۳۳۔۳۴) میں بھی ایک اشارہ ہے کہ لوگ اس وقت خلائی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے فرار ہونیکی کوشش کرینگے لیکن آسمانی آلودگی سے ٹکرا کر یہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے یعنی کسی بھی حالت میں آدمی اللہ کے عذاب سے فرار حاصل نہیں کر سکے گا۔

16.5 سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

یہ چیز پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " قیامت کے نزدیک سورج مغرب سے طلوع ہوگا"۔ اسلام کے کچھ دانشوروں نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مفہوم اپنایا ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ سے پہلے اہل مغرب کی تہذیب ساری دنیا پر چھا جائے گی۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو حدیث شریف کی پیش گوئی پوری ہو چکی ہے لیکن اگر اس حدیث مبارکہ کو اس کے لفظی معانی میں لیں تو شہابی ٹکراؤ کا نظریہ، جس پر ہم بحث کر چکے ہیں اس غیر معمولی عمل کا باعث بن سکتا ہے یعنی کسی اجرام فلکی سے مخالف سمت کے ٹکراؤ سے زمین اپنے محور کے گرد گھماؤ کے رخ کو تبدیل کر لے اور یوں زمین مخالف سمت میں گھوم جائے اور سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوتا نظر آئے۔ **(واللہ اعلم بالصواب)**

16.6 زلزلے اور بے انتہاء افراتفری

زمین کی قیامت کا ایک اور خوفناک پہلو جو قرآن پاک سے ظاہر ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس مرحلہ پر شدید زلزلے آئیں گے زبردست الٹ پلٹ ہوگی اور تھرتھراہٹ سے زمین کا اوپر والا پرت پاش پاش ہو جائے گا پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اس کے ساتھ ہی زمین کے اندر سے شدید آتش فشانی عمل شروع ہو جائیگا اور پگھلا ہوا گرم لاوہ ہر جگہ پھیل جائے گا۔ اس بھیانک اور ہولناک منظر کے متعلق کچھ احادیث کریمہ اور قرآن پاک کی آیات کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔ اسی ضمن میں مندرجہ ذیل آیات مبارکہ قابل غور ہیں۔ فرمایا گیا کہ:۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○

پھر جب زمین تھرتھرائے گی جیسا کہ اس کے لئے تھرتھرانا مقرر ہے ○ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکالے گی ○

(سورۃ الزلزال، آیات ۱ تا ۲)

ان آیات مبارکہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ قرب قیامت کے وقت زمین پر پے در پے زلزلوں کی آفت آئے گی۔ بار بار جھٹکے کھانے کے عمل سے شدید قسم کی تھرتھراہٹ اور توڑ پھوڑ ہوگی جس کے نتیجے میں زمین کا اوپر والا پردہ چاک چاک ہو جائے گا اور آتش فشانی کے عمل سے اندرونی بھاری مادہ پھوٹ کر باہر نکل پڑے گا۔

موجودہ سائنسی علوم کے مطابق ریکٹر سکیل (Ritcher Scale) پر نو درجہ کا زلزلہ انسانوں کے ہاتھوں بنائی ہوئی تمام عمارتوں کو ملیامیٹ کرنے کیلئے کافی ہے۔ اس سے زیادہ شدت کے زلزلے سے زمین کا پرت پھٹ جائے گا اور پہاڑ ٹوٹنے شروع ہو جائیں گے اور دریا زمین کے پرت میں گم ہو جائیں گے یا ابل کر شدید طوفان لائیں گے اور لاوہ ابل ابل کر آتشی بارش برسائے گا۔ فضاء دھوئیں سے بھر جائے گی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر بار بار نو درجہ سے بڑے زلزلے آئیں تو بالآخر زمین بالکل ہموار ہو جائے گی اور اوپر کی سطح الٹی ہو کر نیچے چلی جائے گی۔ زمین کے اندر کے بوجھ باہر آ جائیں گے۔

اس شدت کے زلزلے تو شاذ و نادر ہی آتے ہیں لیکن تاریخ میں ایسے زلزلوں کی بے شمار مثالیں محفوظ ہیں جن کی طاقت آٹھ تھی۔ انہی میں سے ایک زلزلہ ۷۹ سن عیسوی میں آیا تھا جس کی وجہ سے آتش فشاں جس کو Vesuvius کا نام دیا گیا ہے پھوٹ پڑا تھا۔ اس کے نتیجے میں اٹلی کے دو بڑے شہر Pompeii اور Hercilamam تہہ و بالا ہو گئے۔ پومپئی شہر گرم راکھ اور لاوہ برسنے سے گولوں کی قبر بن گیا جبکہ دوسرے شہر پر گرم گرم کیچڑ کی بارش ہوئی جس کے نیچے دب کر چند گھنٹوں میں سب کچھ ملیامیٹ ہو گیا۔ یہ واقعہ ان دنوں شہروں کیلئے قیامت سے کم نہ تھا 8 اکتوبر 2005 زلزلہ سے چند منٹ میں آزاد کشمیر اور بالاکوٹ کے علاقوں میں تباہی آئی وہ بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ لیکن جب ساری زمین کی قیامت آئے گی تو ایسے ہزاروں زلزلے اور آتش فشاں پہاڑ پھوٹیں گے جو زمین کی تمام اونچ نیچ ختم کر دیں گے۔ قیامت کے ایسے آثار کے بارے وحی الٰہی ہے۔

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۝ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ۝

جس دن تھرتھرانے والی تھرتھرائے گی ۝ اس کے پیچھے ڈھانے والی آئے گی ۝

(سورۃ النزعات آیات ۶ تا ۷)

اس کے علاوہ قرآن پاک کی سورۃ فجر کی آیت مبارکہ ۲۱ میں قیامت کے کسی مرحلہ پر زمین ٹوٹنے اور ریزہ ریزہ ہونے کی منظر کشی کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِذَا دُکَّتِ الۡاَرۡضُ دَکًّا دَکًّا ۝

جب زمین کوٹی جائے گی جیسے کوٹنا ہوتا ہے ۝ (سورۃ الفجر، آیت ۲۱)

قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ انسانی ذہن کو اس منظر کیطرف لے جاتی ہے جو پتھروں کو توڑنے والی مشین کے اندر ہو رہا ہے۔ وہاں پتھر ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قیامت کے نزدیک زمین اپنے اندر تھرتھراہٹ اور باہر سے ٹکراؤ کیوجہ سے پاش پاش ہو جائے گی۔ اس وقت باہر سے شہاب گر رہے ہونگے اور اندر سے آتش فشانی کی بناء پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہوگی۔

سورۃ النزعٰت کی آیات ۶ اور ۷ جن میں مسلسل تھرتھراہٹ کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ قیامت کے نزدیک اس کے محور کے گرد عدم توازن بھی ہوسکتا ہے۔ آج کل زمین چوبیس گھنٹے میں اپنے محور کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے اور یوں ہم تقریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کھا رہے ہیں اس کی مثال بہت بڑے پہیے کے گھومنے کی سی ہے۔ اگر پہیے کا توازن خراب ہو جائے تو پھر پہیہ وابلنگ کرتا ہے۔ اس لئے عدم توازن کی وجہ سے زمین بھی مسلسل وابل کر سکتی ہے جس کی وجہ سے زمین کے اندر کا تباہ کن آتش فشانی مادہ باہر نکل کر ایسی تباہی مچائے گا کہ اس کے اوپر ہر چیز زلزلہ کی زد میں آجائے گی۔ زمین کا وابلنگ (Wobbling) چاند پر بھی اثر انداز ہوگا اور یہ بھی کانپنے لگے گا جس کی وجہ سے شدید سمندری اور ہوائی طوفان بھی آسکتے ہیں یعنی یہ عدم توازن قیامت کا نقطہ آغاز ہوسکتا ہے۔

16.7 پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا

قرآن پاک کے مطابق زمینی قیامت کا ایک اور ڈرامائی منظر یہ ہے کہ ایک مرحلے پر تمام ٹیلے، پہاڑ اور وادیاں ختم ہو جائیں گی اور ساری زمین ایک چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گی۔ پہاڑ ذروں میں تبدیل ہو کر خاک کی طرح اڑتے نظر آئیں گے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات مبارکہ تحقیق کی دعوت ہیں:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا O فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا O لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا O

اور آپ سے پہاڑوں کی بات پوچھتے ہیں آپ فرما دیں انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا O اور اس جگہ کو ہموار کر چھوڑے گا O کہ تو اس میں اونچا نیچا کچھ نہ دیکھے گا O (سورۃ طہٰ، آیات ۱۰۵ تا ۱۰۷)

ایک اور جگہ فرمایا:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ O

اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے O (سورۃ القارعہ، آیت ۵)

زمین کی اس قیامت کے منظر کو مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اور زیادہ واضح کرتی ہیں فرمایا:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ O لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ O خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ O اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا O وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا O فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا O

جب واقعہ وقوع میں آئے گا O تو اس وقت کو جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا O کسی کو پست کرنے والی اور کسی کو بلند کرنے والی O جب زمین تھرتھرا کر کانپے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر O تو وہ ذرّوں کی مانند پھیل جائیں گے O (سورہ واقعہ۔ آیت ۱۔۶)

ان آیات میں زمین کی مستقبل کی تاریخ کا پورا منظر منکشف کر دیا گیا ہے۔ یہ جدید سائنس کیلئے حکمت کا خزانہ ہیں۔ یہ کام اب مسلمان سائنسدانوں کا ہے کہ ان حقائق کو وہ یقین کے ساتھ مان کر سائنس کی راہنمائی کریں۔ بہت سے حل طلب سوالات ہیں جن پر تحقیق سائنس کیلئے کئی راہیں کھول دے گی۔ مثلاً پہاڑ کیسے ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے؟ زمین کیسے چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گی؟ شدید زلزلوں کا باعث کیا چیز ہوگی؟

حسب معمول پتھروں کے آہستہ آہستہ معدوم ہونے کے عمل سے تو ہم کسی حد تک پہلے ہی سے آگاہ ہیں۔ فطرت کے کئی کردار جیسے ہوا، بارش، پودے وغیرہ درجہ حرارت میں اتار چڑھاؤ اور کیمیائی عمل پتھروں کی توڑ پھوڑ میں مشغول ہیں۔ دریاؤں میں جو مٹی اور ریت بہہ آتی ہے دراصل یہ سب پہاڑوں کی توڑ پھوڑ سے ہی نکلتی ہے لیکن اوپر بیان شدہ آیات مبارکہ میں جو تباہ کن مناظر نظر آتے ہیں انہیں آہستہ آہستہ ہونے والی معدومیت کی باتوں سے کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی۔ یہ سلسلہ تو کئی زمانوں پر پھیلا ہوا ہے لیکن جو عمل قرآنی آیات مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے وہ بہت شدید معلوم ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الانبیاء کی آیت مبارکہ ۳۱ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کرہ ارض پر پہاڑوں کا وجود زمین کے توازن کا باعث ہے اور یہ تھرتھراہٹ کو روکنے میں مدد دیتا ہے پہاڑوں کو زمین پر کیلوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کلیہ کے مطابق پہاڑ خواہ قدرت کے آہستہ عمل سے معدوم ہوں یا کسی شدید ڈرامائی زلزلہ کی وجہ سے یا آتش فشاں پھٹنے سے یا ان کی حالت میں کسی اور وجہ سے تبدیلی پیدا ہو بہرصورت زمین کے اپنے محور کے گرد گھومنے کے توازن پر خراب اثرات مرتب کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین پر تھرتھراہٹ بڑھتی جائے گی اور اس کی وجہ سے توڑ پھوڑ کا عمل بھی تیز تر ہوتا جائے گا۔

موجودہ سائنس بھی یہی بتاتی ہے کہ اگر تھرتھراہٹ کی شدت ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو وہ جسم جس کے ساتھ ایسا عمل ہو رہا ہو، وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک کی سورۃ النزعٰت کی آیات مبارکہ ۶ تا ۷ میں جس ہلچل اور افراتفری کا ذکر ہے ہوسکتا ہے وہی پہاڑوں کو خاک میں تبدیل کرنے کا سبب بن جائے۔ البتہ پہاڑوں کے دھنی ہوئی اون کی طرح اڑنے کے عمل کا سبب شاید اکیلی تھر

تھراہٹ نہ ہو اور مزید اسباب کی ضرورت ہو۔ انہی میں سے مرکز گریز طاقتوں (Centrifugual) کا بھی دخل ہو سکتا ہے۔

ہم یہ چیز زیر بحث لا چکے ہیں کہ کرہ ارض کی اپنے مدار اور اپنے محور کے گرد رفتار میں جب تیزی پیدا ہوگی تو اس سے باہر کی طرف پھینکنے والی طاقت اندر کی طرف کھینچنے والی طاقت سے بڑھ جائے گی جس کی وجہ سے اور سورج کی بڑھتی ہوئی کشش کے سبب پہاڑ زمین سے اس طرح الگ ہو سکتے ہیں جس طرح کمہار کے کھڑ نگے سے مٹی اڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔

شدید زلزلوں کا سلسلہ، تھرتھراہٹ، پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا، زمین کے اندرونی مغز سے دھماکہ خیز مادہ کا باہر آنا پہاڑوں کا فضاء میں اڑنا، ان سب واقعات کا ایک سبب زمین کا اپنے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھٹنا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ زمین کا اندرونی حصہ سخت ترین دباؤ کا شکار ہے۔ اگر کسی وقت اس توازن میں شدید ہلچل مچ گئی تو زمین ایک بم کی طرح پھٹ پڑے گی جس سے بے پناہ توانائی باہر کی طرف پھوٹ نکلے گی اور ساتھ ہی حد درجہ کی تھرتھراہٹ ہوگی۔ سخت دباؤ والی لہریں ہونگی جس کی وجہ سے پہاڑ زمین سے علیحدہ ہو کر اڑنے لگیں گے۔

ان وضاحتوں سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ زمین کی قیامت بے شمار اسباب سے آسکتی ہے اور حیران کن بات یہ نہیں کہ قیامت کب آئیگی یا کیوں آئے گی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ ابھی تک آئی کیوں نہیں؟ (واللہ اعلم بالصواب)

حدیث مبارک

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! مجھے نصیحت کیجئے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے غصہ پر قابو رکھو، اس شخص نے دوبارہ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ اپنے غصے پر قابو رکھو۔" (بخاری)

باب نمبر 17

ارضی قیامت کب آئے گی

پچھلے ابواب میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قیامت کے کئی مدارج ہیں۔ ہر فرد کی موت بھی اس کی قیامت ہے۔ پھر بڑے بڑے حادثات ہیں وہ بھی بہت سوں کے لئے قیامت بن کر گرتے ہیں۔ یہ سب دنیا کے نظام میں معمول کا حصہ ہیں ان سے آگے وہ واقعات ہنگامی ہیں جن کے اثر سے پوری دنیا متاثر ہوگی۔ مثلاً بڑے پیمانے پر قدرتی آفات جو کہ دراصل قیامت الکبریٰ کا پیش خیمہ ہیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار نشانیوں کی خبر دی ہے جو ان بڑی تباہیوں سے پہلے، تنبیہہ (Warning) کے طور پر بتائی گئی ہیں۔ ہم نے پچھلے ابواب میں قیامت کی ان نشانیوں کو کلام اللہ اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی مدد سے خوب واضح کر دیا ہے۔ معمولی غور وفکر سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقریباً 80 فیصد یہ نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ یوں امکانات کی سائنس (Probability Theory) کے مطابق بقیہ باتیں بھی ویسے ہی پوری ہوں گی جیسے 1430 سال پہلے بتایا گیا تھا۔ اس تجزیات کے مطابق جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے۔ قیامت کے دور میں داخل ہو چکے ہیں اور بڑی بڑی تباہیاں خواہ وہ قدرتی ہوں یا انسانی ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ، پس آنے ہی والی ہیں۔ کل پرسوں، اس سال یا دو ہی بیس سالوں میں الارم بج چکا ہے۔

یہاں تک قیامت الکبریٰ کا تعلق ہے اس میں ابھی دیر ہوگی اسکی تیاری کا سلسلہ ایک لمبے عرصے تک جاری رہے گا اور اس سے پہلے بے شمار نشانیاں یاددہانی کے طور پر ظاہر ہونگی۔ اس حقیقت کا براہ راست حوالہ سورۃ المعارج میں بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝

ایک سائل وہ عذاب مانگتا ہے جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے ۝ اس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ۝ وہ اللہ کی طرف سے ہوگا جو بلندیوں کا مالک ہے ۝ ملائکہ اور روح القدس اس کی طرف عروج کرتے ہیں اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۝ تو آپ صبر جمیل اختیار کرو ۝ وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں ۝ اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں ۝ جس دن آسمان ایسے لگے گا جیسے پگھلا ہوا تانبہ ۝ اور پہاڑ ہو جائیں گے جیسے روئی کے گالے اور کوئی حمایت کرنے والا کسی کی حمایت نہ کرے گا ۝ (سورہ المعارج۔ آیت ۱۔۱۰)

ان آیات کریمہ میں سورۃ المعارج کی آیت "چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس ذات پاک کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار تمہارے حساب سے پچاس ہزار برس ہے" بہت قابل غور ہے۔ہم اس سے یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ شاید کائناتی وقت میں قیامت آنے میں ایک دن رہ گیا ہے تو زمینی لحاظ ابھی پچاس ہزار برس باقی ہیں یا یہ کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔اس کرہ ارض پر رہنے والے انسان کیلئے تو یہ ایک لمبا عرصہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو زمان و مکان سے ماوراء ہے اس کیلئے اس دورانیہ کی کوئی حیثیت نہیں۔وقت کے بارے میں قرآن پاک کی سورۃ سجدہ کی آیت ۵ کے مطابق عالم بالا کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے یعنی قیامت کب آئے گی یہ ایک نسبتی (Relative) بات ہے اور اسکے جواب کا انحصار مشاہدہ کرنے والے پر ہے۔

17.1 نظریہ اضافت، قیامت کا دن اور فرشتوں کی رفتار

مندرجہ بالا آیات مبارکہ صاف طور پر یہ بتاتی ہیں کہ کسی کا ایک دن کسی کا ایک ہزار سال ہوسکتا ہے اور کسی کے پچاس ہزار سال کسی کے ایک دن کے برابر ہوسکتے ہیں۔یہی آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کے نتائج ہیں کہ وقت کے دورانیہ کا انحصار مشاہدہ کرنے والے کے مقام اور اسکی رفتار پر ہے۔جب خلاء میں کسی مسافر کی رفتار بڑھتی ہے تو اس کا وقت سکڑنا شروع ہو جاتا ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ زمین پر ہزاروں سال گزر جائیں لیکن اس کیلئے ابھی ایک دن کا کوئی حصہ ہی گزرا ہو، حتیٰ کہ جب وہ روشنی کی رفتار سے اڑنا شروع کرتا ہے تو اس کیلئے وقت منجمد ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ تمام کائناتوں (Heavens) کا سفر کر کے ابھی واپس آجائے تو اس پر کچھ فرق نہیں پڑے گا، حالانکہ اس دوران زمین پر سینکڑوں سال گزر چکے ہوں گے، اور اگر رفتار روشنی سے زیادہ تیز ہو تو مسافر ماضی میں جا کر وہاں کے حالات بھی بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔

سورۃ المعارج کی آیت مبارکہ کہ "چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس ذات پاک کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار تمہارے حساب سے پچاس ہزار برس ہے" روشنی کے مقابلہ میں فرشتوں کی رفتار کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایک دن میں اس قدر مسافت طے کر لیتے ہیں جو روشنی پچاس ہزار سال میں کرتی ہے۔ہم نے روشنی کی رفتار اس لئے کہا ہے کہ کائناتی سفر کی جب انسان بات کرتا ہے تو یہ مسافتیں ہمیشہ نوری سالوں میں ناپی جاتی ہیں۔اسکا یہ بھی مطلب ہے کہ اگرچہ مادی دنیا کیلئے رفتار کی آخری حد روشنی کی رفتار ہے لیکن روحانی مسافروں مثلاً ملائکہ اور ارواح کی رفتار پر کوئی ایسی حد نہیں۔اوپر دی گئی نسبت کے حساب سے ملائکہ کی رفتار روشنی کی نسبت تقریباً اٹھارہ ملین گنا معلوم ہوتی ہے۔ (۳۶۵x۵۰۰۰۰) ہے۔یعنی روشنی تو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے جبکہ اللہ کے فرشتے ایک سیکنڈ میں بتیس لاکھ ملین میل یعنی بتیس سو ارب میل طے کر سکتے ہیں۔(وَاللہ اعلم)

17. ارضی قیامت کب؟

"ارضی قیامت کب آئے گی"؟ یہ سوال ایک مومن کیلئے اتنا اہم نہیں۔ وہ دل سے یقین رکھتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور آخرت
ے سبھی مراحل برحق ہیں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دراصل آدمی کی قیامت اس کی موت کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک انسان کے
تس کا تعلق ہے کہ یہ عظیم واقعہ کب معرض وجود میں آئے گا؟ قرآن الحکیم اس سلسلے میں واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ یہ خالق کائنات کے رازوں
ں سے ایک راز ہے۔ جس کے متعلق جاننا آدمی کی بساط سے باہر ہے۔ انسان زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں دی گئی نشانیوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ
ب ہمارے کرہ ارض کی قیامت کیلئے سٹیج تیار کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے کئی ایک ظہور پذیر ہو چکی ہیں، کچھ میں سے ہم گزر رہے ہیں اور کچھ واقعات
یسے بھی ہیں جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے۔ مثال کے طور پر دجال یا دابتہ الارض کا ظہور یا سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ابھی باقی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد قیامت کی جلدی آمد کا پہلو بھرپور طور پر
یاں ہے۔ جسے ہم دور سمجھ رہے ہیں ممکن ہے وہ ہمارے دروازے کی چوکھٹ تک پہنچ چکی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دور قیامت کے ابتلاؤں
لے زمانہ میں زندہ ہیں اور سخت تباہی کچھ قدرتی آفات اور کچھ انسانی ہاتھ سے جلد ہی آنے والی ہے۔

زمینی قیامت کب آئے گی کے سلسلہ میں جناب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
لم نے فرمایا" تمہارا (امت مسلمہ کا) اس دنیا میں ٹھہراؤ کا عرصہ پہلی امتوں کے ٹھہراؤ کی نسبت ایسا ہے جیسے پورے دن میں عصر اور مغرب کا
رمیانی عرصہ ہو" (صحیح بخاری)

یہ عرصہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں دو گھنٹے کے قریب بنتا ہے۔ اب اس کرہ ارض پر موجودہ انسانی آبادی شروع ہونے کے
رے میں جو مفروضہ زیادہ صحیح ہے۔ وہ اس زمانے کے ماہر طبعیات سائنس دان مسٹر ڈبلیو ایل سٹوکس کا ہے جس کی تفصیل ایک کتاب
اسینشل آف ارتھ ہسٹری (Essentials of Earth History) میں جو امریکہ کے ایک اشاعتی ادارے پرنٹس ہال نے
شائع کی ہے۔ ان کے حساب سے کرہ ارض پر موجودہ انسانی نسل کو شروع ہوئے تقریباً تیس ہزار سال ہو چکے ہیں۔ اس اندازہ اور چوبیس
گھنٹوں میں سے دو گھنٹے کی نسبت حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی زندگی
تی ہے جس میں سے تقریباً چودہ سو سال تو گزر چکے ہیں۔ یعنی قیامت آنے میں تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ باقی ہے۔

قیامت ہی کے بارے میں ایک اور قیاس یہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی کا زمانہ اتنا چھوٹا نہیں ہو سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت آدم
علیہ السلام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک تیس ہزار سال عرصہ گزرا ہے تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے قیامت تک

کا زمانہ س سے زیادہ ہی ہونا چاہیے کیونکہ آپ ہی پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لیکن یہ سب حساب قیاسات پر مبنی ہیں۔ لہذا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ قیامت کب آئے گی۔ اصل حقیقت کو اللہ ہی کی ذات جانتی ہے جس کا قرآن پاک میں بار بار اعلان کیا گیا ہے اور یہ کبھی بھی آسکتی ہے۔ جہاں تک یوم حشر کا یعنی حساب کتاب والے دن کا تعلق ہے تو اس کا وقوع یوم قیامت کے ساتھ لازم وملزوم نہیں ہے۔ فرض کریں آج بھی اگر زمینی قیامت آجاتی ہے تو حشر کا دن کب ہوگا؟ کسی کو معلوم نہیں۔ اگر یہ کائناتی قیامت کے بعد ہوگا تو ابھی اس میں بڑا لمبا عرصہ باقی ہے۔

لہذا قیامت آنے میں سو سال کا وقت ہو یا سولا کھ، کا ایک ہی بات ہے۔ دراصل ہمیشگی (Infinity) کا مقابلہ کسی بھی مدت سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مقابلے میں کروڑوں سال کا وقفہ بھی ایک آنکھ جھپکنے کا عرصہ ہے۔ لہذا ایک مومن کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ قیامت آنے والی ہے اور ضرور آئے گی چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وہی ذات پاک ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر وہ موت دے گا (اور اس کے بعد) پھر سے زندہ کریگا (لیکن افسوس کہ) انسان کفر سے باز نہیں آتے" (سورۃ المعارج، آیت ٦٦)

17.3 لمحہ فکریہ

پچھلے ابواب میں ارضی قیامت کے ڈراپ سین کی بات ہو رہی تھی۔ لیکن جیسا کہ پہلے بحث ہو چکی ہے کہ بڑے پیمانے پر انسانی ہاتھوں کو قدرتی آفات سے تباہی سر پر ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی قیامت کی نشانیوں کے بارے میں سبھی خبریں صحیح ثابت ہو چکی ہیں۔ اس لئے خالص سائنسی نکتہ نظر سے بھی کہا جاسکتا ہے اگر ابھی تک کی تمام پیشگوئیاں سچ ثابت ہوئی ہیں تو آنے والی پیشگوئیوں پر کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ہولناک تباہیاں سر پر ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "قرب قیامت میں زلزلوں کے آنے میں تیزی آجائے گی"۔ اس کے متعلق میں نے خود دنیا میں پچھلے سو سالوں میں آنے والے زلزلوں کا تجزیہ کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ وقت کے ساتھ واقعی ان میں تیزی آرہی ہے۔ مثلاً 2005 - 1985 تک آنے والے تباہ کن زلزلے اس تمام تعداد سے زیادہ ہیں جو 1900 سے 1985 تک آئے تھے۔ میونخ انشورنس کمپنی جرمنی کے مطابق دنیا میں 1960ء سے پہلے کی نسبت اب قدرتی آفات تین گنا زیادہ ہیں۔ اور مستقبل کے متعلق سائنسی تجزیے بھی ادھر ہی آتے ہیں کہ قدرتی آفات کی بڑھوتری کا سلسلہ ابھی رکنے کا نہیں۔

اب اگر ان تمام سائنسی تجزیوں پیشگوئیوں اور نشانیوں کا جو قرآن پاک یا احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں بنظر غائر ملاحظہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جو کچھ آج سے چودہ سو سال پہلے کہا گیا تھا ان میں سے کچھ واقعات کے آج ہم خود چشم دید ہ ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی میں بلندیاں، معاشرہ میں افراتفریاں، دہشت گردی، بے وجہ قتل، زناکاریاں اور شراب کا کثرت سے استعمال سب باتیں قیامت کی جلد آمد کو دعوت دے رہی ہیں۔ جہاں تک اسلام یا مسلمانوں کا تعلق ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ دین کا علم اٹھالیا جائے گا اور مسلمان اپنی کثرت اور تعداد میں زیادتی کے باوجود دنیا

میں اپنی وقعت کھو چکے ہونگے ، یہ سب قیامت کا قرب ظاہر کر رہی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی کہ مسلمان ہر معاملہ میں یہودیوں اور نصرانیوں کی تقلید کریں گے اسکی سچائی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

17.4 اس سب کا کیا مطلب ہے؟

سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسانیت کیلئے ایک تنبیہہ ہے کہ قیامت سے پہلے کی تباہ کن واقعات اب زیادہ دور نہیں۔ چند سال ادھر یا ادھر (یعنی پہلے یا بعد) کی کوئی بات نہیں اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے اور انسان مسلسل شیطان کے پیچھے لگ کر اپنی تباہی کی طرف خود تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، اس ماحول میں انسان کے لئے اہم ترین سبق یہ کہ لوگ قیامت کی نشانیوں پر غور کر کے عبرت حاصل کریں تا کہ حیات بعد الموت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمسار ہونے سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ ہم آنے والے واقعات کو تبدیل نہیں کر سکتے لیکن یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھلے مواقع (موقع تقدیر) عطاء کئے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو تبدیل کر لیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے (انما الاعمال بالنیات)"

تو آیئے! کم از کم ہم اپنی نیتوں اور ارادوں کو تو سیدھے راستے (صراط مستقیم) پر رکھیں۔

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O

اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے O اللہ کے یہاں یہ بہت اہم اور ناپسند ہے کہ وہ بات کہو جو نہ کرو O (سورۃ الصف، آیت ۲-۳)

عقل مندی کا تقاضا

اگر آپ قیامت کے متعلق قرآن کریم اور احادیث میں دی گئی پیشگوئیوں پر تفکر کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہم قرب قیامت میں زندہ ہیں۔ بیشمار آثار پہلے ہی معرض وجود میں آچکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہے تو حالات کا دھارا اسی طرف جاتا نظر آرہا ہے ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واضح ہدایات دی ہیں جن میں سے کچھ ذیل میں بیان کی جارہی ہیں۔

-1 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ ضروری ہے اور بہت ضروری

ہے کہ تم نیکیوں کا حکم کرتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو ورنہ جلد ہی تم سب پر اللہ تعالیٰ ایسا عذاب بھیجے گا کہ اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگو گے تو وہ دعا بھی قبول نہ کرے گا۔" (ترمذی)

2- ایک اور روایت میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کسی قوم میں اگر ایک شخص بھی گناہ کرنے والا ہو اور وہ اسے روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے ضرور اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔" (مشکوۃ)

3- حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "ہاں اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا اور اس میں کچھ افراد جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دیں گے جو بھی ان کی طرف آئے گا وہ اُسے جہنم میں ڈال دیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ان لوگوں کی پہچان بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی ظاہراً ہماری ہی طرح ہوں گے انکی ہماری جیسی کھال ہوگی اور ہماری جیسی زبان ہوگی میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر یہ فتنے ہمارے سامنے آئیں تو ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو مضبوطی سے تھام لو میں نے کہا: اگر نہ کوئی جماعت ہو اور نہ امام ہو تو اس وقت ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام فرقوں سے علیحدہ رہو یہاں تک کہ اگر تمہیں درخت کی جڑ کھا کھا کر گزارہ کرنا پڑے تب بھی موت آنے تک یہی کرتے رہو۔" (اخرجه البخاری ۱۱ : ۲۰ الفتن)

4- لوگوں کی باہمی رنجشیں دور کرانے اور آپس میں مصالحت کرانے کے بارے میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات انتہائی اہم ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ میں سب سے افضل ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتلایئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! وہ کام اصلاح ذات البین یعنی دو شخصوں کے درمیان اگر رنجش پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے آپس میں صلح کرانا اور فساد ختم کرانا ہے۔"

5- حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں اور (بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے) یہ فرما رہے ہیں کہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوا کتنی پاکیزہ! تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم! (مگر) میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے! ایک مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً تیری حرمت سے بھی زیادہ عظیم ہے' اس کا مال بھی اور اس کا خون بھی۔" (سنن ابن ماجه ص ۲۸۲ وسنن الترمذی)

6- نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے آمنے سامنے لڑنے کیلئے تیار ہو جائیں' تو قاتل اور

مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آ گیا لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ اس نے بھی اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا ہوا تھا۔" (بخاری و مسلم)

-7 حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر آسمان اور زمین والے سب مل کر بھی کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دیں" (ترمذی، مشکوۃ ص ۳۰۹)

-8 حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا ملیا میٹ ہو جانا زیادہ ہلکا واقعہ ہے۔" (ترمذی و نسائی)

-9 نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "حقیقی مومن وہی ہے جس سے لوگوں کے اموال اور جانیں مامون رہیں اور حقیقت میں مہاجر وہ ہے جو اپنے گناہوں اور غلطیوں سے ہجرت (گناہوں کو ترک) کرے" (ابن ماجہ)

-10 حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب دو مسلمان بھائی ایک دوسرے پر اسلحہ اٹھالیں، تو دونوں جہنم کی گھاٹی پر ہوتے ہیں، پھر جب ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں۔" (ابن ماجہ حدیث: ۳۹۶۵)

-11 حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب فتنہ گرم ہو جائے تو اس کے قریب بھی مت جاؤ اور اس سے تعرض نہ کرو (اسے نہ چھیڑو) جب وہ سامنے آئے اور جب وہ تمہیں چھیڑے تو تم فتنہ والوں کو مار دو"

-12 حضرت خالد بن عرفطہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا! "اے خالد بے شک میرے بعد نت نئے مسائل فتنے، فرقے اور اختلاف ہوں گے، جب وہ زمانہ آجائے تو اگر تم قاتل بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے مقتول بندے بننے کی طاقت رکھو تو بن جاؤ۔" (رواہ احمد انب ابی شیبہ وغیرھم)

-13 نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "جس نے ایسے جھنڈے کے نیچے جنگ کی جس کے حق یا باطل ہونے کا علم نہ ہو، جو عصبیت کی خاطر ہو، اور عصبیت کی دعوت دیتا ہو اور عصبیت ہی کی مدد کرتا ہو تو اگر وہ مقتول ہو، تو جاہلیت کی موت قتل ہوا' دوسری روایت میں ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور عصبیت کیلئے جنگ کرے اور عصبیت پر مر جائے' ایک صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عصبیت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا! ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرنا۔" (مشکوۃ)

باب نمبر 18

چاند کی قیامت

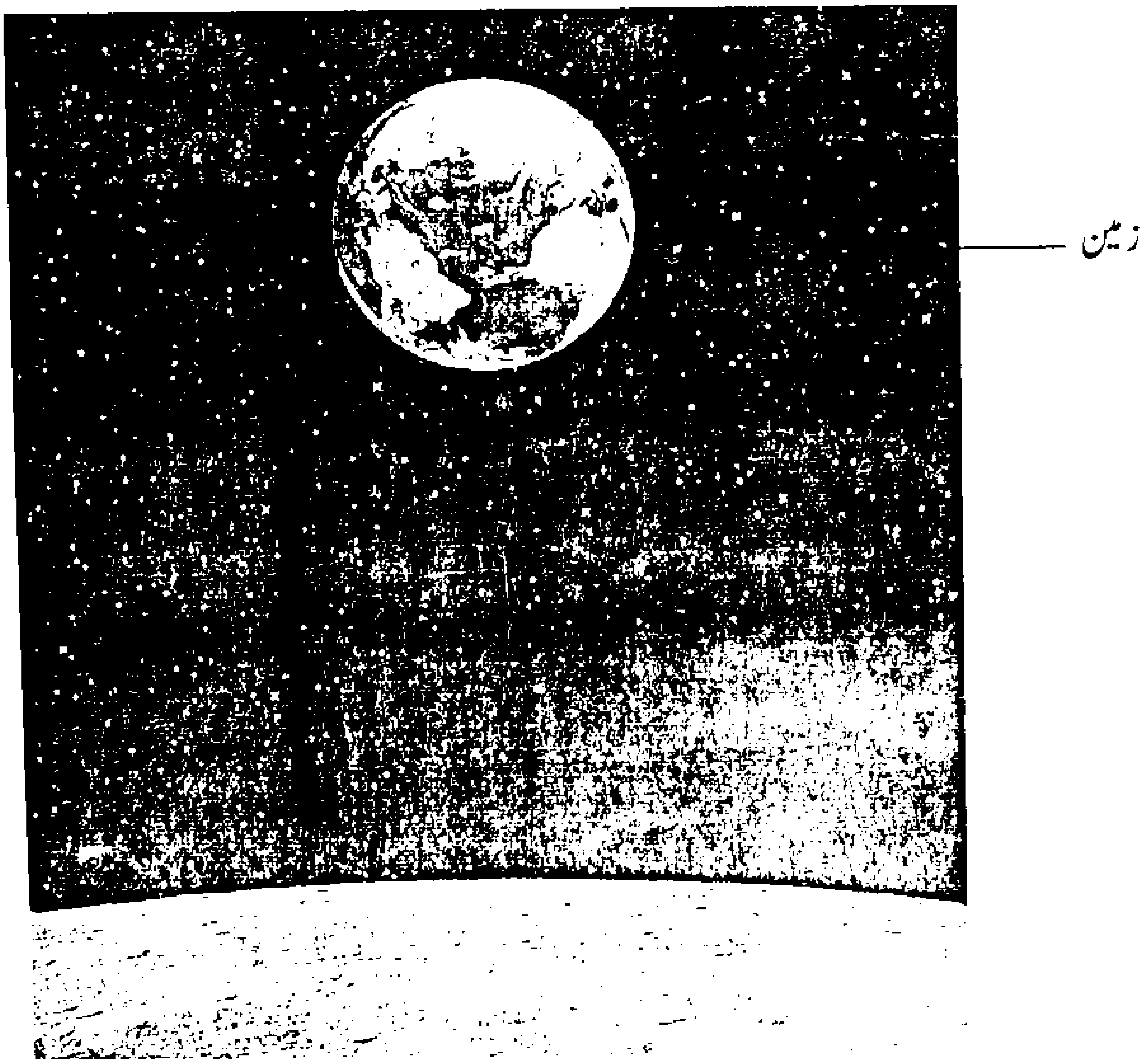
چاند ہمارے کرہ ارض کا سب سے قریبی ہمسایہ ہے جو زمین سے تین لاکھ چوراسی ہزار کلو میٹر دور ہے (شکل نمبر ۲۳ سے استفادہ کریں)۔ یہ حسین سیارہ ہمارے سمندروں میں مدوجزر کا باعث ہے اور یوں سمندری زندگی اسی کی مرہون منت ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ چاند ایک مردہ زمین ہے لیکن بعض اوقات آتش فشاں لاوے کے پھوٹنے کا عمل وہاں پر بھی دیکھا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابھی اس میں زندگی کے آثار باقی ہیں۔ چاند پر بھی شہابوں یا سیارچوں سے پتھراؤ ہوتا رہتا ہے جن کی وجہ سے اس کی سطح گردوغبار سے اٹی پڑی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ کرہ ارض کیلئے چاند ایک پردیسی ہے۔ اس کے وجود کے بارے میں ایک جدید نظریہ یہ ہے کہ کس زمانے میں یہ شمسی نظام میں کوئی آوارہ سیارچہ تھا اور اس کا زمین سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن تین چار ارب سال پہلے کچھ ایسا ہوا کہ یہ ہمارے کرہ ارض کے نزدیک پہنچ گیا اور زمین کی گرفت میں آ گیا۔ (۲۱) اس کے بعد بھی چاند اپنے (Momentum) سے زمین کی نزدیکی اختیار کرتا رہا اور تقریباً ایک بلین سال پہلے زمین سے اس کا فاصلہ صرف ایک لاکھ اسی ہزار کلو میٹر رہ گیا تھا پھر کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ چاند نے دوری اختیار کرنا شروع کر دی۔ چاند کی اس واپسی کی وجوہات ابھی اچھی طرح سمجھی نہیں گئی ہیں۔ آجکل یہ ہمارے کرہ ارض سے تین لاکھ 84 ہزار کلو میٹر دور ہے لیکن وہاں بھی یہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے بلکہ ہر سال اسکا مدار تقریباً چار سینٹی میٹر کے برابر زمین سے دور ہو رہا ہے۔ اگر یہ فاصلہ اسی طرح بڑھتا رہا تو ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ یہ دوبارہ زمین کی گرفت سے باہر نکل جائے اور بالاخر سورج سے مل جائے۔ سائنس کے طالب علموں کو بے شک یہ دیکھ کر حیرانی ہوگی کہ قرآن پاک کی سورۃ قیامت آیات ۸ تا ۹ میں چاند کے سورج میں شامل ہو جانے کی پیشگوئی آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے آئی تھی اور سائنس بیسویں صدی میں جا کر اس پر تحقیق کر رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا چاند کی بھی قیامت ہوگی اور اگر ایسا ہے تو کب ہوگی، قرآن پاک اس معاملے میں بھی خاموش نہیں اور صاف انکشاف کرتا ہے کہ چاند کو بھی اپنی قیامت سے دوچار ہونا پڑے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ چاند اپنا خاتمہ کرہ ارض سے بھی بہت پہلے دیکھ لے۔ ذیل میں قرآن پاک کے حوالے سے اب کچھ واقعات پر بحث کریں گے۔

شکل نمبر 23:   زمین کا چاند سے منظر

زمین حسین ترین سیارہ ھے۔ یہ انسان کا مسکن ھے۔ خلا نوردوں کو چاند سے یہ رنگا رنگ کا خوبصورت گولہ نظر آتا ھے جس پر قرآن پاک کے انداز میں دن رات روشنی اور سیاھی کی دوپٹیوں کی شکل میں ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ھوئے نظر آتے ھیں۔ زمین کا وزن ۶۶۰۰،۰۰۰،۰۰۰ کھرب ٹن ھے اور اس کے اندر کے مغز پر تقریباً چھ کروڑ پونڈ فی مربع انچ کا دباؤ ھے۔ یہ فضاء میں سورج کے گرد ۱۹ میل فی سیکنڈ کے حساب سے چکر کاٹ رھی ھے۔ اپنی فطرت میں انتہائی متحرک (Dynamic) سیارہ ھے جس کا توازن ایک معجزہ سے کم نھیں۔ اگرچہ توازن میں تھوڑی سی بھی کمی آجائے تو زمین پر رھنے والوں کیلئے تباہ کن نتائج برآمد ھونگے۔ چاندپر کھڑے ھو کر لی گئی مندرجہ ذیل تصویر میں زمین کے سمندر اور بادل بھی نظر آرھے ھیں۔



چاند سے زمین کی تصویر

18.1 چاند کا سورج سے مل جانا

قرآن پاک کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارضی قیامت سے پہلے ہی چاند ہمارے کرہ ارض کی ثقل کی طاقت سے باہر نکل جائے گا اور سورج کی گرفت میں آ کر بالاخر تباہ ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی سورۃ قیامہ کی آیات مبارکہ (۹۔۸) بہت غور طلب ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَخَسَفَ الْقَمَرُO وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُO

اور چاند کو گرہن لگے گاO اور سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہو جائیں گے O

(سورۃ القیامہ، آیات ۸تا۹)

ان آیات میں جس ترتیب سے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں زمین سے چاند کا نظر آنا دھندلا جائے گا اور بعد میں یہ سورج میں گر پڑے گا۔ چونکہ چاند کی روشنی سورج سے مستعار ہے اس لئے اس پر دھند چھا جانے کی بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں آسان ترین وضاحت یہ ہے کہ ایسا زمینی اور شمسی فضاء میں آلودگی کی وجہ سے ہوگا جو سورج کی روشنی کو چاند تک اور چاند کی روشنی کو زمین تک پہنچنے نہیں دے گی۔

اس آلودگی کی بھی کئی وضاحتیں ہو سکتی ہیں۔ انہی میں سے ایک شہابی بارش ہے اور یہ نظریہ ہم پہلے ہی زیر بحث لا چکے ہیں۔ دوسری وضاحت ٹکراؤ کا نظریہ ہے کہ کسی شہابیہ سے ٹکراؤ کی وجہ سے زمین کی فضا گرد و غبار سے بھر جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب زمین اپنے محور سے ہٹ کر سورج کی طرف بڑھنے لگے گی تو چاند بھی سورج کی طرف تیزی سے کھسکنا شروع ہو جائے گا۔ سورج اپنی زیادہ ثقل کی طاقت سے چاند کو کھینچ کر ہڑپ کر لے گا۔ اس نظریہ کے حق میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے شمسی نظام کے دو سیارے یعنی عطارد اور زہرہ جو زمین کے مقابلے میں سورج کے زیادہ نزدیک ہیں، ان دونوں کا آج کل کوئی چاند نہیں۔ زیادہ تر یہی خیال ہے کہ دوسرے سیاروں کی مانند ان کے بھی چاند تھے لیکن سورج اپنے قرب کی وجہ سے انہیں کھا گیا۔

مستقبل بعید میں سورج اور چاند کے اکٹھے ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج اپنے حجم میں آہستہ آہستہ اضافہ کر رہا ہے اور اگر آئندہ چند بلین سال تک سورج یونہی پھیلتا گیا تو وہ ایسی جگہ پہنچ جائے گا کہ پہلے چاند کو اور بعد میں زمین کو بھی اپنی طرف کھینچ کر ہڑپ کر لے گا۔

غرض یہ کہ چاند کا سورج میں گر کر تباہ ہونا ایک ایسی بات ہے جس کے بہت سے امکانات ہیں۔

18.2 چاند کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا

کرہ ارض کی قیامت کے حوالے سے چاند کے مقدر کے بارے میں ایک اور اہم واقعہ قرآن پاک کی سورۃ القمر کی آیت ا میں ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے چاند بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اس کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ اس کا سورج میں گر کر تباہ ہو جانے کا واقعہ اس کے ٹکڑے ہونے کے بعد کا ہے اور یہ ارضی قیامت کے سلسلے کی اہم نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○

قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا ○ (سورۃ القمر، آیت ا)

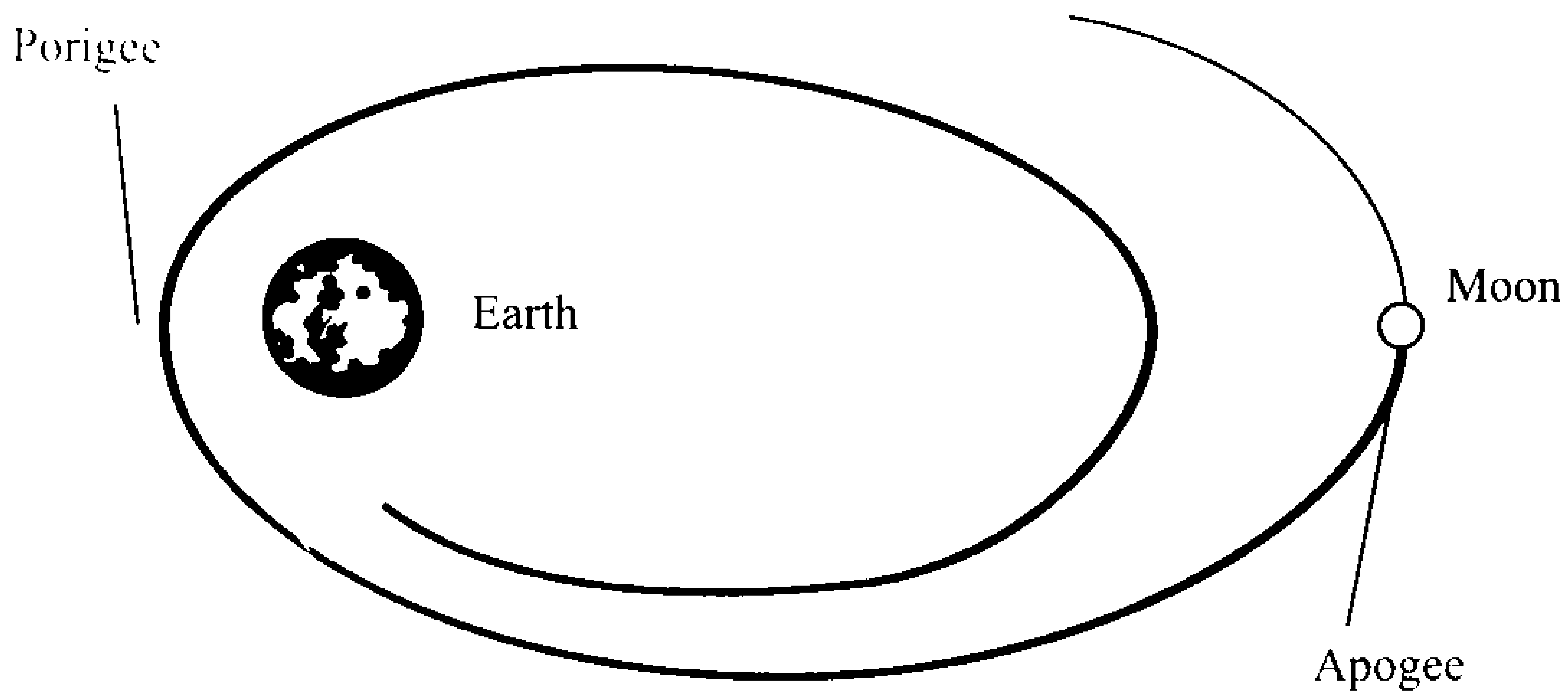
اس آیت مبارکہ سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے چاند لازمی پھٹ جائے گا۔ کیسے؟ یہ سوال سائنسی دنیا کیلئے تحقیق کا اہم موضوع ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کی بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً کوئی اجرام فلکی یا شہاب چاند کے ساتھ آ ٹکرائے یا چاند کے اندر کوئی دھماکہ ہو جس سے یہ دو یا دو سے زیادہ ٹکڑوں میں ٹوٹ جائے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ٹوٹنے کے بعد بھی اپنی ثقل کی طاقت سے یہ ٹکڑے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس حد تک نہیں جاتی کہ چاند ہمیشہ کیلئے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گا۔

اس سلسلے میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے معجزانہ شق القمر کا حوالہ بھی دے سکتے ہیں کہ اس زمانے میں چاند کے ٹکڑے ہوئے اور پھر جڑ گئے۔ اجرام فلکی کا پھٹنا، پھٹ کر جڑنا وغیرہ خالق کی قدرت کے تخلیق در تخلیق کی شان کا حصہ ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہے کرسکتا ہے۔ (سبحان اللہ) اور فی زمانہ مشاہدے بتاتے ہیں کہ اس وسیع وعریض کائنات میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ **(واللہ اعلم بالصواب)**۔

شکل نمبر 24:   چانداوراس کی قیامت

زمین سے باہر آسمانوں میں ہمارے لئے چاند حسین منظر پیش کرتاہے۔ یہ زمین سے ۳۸۴،۰۰۰ کلومیٹر دور ہمارے سمندروں میں مدوجزر لانے کا کام کرتا ہے۔ ہمارے موسموں میں خوشگوار تبدیلیوں کا باعث ہے۔ آج سے تقریباً چار ارب سال پہلے یہ زمین کے قابو میں آیا اور تب سے یہ اس کی گرفت میں ہے۔ لیکن آج کل ہر سال تقریباً چار سینٹی میٹر یہ سورج کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو اندازہ ہے کہ تیس تیس لاکھ سال کے بعد سورج زمین سے چاند کو چھین لے گا۔ لیکن یہی کچھ کسی حادثہ کی وجہ سے بہت پہلے بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً کسی بڑے شہاب کی چوٹ سے چاند زمین کی کشش سے نکل کر بہت جلد سورج میں گر سکتا ہے اور فضاء میں بھی گم ہوسکتاہے۔ چاند کی قیامت اس کے اندر کے آتش فشانی مادہ کے دبائو سے پھٹنے سے بھی آسکتی ہے۔

The Moon is drifting away and ultimately it may fall into the Sun:



باب نمبر 19

شمسی نظام کی قیامت

اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ O عَلَّمَهُ الْبَيَانَ O اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ O وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ O وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ O

وہ رحمٰن ہے۔اس نے قرآن سکھایاO اس نے انسان کو پیدا کیاO اس نے اسے بیان سکھایاO سورج اور چاند کو حساب سے بنایاO ستارے اور درخت اسے سجدہ کرتے ہیںO اور آسمان کو رفعت بخشی اور توازن قائم کیاO (سورہ الرحمٰن۔آیت ا۔۷)

پچھلے چند ابواب میں ہم زمین اور چاند کی قیامت پر بحث کر چکے ہیں اب ہم پورے شمسی نظام کی قیامت کا ذکر کریں گے۔اس سلسلے میں قرآن پاک کے انکشافات جس اہم واقعہ کی نشاندہی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سورج اپنی قیامت سے پہلے کہکشاں (Milky Way) میں اپنے مدار سے ہٹ جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت سائنسی اندازوں کے مطابق سورج ملکی وے میں اپنے مدار پر پچیس کروڑ سالوں میں ایک چکر مکمل کرتا ہے (بالکل اسی طرح جس طرح ہماری زمین ایک سال میں سورج کے گرد ایسا چکر مکمل کرتی ہے گویا سورج کا ایک سال ہمارے پچیس کروڑ سالوں کے برابر ہے) فلکیاتی ماہرین کے مطابق سورج کا اپنے مدار سے ہٹنے کا واقعہ اس کے نزدیک کی فضاء میں کسی دوسرے ستارے کے پھٹنے کی وجہ سے ظہور پزیر ہو سکتا ہے اور اپنے کائناتی سفر میں سورج کسی اور اجرام فلکی سے بھی ٹکرا کر ختم بھی ہو سکتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ سورج کوئی واحد ستارہ نہیں بلکہ کائنات میں اس جیسے اربوں کھربوں ستارے اور بھی ہیں جن میں سے اکثر اس کی نسبت بہت بڑے ہیں یعنی کائنات میں سورج درمیانے درجہ کا ایک معمولی ستارہ ہے اور جیسے شکل نمبر ۲۴ میں دکھایا گیا ہے یہ سب ستارے کسی نامعلوم منزل کی طرف ہر آن انتہائی تیز رفتاری سے رواں دواں ہیں۔ان کے آپس میں حادثے ایک معمولی بات ہے۔

19.1 سورج کا سفر

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ آج سے چند صدیاں پہلے فلکی ماہرین اس نظریہ کے حامی تھے کہ سورج

ساکن ہے اور آسمانوں میں ایک خاص جگہ قائم و دائم ہے۔ جبکہ زمین اپنے محور کے گرد بھی اور سورج کے گرد بھی چکر کاٹتی ہے لیکن جیسے جیسے سائنس ترقی کرتی گئی تو معلوم ہوا کہ جامد سورج کا نظریہ غلط تھا۔ یوں پچھلی صدی میں اس نظریہ کو مشاہدات کی بناء پر رد کرنا پڑا اور معلوم ہوا کہ سورج کہکشاں میں ایک متحرک ستارہ ہے۔ لیکن قرآن پاک کے طالب علموں کیلئے بالکل یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ ان سائنسی مشاہدات و تجربات سے بارہ سو سال پہلے دنیا کو صاف طور پر بتا چکا تھا کہ سورج مسلسل ایک حساب سے اپنے سفر پر کائنات میں رواں دواں ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ O

اور سورج اپنے محور پر گردش کرتا ہے یہ حکم ہے ہمیشہ کے لئے زبردست علم والے کا O

(سورۃ یٰسین، آیت ۳۸)

کہکشاں میں سورج کا یہ سفر پیچیدہ بھی ہے اور پر خطر بھی۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ سفر سیدھ میں نہیں بلکہ وہ ایک خاص مدار پر چکر کاٹتے ہوئے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ (شکل نمبر ۲۶، ۲۵)

خلائی سائنسدان اور ماہرین طبعیات میں سے جیمز گلیک (Jemes Gleik) کے مطابق اگر ہماری زمین سورج کے ارد گرد انیس میل فی سیکنڈ کے حساب سے حرکت پذیر ہے تو سورج کہکشاں کے تاروں کے جھرمٹ کے درمیان ۲۰۰ میل فی سیکنڈ کے حساب سے دوڑ رہا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ کہکشاں از خود بھی چھ سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے کسی انجانی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور کہکشاں میں باقی ستاروں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سب بھی اپنے اپنے مداروں میں اپنی اپنی رفتاروں سے حرکت پذیر ہیں۔ اربوں کہکشاں میں کئی ایسے علاقے ہیں جہاں ستاروں، سیاروں اور شہابوں اور گوناگوں فلکی اجسام کی بھیڑ ہے اور قربت کی وجہ سے وہاں حادثات بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں جب سورج داخل ہوگا تو وہاں ستاروں کے ساتھ ٹکراؤ کے امکانات بہت بڑھ جائیں گے۔

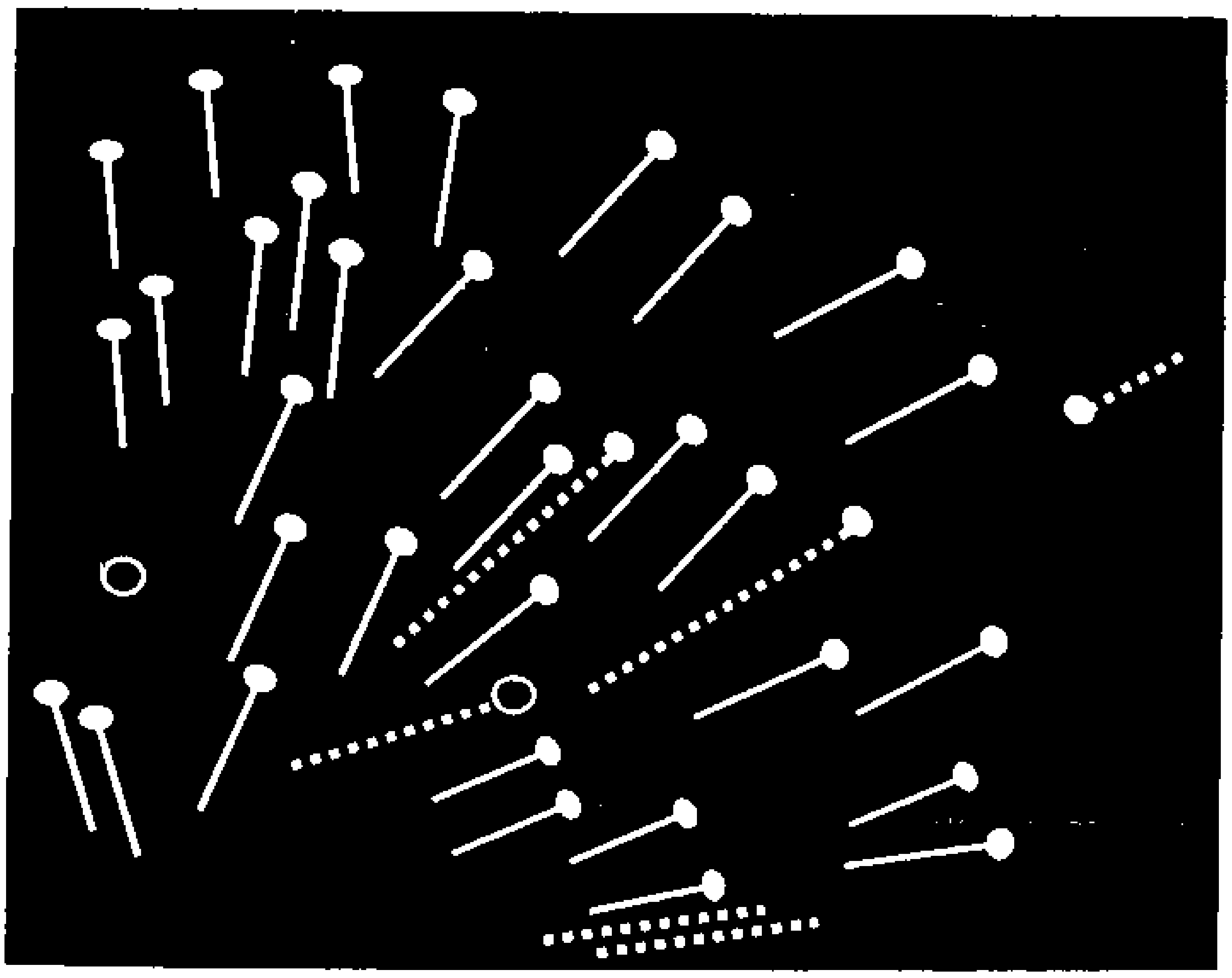
19.2 شمسی حادثہ کا امکان

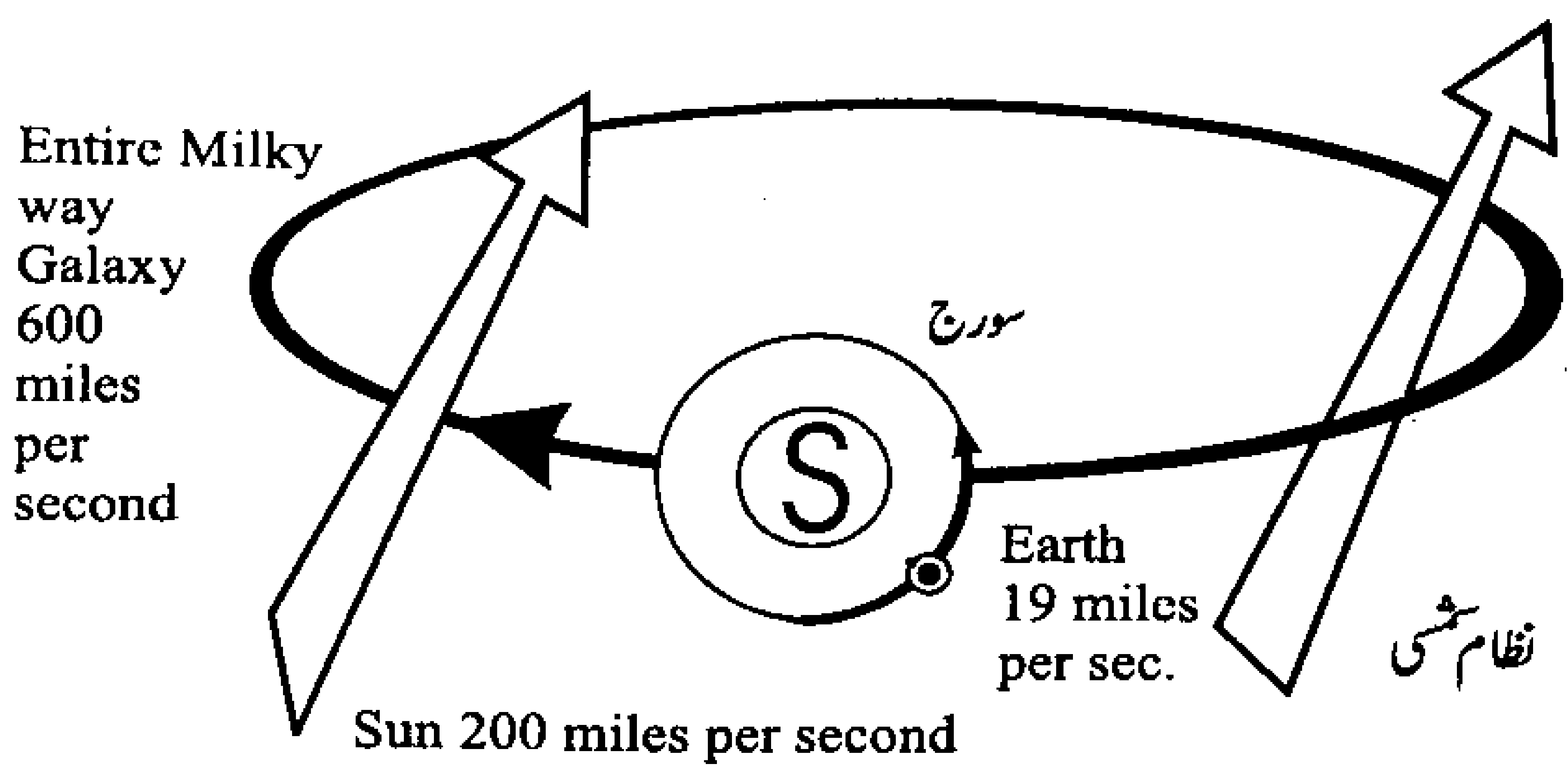
جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اپنے خاندان کے ساتھ سورج سیدھی لکیر میں چلنے کی بجائے ہچکولے کھاتا آگے بڑھ رہا ہے۔ شکل نمبر ۲۶ اس حرکت کی ایک تصویر ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی شرابی ٹرک چلا رہا ہو۔ اگر دوسرے ستارے بھی کچھ ایسے ہی سفر کر رہے ہوں تو فضائی حادثات کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک حادثہ کسی دوسرے حادثے کا سبب بن جاتا ہے اور حادثات کی

شکل نمبر25:   کائنات میں دوڑ

کائنات میں اربوں کھربوں ستارے اور فلکیاتی نظام، کہکشائیں سبھی اپنی اپنی منزل کو رواں دواں ہیں۔ ہماری گلیکسی تقریباً اکیس لاکھ ساتھ ہزارمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگی جارہی ہے۔ اسی میں ہمارا سورج اپنے پورے خاندان کے ساتھ ساتھ تقریباً سات لاکھ بیس ہزار میل فی گھنٹہ سے سفر طے کر رہا ہے اورزمین سورج کے گرد تقریباً اڑسیٹھ ہزارچار سو میل فی گھنٹہ سے تیر رہی ہے۔ غرض کہ کائنات میں ایک دوڑ لگی ہوئی ہے جن میں بے شمار قسم کے شہاب اور فلکیاتی اجسام ہیں جو کبھی بھی ٹکرا کر کسی بھی ستارہ یا سیارہ کو آناً فاناًتباہ کر سکتے ہیں۔ اگر اب تک ایسا نہیں ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی کرم ہے۔ اوپر دی گئی تصویر میں اسی دوڑ کا ایک نتیجہ ہے۔

ہر سفید ڈاٹ ایک گلیکسی کو ظاہر کرتی ہے۔





ایک لڑی چل پڑتی ہے (Chain Reaction) قرآن پاک سے یوں لگتا ہے کہ شمسی نظام کی تباہی بھی کسی ایسے ہی کہکشانی حادثہ کے نتیجے کی وجہ سے ہوگی۔ ایک وقت آئے گا جب ملکی وے (Milkyway) میں افراتفری کا دور ہوگا۔ نہ صرف سورج بلکہ بے شمار دوسرے ستاروں کی قیامت بھی اس کے ساتھ ہی آجائے گی۔ اس سلسلہ میں سورۃ تکویر کی آیات کریمہ ۱ تا ۳ یہاں پھر دہرائی جاتی ہیں۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ O وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ O وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ O

جب سورج لپیٹا جائے گا O اور جب تارے دھندلا جائیں گے O اور جب پہاڑ فضا میں اڑ رہے ہونگے O

(سورۃ تکویر، آیات ۱ تا ۳)

ان آیات مبارکہ میں نہ صرف سورج کی بربادی کا منظر ہے بلکہ دیگر ستاروں کا بھی ذکر ہے جو کہ ایک ساتھ تباہ ہورہے ہونگے جو شمسی قیامت کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہوسکتا ہے یوں ایک کے بعد دوسرے ستارے کی قیامت آتی رہے گی اور باری باری کئی اجرام فلکی تباہ ہوجائیں گے۔ ستاروں کے گدلے ہونے کی وجہ آسمانی فضا کا گردوغبار سے بھر جانا بھی ہوسکتا ہے۔

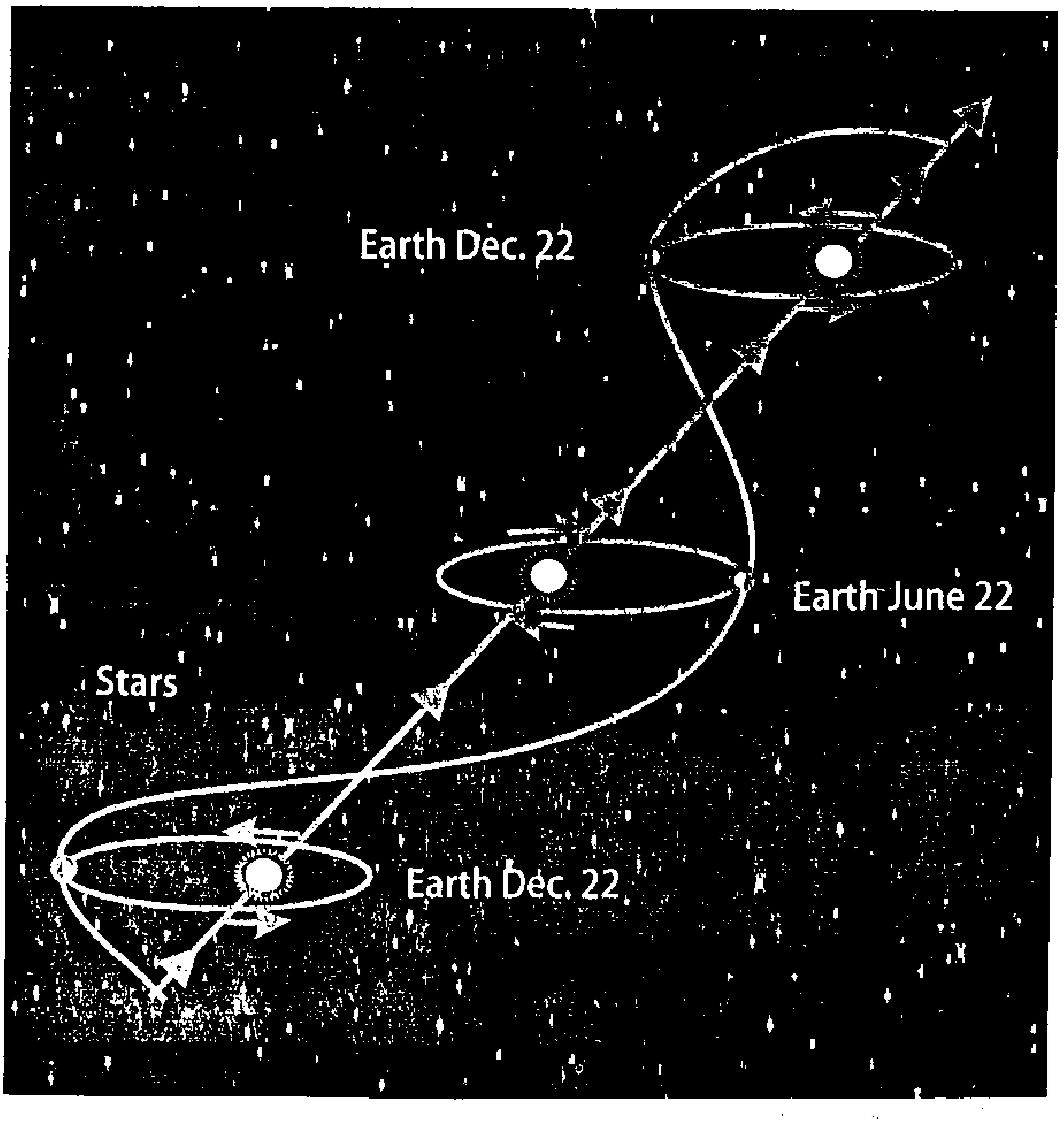
جدید فلکی ماہرین کی سوچ کے مطابق سورج کی قیامت کسی دوسرے ستارے میں دھماکے کی وجہ سے بھی ظہور پذیر ہوسکتی ہے۔ سائنس یہ دیکھ چکی ہے کہ ایسے دھماکے اکثر ستاروں میں اس وقت رونما ہوتے ہیں جب ان کے اندر کا ایندھن جل کر ختم ہوجاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھٹ جاتے ہیں اور اندر سے اٹھنے والی دباؤ کی لہریں جب اس کی بیرونی سطح سے ٹکراتی ہیں تو اسے پاش پاش کردیتی ہیں اور یوں اس ستارے کا ملبہ فضاء میں دور دور پھیل جاتا ہے۔

دیکھا جاچکا ہے کہ تباہ ہونے والے ستارے سے کم وبیش ایک سوملین (دس کروڑ) میل فی گھنٹہ کے حساب سے ایک طوفان اٹھتا ہے اور اس طرح سے جو توانائی باہر آتی ہے وہ کئی بلین (اربوں) سورجوں کی توانائی سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہے جو دور دور تک مار کرتی ہے اور نزدیکی ستاروں پر بھی اس کے تباہ کن اثرات پڑتے ہیں۔ اگر اور کچھ نہ بھی ہو تو قریبی فضا تو گردوغبار سے ضرور بھر جاتی ہے اور اگر اس فضاء میں کوئی زمین ہو تو وہاں بھی زندگی اچانک مٹ جائیگی۔ اس کے علاوہ فضائی گردوغبار اور آلودگی کی وجہ سے باہر کی دنیا سے دیکھنے والوں کیلئے ستارے گدلے ہو جاتے ہیں یعنی انکی چمک ماند پڑجاتی ہے اور کئی ایک تو اس غبار میں نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ستارہ دھماکہ سے دوچار ہو تو وہ ساتھ والے ستارے تک اپنی آگ پہنچادے یعنی اس کو بھی دیا سلائی دکھلادے اور پھر یہ بھڑ کنے کا عمل سلسلہ در سلسلہ (Chain Reaction) بڑھتا ہی جائے۔ (شکل نمبر ۲۷) قرآن پاک سورۃ تکویر کی آیات مبارکہ ۱ تا ۳ شمسی نظام کی قیامت کے وقت اس قسم کے عمل در عمل کی نشاندہی بھی کرتی نظر آتی ہیں۔

شکل نمبر 26:   سورج مسلسل سفر میں ہے

آج سے چند صدیاں پہلے سائنسدان یہ سمجھتے تھے کہ سورج ساکن ہے اور کائنات اس کے گرد گھومتی ہے۔ یکن قرآن حکیم نے چودہ صدیاں پہلے ہی یہ اعلان کیا تھا کہ سورج مسلسل سفر میں ہے اور اس کا راستہ مقرر کر دیا ئیا ہے۔(سورۃ یسین، آیت۳۸) شکل نمبر ۲۶ کائناتی دنیا میں سورج کے راستہ کی تصویر ہے۔ اس تصویر میں چھوٹی ھوٹی ڈاٹیں ان اربوں کھربوں دوسرے ستاروں کی ہیں جن سے بچ بچ کر یہ اپنے سفر پر گامزن ہیں۔ جدید سائنس نے معلوم کیا ہے کہ اپنے سفر میں سورج ڈگمگاتا (Wobble) ہے اور یہ ڈگمگانا اس کی زندگی کیلئے بہت ہی خطرناک وسکتا ہے۔ زمین پر ہم بھی سورج کے ساتھ ساتھ ایک سال میں تریسٹھ کروڑ میل کا سفر طے کر کے آسمانوں میں آگے ڑھ رہے ہیں۔ یعنی جس جگہ ہم کل تھے آج اس سے تقریباً بیس لاکھ میل آگے جا چکے ہیں لیکن ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہیں اپنی قیامت گاہ کی طرف تو گامزن نہیں؟ اس سوال کا ابھی تک کوئی جواب نہیں مل سکا۔



19.3 سورج کے آہستہ آہستہ موت کا متبادل سائنسی نظریہ

اب تک ہم جو کچھ زیر بحث لا چکے ہیں وہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ شمسی نظام کا خاتمہ اچانک ظہور پذیر ہوگا اس کے متبادل ایک اور سائنسی نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ سورج اپنے بڑھاپے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔ ہم پہلے بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ سورج کی توانائی کا ماخذ اس میں ہائیڈروجن بم جیسے بیک وقت اربوں دھماکے ہیں۔ یہ عمل ایٹموں (Atoms) کے جڑاؤ (Fusion) کا عمل ہے۔ ہائیڈروجن گیس کے ایٹم آپس میں زبردست ٹکراؤ اور دباؤ سے مل کر نئے ایٹم ہیلیم (Helium) کی تخلیق کرتے ہیں اور اس عمل میں کچھ مادہ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ سورج میں ہائیڈروجن کا ایندھن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ایک مدت کے بعد اس کے یہ ذخائر بالکل ہی ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے اگر کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر نہیں بھی ہوتا تب بھی سورج کی قیامت اس کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ (شکل نمبر ۲۸ میں ملاحظہ فرمائیے)۔ ان سب پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے پال ڈیویز (۱۰) نے ہمارے شمسی نظام کے خاتمے کیلئے مندرجہ ذیل سائنسی منظر پیش کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"جہاں تک اس کائنات میں ہمارے مقامی خطہ (اس کرہ ارض) کا تعلق ہے تو اس کا مقدر سورج کے مقدر کے ساتھ وابستہ ہے۔ زمین پر زندگی سورج کی روشنی سے پھلتی پھولتی ہے اور شمسی نظام کے موجودہ توازن میں کسی انتشار کی وجہ سے ہم بھی تباہی و بربادی سے دوچار ہو جائیں گے۔ سورج کی شمسی توانائی کے بھڑکنے اور جھپکنے کے عمل میں اگر کمی بیشی ہو تو اس کی وجہ سے ہماری اس زمین پر زندگی ختم بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت سورج سے باقاعدگی کے ساتھ جو حرارت پہنچتی رہتی ہے اس میں تبدیلی سے زمین کی آب و ہوا کا موجودہ نازک نظام بھی درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اپنا توازن کھو دے تو اس سے ہم منجمد زمانے والی حالت سے دوچار ہو سکتے ہیں اور جل کر راکھ بھی ہو سکتے ہیں۔ شمسی نظام کی مقناطیسی قوت میں تبدیلی بھی ہمارے کرہ ارض کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ شمسی ذرے ہر آن ندی کے بہاؤ کی طرح ہماری زمین کی سطح پر پہنچتے رہتے ہیں، ان میں کمی بیشی بھی ہمارے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ کسی نزدیکی ستارے میں دھماکہ بھی ہماری زمین کو تابکاری کے مہلک اثرات سے بھگو سکتا ہے اور اگر ہمارے شمسی نظام کے نزدیک کسی "بحر ظلمات (Black Hole)" کا گزر ہو گیا تو یہ بھی ہماری دنیا کیلئے انتہائی جان لیوا ہو سکتا ہے اور ہمارے شمسی نظام میں ایک غیر محدود پتھراؤ کا عمل بھی شروع ہو سکتا ہے۔"

"اگر ہم یہ مفروضہ بھی اپنالیں کہ ہمارا کرہ ارض ان تمام ناخوشگوار حالات یا واقعات سے بچ نکلے گا تو ہمیں اتنا تو باور کرنا ہی پڑے گا کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہ سکتے۔ ہمارا سورج جو ایک بھٹی کی طرح بے پناہ ایندھن خرچ کر کے توانائی پیدا کر رہا ہے، یہ آئندہ پانچ بلین سالوں سے زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکے گا۔ ظاہراً یہ بے شک بہت زیادہ عرصہ ہے لیکن کائنات کی عمر تقریباً اٹھارہ بلین سال بتائی جاتی ہے اس کے مقابلے میں سورج کی بقیہ زندگی بہت تھوڑی ہے"۔

شکل نمبر 27: ستاروں کی قیامت کے مختلف عوامل

جس طرح کسی آدمی کی موت کے کئی بہانے ہیں اسی طرح ستارے ہوں یا زمینیں ان کی قیامتیں بھی کئی طرح سے آسکتی ہیں۔ مندرجہ ذیل شکل میں کسی ایک ستارہ کی قیامت کے تین مختلف ممکنہ طریقے دکھائے گئے ہیں پہلا یہ ہے کہ ستارے کا جب ایندھن ختم ہوجاتا ہے تو وہ اپنی کشش ثقل سے سکڑ سکڑ کر انتہائی کثیف ہونا ستارہ بن کر زبردست دھماکہ سے پھٹ جاتا ہے لیکن یہ تباہی کسی بھی وقت کسی اور ستارے کے ٹکرانے سے بھی آسکتی ہے۔اس کے علاوہ تباہی کا سبب کوئی ساتھی ستارہ بن سکتا ہے۔ مثلاً اگر اپنے آسمانی سفر میں دوستارے بہت قریب ہوجائیں تو باہمی کشش ثقل سے وہ ایک دوسرے کے مادہ کو ہلا کر رکھ دیں گے جس سے ان کا توازن کھوسکتا ہے اور وہ ان کی قیامت کا باعث بن سکتا ہے۔

Fig 27.1

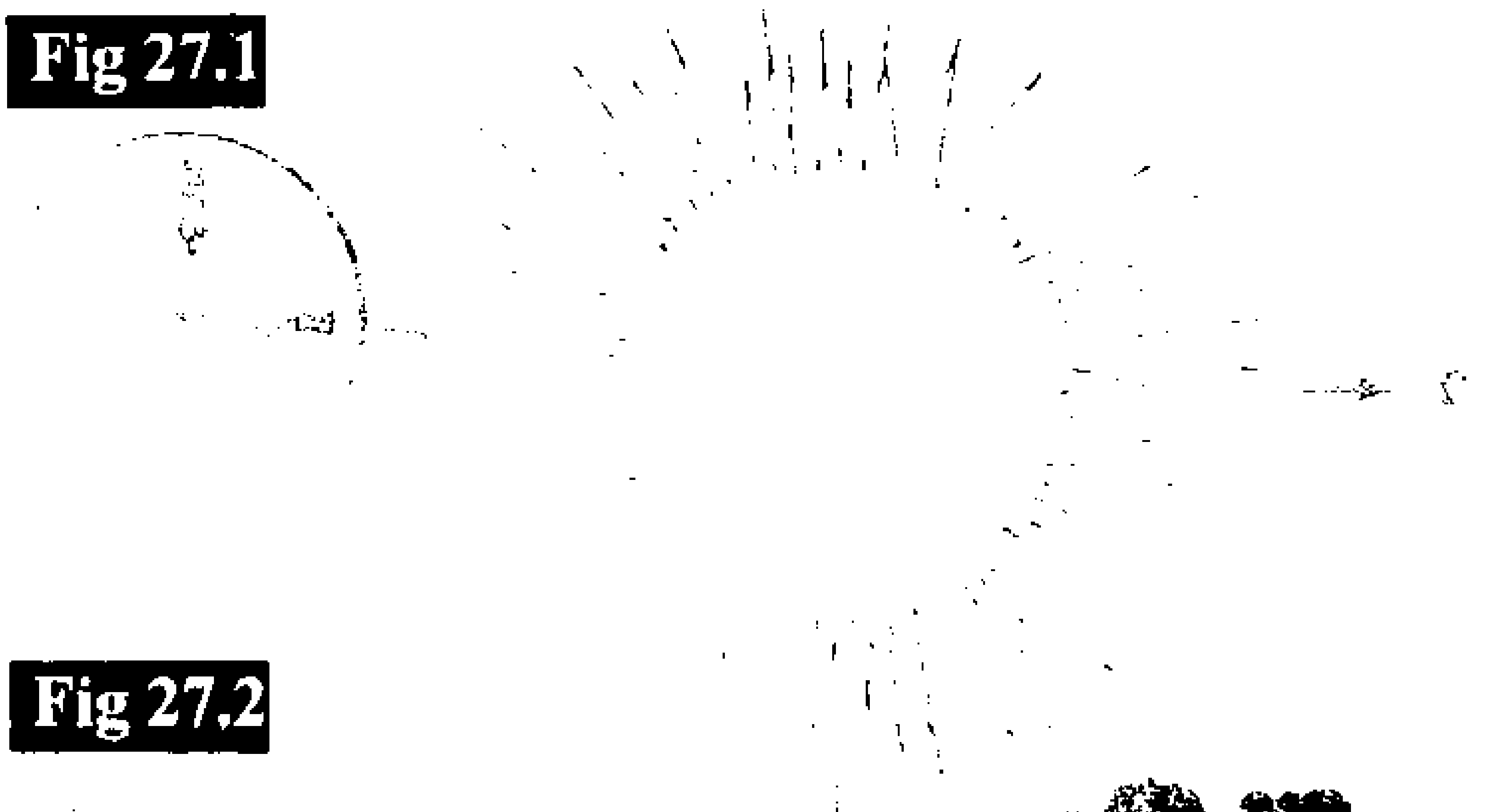


Fig 27.2

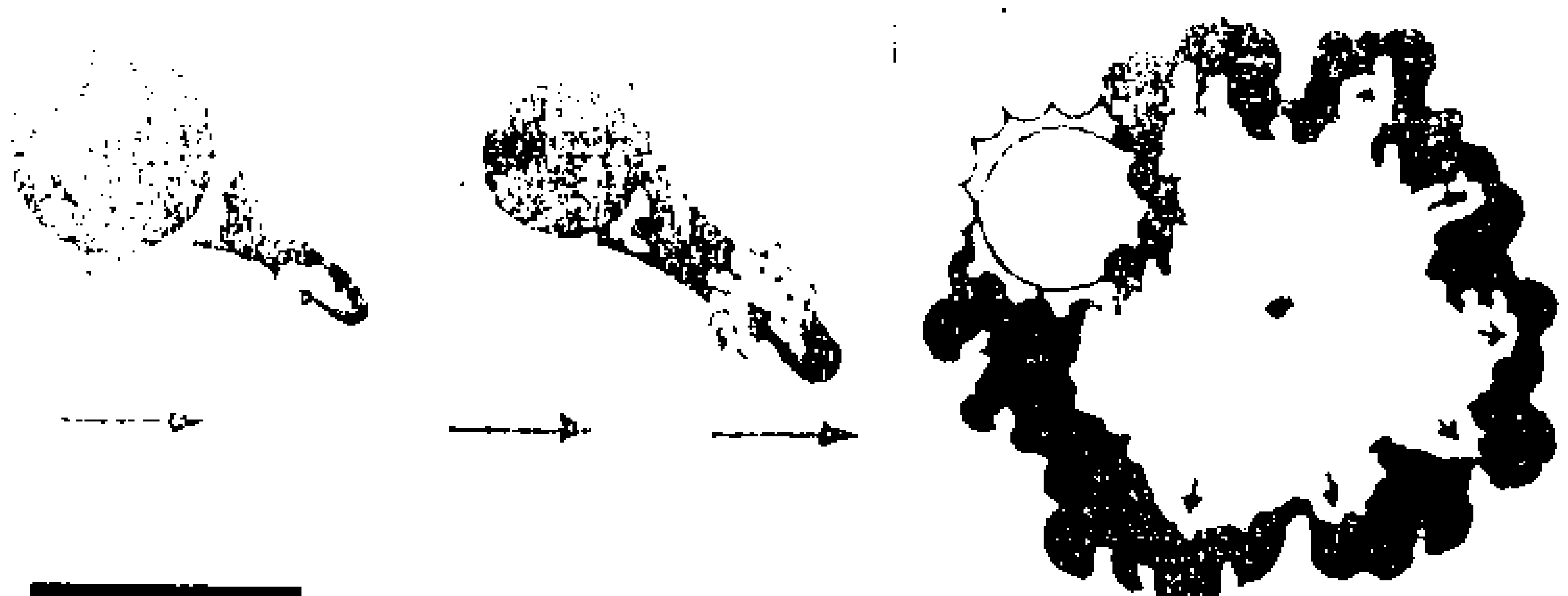
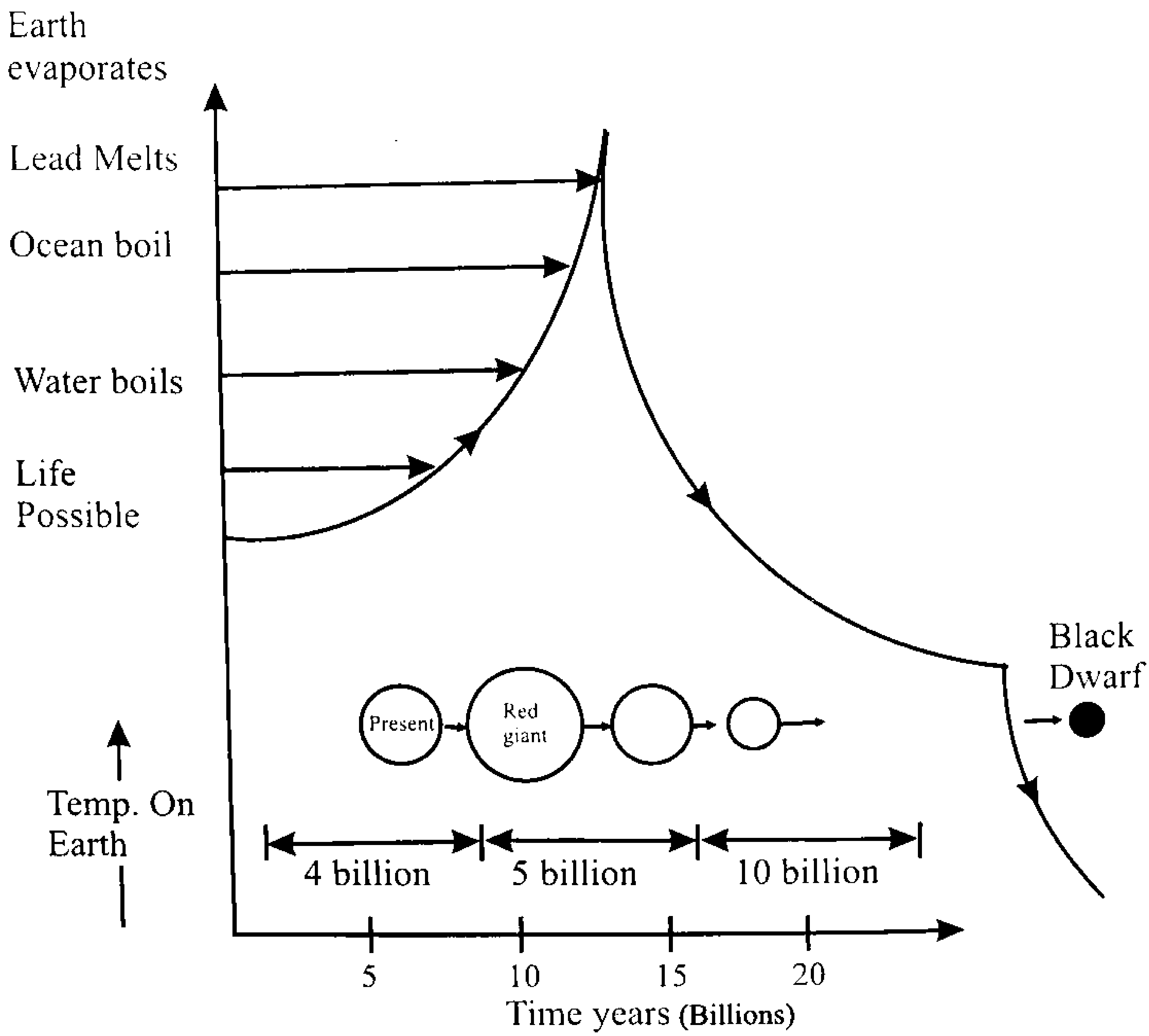


Fig 27.3



شکل نمبر 28:   ہمارے سورج اور زمین کی موت

سورج کی قیامت کسی حادثہ کے نتیجہ میں بھی آسکتی ہے اور اس کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے بھی۔ اس صورت میں سائنسی اندازے کے مطابق تقریباً پانچ ارب سال بعد یہ صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ یہ قرآن پاک میں دئیے گئے پہلے پھیلاؤ اور بعد میں سکڑاؤ والے قانون کے مطابق ہو گا۔ ماہرین فلکیات نے حساب لگایا ہے کہ اگر یہ اپنی موجودہ رفتار سے پھیلتا رہا تو ایک ارب سال میں بڑھ کر یہ ہماری زمین سمیت اپنے تمام ساتھی سیاروں کو ہڑپ کر جائے گا۔ پھر یہ سکڑنا شروع ہو گا اور آخر کار ایک ٹھنڈے کالے بونے (Black Dwarf) کے طور پر فضاء میں گم ہوجائے گا۔ اوپر دی گئی شکل میں عمر کے ساتھ ساتھ سورج کے مختلف مرحلے دکھائے گئے ہیں۔



" آخری عمر میں سورج پھر بھڑکے گا۔اس وقت ہائیڈروجن کی بجائے سورج کے اندر ہیلیم (Helium) گیس جلنے لگے گی جو اگرچہ ہائیڈروجن جیسی پراثر پائیدار ایندھن تو نہ ہوگی لیکن پھر بھی کچھ عرصہ کیلئے بوڑھا سورج دوبارہ جوان ہوتا نظر آئیگا اور اس کے بعد ہیلیم سے بھی بھاری چیزیں ایندھن کا کام دیں گی۔ جب آخر میں ہر قسم کا ایندھن ختم ہو جائے گا تو سورج باقیماندہ بھاری عناصر کے ساتھ جن میں سب سے زیادہ لوہا ہوگا،ایک مردہ ڈھانچہ بن جائیگا،لیکن اس وقت بھی اسکا اندرونی درجہ حرارت چند ملین ڈگری تک ضرور ہوگا"

''ان حالات میں کشش ثقل کی طاقت کی بناء پر بوڑھا سورج اپنے ہی وزن کے زور سے سکڑنا شروع کردے گا اور اپنے اندر کی ٹھوس چیزوں کو بھینچنا شروع کردے گا جو اس زور سے ہوگا کہ اس کی کثافت ایک مکعب سینٹی میٹر پر تقریباً دس ٹن تک ہو جائے گی اور یوں آخر میں یہ شاندار ستارہ جس پر آج ہماری زندگی کا انحصار ہے،ایک مردہ ڈھانچے کی صورت میں باقی رہ جائے گا''۔(۱۱)اس سائنسی قیاس آرائی والے منظر کو ہم مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ آج کل سورج حجم میں پھیلاؤ اختیار کر رہا ہے اور یہ پھیلاؤ اپنی زیادہ سے زیادہ حد تک پہنچنے کے بعد ایک دن رک جائے گا اور اس کے بعد سکڑنے کا عمل شروع ہو جائے گا اور انجام کار یہ ایک مردہ سیاہ ستارہ بن جائے گا۔

اب ہم قیامت کے بیانات کے پس منظر کی طرف واپس مڑیں۔قرآن حکیم اور موجودہ سائنس کے مناظر میں کسی حد تک مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔خواہ کسی ایک اجرام فلکی کے مقدر کی بات ہو یا ساری کائنات کی دونوں فطرت کے پھیلنے اور پھر سکڑنے کے ضابطے سے دوچار ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالی کی یہ شان ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے، پھر پرورش کرتا ہے۔ چیزیں جوان ہو کر اپنے انتہائی شباب کو پہنچتی ہیں اور پھر یہ بڑھاپے سے گزر کر مر جاتی ہیں اور یوں اپنی قیامت میں داخل ہو جاتی ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ انبیاء کی آیت مبارکہ ۱۰۴ کا حوالہ پہلے ہی دیا گیا ہے اور شکل نمبر ۳۰۔۲۹ میں قیامتوں کے مزید مناظر پیش کئے جارہے ہیں۔

بہر حال ہمارے شمسی نظام کے تہہ وبالا ہو جانے کے بعد بھی کائنات کا معاملہ مزید کچھ عرصہ چلتا رہے گا اور جس طرح پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ اس المیہ کا پوری کائنات پر کوئی زیادہ اثر نہ ہوگا کہ اس لئے وہاں ایسے المیے ایک عام سی بات ہے جیسے کسی فرد کی موت،اس کے قریبی رشتہ داروں کیلئے تو انتہائی جان لیواہ ہوتی ہے لیکن ملکی سطح پر عموماً کوئی خبر نہیں بنتی۔اصل خبر یہ ہے کہ جب یہ سارا نظام لپیٹ لئے جانے کا حکم ہوگا یہ وہ دن ہوگا جب صور پھونکا جائے گا اور تمام کائنات سکڑ سکڑ کر ویسی ہی ہو جائے گی جیسے وہ تخلیق سے پہلے تھی۔ یہ موجودہ کائنات کی آخری منزل اور نئی تخلیق کے مقصود کا پہلا مرحلہ ہوگا یعنی ہمارے موجودہ رواں سفر کے ختم ہونے کی گھڑی ہوگی۔اس کے بعد نئی اور ہمیشہ قائم دائم رہنے والی دنیا کی بسم اللہ ہوگی جس میں مسافر کو بھی دوام ہوگا۔وہاں کوئی منزل پا کر خوش وخرم ہوگا اور کوئی منزل کھو کر آبلہ پا ہوگا۔ارشاد ربانی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ

عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا O فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا O اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا لا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ صلے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاقف قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا O

اور کتنی ہی بستی والے ایسے تھے جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان سے سخت تر حساب لیا، اور انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جو نا قابلِ برداشت تھا O تو انہوں نے اپنے کیے ہوئے کے وبال کا مزا چکھا اور ان کے اس کام کا انجام نقصان ہی ہوا O اور اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرو، اے عقل والو اور وہ جو ایمان لائے ہوے بے شک اللہ نے تمہارے لئے ذکر کو نازل کیا ہے O (سورہ الطلاق ۔ آیت ۸ ۔ ۱۰)

﴿حدیث مبارک﴾

حضرت اسامہؓ بن زید سے روایت ھے کہ میں نے رسول پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ھے کہ "ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائیگا اور آگ میں ڈال دیا جائیے گا۔ اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور اسکو اس طرح گھمایا جائیگا جیسے چکی کے گرد گدھا گھومتا ھے۔ دوزخ والے لوگ اس کے ارد گرد جمع ھونگے اور کھیں گے۔ اے فلاں! تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ وہ کھے گا ھاں! میں لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیک کام نھیں کرتا تھا اور دوسروں کو برائی سے منع کرتا تھا مگر میں خود اس برائی کا مرتکب ھوتا تھا۔" (بخاری، مسلم)

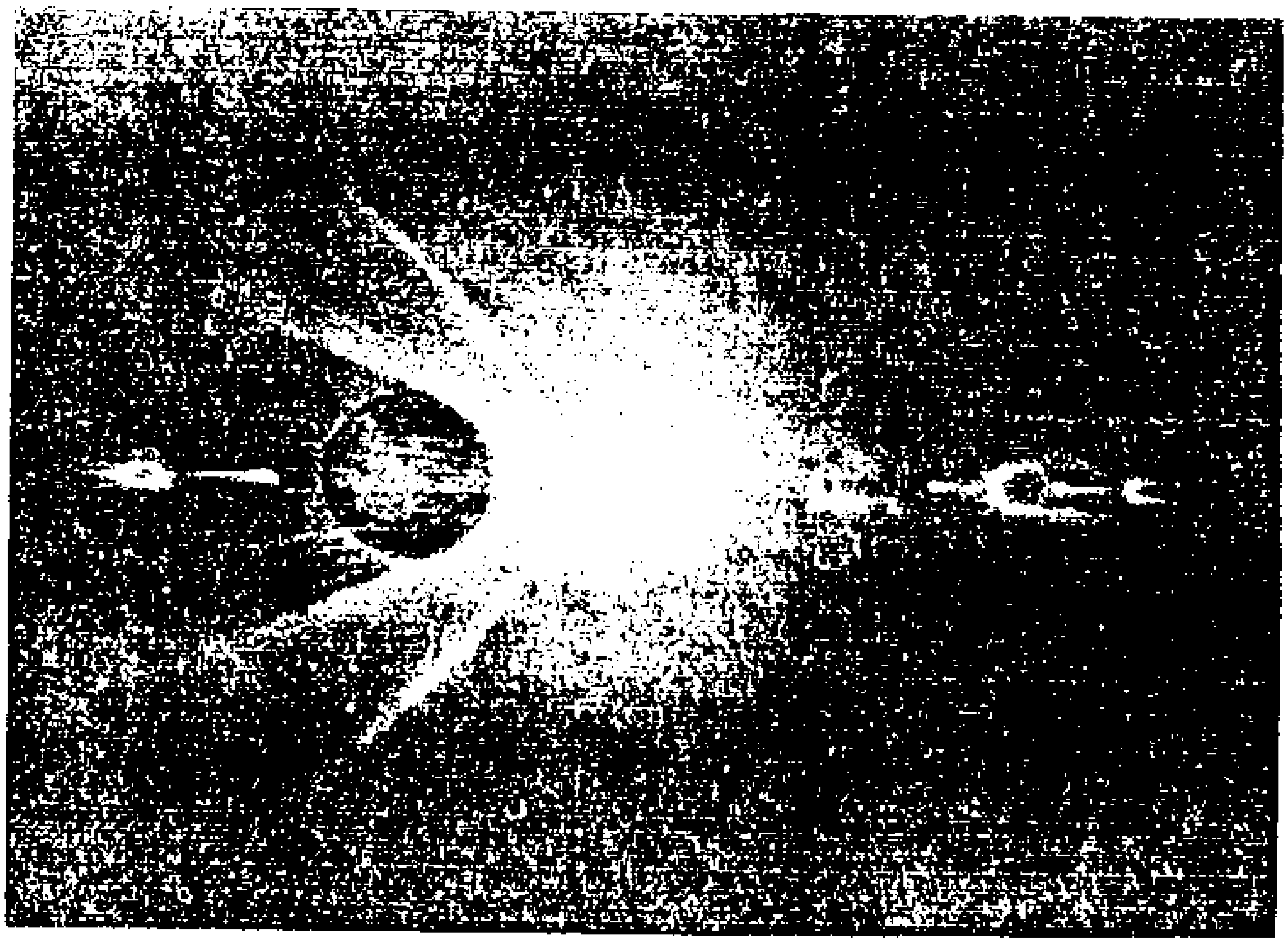
ارشادباری تعالیٰ ھے:

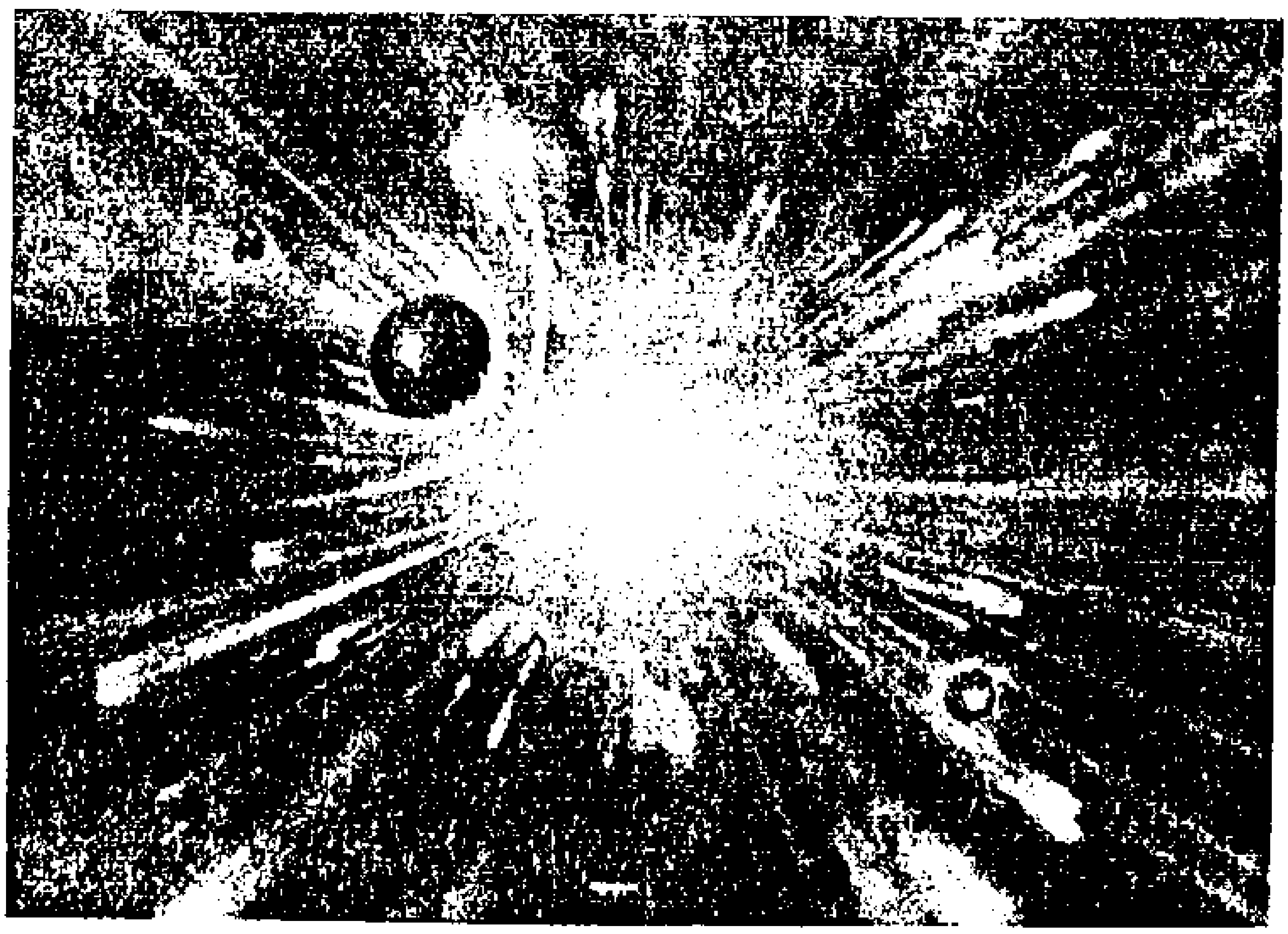
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ O

اے ایمان والو! وہ بات کیوں کھتے ھو جو نھیں کرتے O اللّٰہ کے یھاں یہ بھت اھم اور ناپسند ھے کہ وہ بات کھو جو نہ کرو O (سورۃ الصف، آیت ۲۔۳)

شکل نمبر 29: ۔ شمسی نظام کی قیامتیں

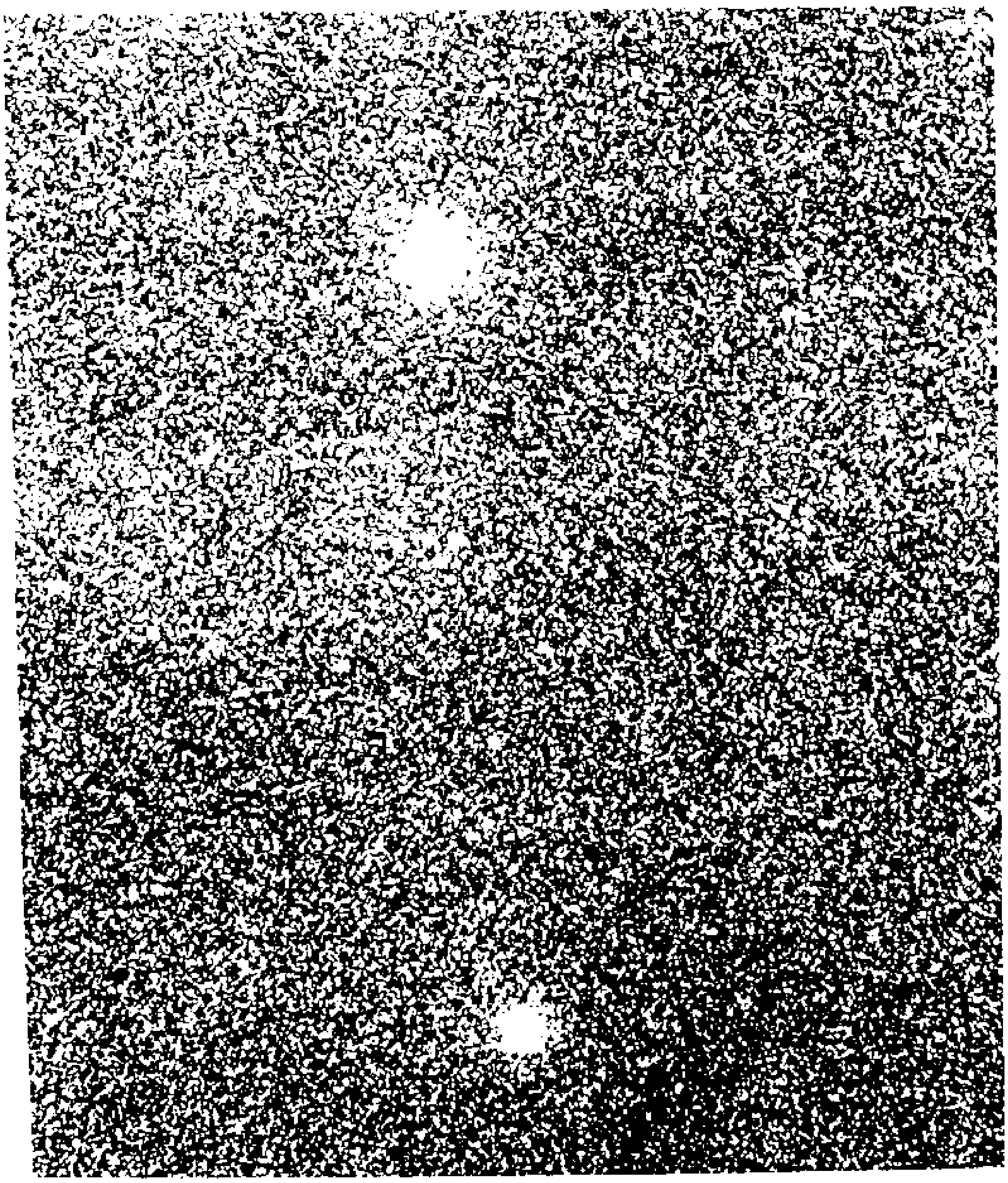
کائنات میں اربوں کھربوں سے زیادہ شمسی نظام موجود ھیں۔ جن میں روزانہ کسی نہ کسی کی قیامت آتی ھی رھتی ھے۔ نیچے دی گئی شکل ایسے ھی کسی سورج کی قیامت کا منظر ھے۔ سورج پہلے سکڑتا ھے پھر اچانک ابھرتا ھے اور اپنا مادہ فضا میں دھماکے سے بکھیر دیتا ھے جس کی گرفت میں اس کے تمام سیارے بھی آکر تباہ وبرباد ھوسکتے ھیں۔





شکل نمبر 30:   آسمانوں میں قیامتوں کے مزید مناظر

آسمانوں میں کبھی کبھی ایسے بھی ہوتاہے کہ پوری پوری کہکشائوں کے درمیان ٹکر ہوجاتی ہے اور یوں اربوں ستاروں کی قیامت بیک وقت آجاتی ہے۔ نیچے تصویر اسی طرح کی ایک قیامت ہے جس میں گلیکسی ۴۰۳۸ NGCاور GC ۴۰۳۹ کا ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ اس ٹکراؤ میں کم از کم ایک ارب ستاروں پر قیامت آئی ہو گی۔ جدید سائنسی تجزیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے اس حصہ میں تقریباً دس کروڑ سال پہلے یہ قیامت برپاہوئی ہو گی۔



باب نمبر 20

انجام کار۔۔۔نئی تخلیق۔۔۔نئی کائنات

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَاوَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ط وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُO

وہی ہے جس نے تمہارے تصرف کے لئے زمین کو بنایا پس تم اس کے راستوں پر چلو، اور اس میں پیدا ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اور تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہےO (سورۃ الملک، آیت ۱۵)

20.1 عمومی جائزہ

پچھلے ابواب میں ہم نے فرد سے لیکر پوری کائنات کی قیامتوں کے مختلف مرحلوں پر قرآن حکیم اور جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے اور دیکھا ہے کہ آج کی سائنس اس مسئلہ میں قرآن کریم کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اس کرہ ارض کی قیامت شاید ہمارے اپنے ملکی وے (Milky Way) کیلئے بھی کسی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو جو فلک کے تاروں کے جھرمٹ میں لاکھوں نظام میں سے ایک ہے۔ سائنسی مشاہدہ ہے کہ صرف ہماری ایک کہکشاں میں سورج کی طرح کے بلین (اربوں) شمسی نظام ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ ان میں سے لاکھوں نظاموں میں ہماری دنیا کی طرح کئی جگہ زندگی کے آثار بھی موجود ہوں جن میں سے ہر ایک کو اپنی باری پر قیامت کا انتظار ہے۔ یوں کائنات میں ہر سو زندگی و موت، تخلیق در تخلیق کا شاندار منظر جاری و ساری ہے۔ آج کے خلائی سائنسدان اپنی دوربینوں سے کائنات میں نت نئے مناظر کے شاہد ہیں۔ ہر گھڑی ایک نئی شان نظر آتی ہے۔ یہ بانکپن، سرعت، وسعت اور ستاروں کی حیات و ممات کا سلسلہ اور تخلیق در تخلیق کا مسلسل عمل کائنات کا حسن ہے اور اس کے ارتقاء کا مقدر ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ الرحمٰن، آیت مبارکہ ۲۹ انہی عظیم حقائق کی منظر کشی کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ خالق کائنات ایک مرتبہ دنیا بنا کر فارغ نہیں بیٹھ گیا بلکہ اس کا تخلیقی امر ہر آن پوری آب و تاب سے آسمانوں کی وسعتوں پر حکومت کر رہا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ O

اسی سے مانگتے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں، وہ ہر روز ایک شان میں ہوتا ہےO

(سورۃ الرحمٰن آیت ۲۹)

اس آیت کا مضمون بہت وسیع ہے اور قرآن پاک کا یہ معجزہ ہے کہ مختصر ترین الفاظ میں عظیم ترین حقیقت کی منظر کشی کر دیتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ کائنات جامد ہے اور نہ خالق اسے ایک مرتبہ بنا کر بے کار ہو گیا ہے۔ آج بھی خلائی سائنسدان جدھر بھی نظر اٹھاتا ہے وہ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر پاتا ہے، کائنات میں ستارے ایسے ہی مرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں جیسے زمین پر حیاتیاتی نظام چل رہا ہے۔ کسی کی موت کسی کی حیات ہے اور یوں کائنات منزل بہ منزل اپنے مقصد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ قرآن الحکیم یہ بات بھی بتاتا ہے کہ ہر چیز کی تقدیر اس کی تخلیق کے مقصد کا حصول ہے اور یہی ساری کائنات میں کارفرما اصول ہے۔ جب بھی کوئی اپنے مقصد حیات کو کھو دیتا ہے تو وہ خالق کیلئے بے کار ہو جاتا ہے اور وہ اسے ختم کر دیتا ہے لیکن جو اپنے مقصد کے حصول تک ڈٹا رہتا ہے، خالق اسے عزت کے ساتھ تخلیق کے عظیم تر مقاصد میں زندہ جاوید رکھتا ہے، اور ناکام ہونے والوں کو اصلاح کیلئے عذاب کی بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ اس ارشاد ربانی پر غور فرمایئے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍO وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍO

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان اور زمین ایک مقصد کے ساتھ بنائے۔ اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے O اور یہ اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں O (سورۃ ابرہیم، آیات ۱۹ تا ۲۰)

اس عظیم حیات و ممات کے سلسلہ کا انجام تمام موجودہ کائنات کی قیامت ہے۔ اس قیامت کا آغاز موجودہ زمان و مکان کے واپس مڑنے (Reversal) کی ابتداء سے ہوگا جس کے نتیجے میں سکڑنے والی کائنات میں دوبارہ ایک دھماکہ ہوگا۔ یہ دھماکہ دراصل نئی کائنات کی ابتداء کی صدا ہوگی۔ ہمہ گیر قیامت کے بعد نئی تخلیق کے سلسلے کے ثبوت کے طور پر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ دوبارہ پیش کی جاتی ہے:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَآ ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ O

جیسا کہ ہم نے خلق کی اول ابتداء کی تھی، ہم اسے دوبارہ بنائیں گے اس وعدے کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ہم اس کو ضرور پورا کریں گے O (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۴)

20.2 نئی کائنات

سائنسدانوں اور محققین کیلئے یہ قرآنی انکشاف دلچسپ ہے کہ دوبارہ تخلیق ہونے والی کائنات پرانی کائنات کی نقل نہ ہوگی بلکہ یہ نئے اجرام فلکی کا ایک نیا عظیم نظام ہوگا۔ نہ اس کی زمین ہماری اس زمین کی طرح ہوگی اور نہ اس کے آسمان موجودہ آسمانوں کی طرح ہونگے۔ اس سلسلے

میں مندرجہ ذیل آیت مبارکہ تجسّس کو دعوت دیتی ہے:

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ۔۔۔

جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا اور سب آسمان بھی۔۔۔ (سورۃ ابراہیم، آیت ۴۸)

20.3 جنت، اعراف اور جہنّم

قرآن پاک ہمارے لئے یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ نئی کائنات کے تین بڑے حصے ہونگے جنت، اعراف اور جہنم (استفادہ کیلئے شکل ۳۔۲ ملاحظہ فرمائیے)۔ ان تینوں جہانوں میں جنت آرام وسکون کے زمان ومکان کا نام ہے۔ اس کی اصل کیا ہے یہ تو خالق کائنات کا راز ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ موجودہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں جنت کی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور جنت اس قدر وسیع ہے کہ موجودہ ساری کائنات اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اس بات کو سمجھانے کیلئے اللہ کے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے درخت اس قدر بڑے ہونگے کہ اگر گھڑسوار ستر سال تک گھوڑا دوڑاتا رہے تو ایک درخت کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ قرآن حکیم میں جنت کی وسعت کے بارے میں ارشاد حق تعالیٰ ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ O

اپنے رب کی بخشش کی طرف بڑھو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے یہ ان کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے O (سورۃ الحدید، آیت ۲۱)

اس آیت مبارکہ میں جنت کو موجودہ تمام ارض وسماوات کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جنت کی وسعت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ ایک آسمان کے بارے میں سائنسی علوم جہاں تک اندازہ لگا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس میں کروڑوں کے حساب سے کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں تقریباً کھربوں کے حساب سے ستارے ہیں۔ انہی میں سے ہماری کہکشاں کی وسعت کا اندازہ یہ ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ۸۶۰۰۰ا میل فی سیکنڈ کے حساب سے روشنی پہنچنے میں بیس ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ اب ذرا اس حساب سے

يَومَئِذٍ لِّلمُكَذِّبِينَ O اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُونٍ O وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ O كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ O اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O وَيلٌ يَّومَئِذٍ لِّلمُكَذِّبِينَ O كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ O وَيلٌ يَّومَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ O وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ O وَيلٌ يَّومَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ O فَبِاَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُونَ O

یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمہیں جمع کیا ہے اور سب اگلوں کو بھی O اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلا لو O اس دن ویل ہے جھٹلانے والوں کے لئے O بے شک پرہیزگار لوگ سایوں اور چشموں والی جگہ میں ہوں گے O اور پھل جس میں سے وہ چاہیں O کھاؤ اور پیو، خوشی کے ساتھ یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو تم کرتے تھے O بے شک ہم احسان کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں O اس دن ویل ہے جھٹلانے والوں کے لئے O کھا لو اور تھوڑا برت لو یقیناً تم مجرم ہو O جھٹلانے والوں کے لئے O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو رکوع نہیں کرتے O جھٹلانے والوں کے لئے O پھر اس کے بعد وہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے O

(سورۃ المرسلات، آیت ۳۸ تا ۵۰)

(اس موضوع پر مزید تفصیلات کیلئے کتاب کا حصہ تین ملاحظہ فرمائیں)۔

باب نمبر 21

دوسری دنیائیں اور ان میں زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

ساری تعریفیں اور جملہ صفات تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کے لئے ہیں O جو دنیا اور آخرت کی نعمتیں عطا کرنے والا ہے O (سورۃ فاتحہ، آیات ۱ تا ۲)

21.1 کئی دنیائیں

کیا ہم اس کائنات میں اکیلے ہیں یا ہمارے علاوہ کسی اور جگہ بھی زندگی کے آثار موجود ہیں؟ یہ سوال ہمیشہ زیر بحث رہا خاص طور پر جب سے انسان نے خلاء پر دسترس حاصل کی ہے، وہ بے چین ہے کہ شاید کہیں اور جگہ سے بھی اسے اپنے ہم جنس انسان کی آواز سنائی دے۔ اس شوق کا یہ عالم ہے کہ دوسری دنیاؤں میں زندگی کے متعلق بے شمار افسانے اور فلمیں بازار میں آ گئی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ سائنس دانوں نے بھی اس طرف بہت زیادہ توجہ دینا شروع کی ہے اور بے شمار خلائی ریڈیو اسٹیشن باہر کی دنیاؤں پر کسی آواز کے انتظار میں کان لگائے بیٹھے ہیں۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے ہمارے شمسی نظام کے ستارہ مریخ کے بارے میں یہ قیاس عام تھا کہ وہاں زندگی کے آثار موجود ہیں لیکن اب یہ نظریہ رد کیا جا چکا ہے بلکہ فلکیات کے ماہرین کی یہ رائے ہے کہ ہمارے شمسی نظام میں کسی بھی جگہ زندگی کے آثار نہیں ہیں۔

لیکن جہاں تک باقی کائنات کا تعلق ہے بہت سے سائنسدان اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ وہاں ضرور کسی نہ کسی طرح کی زندگی ہونی چاہیے، بلکہ ہماری ہی طرح کی فہم و فراست والی مخلوق بھی وہاں ہو سکتی ہے اور یہ کوئی ایک آدھ جگہ نہیں بلکہ لاکھوں جگہ ممکن ہونا چاہیے۔ ان کا جواز یہ ہے کہ کائنات میں اربوں شمسی نظام ہیں اس لئے زندگی کو صرف اپنے ہی سورج کے ساتھ مخصوص کر لینا فہم و ادراک کا مذاق اڑانا ہے۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہمارے اپنے شمسی نظام میں زمین کے علاوہ کہیں زندگی کے آثار نہیں لیکن اگست 1996ء میں مریخ کی مٹی کے تجزیہ سے ثابت ہوا کہ کبھی وہاں بھی زندگی تھی لیکن کس قدر ترقی یافتہ؟ اس سوال کا جواب ابھی ممکن نہیں۔ بہرحال جیسے پہلے کہا گیا ہے فی زمانہ مریخ بھی زندگی سے محروم ہے۔

سب سے پہلے قرآن پاک ہی نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا کہ زندگی کو صرف اس چھوٹی سی زمین تک محدود کر کے ہم خالق کائنات کی شان سے پہلو بچاتے ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک نے واضح کر دیا تھا کہ اللہ تعالی صرف اس زمینی عالم کا رب نہیں بلکہ وہ رب

عمل کی کئی درمیانی صورتیں ہماری نظروں سے اوجھل رہتیں۔ چونکہ ارتقاء کا عمل آہستہ آہستہ ہوتا ہے اس لئے ہر مرحلے کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے اور یوں ہم خالق حقیقی کی صنعت گری اور اس کی پہچان کا بھی بہتر ادراک حاصل کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خالق کی صحیح پہچان ہی درحقیقت انسانیت کی معراج ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ ایک مخفی خزانہ کی مانند تھا اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے تخلیق کا عمل شروع کیا۔ الحمد للہ کہ تخلیق کا یہ عمل اس قدر واضح ہے کہ سائنسی ذرائع سے انسان اسے سمجھنے کے قابل ہے اور انہی تحقیقات کی بناء پر آج وہ خالق کی صناعی کو دیکھ کر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ " بے شک پاک ہے وہ ذات جس نے یہ حیران کن کارخانہ قدرت قائم رکھا ہے" اللہ تعالیٰ کے قوانین ہر جگہ اٹل ہیں اور سبھی جگہ اس کی حکومت کارفرماء ہے۔ اس کی وحدانیت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ باقی ارضی کرہ جات بھی ہماری زمین کی طرح ہی ہوں گے اور کائنات میں ان زمینوں کے پھلنے پھولنے کیلئے بھی قدرت نے وہی ہمہ گیر ضابطے بنائے ہوں گے جو ہماری زمین پر لاگو ہیں۔ یوں زمان ومکان میں ایک ہی وحدت کی حکومت ہے۔ بے شک وہ اللہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے۔ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہی ہر چیز کا خالق ہے اور بے مثل ہے۔

21.5 آخرت کے بعد کی دنیائیں

اس کائنات کے خاتمے کے بعد جب نئی کائنات نمودار ہوگی تو وہاں بھی رہائش کیلئے کئی دنیائیں ہونگی۔ ہم پہلے یہ بحث کر چکے ہیں کہ اس نئی کائنات کا ایک اہم جزو وہ دنیا ہے جو نیک اور پرہیز گار لوگوں کے رہنے کی جگہ ہوگی جس کا نام جنت ہے۔ یہ کیسی ہوگی؟ چونکہ ہماری اس ارضی دنیا میں اسکی کوئی مثال نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے وہ کیسے ہوگی۔ لیکن اس میں بھی بے شمار درجات ہیں۔ سمجھانے کی خاطر اشاروں اور مثالوں کے ذریعے اس کی کچھ نمایاں باتیں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے ظاہر ہیں:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ط تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ق صلے وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُO

اور وہ جنت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اس کے میوے ہمیشہ کے لئے ہیں اور اس کا سایہ بھی (ہمیشہ ہے)۔ اور یہ انجام ہے پرہیز گاروں کا اور کافروں کا انجام آگ ہےO (سورۃ الرعد، آیت ۳۵)

جنت میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

العالمین یعنی زمان و مکان میں سبھی عالموں کا پروردگار ہے۔ اگر وہ ان گنت عالموں کا پروردگار ہے تو لازمی بات ہے کہ پرورش پانے والے بھی تمام عالموں میں ہوں گے۔ عجب بات یہ ہے کہ قرآن پاک نے اس عظیم حقیقت کا انکشاف اپنے آغاز سے پہلے والی سورۃ کی پہلی آیت مبارکہ میں کیا یعنی اللہ تعالیٰ تعارف یوں کرواتا ہے۔ " حقیقی تعریف واسطے اللہ کے ہے جو عالمین کا رب ہے "یوں اس باطل نظریہ کو پاش پاش کر دیا کہ یہی جہان اکیلا جہان ہے اور انسانی سوچ کو ایک ہی جست میں زمین سے آفاق تک پہنچا دیا۔ دراصل یہ سمجھنا کہ اتنی بڑی وسیع کائنات میں زندگی صرف اسی زمین پر ہے، اللہ تعالیٰ کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ یہ کہ زندگی کائنات میں ایک عام سی بات ہے اس چیز کو قرآن پاک کی سورۃ جاثیہ کی آیت مبارکہ ۳۶ میں مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

تو تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے، سارے جہانوں کا رب ہے O (سورۃ جاثیہ، آیت ۳۶)

اس آیت مبارکہ میں اس حقیقت کو ارض و سماوات اور دیگر عالمین کے حوالہ سے بار بار دہرا کر یہ باور کرایا گیا ہے کہ زمان و مکان کی تمام حدود میں اللہ تعالیٰ رب ہے۔ رب وہ ہے جو کسی چیز کے ڈیزائن سے انتہاء تک ذمہ دار اور مالک ہے۔ اس کی شان ربوبیت ہر جا زندگی کی ابتدا اور نشوونما کے لئے لازمی ہے۔ یعنی یہ آیات صاف بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ کائنات میں کئی طرح کی دنیائیں ہیں جن میں کئی طرح کی زندہ مخلوقات موجود ہیں اور وہ ان سب کا خالق اور رب ہے ان کی کفالت اور بحالی کا بندوبست کرتا ہے ایسے ہی جیسے وہ ارضی مخلوق کیلئے کرتا ہے۔

جہاں تک ان دنیاؤں کی شکل و صورت کا تعلق ہے تو سورۃ طلاق کی آیت مبارکہ ۱۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اور ہماری دنیا میں مشابہت ہے۔ فرمایا گیا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لا وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا O

اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی انہی کے مثل، ان سب کے درمیان امر (اللہ کا حکم) اترتا ہے۔ تا کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے O (سورۃ الطلاق، آیت ۱۲)

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ط تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ O

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے۔ اور وہاں ان کے ملتے وقت کا اکرام سلام ہے O

(سورۃ ابراہیم، آیت ۲۳)

21.6 دوسری دنیاؤں میں قرآن پاک

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر دوسری دنیاؤں میں بھی ہماری طرح کے لوگ آباد ہیں تو ان کی معاشرتی زندگی بھی ہماری اس زمینی زندگی کے مشابہ ہونی چاہیے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن پاک کی سورۃ طلاق کی آیت مبارکہ ۱۲ کی جو تفسیر کی ہے اس کے مطابق وہاں کے لوگوں کے بھی ہماری طرح مذاہب اور عقائد ہونگے، ان کے پاس بھی الہامی کتابیں ہونگی، وہاں بھی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری رسول آنا چاہئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بیرونی دنیاؤں کا قرآن پاک ہمارے قرآن سے مختلف ہوگا؟ اس سوال کے جواب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ خود قرآن حکیم اپنے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اسکے مطابق یہ اللہ کی کائناتی کتاب یعنی ام الکتاب سے ماخذ ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت گہرے تفکر کی دعوت دیتی ہے۔

وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ O اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ O وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ O

اس روشن کتاب کی قسم O ہم نے یہ عربی زبان میں قرآن اتارا ہے تا کہ تم اسے سمجھو O اور بے شک وہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے اور وہ بہت بلند حکمت والا ہے O (سورۃ الزخرف آیات ۲ تا ۴)

اسکا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا قرآن پاک ام لکتاب سے ماخوذ ہے اور ام الکتاب عظیم اخلاقی ضابطوں اور علم وحکمت کے خزانوں کا سرچشمہ ہے جو خالق کائنات کے ہاں محفوظ و مقبول ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ واقعہ کی آیات مبارکہ ۷۷ تا ۸۰ کو اس میں **کتاب المکنون** یعنی عظیم صفات والی کتاب کا حصہ قرار دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

21.2 دوسری دنیائیں اور پیغمبران علیہم السّلام

سورۃ اطلاق کی آیت مبارکہ ۱۲ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ زمان و مکان میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا امر یعنی حکم کلی ان سب میں اپنے اپنے حساب کے مطابق نازل ہوتا رہتا ہے۔ یعنی ان سب میں ایک سے قوانین قدرت کارفرما ہیں۔ جیسے ہماری زمین پر ہے ویسے ہی ان دنیاؤں میں بھی ارتقاء اور پھلنے پھولنے کا طریق کارفرماء ہے لیکن ہر کام ایک پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ سبھی ایک ساتھ آباد ہوئے اور سبھی میں ایک ساتھ ہی قیامت آجائیگی بلکہ اللہ تعالیٰ کا امر ہر جگہ اس کی حکمت کے مطابق اترتا ہے اور اترتا رہے گا۔ اور جو کچھ کسی بھی جگہ ہو رہا ہے وہ اس کے علم کے مطابق ہے۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تفہیم القرآن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب یہ تفسیر لکھتے ہیں کہ اسلام کے ایک عظیم دانشور اور عالم، اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قربت رکھنے والے صحابی اور چچیرے بھائی جناب عبداللہ بن عباسؓ اسلام کی پہلی صدی ہجری ہی میں اس آیت مبارکہ کی وجہ سے یہ یقین رکھتے تھے کہ اس کارخانہ قدرت میں ہماری دنیا کی طرح کئی دنیائیں ہیں۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ "جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف یہ یقین تھا کہ ان دنیاؤں میں فہم و فراست اور ادراک والی مخلوق بستی ہے بلکہ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان دنیاؤں میں بھی ہماری طرح کے لوگ آباد ہیں۔" بعض روایات کے مطابق ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے وہاں بھی ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہوں (کیوں نہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو رحمت العالمین ہیں) اور ہمارے حضرت آدم علیہ السّلام کی طرح حضرت آدم علیہ السّلام ہوں۔" جناب عبداللہ بن عباسؓ کے مطابق "ہر جگہ ایک ہی طریق کار چلتا ہے یعنی قوانین قدرت جیسے اس زمین پر کارفرماء ہیں ویسے ہی کائنات کے ہر زمان و مکان میں کارفرماء ہیں۔" یہ وہی بات ہے جو بیسویں صدی کے شروع میں آئن سٹائن نے معلوم کی تھی اور دنیا کا سب سے بڑا سائنسدان کہلایا تھا۔

دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں اسلام کے عظیم فرزند امام غزالیؒ کے مطابق "آسمانوں میں موجود دنیاؤں کے لوگ اس قدر ترقی یافتہ ہو سکتے ہیں کہ ان کا آپس میں میل جول ہو اور وہ ایک دنیا سے دوسری دنیا تک سفر کرتے ہوں اور آپس میں رابطہ کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں۔" (رسائل امام غزالی)۔ یاد رہے کہ امام غزالی کے زمانہ میں ہماری زمین پر بسنے والے لوگ خلائی ایجادات سے واقف نہیں تھے۔

کائنات میں دیگر مقامات پر آبادیوں کی موجودگی میں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم لوگ تشھد یا التحیات کیلئے بیٹھتے ہو اور یہ لفظ پڑھتے ہو کہ سلام ہو ہم پر اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندوں پر" تو تم لوگ یہ سلام ان سبھی لوگوں پر بھیجتے ہو جو اس زمین پر رہتے ہیں یا کہیں بھی سماوات میں رہتے ہوں۔ ہمارے پیشرو جو برزخ میں ہیں، وہ بھی ان میں شامل ہیں"۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک یہ بڑی عزت والا قرآن ہے O محفوظ نوشتے ہیں O اسے نہ چھوئیں سوائے ان کے جو پاک اور پاکیزہ ہوں O سارے جہان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے O (سورۃ واقعہ آیات ۷۷ تا ۸۰)

اوپر دی گئی آیات ربانی میں قرآن حکیم کا ماخذ ام الکتاب اور کتاب المکنون کو بتایا گیا ہے۔ سورۃ بروج کی آیات مبارکہ ۲۱۔۲۲ میں حکمت و دانائی کے اس سرچشمہ کو "لوح محفوظ" کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ حکمت سے بھرپور خزانہ ہے جو اللہ نے زمین پر لوگوں کیلئے اپنے آخری نبی پر نازل کیا۔ اس طرح قرآن پاک جہاں کہیں بھی ہوگا وہ لوح محفوظ ام الکتاب اور کتاب المکنون کا ہی حصہ ہوگا اور اس کا ہر جگہ ایک ہی مقصد ہے کہ کائنات میں جہاں کہیں بھی انسانیت موجود ہے وہ امن پائے، اور اپنے خالق کو پہچان لے، اپنے فرائض اور حقوق سے آگاہی حاصل کرے اور آگے آنے والے سفر کیلئے اپنے نفس کو تیار کرے۔ یوں ساری کائنات کی انسانیت میں یک رنگی ہے اور قرآن پاک کے ہمہ گیر اخلاقی اصول اور سچائیاں ہر زمان و مکان میں یکساں لاگو ہیں۔

21.7 فطرت کا صحیفہ اعظم

قرآن پاک کی سورۃ تکویر کی آیت مبارکہ ۲۷ اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ذکر العالمین ہے یعنی یہ عالم غیب اور عالم الشہادت کی تمام دنیاؤں اور جہانوں کیلئے نصیحت، حکمت و ہدایت کا پیغام ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ ہمہ گیر حق و سچ ہے۔ اگر ہم کائنات کی دوسری طرف بھی کسی دنیا میں جائیں تو وہاں بھی یہی قرآنی ضابطے، اوامر اور حقوق و فرائض انسان کی بہتری کیلئے مشعل راہ ہونگے۔ عالم ازل سے لے کر جنت دوزخ سب میں یہی ضابطہ حیات کارفرما ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کو ذکر العالمین کا نام دیا ہے۔ زمان و مکان کے تمام مقامات پر یہی آئین لاگو ہے۔ فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک وہ تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے O تم میں سے جو کوئی سیدھی راہ پر چلنا چاہے اس کے لئے O اور تم تو چاہ بھی نہیں سکتے مگر وہ جو اللہ چاہے۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے O

(سورۃ تکویر، آیت ۲۷ تا ۲۹)

ان آیات مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اس کا کلام ذکر للعالمین ہے یعنی گو قرآن پاک کے لفظی معنی تو (سب کے پڑھنے والی کتاب) کے ہیں لیکن حقیقت میں یہ الہامی کتاب فطرت کا کائناتی، اخلاقی صحیفہ اور ہمہ گیر ضابطہ ہے جو ہر زمان و مکان میں انسانیت کی فلاح کیلئے کافی ہے۔اس کا اسلوب بے مثل اور موضوع میں پاکیزگی اور قطعیت ہے اور بیانات زمانی و مکانی حدود سے بلند تر ہیں۔جب کبھی ہم اس کی ایک ہی آیت میں ماضی، حال اور مستقبل کی سمتیں اور حاضر غائب کے صیغے ملے ہوئے پاتے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کائناتی کتاب زمان و مکان کی قیود کی پابند ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ انسانی تخلیق نہیں کہ صرف ونحو کے تابع ہو بلکہ یہ تو قرآن پاک ہے اور بے مثل قرآن پاک، جس کے بارے میں محمد مارماڈیوک پکھتل نے سچ کہا "اس کتاب کو پڑھو، دوبارہ اور سہ بارہ پڑھو۔مومنین کیلئے ہمیشہ ہی تروتازہ اور پرکشش ہے۔" یعنی جتنی مرتبہ بھی قرآن پاک کو پڑھا جائے اس کی تازگی، لبھاؤ اور محبت سے دل کبھی سیر نہیں ہوتا۔اس لئے کہ یہ زمان و مکان سے بلند تر زندہ معجزہ ہے روحانی اور جسمانی بیماریوں کی شفاء اور قلوب کے اطمینان کا مجرب نسخہ ہے۔

21.8 دوسری دنیاؤں میں معاشرتی زندگی

دوسری دنیاؤں کی معاشرتی زندگی کے بارے میں ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ انسان ہر جگہ ایک ہی جیسا ہوگا اسلئے ہر ایک دنیا پر معاشرت کی بنیادی باتیں تقریباً یکساں ہونی چاہئیں۔اس بات کا ایک خوبصورت نمونہ وہ قرآنی مکالمہ ہے جو زمین پر حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق کے وقت فرشتوں نے خالق کائنات سے کیا۔اس مکالمہ میں فرشتے انسان کی لڑائی جھگڑے والی عادت کی شکایت کرتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا اسی صورت میں ممکن تھا اگر اس سے پہلے انہوں نے انسان جیسی کسی اور مخلوق کو کائنات میں کسی جگہ دیکھا ہوتا ورنہ بلا سوچے سمجھے وہ کبھی بھی ایسی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات نہایت قابل غور ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے O (سورۃ البقرہ، آیت ۳۰)

فرشتوں کے اس دلیرانہ سوال اور انسان پر تبصرہ کرنے کی ہمت اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ انہوں نے اس واقعہ سے پہلے بھی کائنات میں کہیں انسانی مخلوق کا وطیرہ دیکھا ہوا تھا کیونکہ علم یا آگاہی کے بغیر فرشتے جو سمعنا واطعنا ہیں اپنے خالق سے کبھی ایسی گزارش کر ہی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے ضرور کہیں ہمارے جیسی مخلوق دیکھی ہوگی جو شر پسندی بھی کرتی ہوگی اور ایک دوسرے کا خون بھی بہاتی ہوگی۔

اوپر دی گئی آیات کی بناء پر اور قانون قدرت کی وحدت کے اصول کے پیش نظر ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کائنات میں ہر جگہ انسان کا وجود ایک سا ہی ہوگا اور ان کا انفرادی اور معاشرتی رویہ ان کی تاریخ اور ترقی بھی بالآخر ایک سی ہوگی۔ شاید ہماری ہی طرح ان کے ہاں بھی امن، اور جھگڑے، لڑائیاں اور جنگیں سبھی ایک ساتھ چلتی ہونگی۔ **(واللہ اعلم بالصواب)**۔

21.9 دوسری دنیاؤں کی مخلوق سے ملاقات

اس تجسس کے ساتھ کہ ہمارے جیسے لوگ کائنات میں کہیں اور بھی پائے جاتے ہیں، ذہن میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اگر وہ ہیں تو پھر کیا ہم ان سے مل بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ کائنات کی وسعت کی وجہ سے فی الحال جواب مایوس کن ہے۔ شاید ہمارے شمسی نظام سے قریب ترین جو دوسرا شمسی نظام ہے اس میں زندگی ہو لیکن وہ بھی اتنی دور ہے کہ اگر ہم روشنی بن کر بھی وہاں پہنچنے کی کوشش کریں تو تقریباً دس ہزار سال لگ جائیں گے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسری دنیاؤں کے لوگوں سے ہمارا جسمانی رابطہ فی الحال ناممکن ہے لیکن قرآن پاک انسان کو امید کی دعوت دیتا ہے اور انکشاف کرتا ہے کہ ایسا وقت ضرور آئیگا جب کائنات میں مختلف مقامات پر رہنے والی مخلوقات ایک دوسری کے نزدیک آجائیں گی۔ شاید ایسا رابطہ دو بدو ہوگا یا کہکشاں کی کسی عکسی ترسیل (Video) کے ذریعے سے ظاہری یا باطنی (روحانی) طور پر ہوگا یا یہ اس وقت کی بات ہوگی جب کائنات سکڑنے لگے گی اور آپس کی مسافتیں کم ہو جائیں گی یا کوئی اور ایسا سبب بنے گا جو ابھی ہمارے ذہن کی رسائی سے باہر ہے بہرحال قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت جو پہلے بھی زیر بحث لائی جا چکی ہیں، ان لوگوں کیلئے خوشخبری کا پیغام ہے جو باقی عالموں میں زندگی کی تلاش میں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ O

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور وہ جو اس نے زمین میں لاتعداد جاندار پھیلائے ہیں اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جس وقت چاہے قادر ہے O (سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۹)

ایسا اکٹھا ہونا موجودہ نظام میں کیسے ممکن ہے؟ یہ مسلم سائنس دانوں کیلئے تحقیق کا اہم سوال ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم دوسری دنیاؤں کے لوگوں

سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یقیناً وہ بھی ہم سے ملنے کیلئے بیتاب ہونگے۔ پچھلے کچھ سالوں میں کئی جگہوں میں اڑن طشتریوں کے دیکھنے کی خبر آئی تھی اگر چہ ان کے وجود کے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا ابھی مشکل ہے لیکن کوئی راز ضرور ہے۔ اسی طرح ریڈیائی لہریں جو فضاء سے آرہی ہیں وہ بھی حیران کن ہیں۔ کیا اڑن طشتریوں اور خلائی ریڈیائی لہروں کے پیچھے کوئی عقل والی مخلوق کارفرماء ہے؟ کیا انسان کے اندر ایک اور انسان ہے جو طبعی حدود کا پابند نہیں۔ جس کے لئے روشنی کی رفتار حد نہیں؟ آج یہ تحقیق کا اہم موضوع ہے۔ مسلمان سائنسدان اس میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ یہ دیکھنے کی بات ہے۔

21.10 روحانی ملاقاتیں

اپنی زندگی میں دوسری دنیاؤں کے باشندوں سے ملاقات شائع بعید کی بات ہو لیکن موت کے بعد نفوس یا روحوں کی ملاقاتیں تو ایک لازوال حقیقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور شہداء کی روحوں کو وہ طاقت دے دیتا ہے کہ کائنات میں گھوم پھر کر اپنے رب کی لاجواب تخلیقات کا مشاہدہ کریں اور یوں اپنے رب کی کائنات کی پہچان سے آگاہی حاصل کریں۔ اس دلچسپ مضمون پر ہم اگلے ابواب میں انشاء اللہ سیر حاصل بحث کریں گے۔ فی الحال یہ کہنا کافی ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے اوپر دی گئی آیت میں فرمایا ہے کہ وہ تمام دنیاؤں کی مخلوق کو اکٹھا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوگا اور ہم ظاہری جسم کے ساتھ یا باطنی جسم کے ساتھ ان دور دراز دنیاؤں کے رہنے والوں سے کبھی نہ کبھی ضرور ملیں گے بلا کوشش اس کا قریب ترین وقت موت کے بعد روح اور نفس کے بھاری بھرکم جسم سے رہائی پر ہے۔ اگر یہ نفس اس دنیا کی چیزوں کی حرص لے کر مرتا ہے تو مرنے کے بعد بھی وہ انہی کے لئے روتا رہتا ہے اور یوں حرص و ہوس کی قید سے باہر نہیں نکل سکتا اور اسی زمین پر ٹکریں مارتا رہتا ہے لیکن اگر وہ اپنے خالق کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے" تو موت اس کیلئے قید سے رہائی کے مصداق ہے۔ ایسا نفس موت کے بعد کائنات میں سیر و تفریح کیلئے آزاد ہوتا ہے۔ جدھر چاہے جا سکتا ہے اور اپنے رب کی تخلیقات کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کیوں نہیں، اللہ تعالےٰ کا " **قل سیروفی الارض** ---- کا حکم تمام زندہ مردہ کے لئے یکساں ہے۔

21.11 فضائی خلاء میں زندگی کے آثار

قرآن پاک کی مختلف آیات مبارکہ سے ابھی تک ہم یہ نتیجہ نکال چکے ہیں کہ جس طرح کائنات وسیع ہے اسی طرح زندگی کے آثار بھی کائنات میں وسعت کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں یہ بات تو آسانی سے سمجھ آتی ہے کہ جن اجرام فلکی میں زندگی کے آثار ہیں وہ ہماری زمین کی طرح

ہی کے کرہ جات ہونگے لیکن قرآن پاک کے گہرے مطالعے کے بعد ایک اور حیران کن بات سامنے آتی ہے کہ خلاء بھی زندگی سے خالی نہیں۔ اگر چہ سائنس ابھی تک یہی سمجھتی ہے کہ ستاروں کی درمیانی فضاء ہر طرح کی زندگی سے محروم ہے بلکہ وہاں مادی ایٹم بھی نہیں صرف ریڈیائی لہریں ہیں۔ تاہم، پچھلے چند سالوں کی خلائی تحقیقات کسی حد تک اس خیال کو بدلنے میں کامیاب ہوئی ہیں اور اب بعض سائنسدان یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ آسمانوں میں خالص خلاء (Pure Vacuum) جیسی کوئی چیز نہیں بلکہ وہ بھی (Stellar Gases) یعنی دھوئیں، تابکاری اور انتہائی لطیف قسم کے مادوں سے بھری ہوئی فضاء ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک نے جن حقیقتوں کو آشکارا کیا تھا وہاں تک پہنچنے کی طرف یہ پہلی پیشرفت ہے۔ قرآن پاک کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہر جگہ بکھری پڑی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اس بات کو واضح کرتی ہے:

رَّبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَاالرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًاO

وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور تمام جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ رحمٰن ہے کسی کو اس سے خطاب کرنے کا اختیار نہ ہوگاO (سورۃ النباء آیت ۳۷)

مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں اسی حوالے سے مزید وضاحت ہے:

لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰیO

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ سطح زمین (Crust) کے نیچے ہےO (سورۃ طٰہ آیت ٦)

یہاں کارخانہ قدرت میں چار اقسام کی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) وہ چیزیں جو مختلف فلکی اجرام میں رہتی ہیں۔

(۲) وہ چیزیں جو زمین پر رہتی ہیں۔

(۳) وہ چیزیں جو زمین اور آسمانوں کی درمیانی فضاؤں میں رہتی ہیں۔

(۴) وہ چیزیں جو زمین کے پرت کے نیچے رہتی ہیں

لہٰذا یہ آیات مبارکہ صاف واضح کر دیتی ہیں کہ جاندار چیزوں کا وجود ہر جگہ ہے۔ یہ نہ صرف ستاروں کی درمیانی فضاؤں میں موجود ہیں بلکہ وہ تو زمین کے پرت کے نیچے بھی موجود ہیں کیا بعید ہے کہ یہ زمین کے اندر گرم لاوا کے ذخائر میں بھی موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کا

کفیل ہے اوران کی پرورش کرتا ہے۔ جہاں تک زمینی مخلوق کا تعلق ہے ان کے عمل ربوبیت سے مستفیض ہونے کے بارے میں تو ہم کافی حد تک واقف ہیں لیکن جو مخلوقات فلکیات کے درمیان موجود ہیں یا زمین کی سطح کے نیچے ہیں انکی خلق اور نشوونما کے معاملات سے سائنس ابھی تک بے خبر ہے لیکن ان آیات قرآنی کی بنا پر کم ازکم مسلمان سائنسدانوں کو اس اہم موضوع پر ضرور کام کرنا چاہئے۔

اگر آسمانی خلاؤں میں زندگی ہے اور جیسا کہ قرآن پاک کی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ لازماً ہے تو ہم زمین والوں کو خلائی تحقیقات کے سلسلے میں بڑا محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بڑھتی ہوئی فضائی تحقیقات اور فضائی گاڑیاں زمین کو ان آسمانی مخلوقات سے آلودہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ خلائی جہاز وغیرہ فضاء سے واپسی پر وہاں کے زندہ جراثیموں کو بھی لے آئیں۔ اگر ایسا ہو تو کچھ معلوم نہیں کہ وہ زمینی زندگی پر کیا اثرات چھوڑیں گی۔

تازہ ترین سائنسی انکشافات یہ ہیں کہ فضاء بہت چھوٹے چھوٹے تخموں (Spores) سے اس طرح بھری پڑی ہے جیسے زمین پر کسی بیج کا چھانٹا دیا جاتا ہے۔ (۱۱) یہ فضائی جراثیم فضاء میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک تابکاری کے دباؤ سے حرکت کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے سخت جان ہیں کہ فضاء کی سردی اور دباؤ دونوں برداشت کر سکتے ہیں۔ ان کی اس سخت کوشی کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ زمین پر آجائیں تو ان کو تباہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔

سائنسدان ہائل (Hoyal) اور وکرم (Wikram) دونوں کا خیال ہے کہ دمدار ستارے فضائی جراثیموں کیلئے بہت عمدہ رہائشی جگہ ہیں کیونکہ وہاں کیمیکل اور پانی کے بخارات کے باہمی عمل کی وجہ سے فضاء سازگار اور مناسب گرم بھی ہوتی ہے۔ جو جراثیم کی تخلیق اور زندگی کے پروان چڑھنے کیلئے خوب مناسب ہے۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ ہمارے کرہ ارض پر انفلوئنیزا کے زہریلے جراثیم شاید ان دمدار ستاروں ہی سے پہنچے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو پھر زمین پر اور بھی بہت سی بیماریوں کی وجہ آسمانی وبائیں ہوسکتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ دمدار ستاروں میں رہنے والی ساری کی ساری زندگی انسان دشمن ہو۔ ان میں کچھ ضرور انسان دوست بھی ہوگی۔ انسان کی ابتلاؤں اور خوشحالیوں کے اسباب آسمانوں سے زمین پر اترتے ہیں۔

ان سائنسی قیاسوں سے یہ بات بھی ثابت ہورہی ہے کہ اب سائنس دان بھی وقت کے ساتھ قرآن پاک کی سچائیوں تک پہنچ رہے ہیں۔ یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے اور اس کے منکروں اور ماننے والوں کیلئے ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی اوامر کو بھی بہتر طور پر سمجھنے کی طرف ایک قدم ہے کہ ہر جگہ زندگی کی کفالت و بحالی اور نشوونما اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہی زمان ومکان کا خالق اور مالک ہے۔ قرآن حکیم اس کی طرف سے ایک آفاقی کتاب ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اس کرہ ارض کیلئے رحمت ہیں اور باقی تمام کائنات کے لئے بھی رحمت ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ط وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ O وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ج وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ O

اور وہی آسمان والوں کا معبود ہے اور وہی زمین والوں کا معبود ہے اور وہی حکمت والا علم والا ہے O اور بڑی برکت والا ہے وہ ذات پاک جس کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹو گے O (سورۃ الزخرف، آیات ۸۴ تا ۸۵)

﴿حصہ سوم﴾

حیات بعد الموت

عالم ازل سے ابد تک انسان کی کہانی

- ☆ انسان کی حقیقت اور زمان و مکان میں اس کی تقدیر
- ☆ روح، نفس، زندگی اور جسم کی حقیقت
- ☆ موت اور موت کے بعد کے واقعات
- ☆ عالم الغیب کی مخلوقات
- ☆ عالم برزخ، محشر، روزِ جزا، جنت، اعراف اور جہنّم کے حقائق

Presented by; https://jafrilibrary.com

باب نمبر 22

عالم الغیب کی دنیا

عالم ازل سے عالم آخرت کا جائزہ

22.1 عرض مصنف

کتاب کے پہلے دو حصے عالم شہادت سے متعلق تھے جہاں ہم نے کائنات کو طبعیات کے حوالہ سے سمجھنے کی کوشش کی۔ اب عالم الغیب کی طرف آتے ہیں جہاں ہم کائنات کو مابعد طبیعیات کی دنیا کے حوالہ سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس دوران ہم نسانی نفس، حیات بعد الموت، قیامت اور اس کے بعد یوم الحشر اور یوم جزا جیسے پیچیدہ، دقیق، نازک اور حساس مضامین پر منطق اور دلیل کے ساتھ غور کریں گے۔ ان علوم کے بارے میں مجھے اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا صحیح علم انسانی بس سے باہر ہے۔ یہ منازل ذہن اور عقل کی حدود کا اختتام ہیں اور قلب کی شروعات ہیں۔ لیکن پھر بھی انسان کی کسی قدر تشفی اور تسلی کیلئے ان کا کھوج لگانا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ تمام تر بیانات، دلائل، اور توجیہات مصنف کی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ہیں جو اس نے قرآن پاک اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے اخذ کئے ہیں۔ اس لئے قارئین کو ان بیانات کے سلسلے میں نہ صرف اختلاف کا حق ہے بلکہ اگر وہ مصنف کی اصلاح کریں تو ان کی مہربانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں چیزوں کی حقیقت تک پہنچنے کی معرفت عطاء فرمائے اور جو غلطی ہو جائے معاف کرے۔ (آمین)

22.2 زندگی کے سفر کی ابتداء

سیکولر ذہن یہ کہتا ہے کہ کائنات انسان کا سبب ہے لیکن قرآن کریم کے مطابق انسان غائت کائنات ہے۔ نائب رب العالمین ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس نے سمجھ لیا نفس اپنے کو، سمجھ لیا اس نے اللہ پاک کو" اور قرآن پاک کی سورۃ اعراف کی آیت نمبر 172 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی ہمارے نفوس سے خطاب فرمایا کہ " کیا میں تمہارا رب نہیں " اور سب نے برملا کہا " ہاں! تو ہی ہمارا رب ہے "

شکل نمبر 31: انسانی زندگی کے مختلف ادوار

انسان کی زندگی چار ادوار میں سے گزرتی ہے۔

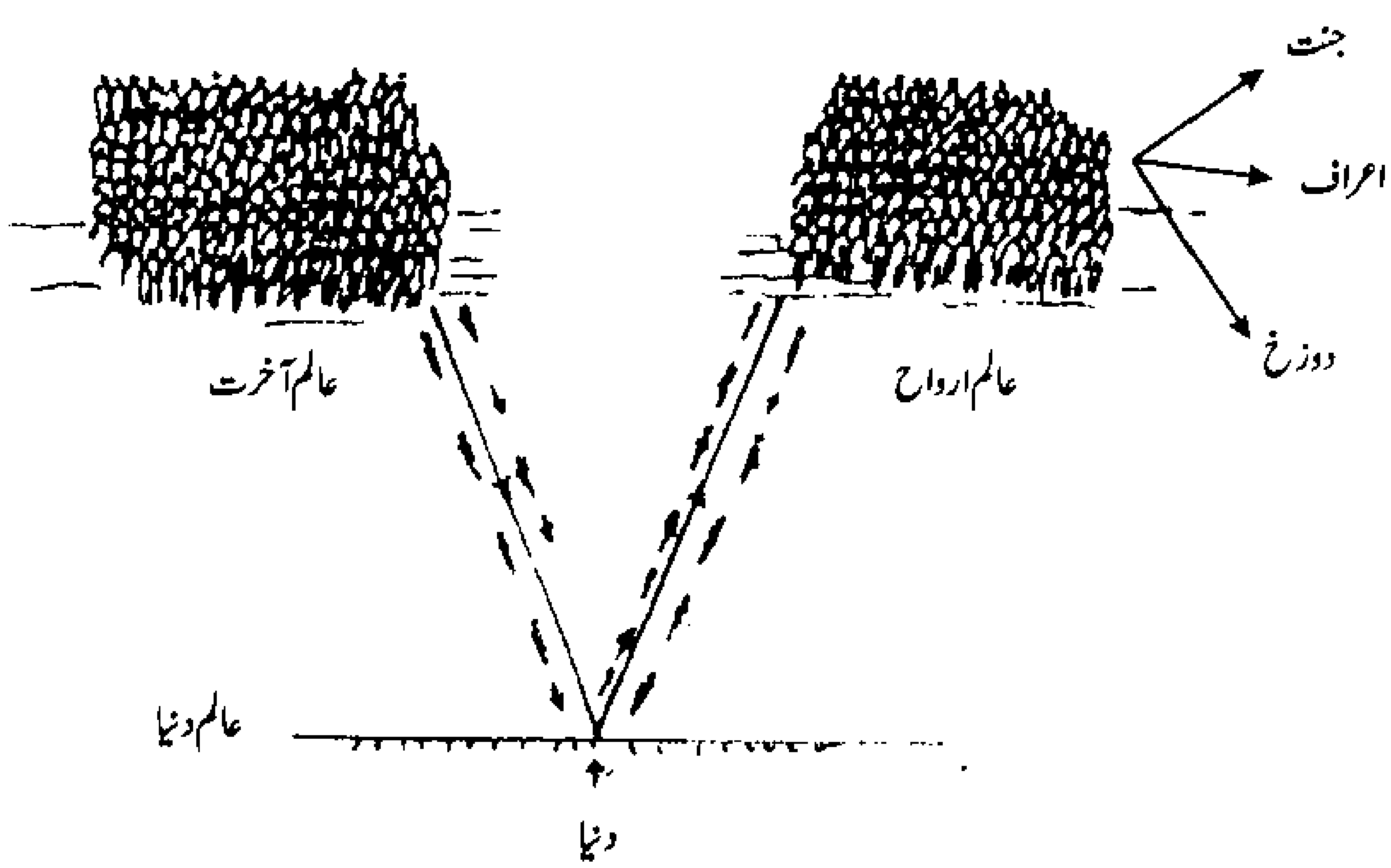
پہلا دور: جب ہم عالم امرمیں تھے۔ وہ ایک طرح سے ترتیبی دور تھا۔ قرآن حکیم سے پتا چلتاھے کہ آدم علیہ السلام کی آفاقی حیات کے دور میں قیامت تک ہونے والی ان کی اولاد کی ارواح کو پیدا کیا گیا اور ان سے اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اقرار لیا۔ اس عالم میں ہماری اپنی ایک بھرپور معاشرت تھی جسکے بارے میں حضور پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو وہاں قریب تھے وہ موجودہ دنیا میں بھی قریب ہوتے ہیں لیکن جیسے ماں کے پیٹ والی زندگی کے حالات کسی کو یاد نہیں ویسے ہی وہاں کے حالات پیدائش کے بعدھم بھول چکے ہوتے ہیں۔ کبھی اگر کوئی بات یاد رہ جاتی ہے تو گمراہ لوگ اس کو ہندوئوں کے مسئلہ آواگون (Reincarnation) سے تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسرا دور: موجودہ دنیا کی زندگی کادور ہے جو ایک کٹھن اور مشکل مرحلہ ہے۔ باربارقرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کا یہ دور امتحانی دور ہے اور جیسا کہ امتحانی وقفہ ہمیشہ مختصر لیکن سخت ہوتا ہے۔ اس دنیا پر ہمارا یہ قیام نہایت ہی اہم وقفہ ہے۔ تقدیر یہاں آدمی کا امتحانی پرچہ ہے اور تقدیر پر ردعمل ہمارا حل کردہ پرچہ ہے۔

تیسرا دور: یوم حشر سے پہلے عالم برزخ کا زمانہ ہے یہ امتحان کے بعد انتظار کا دور ہے جس کی حقیقت خواب کی طرح ہے۔

چوتھا دور: روز جزا کے بعد انعام یا سزا کا دور ہے۔ جنت اور دوزخ کی زندگی اسی کا حصہ ہے۔

شکل یہ دکھاتی ہے کہ ہم کیسے عالم اروح سے اتر کر، امتحانی دور سے گزر کر، عالم برزخ میں سے ہوتے ہوئے، یوم الدین کے بعداپنے اپنے اعمال کے مطابق عالم جزاوسزا میں پہنچ جائیں گے۔



یوں اللہ تعالی نے ہمارے نفوس کو اپنی گواہی کا شرف عطاء کیا۔ یہ تھا عالم الغیب میں ہماری زندگی کے لیے سفر کا ایک نہایت اہم واقعہ۔ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ شاید سورج چاند اور زمین کی پیدائش سے بہت پہلے۔ اس وقت سے سفر مسلسل جاری وساری ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ نفس آج بھی کا اطمینان اپنے مالک کی یاد میں ہے۔ جیسے بارش کا قطرہ سمندر سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی اس سے ملاقات کے لئے بیتاب ہے ایسے ہی نفس کی بیتابی مختلف روحانی ریاضتوں کا باعث بنتی ہے اور دنیا کے تمام مذاہب کا سبب ہے۔

زمان ومکان میں اس طویل سفر کی کئی منازل ہیں۔ انہیں میں سے زمین پر ہمارا یہ مختصر سا قیام ہے۔ افسوس کہ ہم میں سے اکثر نے اسے منزل سمجھ لیا ہے حالانکہ یہاں کا قیام کل کے مقابلہ میں آنکھ جھپکنے سے بھی کم عرصہ ہے۔ ایک کوتاہ نظر اسی عالم کو ساری زندگی سمجھ کر اسی پر اکتفاء کر لیتا ہے اپنی داستان کے چند لمحات کو پوری حیات سے تعبیر کرتا ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل ہی برعکس ہے۔

انسان کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جس مقام پر ہوتا ہے اسی کو سبھی کچھ سمجھ لیتا ہے اور اگلی پچھلی باتیں بھول جاتا ہے۔ مثلاً اگر اچانک بیماری کا سخت حملہ ہو گیا تو ایسا سمجھے گا جیسے کبھی صحت تھی ہی نہیں جب بیماری کے بعد صحت یاب ہو جاتا ہے تو ایسے بھول جاتا ہے کہ جیسے بیماری کبھی آئی ہی نہیں تھی، اسی طرح غربت اور امارت کا حال ہے۔ ایک غریب جسے دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں جب امیر ہو جاتا ہے تو اسے غربت کی گزری ہوئی زندگی خواب سے مدھم معلوم ہوتی ہے۔ یونہی پوری زندگی ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم آگے پیچھے کی سب خبروں کو بھولے ہوئے ہیں سمجھے بیٹھے ہیں جیسے یہی دنیا پہلی اور آخری حقیقت ہے حالانکہ اگر قلبی بصیرت سے دیکھیں تو محسوس ہونے لگے گا کہ زمین پر آنے سے پہلے بھی ہم کہیں تھے اور موت کے بعد بھی ہم قائم رہتے ہیں۔ اس سفر کی مختصر کہانی شکل نمبر ۳۱ میں دی گئی ہے۔

22.3 انسان عظیم ہے

اپنی حقیقت کو سمجھنے کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرے۔ آج انسان جان چکا ہے کہ ٹوٹل کائنات میں نسبتی طور پر زمین کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ سیارہ جسے ہم سبھی کچھ سمجھ بیٹھے ہیں دراصل کائنات کی وسعتوں کے صحرائے اعظم میں ریت کا معمولی ذرہ ہے بلکہ اس سے بھی کمتر حیثیت کا مالک ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس دنیا کو مادر رحم کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو نسبت اس بچے کو اس دنیا کے ساتھ ہے یہی نسبت اس دنیا کو کائنات کے ساتھ ہے۔ بالکل ایسے ہی وقت کی لامحدود وسعتوں میں زمین پر انسانی زندگی کے سو پچاس سال یا انسانیت کے چند لاکھ سال کے انتہائی قلیل لمحے ہیں۔ ایک بے دین ذہن انہی کو سبھی کچھ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مختصر زندگی سے پہلے اور بعد میں کچھ نہیں ہے حالانکہ حقیقت سے یہ بہت بڑی دوری اور غلط فہمی ہے۔

کتنی حیرانی کی بات یہ ہے کہ سائنسدان دنیا کی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی مقصد دیکھتے ہیں لیکن جب انسان کی بات ہوتی ہے تو وہ اسے بے

مقصد بے معنی تخلیق قرار دیتے ہیں؟ اس بھول کی بڑی وجہ شیطان کا بہکاوا ہے اور اس کے علاوہ اپنی کوتاہ نظری اور کمزور یاداشت ہے۔ اسے تو اپنا بچپن بھی یاد نہیں، کل جو کھایا تھا وہ تک بھی بھول چکا ہے۔ لہٰذا اس عقل پر انحصار کر کے ان تمام حقائق سے انکار کر دینا بہت بڑی حماقت ہے۔

اگر ہم اپنی حقیقت کا ادراک کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن پاک کی اس خوشخبری کو ماننا پڑے گا کہ قطع نظر اس بات کے کائنات میں زمین اگرچہ ایک بے جزئیت سیارہ ہے لیکن وجودیت کے کل منظر میں انسان عظیم ترین ہے۔ کائنات کی تخلیق کا مقصد انسان ہے اور انسان کی تخلیق کا مقصد خالق کی پہچان ہے۔ اس نسبت سے وہ زمین اور آسمان سے زیادہ پائیدار ہے اور لاکھوں کروڑوں سالوں سے زیادہ بقاء پذیر ہے۔ قرآن حکیم میں دی گئی اس کی داستان حیران کن بھی ہے اور لازوال بھی۔ اس کے مطابق زمان و مکان کی کہانی دراصل انسان کی اپنی کہانی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اس موجودہ کائنات سے پہلے وجود میں آیا تھا یا بعد میں؟ جہاں تک اس کے مادی جسم کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں اور انسان کے جسم کے ذرات خود دلالت کرتے ہیں کہ وہ کائنات کا ایک حصہ ہیں بلکہ ہماری زمین پر وہ زمین کی تخلیق سے بہت بعد کی تخلیق ہے لیکن انسان کی ٹوٹل کہانی میں اس کا جسم تو ایک نہایت عارضی لبادہ ہے، پہنا اور پھینک دیا۔ قرآن پاک انسان کو عظیم اور قدیم ہونے کا مرتبہ عطاء کرتا ہے۔ یعنی زمینی ظہور سے پہلے بھی ایک خاص حیثیت میں انسان کا وجود موجود تھا اور یہاں سے روانگی کے بعد بھی وہ کسی نئی حیثیت میں قائم رہتا ہے۔

اس کہانی کے مطابق انسان اپنے اولین دور میں جنت کا باشندہ تھا۔ اپنے زمینی ظہور سے پہلے وہ عالم ارواح میں رہتا تھا وہیں سے اتر کر زمین پر آیا۔ اس وقت سے یہ سلسلہ جاری ہے اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ بھی اس وقت عالم ارواح میں موجود ہیں اور وہیں سے عالم ظاہر میں اترتے ہیں اور جیسے پھول بار آور ہوتا ہے وہ بھی جسم میں داخل ہو کر عالم شہادت میں اپنا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے اور پھر اس دنیا میں اپنے امتحان کی چند گھڑیاں گزارنے کے بعد حشر نشر کیلئے عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ بالآخر حساب کتاب کے بعد وہاں سے عالم جزا میں چلے جائے گا۔ عالم جزا میں پھر بے حساب مدارج ہیں اور یوں یہ سفر جاری ہی رہتا ہے۔ شکل نمبر ۱۳۱ اور شکل نمبر ۱۳۲ اس اظہار کی ادنیٰ کوششیں ہیں۔

22.4 حقیقت کی عالمین میں تقسیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

ساری تعریفیں اور جملہ صفات تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کے لئے ہیں O (سورۃ فاتحہ۔ آیت ۱)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صحابہ کرام میں سے بعض کا خیال تھا کہ عالم اٹھارہ ہزار ہیں یعنی لاتعداد ہیں جو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کائنات اور اس میں زمان و مکان کے مختلف ادوار ہیں مثلاً ماضی، حال اور مستقبل کے ادوار، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، جنات اور

ملائکہ یعنی اللہ تعالیٰ کی انواع واقسام کی مخلوقات سبھی عالمین کی تعریف میں آتی ہیں۔ان میں سے کچھ عالم انسان کیلئے ظاہر ہیں اور کچھ باطن۔اپنے ذہن اور شعور سے انسان ظاہر کے عالموں کا تو کسی حد تک مشاہدہ کر سکتا ہے لیکن عالم باطن کی حقیقت کو جاننے کیلئے روح کا وجدان چاہئے۔

مادی اور ظاہری کائنات کے علاوہ باقی تمام حقائق عالم الغیب کا حصہ ہیں جس پر ایمان لانا دین کی لازمی شرط ہے سورۃ البقرہ کے آغاز میں رب تعالیٰ متقین کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ "یہ وہ ہیں جو غیب کے حقائق پر ایمان لانے والے ہیں ملائکہ ارواح جنات اور دیگر غیر طبیعاتی مخلوقات کا تعلق عالم الغیب سے ہے۔ان کے علاوہ تمام نامعلوم بھی عالم الغیب میں آتا ہے۔علم کی شان یہ ہے کہ یہ انسان پر عالم الغیب کے حقائق کو ظاہر کرتا ہے۔" عالم الغیب کے بے شمار علاقے ہیں انہی میں ایک کا نام عالم امر ہے جہاں ڈیزائن ہے،اسکے ساتھ ہی عالم ارواح ہے، جہاں روحوں سے رب تعالیٰ نے اپنے بارے اقرار کروایا تھا اور تمام نبیوں سے سرور کائنات خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر شہادت طلب کی تھی۔ عالم ازل، عالم آخرت اس کی دو انتہائیں ہیں۔

ان کے سامنے عالم الظاہر ہے جو عالم موجودہ زمان ومکان اور مادی کائنات پر مشتمل ہے۔اسکے حقائق تمام زمین و آسمان اور مخلوقات کا حصہ ہیں۔اسکو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے۔ہماری ارضی حیات اسی عالم کا ایک حصہ ہے۔اس عالم کی اصل غایت، رب تعالیٰ کی معرفت ہے کہ مخلوقات کے مشاہدہ سے خالق کو پہچانا جائے۔مشاہدہ، سائنس، حساب، غور وفکر کی صلاحیتوں سے انسان پر عالم الغیب کے حقائق کھلتے ہیں اور عالم ظاہر کی سمجھ آتی ہے۔

22.5 عالم ازل اور عالم آخر

اس شاندار داستان میں عالم ارواح اور عالم آخر دو وسیع میدان ہیں جن سے پہلے اور بعد کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ عالم ارواح سے بھی پہلے ایک عالم تھا جس میں صرف اور صرف اللہ کی واحد ذات تھی۔وہ عالم ازل ہے، عالم ارواح اس سے متصل طبقہ ہے اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے اپنی معرفت کیلئے ہستی کو تخلیق کیا۔یہ سب عالم باطن کے راز ہیں یہاں آنے سے پہلے ہم سب وہاں رہتے تھے اور یہاں کے بعد ہمیں پھر عالم آخرت کی طرف پلٹنا ہے۔جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے۔

ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا آغاز پہچان کے اظہار کے امر کے بعد عالم باطن سے ہوا جس کی وجہ آدمی بنا جو اللہ نہیں لیکن اللہ نما ہے۔مالک کن نے کائنات کو اس اللہ والے کی بنایا۔یعنی اول امر انسان کا ڈیزائن تھا جس کے بارے میں ارشاد ہے "**خلق الانسان فی احسن تقویم** "اور انسان کو بہترین ڈیزائن پر پیدا کیا گیا ہے (سورہ التکاثر) اور پھر فرمایا "**ولقد کرمنا بنی آدمی** "" ہم نے نوع انسانی کو عزت والا بنایا" چنانچہ اس کو حقیقت کے منظر میں لانے سے پہلے خوب تیاری کی گئی جیسے کسی معزز مہمان کی آمد سے پہلے گھر کو سجایا

جاتا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی مخلوقات وہ نوری ہستیاں تھیں جنہیں فرشتے اور ارواح کا نام دیا جاتا تھا ان کی تخلیق کی وجہ بھی آدمی تھا کہ ان سے اس کے اعزاز کا اعتراف کروانا تھا۔

بہر حال عالم ازل مادیات سے خالی ہے۔ وہ لطیف ترین عالم ہے، اس کی خصوصیت امر ربی ہے، وہاں ہر چیز اپنے ڈیزائن کے لحاظ سے زندہ ہے جو روح کے مصداق ہے۔ تقدیر کا فیصلہ بھی عالم ازل ہی میں طے ہو جاتا ہے جو ہر ڈیزائن کی خصوصیت ہے۔

اس کے برعکس عالم ظاہر وہ عالم ہے جہاں ڈیزائن کو مادی جسم عطاء کر کے آزمایا جاتا ہے اس کا نام اسفل السافلین ہے۔ یہاں اسے آگے بڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس دوران اگر وہ اپنی اصل ہیت کو ضائع کر بیٹھے تو اسے رد (Reject) کر کے ردی خانہ میں بھیج دیا جاتا ہے۔

اگر سائنس کے مطابق یہ مان لیا جائے کہ زمان و مکان (Time and Space) کی پیدائش بھی اس کائنات کے نکتہ آغاز سے ہوئی ہے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ عالم ازل کائنات سے پہلے کا عالم (Pre- Universe) ہے۔ اس وقت زمان و مکان اللہ تعالی کی وحدت میں گم تھے۔ کائنات امر میں تھی اور امر کن کا منتظر تھا۔ اس عالم میں ڈیزائن تھا تقدیر تھی لیکن اسباب نہیں تھے۔ یوں ظاہر کی دنیا باطن میں تھی جیسے درخت بیج میں بند ہوتا ہے اور بیج کا راز DNA ہے۔ جس کی بنیاد ڈیزائن میں ہے اور ڈیزائن کا انحصار ارادہ پر ہے۔ عالم ازل تمام وجود لاوجود میں تھا۔

صفر = (ہر چیز) - (ہر چیز)

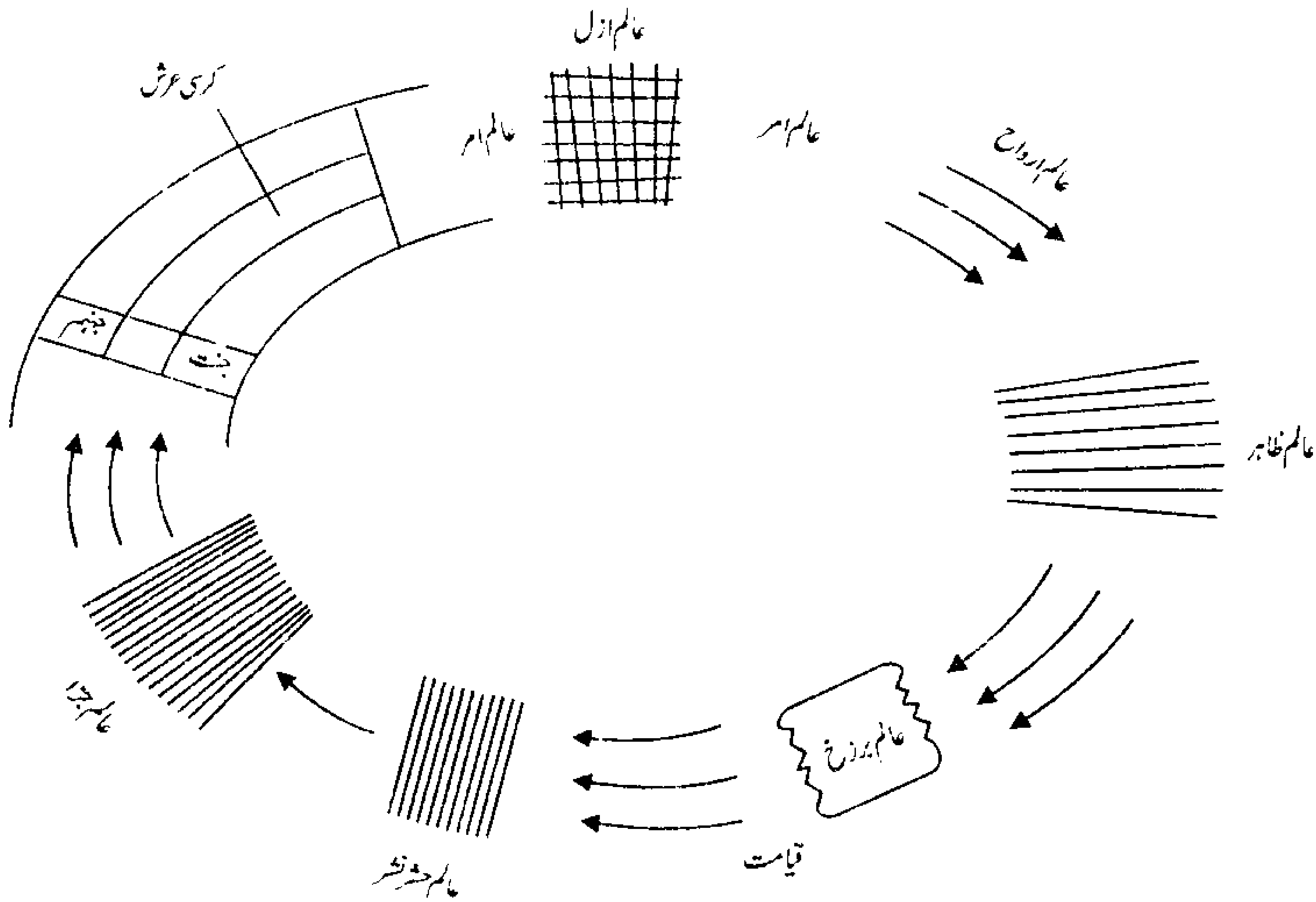
یوں انتہائے آغاز سے پہلے کائنات بشمولہ ہم اور تم سب لاوجود میں موجود تھے۔ جیسے صفر میں ہر چیز منفی ہر چیز ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالی نے چاہا کہ ظاہر کی تخلیق ہو لاوجود عالم مشاہدہ میں آئے تو اس نے لاوجود کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک مثبت اور دوسرا منفی (Matter and Anti Matter) اور یہ سب کچھ جس شدت سے ہوا اسے سائنس کی زبان میں بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے۔ یوں حقیقت عالم مشاہدہ میں ابھر آئی اور مزید واضح کرنے کے لئے اللہ تعالی نے عالم ارواح سے متصل عالم اجسام کو پیدا کیا۔ اس لئے انسان کی طبیعات کا تعلق علم اجسام سے ہے اور مابعد طبیعیات کا تعلق علم ارواح سے ہے۔ اور ہمارے اس زمانی و مکانی دور میں عالم باطن عالم ظاہر کے متوازی چل رہا ہے۔ آخر میں عالم ظاہر پھر عالم باطن میں گم ہو جائے گا یعنی اصل دائمی حقیقت عالم باطن کی دنیا کی ہے۔ ازل اور آخرت اس انتہا کے انتہائی دو رخ ہیں۔ سمجھنے کی خاطر عالم امر کی مثال کمپیوٹر اور اس کے سافٹ ویئر (Computer Soft Ware) کی طرح ہے۔ سافٹ ویئر وجود کا سبب ہے لیکن وجود نہیں، باطن میں وہ سب کچھ ہے لیکن ظاہر میں کچھ بھی نہیں۔ اس کو سمجھنے کیلئے ایک اور مثال انسانی جینز (Genes) کی ہے جو محض کچھ امر (احکامات و ہدایات) ہیں جن کے مطابق انسانی کا ابتدائی خلیہ (Human Egg) نشو و نما پا کر پورا آدمی بن جاتا ہے، وہ اس کی تمام زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ماسوائے مالک کی کچھ ہدایات کے کچھ بھی نہیں۔

شکل نمبر 32: مختلف عالموں کا خاکہ

اللّٰہ تعالیٰ کی تخلیقات بے حساب ہیں۔ وہ رب العالمین ہے۔ اس کی تخلیقات مختلف عالموں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ہر عالم میں ان گنت تخلیقات ہیں اور عالموں کی تعداد بھی بے حساب ہے۔ پھر عالموں میں بیشمار منازل ہیں جن کی حقیقت بھی صرف اللّٰہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ذیل میں انسان کی تقدیر اور اس کے مقامات کی نسبت سے کچھ عالموں کا نقشہ ہے۔ اول، آخر، ظاہر اور باطن اللّٰہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے۔ وہی ہر چیز کا وارث ہے۔ وہی عالم ازل ہے۔ اس عالم کے متصل عالم امر ہیں جس کی مخلوقات وملائکہ اور نوری ارواح ہیں۔ جو ملائکہ اور انسانی ارواح کا مسکن ہے۔ اپنے سے باہر اپنی پہچان کے لئے اس نے اپنی صفت زمان ومکان کو امر کن (Big Bang) کے ذریعہ آزاد کردیا اور باطن سے حقیقت اٹھ کر عالم مشاہدہ میں ابھر آئی ۔ کل میں جذب کی شدید خواهش لئے آخر میں پھر سے باطن میں چھپ جائے گی۔

حضرت عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم کی کتاب سر الاسرار میں عالموں کے ناموں میں فرق ہے انھوں نے عالم امر کو عالم لاھوت، عالم ازل کو عالم جبروت، عالم ارواح کو عالم ملکوت اور عالم ظاہر کو عالم الملک کا نام دیا ہے۔ عالم الجبروت والے عالم میں جنت الفردوس ہے۔ عالم الملکوت میں جنت المقیم اور عالم الملک میں جنت الماوٰی ہے۔ جهنم بھی عالم الملک میں ہے۔ واللّٰہ اعلم۔



22.6 عالم امر

عالم امر، عالم ازل سے ملحقہ عالم الغیب کا علاقہ ہے۔ام الکتاب سے ڈیزائن کی صورت میں واقعات یہاں اترتے ہیں۔تقدیر کے مطابق پروگرام، منصوبہ بندی اور حکم عالم امر کی خصوصیات ہیں۔اس کے ساتھ ارواح اور ملائکہ کا مقام ہے۔یہیں سے واقعات کا عالم شہود میں ظہور ہوتا ہے یہیں سے دنیا کے معاملات کا کنٹرول ہوتا ہے۔یہیں سے ارواح اور ملائکہ حکم لیتے ہیں اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق عالم ظاہر کی ذمہ داریوں میں لگے ہوئے ہیں۔

میثاق اولیٰ

عالم ارواح میں اللہ تعالی نے نفوس سے اپنی پہچان کروائی۔قرآن پاک میں اس عظیم واقعہ کا جو تذکرہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے وہاں تمام نفوس کو اکٹھا کیا اور بیک وقت سب سے اپنے متعلق پوچھا۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت نہایت قابل غور ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ O

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور انہیں خود ان کے اپنے آپ پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' سب بولے۔ہاں (تو ہمارا رب ہے) اور ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ کہیں قیامت کے دن یہ کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی O (سورۃ اعراف، آیت ۱۷۲)

یہ اعتراف آج تک انسانی سرشت اور فطرت (Gentic Code) میں داخل ہے۔کوئی پکے سے پکا دہریہ کیوں نہ ہو، اپنی تنہائیوں اور پریشانیوں میں کبھی نہ کبھی وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ "یا اللہ، یا اللہ O! God , My God" اگر زبان سے نہ بھی کہے تو بھی اپنے انکار کے بارے میں شک رکھتا ہے۔

عالم ارواح کا ایک عہد تو عمومی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن وہاں کچھ خصوصی لوگوں سے ایک اور خصوصی عہد بھی لیا گیا تھا جس کے بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ O

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اس کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں گا (اس پر عمل کرنا)۔ پھر تشریف لائیں گے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری (کتابوں) کی تصدیق کریں گے تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور اس ذمہ داری کو قبول کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم پس گواہ رہو اور میں تم سب پر گواہ ہوں O (سورۃ آل عمران، آیت ۸۱)

ان آیات مبارک سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حیات ارضی سے پہلے عالم ارواح میں تمام انسان موجود تھے، اور جنہوں نے ابھی پیدا ہونا ہے وہ ابھی تک وہاں ہیں۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زمین پر انسانوں میں جو فطری امتیاز پائے جاتے ہیں وہ دراصل عالم ارواح ہی سے چلے آتے ہیں۔

مثلاً اللہ کے نبی عالم ازل میں بھی نبی تھے۔ سورۃ آل عمران کی آیات مبارکہ ۸۱ سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد پہلے آنے والے تمام نبیوں کی تعلیمات ساقط ہو جاتی ہیں اور ان کے ماننے والوں کیلئے آپؐ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ حدید کی آیات نمبر ۳ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ فرما کر کہ "وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے" یہ ظاہر کر دیا ہے کہ عالم ازل، عالم آخر، عالم باطن سب عالم اسی کی اپنی عظیم حقیقت الواحدہ (The Grand Singularity) کا عکس ہیں۔

عالم ازل یعنی پری یونیورس (Pre- Universe) کے اپنے ہی حساب کتاب تھے موجودہ کائنات اس میں پنہاں تھی۔ جیسے صفر کے اندر تمام مثبت اور منفی وجود برابر برابر موجود ہوتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال پانی کی تین مختلف حالتوں کی سی ہے۔ یہ ٹھوس بھی ہے مائع اور گیس بھی۔ اگر پہلی کائنات اس کی منجمد حالت سے مماثلت رکھتی تھی تو موجودہ کائنات اس کی مائع حالت جیسی اور آخرت کی مثال گیس والی حالت جیسی ہے، یعنی پہلی کائنات میں زمان ومکان سبھی منجمد حالت میں تھے اور اب وہ مائع کی مانند سیال اور متحرک ہیں اور عالم آخرت میں گیس کی طرح لطیف ہوں گے جدھر چاہیں گے اڑتے پھریں گے۔

22.7 کائنات میں انسانی سفر

اللہ تعالےٰ نے ''صور کن'' یعنی بگ بینگ (Big Bang) سے عالم ازل کو عالم باطن اور عالم ظاہر دو متوازی عالموں میں بانٹ دیا، جسے مثبت و منفی ایک میں بانٹا جاسکتا ہے۔یوں بگ بینگ (Big Bang) کا دھماکہ دراصل عالم ازل کے کچھ حصہ کو عالم شہادت میں تبدیل کرنے کا اعلان تھا جس کا مقصود انسانی روح کیلئے مناسب جسم اور اس جسم کی نشوونماء کیلئے تمام ضروریات زندگی کی تخلیق تھا تا کہ اسے عالم ظاہر کی بھی کچھ بہاروں سے متعارف کرایا جائے ، بہرحال کن کے امر کے ساتھ ہی ہر چیز میں حرکت آگئی ،زمان ومکان ایک لا وجودی نکتہ سے کائنات کی شکل میں پھیلنے لگے،ڈیزائن نے مادی شکل لینا شروع کر دی۔اس وقت سے اب تک ڈیزائن ،عالم ظاہر میں پہنچ کر مادی اجسام میں بدلتا رہتا ہے اور اپنی ڈیزائن لائف (Design Life) کے بعد عالم برزخ سے ہوتا ہوا عالم آخرت کو چلا جاتا ہے۔عالم برزخ ،عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

امر کن یعنی بگ بینگ کے آغاز پر منفی اور مثبت وجود آپس میں خلط ملط حالت (Transient State) میں تھے۔ اور "نہ ہونے" میں علیحدہ علیحدہ شناخت ناممکن تھی لیکن بہت تھوڑی بعد مادہ اور توانائی علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے۔اس وقت اللہ کے امر کن کی طاقت سے یہ انتہائی کثیف کائنات پھیل رہی تھی اور کچھ کچھ ٹھنڈی بھی ہو رہی تھی۔سب سے پہلے ایٹم کے بنیادی اجزاء تشکیل پائے پھر ہمارے مہربان خالق نے ان سے الیکٹران، پروٹون اور نیوٹرون پیدا کئے اور پھر بگ بینگ کے دھماکہ کے انتہائی زیادہ درجہ حرارت اور دباؤ کے اثر سے سب سے سادہ عنصر یعنی ہائیڈروجن بنا۔اور یہ سب کچھ ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے یا اس سے بھی کم عرصہ میں ہو گیا۔اس وقت مادہ اور توانائی کا یہ دخانی گولہ (Primordial Matter) بہت بڑی رفتار سے کھلنے لگا اور تقریباً ایک ارب سال کے اندر اندر یہ اتنا بڑا ہو گیا کہ ایٹمی ذرات کے دھوئیں سے علیحدہ علیحدہ مرغولے بننے لگے،اس وقت کشش ثقل نے بھی اپنا کمال دکھانا شروع کر دیا،دخان (دھوئیں) کے یہ مرغولے کثیف سے کثیف تر ہوتے گئے اور یوں انہی سے پہلی نسل کے ستارے بنے۔مزید سکڑنے پر یہ ستارے بھی اپنی تباہی سے دوچار ہوتے گئے لیکن ایسے ہی تباہ کن واقعات کے نتیجہ میں ہائیڈروجن سے کثیف تر عناصر بنے۔

یوں یہ سلسلہ چلتا آیا ہے یعنی آج جن عناصر سے ہمارے جسم بنتے ہیں انہوں نے اپنی حیات میں کئی تبدیلیاں دیکھی ہیں اور کئی دنیاوں اور مرحلوں سے گزرے ہیں۔کسی وقت وہ کارخانہ قدرت میں لطیف گیس مثلاً ہائیڈروجن اور ہیلیم کی دھول تھے پھر انہوں نے ستاروں میں رہائش اختیار کی اور بعد ازاں جب یہ ستارے اپنی عمر کے اختتام پر پاش پاش ہوئے تو بھاری عناصر وجود میں آئے۔یوں اس وقت ہمارے اجسام کے عناصر کہکشاؤں میں بکھرتے گئے اور یونہی سفر کرتے ہوئے کسی نئے سورج کے جسم کی زینت بن گئے جہاں ان کا مزید ارتقاء ہوتا رہا۔یوں بے شمار ستاروں کی قربانی کے بعد ہماری زمین کے عناصر وجود میں آئے جو اب ہمیں جسم اور خوراک دینے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں اگر ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ اپنی پیدائش سے پہلے ہم کہاں تھے؟ تو جواب ہوگا کہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔ اس سے پہلے کہاں تھے؟ تو جواب ہوگا کہ اپنے دادوں کی پشتوں میں موجود تھے اور یوں شروع ہی سے اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں مرحلہ در مرحلہ منتقل ہوتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السّلام تک پہنچ کر رک نہیں جاتا بلکہ جیسا کہ اوپر تجزیہ کیا گیا ہے کہ ہماری زندگی بگ بینگ بلکہ اس سے بھی آگے عالم ازل تک پہنچتی ہے۔ ہماری تاریخ کی یہ عظیم کہانی یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ اگر ماضی میں ہم راہ ترقی پر گامزن رہے ہیں تو مستقبل میں بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا، یقیناً موت کے بعد بھی ہم کسی اور حالت میں موجود ہوں گے اور اس کے بعد بھی یہ سفر مسلسل رواں دواں رہے گا۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا میں پھر بھی زندہ کر کے نکالا جاؤں گا ۝ اور کیا انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے بنایا تھا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ۝ (سورۃ مریم، آیات ۶۶ تا ۶۸)

ان آیات مبارکہ میں قرآن پاک ہمیں یہ دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنی پہلی حالت پر ذرا غور کریں تا کہ زمان و مکان میں ہمیں اپنی پہچان حاصل ہو۔ اس مختصر اور عارضی ارضی حیات کو ہی کچھ سمجھ کر اپنا دائمی نقصان نہ کر بیٹھیں۔

22.8 عالم قبور یا عالم برزخ

موت کے بعد نفوس عالم برزخ میں داخل ہوتے ہیں جو عالم ظاہر کے متوازی عالم ہے اور اس کی حدود ایک طرف عالم ظاہر دوسری طرف عالم حشر و نشر سے ملتی ہیں۔ یہ عالم محسوسات کا ہے جیسے زندگی میں عالم خواب ہے یہاں جنت میں نہ ہوتے ہوئے بھی کچھ جنت کے مزے لوٹتے ہیں اور بدقسمت جہنم میں نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی آگ سے جھلستے ہیں۔ یہاں کچھ پر نیند کی مدہوشی ہوتی ہے اور صور اسرافیل ہی ان کو جگا سکے گا۔ یہیں کچھ خوش قسمت آزاد روحیں بھی ہیں جن پر رب کائنات اپنی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے وہ زمین و آسمان میں جدھر چاہیں سیر کرتے ہیں۔ اپنے رب کی تخلیقات دیکھ کر تسبیح کرتے ہیں۔ عالم برزخ کا ایک عمل قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ حکم ہوگا قرآن پڑھتے جاؤ اور پھر بلند ترقیوں کی طرف چڑھتے جاؤ۔ چنانچہ ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سیکھیں لیکن اس کا انحصار ان کا دنیا میں قرآن کریم پر ادراک ہوگا۔

22.9 عالم آخرت

اپنی اپنی قیامت کے بعد عالم شہادت اور عالم برزخ کی تمام تخلیقات عالم آخرت میں داخل ہو جاتی ہیں یہ بہت ہی وسیع عالم ہے اسکی کوئی حد نہیں۔ عالم حشر ونشر، یوم الدین اور عالم جزا وسزا اسی عالم کے جزو ہیں۔ جنت، دوزخ اور اعراف اسی کے علاقہ جات ہیں اس کی وسعت بے انتہاء ہے۔ صرف جنت کا علاقہ موجودہ ساری کائنات سے بھی بڑا ہے۔ اسی طرح وہاں کی تمام دیگر چیزیں بھی اپنے حجم میں بہت بڑی ہیں مثلاً حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت کے ایک درخت کا سایہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے نیچے اگر ایک گھڑسوار ستر سال دوڑتا رہے تو سایہ ختم نہیں ہوگا۔"

22.10 کرسی اور عرش

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ موجودہ جہان کی عالم آخرت سے وہ نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کو اس دنیا سے ہے اور یہی نسبت موجودہ کائنات کو اللہ تعالیٰ کی کرسی سے ہے اور یہی کرسی کی نسبت عرش سے ہے۔ جہاں تک کرسی کا تعلق ہے اس کا بیان آیۃ الکرسی میں ہے فرمایا "وسع کرسیہ السموات والارض" یعنی اللہ تعالیٰ کی کرسی زمین وآسمان سے وسیع تر ہے یا زمین وآسمان میں پھیلی ہوئی ہے۔ عالم ظاہر کی وسعت کا حال یہ ہے کہ روشنی اپنی ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پندرہ ارب سالوں میں اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکتی یہاں سے آپ اللہ تعالیٰ کی کرسی اور اس کے عرش کی وسعت کا اندازہ کریں۔ یہ سب انسانی تصور سے بہت اوپر کی چیزیں ہیں یعنی اللہ کی کرسی کو کسی خیالی کرسی اور اس کے عرش کو کسی بادشاہ کے تخت کی مثال سے دیکھنا رب العالمین کی ذات مبارک کو محدود کر دینے کے مترادف ہے اور سخت بے ادبی کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسکی کرسی اور عرش کے آگے زمان ومکان کے اندازے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

22.11 حاصل بحث۔ انسان کی اصل

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی اصل اس کا نفس (روح) ہی ہے اس کا موجودہ جسم صرف عالم ظاہر سے رابطہ کا ایک ذریعہ ہے جبکہ نفس ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جہاں تک نفس اور روح میں کیا فرق ہے۔ ان میں سے اولین روح ہے اور زندگی کے اعمال اور ماحول کے زیر اثر جو شخصیت بنتی ہے وہ نفس ہے۔ عالم امر میں جسم کے بغیر وہ روح ہے اور عالم شہادت میں جب اسے جسم مل جاتا ہے تو اس کو نفس کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے

ہی ہے جیسے پانی کی ایک حالت بخارات ہے، دوسری مائع اور تیسری ٹھوس حالت ہے۔ بخارات کی حالت میں یہ آزاد ہر طرف اڑتا پھرتا ہے لیکن مائع کی حالت میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کیلئے اسے کوئی برتن چاہئے۔ اور منجمد حالت میں وہ ٹھوس ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہماری روحانی شخصیت کیلئے ہمیشہ نفس کی اصطلاح کرتا ہے اس لئے کہ دنیا پر اعمال کے بوجھ کی بنا پر روح کی شکل بدل جاتی ہے۔ (نفس اور روح کی مزید تفصیلات اگلے ابواب میں دی جا رہی ہیں)۔

یہاں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم سب عالم ارواح میں موجود تھے، وہاں سے ہر انسان اپنے اپنے وقت پر عالم دنیا پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ وہاں ہماری زندگی کیسی تھی؟ اسی کی یادداشت پیدائش کے حادثہ پر ہم کھو دیتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو نفوس وہاں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے ہیں وہ اس دنیا میں بھی اپنے درمیان ایک فطری محبت رکھتے ہیں یعنی وہاں کی اپنی ایک بھرپور معاشرت ہے۔ شاید آپ کا اپنا تجربہ بھی ہو کہ بعض اوقات کسی سے زندگی میں پہلی بار ملتے ہیں لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے جانتے تھے اور بعض لوگوں سے جو بلا وجہ دوری محسوس ہوتی ہے۔ یہ عالم ارواح میں باہمی تعلق کی یادوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس دنیا یعنی عالم ظاہر میں مختلف انسانوں کے درمیان جو فطری امتیاز نظر آتے ہیں وہ دراصل عالم ارواح سے ہی چلے آ رہے ہیں۔ مثلاً اللہ کے نبی وہاں بھی نبی تھے اور دنیا میں اپنی پیدائش پر بھی نبی ہوئے۔ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا یہ مطلب ہے کہ اب عالم ارواح میں کسی نبی کا نفس باقی نہیں رہا۔ وہ سب دنیا سے گزر کر عالم آخرت میں جا چکے ہیں۔

ہر دنیا کے اپنے تقاضے ہیں اور علیحدہ علیحدہ ماحول ہیں۔ جب انسان ارضی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو ارضی اسباب سے رابطہ کیلئے اسے مادی جسم کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے جیسے ہی کسی روح کے دنیا میں آنے کا حکم ہوتا ہے، ماں کے پیٹ میں اس کے جسم کا انتظام ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ وہ ذات پاک آنے والے مہمان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے اس کی پیدائش سے پہلے ہی اسباب کا انتظام کر دیتا ہے جن میں سے ماں باپ بھی ایک ذریعہ ہیں۔

جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کو ''مواقع تقدیر'' مہیا کر دیتے ہیں جن کو اختیار کرنے سے وہ اپنی حیثیت ثابت کر سکتا ہے۔ اگرچہ دنیاوی قیام نہایت مختصر ہے لیکن مواقع تقدیر میسر ہونے کی بناء پر یہ لمحات نہایت ہی قیمتی ہیں۔ یہاں کا ایک ایک لمحہ عالم ارواح اور عالم آخرت کے کروڑوں سالوں پر بھاری ہے۔ یوں سمجھیں کہ یہ نفس کا بھٹی سے گزرنا ہے۔ بھٹی میں اگرچہ وقت تھوڑا چاہئے لیکن لوہے کی آخری خاصیت اسی پر منحصر ہوتی ہے۔ جب دنیاوی زندگی سے گزر کر نفس مادی وجود سے الگ ہوتا ہے تو اس کی بالیدگی کا انحصار انہی مواقع تقدیر کے صحیح استعمال کی سعی کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔

اس دنیا سے اگلی منزل کا نام عالم قبور یا عالم برزخ ہے۔ وہاں بھی سفر جاری رہتا ہے۔ وہاں برزخ کے سفر کا سارا انحصار اس رخ اور مقام پر مبنی ہے جس پر ہم نے دنیا کو چھوڑیں گے۔ اب ہمارے سامنے موت سے روز حشر تک کا طویل عرصہ ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کے بتائے

ہوئے راستے کے علاوہ کسی اور دلچسپی میں گزار دیا ان کیلئے یہ اربوں کروڑوں سالوں کا عرصہ ممکنہ نتائج کے خوف کی وجہ سے نہایت ہی مایوس کن، غم اور پریشانی کا ہوگا۔

تیسرے مرحلہ کا آغاز کائنات کی قیامت سے ہوگا۔ اسی میں حشر نشر اور حساب کتاب بھی ہوگا جو عالم آخر کی ابتداء ہیں۔ اسکے بعد خوش قسمت لوگ جنت میں جائیں گے، کچھ بے چارے جہنم میں جائیں گے اور کچھ مقام اعراف پر منتظر ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہنم بھی دراصل انسانوں کو عبرت دلانے اور پاک وصاف کرنے کا ایک ذریعہ بنے گا۔ اس کی ذات پاک رحیم وکریم ہے اس نے اپنے لئے لکھ لیا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے چنانچہ اس کی رحمت دوزخ کی آگ کو بھی ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ جوں جوں گناہوں کی غلاظت اور آلودگی جل کر ختم ہو جائے گی تو اللہ اپنے حکم سے لوگوں کو عالم اعراف میں بھیج دیں گے اور وہاں سے ترقی پا کر جنت کے پہلے درجہ میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی بھی احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آخر کار جہنم کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں گے لیکن سزا کی یہ مدت کتنے ارب اور کھرب سال ہوگی، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے باغی مشرکین ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا ایندھن بن کر جلتے رہیں گے۔

دنیا میں ہمارے قیام کا وقفہ آزمائش کا وقت ہے جس میں ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کے آزمانے اور بڑھانے کا موقع دیا جاتا ہے تا کہ احسن اعمال والے بداعمال والوں سے علیحدہ ظاہر ہو جائیں۔ آنے والی ممکنہ خوشیوں کے حصول اور مایوسیوں سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ موجودہ زندگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ ایک تو زندگی کا رخ ٹھیک ہو دوسرے عمل ٹھیک ہوں۔ اگلے جہانوں میں ہمارے مقام کا دارومدار اس کیفیت پر ہے جس پر ہم اس دنیا کو چھوڑتے ہیں۔ اس لئے یہاں کا قیام ہمارے سفر کا قیمتی ترین حصہ ہے اور یہ سنہری موقع ہے کہ انسان اپنے نفس کی بالیدگی کیلئے محنت کرے۔ یہاں کی دو رکعت نماز وہاں کے لاکھوں سال کی عبادت پر بھاری ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک انسان کی کامیابی کیلئے وہ راہنماء کتاب ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل پر " کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا " کے اصول کھول کھول کر بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ہم اس کے اوامر ونواہی سے روگردانی کریں گے تو ہم اپنے نفس کو اسفل سافلین سے اٹھا نہیں سکتے۔ اسی دلدل میں پھنسے رہ جائیں گے۔ یعنی بہت نچلی سطح پر لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے غفلت، دنیاوی فوائد کی کثرت کی بھوک، فرائض سے چشم پوشی اور برائی سے رغبت، یہ سب چیزیں نفس کی ترقیوں کیلئے زہر قاتل ہیں۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان آلائشوں کو دھونے کیلئے جہنم میں کتنے کھرب سال رہنا پڑے۔

انسان کے فطری مراتب کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "ہم نے بنی آدم کو عزت وتکریم عطاء کی ہے" اور اس میں مومن اور کافر کی کوئی تفریق نہیں۔ اپنی پیدائش میں سبھی احسن التقویم ہیں۔ سبھی کو اسفل السافلین سے اٹھ کر ہی مقام علیین کو پاتا ہے۔

اس بات کا قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ خود اعلان فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍO ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ O
اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌغَیْرُ مَمْنُوْنٍO

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ڈیزائن پر بنایا ہے O پھر اسے نیچے سے نیچے کی طرف پھیر دیا O (اس حالت سے کوئی نہیں نکل سکتا) مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، پس ان کے لئے بے حساب اجر ہے O
(سورۃ تین، آیات ۴ تا ۶)

افسوس کہ شیطان کی دوستی میں انسان اپنے ان اعلیٰ مدارج اور مراتب کا تحفظ نہیں کر پاتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں تنبیہہ فرماتا ہے کہ "انسان گھاٹے میں ہے ماسوائے ان کے جو ایمان لائے، نیک عمل کئے اور آپس میں صبر اور اچھائی کی تلقین کرتے رہے۔

حدیث مبارکہ

جناب عبادہ بن الصامتؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب مومن پر موت کی گھڑی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے خوشخبری اور رحمت کی خوش کن خبر موصول ہوتی ہے۔ اس وقت اس کو کسی شے سے اتنی محبت نہیں رہتی جتنی آنے والی گھڑی سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات عطاء کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے لیکن کافر کیلئے موت کی گھڑی اس کے سامنے آتی ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے بری خبر پہنچتی ہے کہ اسے برے اعمال کا بدلہ ملنے والا ہے تو اس کے بعد وہ آنے والی گھڑی کے نام سے بھی ڈرتا ہے اور اللہ کے ساتھ ملاقات سے اس کو خوف آتا ہے۔ (صحیح بخاری)۔

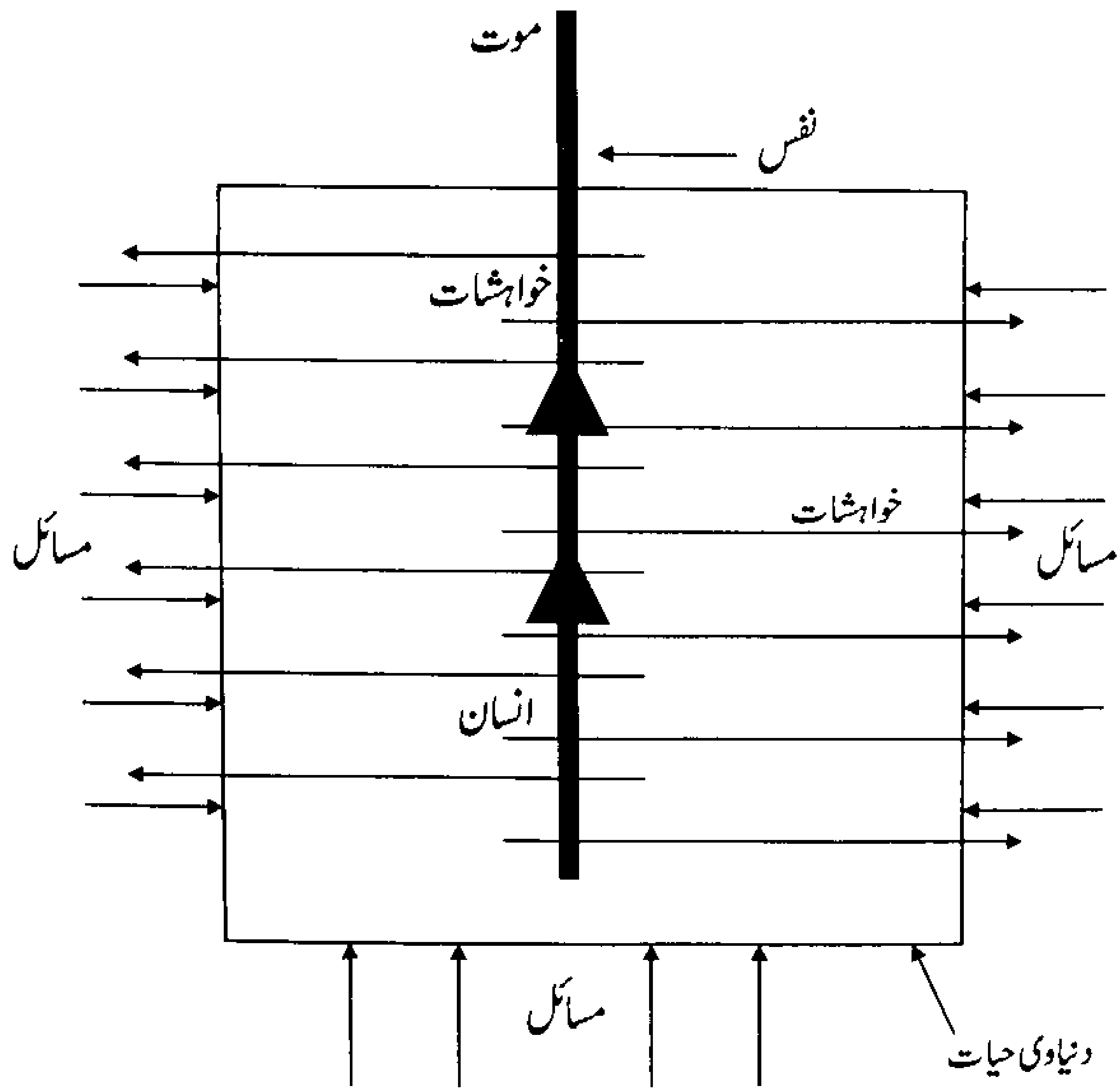
اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "موت مومن کو تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے" علامہ اقبال نے اپنے الفاظ میں انہی حقائق کو یوں پیش کیا۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم

سبحان اللہ، مومن مسکراہٹ کے ساتھ موت کے تحفہ کا انتظار کرتا ہے۔

شکل نمبر 33:   خواہشات مسائل اور انسانی نفس

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے زمین پر ایک مربع کی شکل بنائی پھر اس کے درمیان ایک لکیر کھینچی جس کو اس مربع کے باھر تک بڑھا دیا اور اس کے گرد بہت سی چھوٹی چھوٹی لکیریں بھی کھینچ دیں اور فرمایا یہ بڑی لکیر انسان کی مثل ھے اور یہ مربع انسانی زندگی کا مستقر ھے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ھے اور یہ لکیر جو اس مربع سے باھر نکل گئی ھے یہ انسانی خواھشات ھیں اور اس کے ارد گرد جو چھوٹی چھوٹی لکیریں لگائی گئی ھیں یہ انسان کیلئے ابتلائیں اور بد بختیاں ھیں(یعنی ابتلائیں اور مصائب خواھشات کی وجہ سے ھیں زیادہ خواھشات زیادہ مسائل) اور اگر وہ دوسری ابتلاء سے بھی بچ گیا تو تیسری اس کو آ گھیرے گی(صحیح بخاری)



22.12 لمحہ فکریہ

ایک مادہ پرست انسان کو اپنے مادی عناصر کے قدیم ہونے پر یقین کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہوتی۔ وہ یہ جانتا ہے کہ مادہ اور توانائی کا چولی دامن کا ساتھ ہے وہ ایک دوسرے میں تبدیل بھی ہو سکتے ہیں۔ مادہ سے توانائی پیدا ہو سکتی ہے اور توانائی مادہ کو جنم دیتی ہے۔ وہ یہ بھی مانتا ہے کہ ایک طرح سے ہم بھی توانائی کی مشینیں ہیں۔ ہماری سوچ، ہماری حرکات، فہم و ادراک توانائی ہی کا مرہون منت ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مادہ اور توانائی آپس میں ادل بدل بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی شخصیت آپ کے ہمیشہ زندہ رہنے کی حقیقت سے انکاری ہے جو ان کی اصل ہے اور ان کے جسم، ذہن اور فہم سب کو کام میں لانے کا سبب ہے۔ سمجھنے کیلئے ہم نفس کی مثال کمپیوٹر سافٹ ویئر (Soft ware) سے دے سکتے ہیں جس کے بغیر کمپیوٹر کا تمام حیرت انگیز نظام محض ایک بیکار ڈبہ ہے اور اس کا سارا کمال اسی سافٹ ویئر کی بناء پر ہے جو علیحدہ بنایا جاتا ہے اور پھر کمپیوٹر میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر کمپیوٹر خراب بھی ہو جائے تو بھی سافٹ ویئر قائم رکھا جا سکتا ہے۔ سافٹ ویئر کو ایک ہی شے نقصان پہنچا سکتی ہے جسے ہم کمپیوٹر وائرس (Virus) کہتے ہیں۔ اس کی مثال گناہ کی سی ہے جو انسانی نفس کو زخمی کرتا رہتا ہے۔

انسانی عناصر کی تاریخ اور ان کا بگ بینگ سے مرحلہ وار بیشمار ارتقائی منازل میں سے گزر کر ہم تک پہنچنا ایک عظیم سائنسی کہانی ہے جس کا جائزہ ہم پہلے ہی لے چکے ہیں۔ اس مرحلہ وار ترقی کا سب سے پہلے قرآن پاک نے چودہ صدیاں پہلے ذکر کیا تھا۔ سورۃ الانشقاق کی آیات ۱۸ تا ۱۹ میں اس سلسلہ کو چاند کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ O لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ O

اور چاند کی قسم جب پورا ہو O یقیناً تم طبق در طبق چڑھتے جاؤ گے O (سورۃ الانشقاق، آیات ۱۸ تا ۱۹)

آیات مبارکہ ہمیں بتاتی ہیں کہ جیسے پہلے نیا چاند ہوتا ہے پھر مکمل چاند ہونے تک وہ آہستہ آہستہ بڑھتا نظر آتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر میں نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر دوبارہ ایک نئے چاند کے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہماری زندگی بھی چاند کی طرح ہے۔ ہم بھی اپنی روشنی کیلئے کسی اور ہی ہستی کے محتاج ہیں۔ اگرچہ اپنی جگہ پر ایک مستقل حقیقت ہیں لیکن عالم ظاہر میں کئی اتار چڑھاؤ سے گزرتے ہیں اور بالآخر جدھر سے آئے تھے ادھر ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے اس طویل سفر میں ہم نے کیا پایا کیا کھویا، اس کا فیصلہ بھی جلد ہی ہونے والا ہے اور موت اس حساب کی طرف پہلی منزل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ O حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ O كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ O لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ O ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ O ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ O

تمہیں غافل رکھا کثرت کی حرص نے O یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچو O ہرگز نہیں پس عنقریب جان جاؤ گے O اور پھر عنقریب جان جاؤ گے O کاش کہ تم جانتے ہوتے علم الیقین سے O پھر تم جہنم کو ضرور دیکھو گے O پھر البتہ تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھو گے O پھر تم سے اس دن دنیا کی نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا O (سورۃ التکاثر، آیات ۱ تا ۸)

باب نمبر 23

جسم، زندگی، اور روح کی حقیقت

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ○ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ○ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ○ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ○ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ○ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○

اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے ○ ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا ○ اے انسان! تجھے کس نے دھوکہ میں ڈال دیا بہکا دیا اپنے عزت والے رب کی طرف سے ○ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست بنایا پھر تجھے اعتدال بخشا ○ جس صورت میں بھی چاہا تجھے اٹھایا ○ کوئی نہیں بلکہ تم تو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہو ○ اور تم پر تمہاری حفاظت کرنے والے مقرر ہیں ○ معزز لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ○ (سورۃ انفطار، آیات ۴۔۱۲)

23.1 زندگی کی ابتداء

زندگی کیا ہے؟ یہ کائنات کی سب سے بڑی پہیلی (Puzzle) ہے۔ اگر اس سوال کا صحیح جواب مل جائے تو ہوسکتا ہے ہمارے لئے حیات وممات، قیامت، روز محشر، روز جزا، جنت اور دوزخ غرضیکہ ازل سے ابد تک کے سفر کی کہانی سمجھنا آسان ہو جائے۔ دانشور، سائنسدان اور فلاسفر اس سلسلے میں کئی مفروضے قائم کر چکے ہیں لیکن عقدہ وہیں کا وہیں ہے۔

انیسویں صدی میں کچھ سائنسدانوں کا خیال تھا کہ ہمارے کرہ ارض پر زندگی آسمانی دنیاؤں سے آئی ہے کہ کوئی ٹوٹا ہوا شہاب زندگی اٹھائے پھرتا تھا اور وہی اسکوز مین پر بھی پھینک گیا۔ اگر چہ اس وقت بھی کافی سائنسدان اس بات پر متفق ہیں لیکن اب ایک نیا نظریہ بھی جڑ پکڑ رہا ہے جس کے مطابق زندگی کی ابتداء اسی کرہ ارض پر ہوئی تھی۔ اس نظریہ کے حامی سائنسدانوں کا خیال ہے کہ شروع شروع میں زمین پگھلا ہوا گرم لاوا تھی اس لئے اس وقت اس پر کسی طرح کی زندگی کے پھلنے پھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ زمین ٹھنڈی ہوتی رہی لیکن اپنی

تخلیق کے دو ارب سال بعد تک بھی کرہ ارض ہر طرح کی نباتات اور حیوانی زندگی سے محروم رہا۔ یہ مدت ماحول کی اصلاح کا زمانہ تھا، جس میں زندگی کے بنیادی اجزاء مثلاً میتھین، ایمونیا، ہائیڈروجن اور پانی کے بخارات موجود تھے۔ پھر اچانک نامعلوم وجوہات کی بناء پر سورج سے شدت کی تابکاری ہونے لگی ساتھ ہی لاکھوں سالوں تک زمین پر طوفانی بارشیں ہوتی رہیں اور بجلیاں چمکتی رہیں۔ چنانچہ آج سے دو ارب سال پہلے ان غیر معمولی حالا ت کے اثرات سے زمین کے عناصر میں زبردست کیمیائی عمل درعمل ہوئے، جن کے نتیجے میں یہاں کئی قسم کے امینوایسڈ (Amino Acids) بن گئے۔ یہ امینوایسڈ لحمیات (Protein) کی بنیاد ہوتے ہیں اور بعد میں انہی سے زندگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ گویا آسمانی طاقتوں کے زیر اثر زمینی مادے زندہ ہو گئے۔

1957ء میں ایک امریکی سائنسدان جان ملر (John Miller) نے اوپر بیان شدہ حالات کا لیبارٹری میں کامیابی سے تجربہ کیا۔ انہوں نے پانی، کاربن، ڈائی آکسائیڈ، نائیٹروجن، آکسیجن، ہائیڈروجن اور میتھین گیس کے مکسچر کو بار بار بجلی کے جھٹکے دیئے اور کچھ دنوں کے بعد اس کی حیرانی کی حد نہ رہی جب دیکھا کہ ٹیسٹ ٹیوب کے اندر کئی طرح کے امینوایسڈ بن چکے تھے۔ اگر چہ لحمیات تو نہ بنے لیکن ان تجربات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ زندگی طبیعیاتی اثرات اور حالات کی وجہ سے زمین پر شروع ہو سکتی ہے، لیکن بنیادی سوال کہ زندگی کیا ہے اور کیوں ہے؟ اپنی جگہ ویسے ہی قائم ہے۔

23.2 زندگی کی تعریف

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیسے یہ ممکن ہوا کہ چند مردہ عناصر اکھٹے ہو کر زندہ ہو گئے بلکہ اس سے مقابلتاً آسان سوال کا جواب بھی ہمارے پاس موجود نہیں کہ زندہ اور مردہ میں اصل فرق کیا ہے یعنی زندگی اور موت کی حدود کہاں جا کر ملتی ہیں؟ یہ سوال کہ بے جان اور جاندار میں کیا فرق ہے اس کے جواب کا انحصار اس بات پر ہے کہ زندگی کی تعریف کیا ہے؟ ہم زندگی کسے کہتے ہیں؟

اس سلسلے میں بہت سی آراء اور کئی ایک سائنسی نظریات ہیں۔ ایک تعریف یہ ہے کہ جاندار اشیاء وہ ہیں جو خود بخود بڑھتی ہیں، مثلاً درخت جاندار ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جاندار وہ ہیں جو احساس رکھتے ہیں لیکن کس قدر احساس؟ یہ ایک الگ حل طلب سوال ہے۔ اگر کوئی کمپیوٹر سوچ سکے تو کیا اسے زندہ کہا جا سکتا ہے؟ احساس والی تعریف پر ایک اعتراض یہ کیا جا تا ہے کہ نیند کی حالت میں یا جب کوئی زندہ "کوما (Coma)" میں چلا جائے تو اسے کیا کہیں گے یا دماغ کو سخت نقصان پہنچنے پر یہ احساس ختم ہو جاتا ہے تو کیا تب وہ زندہ چیز مردہ کہلائے گی؟ ایک اور تعریف زندہ کی یہ کی گئی ہے کہ زندہ اشیاء اپنے ماحول سے متاثر ہوتی ہیں لیکن ماحول سے تو دھاتیں، پتھر بھی متاثر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ زندہ ہیں؟ زندگی کی تعریف میں اس طرح کے کئی مفروضے پیش کئے گئے ہیں لیکن کوئی حتمی اور متفقہ تعریف نہیں ہو سکی۔

اس کے علاوہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ زندگی دینے والے عناصر کو مردہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً سائنسدانوں کے نزدیک پانی مردہ ہے حالانکہ وہ تمام جاندار چیزوں کی بنیاد ہے۔ مٹی مردہ ہے حالانکہ تمام درخت اور جاندار اسی کے سہارے زندہ ہیں روشنی مردہ ہے حالانکہ یہ زندگی کیلئے ضروری ہے گرمی مردہ ہے حالانکہ یہ بھی زندگی کا لازمی جز ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے متعلق ابھی تک کی گئی تمام تعریفیں ناقص ہیں۔

23.3 قرآن پاک اور زندگی کی تعریف

سائنس کے برعکس قرآن پاک نے زندگی کے متعلق جو راہنمائی کی ہے وہ ہر لحاظ سے بڑی بنیادی ہے۔ قرآن پاک زندگی کی شرط اللہ کی پہچان اور قانون قدرت سے وفا شعاری کو کہتا ہے۔ اس کے نزدیک زندگی کے مختلف مدارج ہیں اور یہ اسی نسبت سے ہے جس درجہ وہ اللہ کی پہچان رکھتے ہیں۔ یوں ہر چیز زندہ ہے مگر کوئی زیادہ کوئی کم۔ مردہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ٹوٹل طور پر بھولے ہوئے ہے۔

اس نظریہ کے مطابق ایٹم کو زندگی کی بنیادی اکائی کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے قدرت کے تمام قانون اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ ان قوانین کو پہچانتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مالیکیولز (Molecules) جو عناصر کے مرکبات سے بنتے ہیں ان میں زندگی کا شعور زیادہ ہوگا اس لئے کہ ان میں ایک سے زیادہ ذرے ہوتے ہیں۔ ایک جرثومہ میں مالیکیولوں کی نسبت زندگی کا احساس زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اس لئے جرثومہ کی زندگی میں حرکت اور افزائش ہے اور کسی حد تک آزادی بھی ہے جب کہ ذرے کی زندگی میں نسبتاً ٹھہراؤ ہے۔ کلیہ یہ ہے کہ زندگی کے اونچے درجوں میں آزادی اور فہم و ادراک بھی زیادہ ہوتا ہے جو ان کو اختیار، فرائض کی بجا آوری کا سلیقہ اور پھلنے پھولنے کی خصوصیات دے دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل میں ہم اس نظریہ کو قرآن پاک کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔

23.4 اپنے خالق کی پہچان

قرآن حکیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز رضائے الٰہی کو سمجھتی ہے اور اس کے امر کی تابع فرمان ہے۔ اگر رب کائنات کی مرضی کا شعور، زندگی کی تعریف ہے تو پھر ہر چیز کسی نہ کسی سطح پر زندہ ہے اور یہ شعور ہی ان کی زندگی کی روح ہے۔ جیسے کہ ہم پہلے بھی کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عالم ظاہر سے پہلے اللہ تبارک وتعالی کی مثال ایک چھپے ہوئے خزانہ کی سی تھی۔ جب اس نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو اس نے یہ سب کچھ پیدا کیا۔ یعنی ظاہر باطن اول آخر سب اس کی ذات اولیٰ میں بند تھے۔ کائنات اور ما فیھا اس کھلے امر کا اظہار ہیں۔ اس لئے کہ حی قیوم کا امر یعنی کائنات کی ہر چیز خالق کا آئینہ ہے ان سب میں انسان زندگی کے بلندترین مدارج پر

فائز ہے اس لئے کہ اسمیں رب تعالی کی معرفت حاصل کرنے کی استطاعت سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ کہ کائنات میں ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے خالق کی پہچان رکھتی ہے اور اس کے احکام کے آگے سرنگوں ہے مندرجہ ذیل آیات مبارکہ ان حقائق کا انکشاف کرتی ہیں:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اپنی خوشی سے یا جبر سے، اور (جسے) ان کے سائے صبح اور شام ۝ (سورۃ الرعد، آیت ۱۵)

مزید ارشاد ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ بھی اور اکثر وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے، اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۝

(سورۃ الحج، آیت ۱۸)

ان آیات مبارکہ سے مندرجہ ذیل نکات ظاہر ہوتے ہیں کہ:

1۔ کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کو پہچانتی ہے

2۔ اس کی تسبیح اور تحسین کرتی ہے

3۔ اپنے مالک کی اطاعت اور اسکے قوانین کی اتباع پر خوشی یا ناخوشی سبھی مجبور ہیں

4۔ ہر چھوٹی بڑی چیز، اس کے امر کی پابند ہے جو اللہ نے اس کیلئے متعین کر دیا ہے۔

5۔ البتہ انسانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ اسے اختیار کی دولت بھی عطا کی گئی ہے۔

اوپر دی گئی آیات کی طرح قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۴۴ بھی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ نہ صرف اپنے مالک کی حقیقت کا شعور رکھتا ہے بلکہ وہ اس کی عظمت کے گن بھی گاتا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

تُسَبِّحُ لَـهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ط اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا O

اس کی تسبیح ساتوں آسمان اور زمین کرتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے یقیناً وہ حلم والا اور بخشنے والا ہے O

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۴۴)

یہ آیات مبارکہ اس بات کو بالکل واضح کر دیتی ہیں کہ بلا کسی استثناء کے تمام مخلوق اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور اس پہچان اور ادراک کے اظہار کے طور پر وہ اس ذات پاک کی تسبیح اور حمد میں مشغول رہتی ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں یہ بیان " نہیں کوئی چیز مگر اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے لیکن تم انکی تسبیح سمجھ نہیں پاتے " یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ بلا امتیاز ہر مخلوق خواہ وہ پتھر ہوں یا مٹی کے ذرات ہوں، زمین و آسمان جیسے بڑے بڑے اجسام ہوں، حیوان ہوں یا نباتات، سبھی اپنے خالق سے آگاہ ہیں، لیکن یہ اور بات ہے کہ انسان ان کی اس زندگی کو سمجھتا نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنے مالک کی تعریف کیسے کرتا ہے؟ اگر یہ تسبیح ہے تو یہ کس قسم کی آواز ہے؟ اس سلسلے میں سائنس یہ تسلیم کر چکی ہے کہ تمام آوازیں مادہ کے درمیان میکانکی ہلچل بجلی کی لہروں کے رد و بدل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح کے ارتعاش کی پہنچ بہت وسیع ہے۔ صفر سے لے کر ٹرلین (Trillion) چکر فی سیکنڈ سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ سننے کا عمل دراصل اس ارتعاش کو سمجھنے کی قابلیت یا اہلیت کا نام ہے۔ انسان کا کان زیادہ سے زیادہ بیس ہزار سائیکل فی سیکنڈ کی آواز سن سکتا ہے لیکن کچھ جانور اس ارتعاش سے بہت ہی کم چکروں کی آواز کو اور کچھ بہت ہی زیادہ چکروں کی آواز کو سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سن لینے کی صلاحیت کا انحصار دماغ کی ساخت پر بھی ہے اور سائنس یہ دیکھ چکی ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں ہر شے ایٹم سے لے کر بہت بڑے اجرام فلکی تک سبھی ارتعاش پذیر ہیں۔ شاید یہ مسلسل ارتعاش ان کی حمد کا اظہار ہے یا یہ چیزوں کے قلب کی آواز ہے جسے سائنسی آلات پکڑنے سے قاصر ہیں۔

ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ سب بلا چون و چرا اس کے بتائے ہوئے قانون کی اتباع کرتے ہیں۔ واقعی ہر چیز اللہ کے بنائے ہوئے قوانین جنہیں ہم سائنسی قوانین کہتے ہیں، کو مانتی ہے اور ان کے مطابق عمل کرتی ہے۔ اگر وہ نہ پہنچاتے ہوں تو باہمی عمل

کیسے ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ ساری سائنس کا دارومدار ہی اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی کے قوانین اٹل ہیں زمان ومکان میں ہر جگہ اسکا ایک ہی قانون چلتا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان سے آگاہ ہے ان کی اتباع کرتا ہے اور یوں اپنے مالک حقیقی کی مرضی کا بندہ ہے۔

23.5 اللہ تعالیٰ کا خوف

قرآن پاک سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کائنات میں ہر شے اللہ تعالی کیلئے رطب اللسان ہونے کے علاوہ اس سے خوف بھی کھاتی ہے حتیٰ کہ پتھروں کے بیان میں جنہیں ہم بے جان سمجھتے ہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ سے لرزتے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی مانند سخت، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور پتھروں میں کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں O (سورۃ بقرہ آیت ۷۴)

پتھروں کا اللہ تعالی کے خوف سے لرزنا اور گر پڑنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالی کی ہستی کا ادراک رکھتے ہیں۔ اسی ضمن میں قرآن پاک کی سورۃ رعد کی آیت مبارکہ ۱۳ واضح کرتی ہے کہ گرج چمک اور فرشتے سبھی اپنے خالق کو پہچانتے ہیں، اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی حمد کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ج وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ج وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ O

اور گرج اس کی تسبیح کرتی ہے حمد کے ساتھ اور ملائکہ بھی اس کے ڈر سے، اور بجلی کی کڑک بھیجتا ہے، اسے ڈالتا ہے جس پر چاہے وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور اس کی پکڑ نہایت سخت ہے O

(سورۃ الرعد، آیت ۱۳)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گرج اور چمک کی تسبیح کو فرشتوں کی تسبیح سے مماثلت دی گئی ہے۔ اب فرشتے یقینی طور پر ایک زندہ مخلوق ہیں اس لئے پھر تو کیا زمین و آسمان کی ہر مادی اور غیر مادی چیز، حیوانات، نباتات، بادلوں میں برق اور گرج فرشتوں کی مانند اپنے خالق حقیقی کو پہچانتے ہیں، سب اس کے قانون کی اتباع کرتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ سے اس کی تحمید و تقدیس میں مشغول ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم انسان اس کو سمجھتے نہیں۔ خالق کا شعور ہی ان کی زندگی ہے۔

23.6 قانون قدرت کی پابندی

قرآن حکیم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کا ایک اور غیر معمولی وصف یہ ہے کہ اس کی ہر چیز اپنے خالق کے قانون کی تابعدار ہے۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ یہ واضح کرتی ہے کہ یہ راہنمائی ان کی پیدائش اور فطرت میں ڈال دی گئی ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی O

کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلق عطا فرمائی، پھر (ان کی فطرت) میں ہدایت ڈال دی O

(سورۃ طٰہٰ، آیت ۵۰)

اس طرح قرآن پاک کی سورۃ قمر کی آیت مبارکہ ۳ کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے ہمیں یہ باور کراتی ہے کہ ہر چیز ایک خاص پروگرام کی پابند ہے۔ فرمایا:

وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ O

اور ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہو چکا ہے O (سورۃ قمر، آیت ۳)

23.7 زندگی کا جوہر یا روح

اوپر بیان شدہ آیات مبارکہ سے چیزوں کی فطرت کے مندرجہ ذیل اوصاف بالکل واضح ہیں۔

1۔ کہ ہر چیز اپنے خالق کو پہچانتی ہے۔ اس کی حمد اور تعریف کرتی ہے اور اس سے خوف کھاتی ہے۔

2۔ ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسے اوصاف تخلیق کر دیئے ہیں کہ وہ اس کے قوانین سے آگاہ ہے جو اسکی راہنمائی کرتے ہیں۔

3۔ ہر چیز میں خاصیت موجود ہے کہ وہ دوسری متعلقہ چیزوں کو پہچانتی ہے۔

یہی تین چار چیزیں مخلوقات کی زندگی کا اصل ہیں۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت مبارکہ کے مطابق یہ تمام خاصیتیں خالق حقیقی نے خود ہر چھوٹی بڑی چیز کی فطرت میں ودیعت کر دی ہیں۔ یہ ودیعت ہی ان کی روح ہے جس کی بنیادی خاصیت اللہ تعالیٰ کی ہستی کا شعور ہے۔ اس تعریف کے مطابق کائنات کا ذرہ ذرہ ایک زندہ ذی روح حقیقت ہے۔

بیسویں صدی کی سائنسی دریافتوں نے اس چیز کی تصدیق اور توثیق کر دی ہے کہ عناصر کے ایک ایک ایٹم کی فطرت میں یہ اصول راسخ ہے کہ وہ قدرتی قوانین کے تابع ہے، اس کا ہر رویہ اور حرکت ان قدرتی قوانین (Laws of Nature) کی محکوم ہے زمان و مکان میں وہ کہیں بھی ہوں وہ اس سے ذرہ بھر بھی بغاوت نہیں کر سکتے۔ یہ سائنس کا بنیادی اصول ہے اور آئن سٹائن کے نظریہ اضافت (Theory of Releativity) کا اہم ترین ستون ہے۔ یوں ہر چیز قانون قدرت کو پہچانتی ہے اور امر الٰہی کے تابع ہے۔ خالق حقیقی کی یہ آگاہی ہی دراصل زندگی کا جوہر یا روح ہے لہٰذا کائنات میں کوئی چیز مردہ نہیں۔ فرق صرف زندگی کے درجات میں ہے جس کا شعور زندہ ہے وہ زیادہ زندہ ہے اور اس کے برعکس کمزور شعور (روح) والے کم زندہ ہیں۔

جہاں تک موت کا تعلق ہے یہ بھی زندگی ہی کی ایک شکل ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہیں گے جیسے پانی منجمد ہو کر ٹھوس بن جاتا ہے موت بھی زندگی کو منجمد کر دیتی ہے جس طرح برفانی حالت میں پانی کے بہنے کی خاصیت زائل ہو جاتی ہے اسی طرح موت عمل کی قوت کو سلب کر لیتی ہے۔

جہاں تک انسان کا تعلق ہے قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ہیئت پر پیدا کیا ہے اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دنیا پر خدائی صفات کا مظہر ہے۔ یہی بات **خلیفتہ اللہ فی الارض** بننے کا حق دیتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نطفہ میں چالیس دن بعد روح پھونک دی جاتی ہے۔ اس روح کا خاصہ خالق کی پہچان اور اچھائی برائی کی تمیز ہے یعنی زندگی کی اصل کامیابی کی طرف راہنمائی اسی روح سے ہوتی ہے۔ یوں روح انسان پر رحمٰن الرحیم کی خاص رحمت اور اس کی طرف سے راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

انسان کی بڑائی اس میں ہے کہ وہ اپنے خالق والی صفات میں ترقی کرے، مثلاً اللہ تعالیٰ خالق و موجد ہے تو انسان کو بھی خالق موجد ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہر اچھائی کا سرچشمہ ہے انسان کو بھی نیکیوں میں سبقت لینے والا ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے انسان کو بھی مخلوقات پر مہربان ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو فسق و فجور ناپسند ہے انسان کو بھی اس سے نفرت کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے انسان کو بھی علم اور حکمت میں ترقی کرنا چاہئے۔

23.8 زندگی کی وحدت اور روح

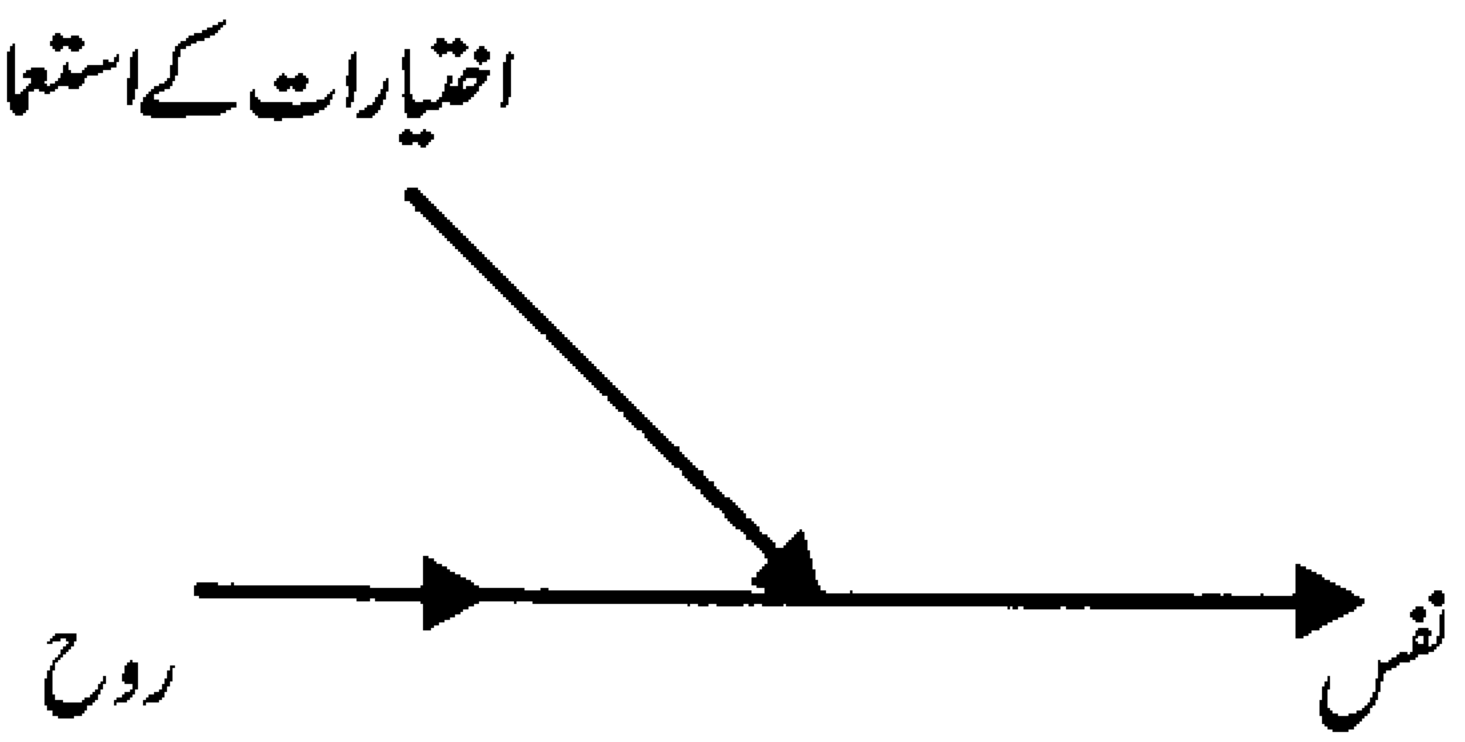
آئیں! اب ذرا زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی کی وضاحت کریں، یہ زندگی کے درجات کو سمجھنے کی طرف پیشرفت ہو گی۔ ہم جو کچھ اب تک زیر بحث لا چکے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر چیز جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جسم روح کیلئے ایک گاڑی کا کام کرتا ہے اور روح اس کی راہنمائی کیلئے

ہے۔ یوں سوار اور سواری ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ نیند کی حالت میں سوار سواری سے اور سواری سوار سے جدا ہو جاتے ہیں جو جاگنے کے بعد وہ دوبارہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ لیکن موت ایک بہت طویل مدت کی نیند ہے۔ حشر کا دن انسانی جسم کے اجزا کے حشر کا بھی وقت ہے۔ اس میں یہ اجزائے جسم اپنے نفوس سے مل جائیں گے۔

23.9 انسانی روح اور نفس میں فرق

جیسا کہ ہم پہلے بھی بحث کر چکے ہیں کہ روح ہر چیز کی فطرت ہے جس سے اسے قوانین خداوندی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے ۔ انسان کی تخلیق بقیہ اشیاء کی نسبت سے اس وجہ سے خصوصی ہے کہ باقی مادی اور غیر مادی اشیاء اللہ تعالی کے احکام (امر ربی) فطرتاً پابند ہیں، جب کہ انسان کو شعوری حد تک ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں انسان حاصل زندگی کو نفس کا نام دیا گیا ہے۔ ہم روح کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور نفس کے ساتھ جہاں سے جاتے ہیں، اختیار کے استعمال سے روح کی جو شکل نکلتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ یعنی روح کا تعلق ہماری فطرت سے ہے اور نفس ہماری ٹوٹل شخصیت کا آئینہ ہے جس کا انحصار انسان روح کے فطری مقام، اس کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں اور ماحول اور تعلیم وتربیت کے اثرات اور اختیاری عقائد اور اعمال پر ہے۔



جس طرح پہلے کہا گیا ہے کہ روح، نہ یہ توانائی ہے نہ مادہ۔ یہ امر ربی ہے یعنی اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی ہے۔ جس کو ہم ضمیر کی آواز کہتے ہیں۔ یہ اس وقت انسان میں پھونکی جاتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں جسم اور زندگی پر مشتمل ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ پیدائش کے بعد انسان کو اختیار مل جاتا ہے اور جس کے تحت روح سے نفس اٹھتا ہے، جو ہماری اپنی ذات اور شخصیت ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان ایک کمپیوٹر کی مانند ہے اس کی زندگی اس میں بجلی کی مانند ہے اور روح پروگرام کی مثل ہے اور نفس مجموعی کارکردگی (Output) ہے۔

23.10 ایٹم، زندگی کی اکائی

روح، جسم اور زندگی کی ترکیب صرف انسان تک محدود نہیں بلکہ کائنات میں ایک ایک چیز انہی پر مشتمل ہے مثلاً مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرےٗ کا نام ایٹم ہے۔ اسکا بھی ایک جسم ہے جسکو نیوکلیئس (Nucleus) کا نام دیا گیا ہے اس جسم کے اندر مثبت بجلی ہے جو پروٹون پر چڑھی ہوئی ہے اس کے باہر منفی بجلی کا جمگھٹا الیکٹران کی ساخت میں اسے گھیرے ہوئے ہے۔ ایٹم کے اس مجموعہ کے اندر یا ہر اس کی روح ہے۔ یہ ایک شعوری طاقت ہے جو اسے قوانین فطرت سے آگاہ رکھتی ہے کہ دوسرے ذروں سے وہ کس طرح عمل گیر ہوگا۔ ایٹم کے اجزاء پر منفی یا مثبت بجلی (Charge) ایک حساب سے ہے اور اسکی خاص بات یہ ہے کہ ایٹم کوئی سا بھی ہو، الیکٹران اور پروٹون کے چارج ہمیشہ برابر ہوتے ہیں یعنی مجموعی حیثیت سے اس پر چارج صفر ہے، مثلاً ہلکے سے ہلکا ایٹم ہائیڈروجن کا ہے اور بھاری سے بھاری ایٹم پلوٹونیم کا ہے لیکن انکے الیکٹران یا پروٹون پر چارج کی برابری کیوجہ مجموعی حیثیت سے وہ دونوں ہی بے چارج (Neutral) ہیں۔ لہٰذا ایٹم کی زندگی کا تعلق اس کے اجزاء میں برقی خاصیت سے ہے جو اسکے جسم کو فعال رکھے ہوئے ہے لیکن قوانین قدرت کا شعور اسکے مجموعی ڈیزائن اور ساخت میں ہے جسکو ہم نے ایٹم کی روح کا نام دیا ہے۔

23.11 الیکٹران اور زندگی (شکل نمبر ۳۴ سے استفادہ کریں)

ایٹم کا مجموعی نظام انتہائی پیچیدہ ہے اور ابھی تک اسے پوری طرح سمجھا نہیں جا سکا لیکن عام مشاہدے میں الیکٹران (برقیات) سب سے زیادہ فعال نظر آتے ہیں گویا وہی اس کی زندگی کی اصل ہیں۔ اس لئے ذیل میں الیکٹران کو ہم قدرے تفصیل سے سمجھیں گے۔ الیکٹران ایٹم کے مرکز کے گرد اپنے اپنے مدار میں گھومتے ہیں اور خود بخود یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی جگہ بدلتے رہیں۔ البتہ اگر باہر سے توانائی دے کر ان کو برانگیختہ کریں تو وہ اپنے سے اونچے مدار کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور ایسا وہ اچانک کرتے ہیں کہ ایک مدار سے دوسرے مدار سے چھلانگ کے درمیان وہ اپنی مادی حیثیت میں نہیں رہتے اور پھر اچانک اپنی منزل پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران وہ اپنی ''مرضی'' یا قوت ارادی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں جہاں پہنچنا ہو بن دیکھے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

الیکٹران قدرت کے بہت موثر اور سرگرم کارندے ہیں۔ تمام کیمیائی عوامل ان کے مرہون منت ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ قدرت کے مخصوص اور مقررہ قوانین سے خوب واقف ہیں اس لئے وہ عمل اور ردعمل کیلئے سائنس دان سے نہیں پوچھتے کہ کیا کرنا ہے بلکہ قانون قدرت کے تحت ماحول کے مطابق خود بخود فیصلہ کرتے ہیں اور عمل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

بجلی جو ہمارے گھروں کو روشن کرتی ہے اور ہمارے کارخانے چلاتی ہے یہ بھی برقیات (Electrons) کے بہاؤ کا نام ہے۔

حیوانات، نباتات اور خود ہماری زندگی بھی برقیات کی باقاعدہ حرکت کی لہریں ہی ہیں۔ دماغ کا کام کرنا، جسم کے اعضاء کی حرکت سب برقیاتی عمل کی وجہ سے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں مقناطیسی لہریں بھی برقیات کے اثر آفرینی رویہ کی وجہ سے عمل پذیر ہیں۔

ایٹم کا حجم بھی برقیاتی نظام کی وجہ سے ہے۔ ایٹم کا مرکز جس میں سارا وزن (Mass) ہے انتہائی چھوٹا ہے لیکن اس کے گرد برقیات کا وسیع بادل ہے جو اس کے مرکز کیلئے ایک حفاظتی دیوار کا کام کرتا ہے یوں برقیات کی وجہ سے ایک ایٹم دوسرے ایٹم سے علیحدہ بھی ہوتا ہے اور جڑا ہوا بھی جس کی بدولت تمام طرح کے مرکبات (Molecules) جنم لیتے ہیں اور بڑے سے بڑے اجسام تشکیل پاتے ہیں۔

دراصل کائنات جو اس موجودہ حالت میں اپنی ہستی کو قائم رکھے ہوئے ہے وہ بھی برقیات کی معین برقی طاقت کی وجہ سے ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایٹم کے مرکز کے ارد گرد گھومنے والے الیکٹران اور اسکے مرکز کے اندر پروٹون اپنے برقی اثر (Charge) کو کھو بیٹھیں تو پھر تمام کائنات ثقل کی کشش کے زور سے تیزی کے ساتھ اندر کی طرف اس طرح سکڑے گی کہ وہ ہماری زمین کے برابر حجم والے سیارے کی مانند ہو جائے گی۔ اور اگر مزید سکڑتی گئی تو صرف بحر ظلمات (Black Hole) رہ جائے گا جو وجود نہیں بلکہ صرف کشش ہی کشش ہے اور اگر کوئی بیرونی وجود اسکے دائرہ کے اندر آجائے تو فنا ہو جائے گا۔ اس لئے کائنات کی موجودہ ہستی ایٹم کے الیکٹران اور پروٹون کے برقی جال کی وجہ سے ہی ہے۔

زندگی کی تمام اقسام حقیقت میں الیکٹران سے جڑے ہوئے شعوری نظام ہیں۔ مادی سطح پر کائنات کی ساری حرکات، اس کے سارے تخلیقی اوامر کا سبب صرف اور صرف الیکٹران ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کائنات کا موجودہ شکل میں وجود ناممکن ہوتا۔ الیکٹران کی اہمیت اور ان کی خصوصیات کے پیش نظر شاید یہ کہنا صحیح ہو کہ ایٹم کا شعور اس کے برقی نظام میں ہے اور یہی اس کی روح ہے۔

البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنے ایٹم کو چھوڑ کر الیکٹران زیادہ عرصہ کیلئے زندہ نہیں رہ سکتے۔ الیکٹران کا یہ سسٹم صرف ذرات (Atoms) عناصر کے پروٹونوں اور نیوٹرونوں کے مرکزی نظام کے ساتھ مل کر ہی مستحکم صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے مجموعی حیثیت میں یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ایٹم (ذرہ) زندگی کی بنیادی اکائی ہے جس کا شعور (روح) اس کے برقیات کے بادلوں کے اندر ہے جنہوں نے ایٹم کے مرکز کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ مرکز کے اندر مثبت برقی چارج کی وجہ سے یہ مرکز گریز ہیں اور سب مل کر زندگی کی ایک اکائی ہیں۔

23.12 زندگی کا اظہار اور موت

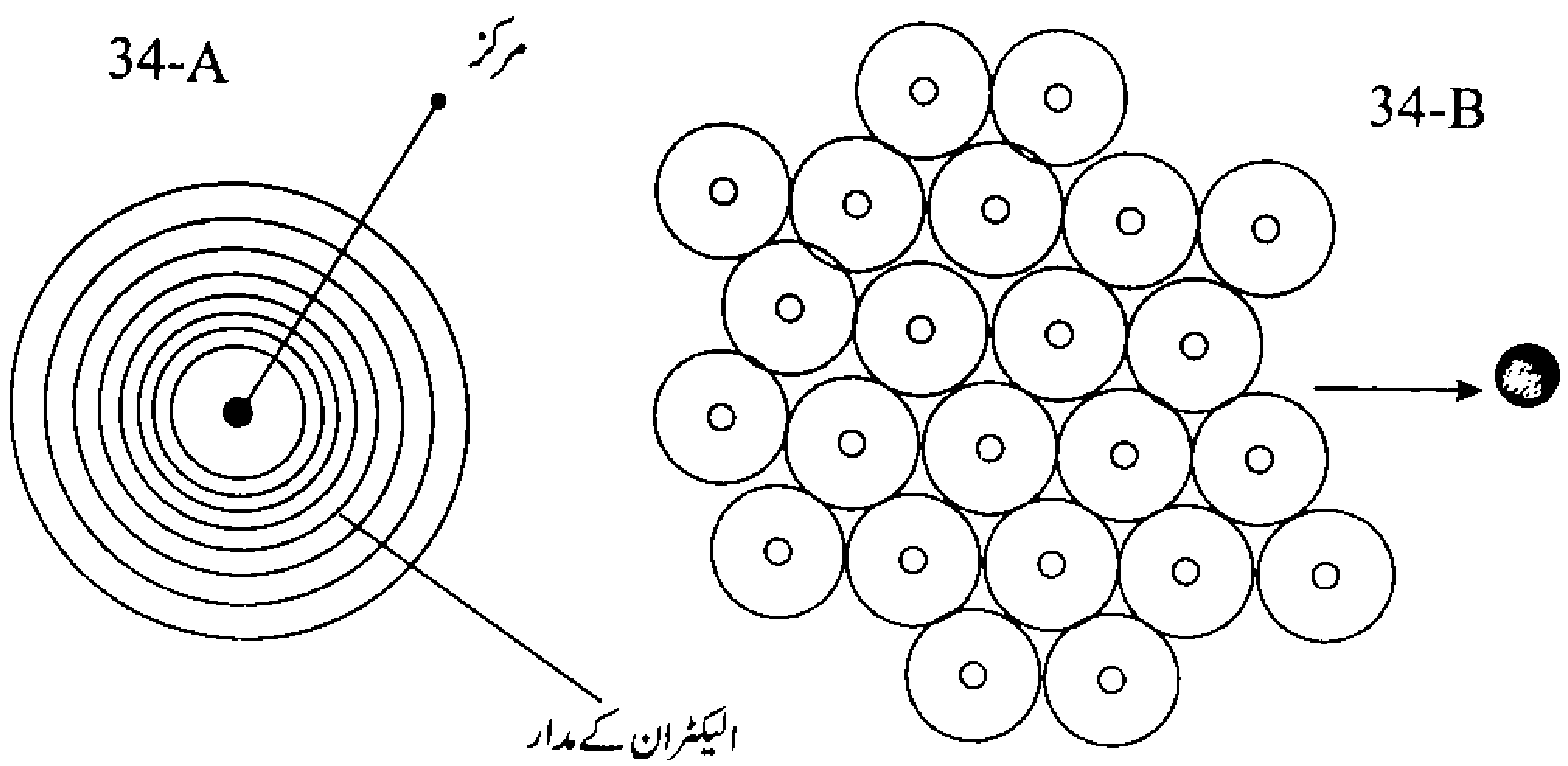
ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ ہر عنصر کی زندگی کی اکائی اس کا ایٹم ہے اور جو قوانین قدرت کی پہچان رکھتا ہے۔ پہچان کی اسی خاصیت کو ہم ایٹم کا شعور (Atomic Mind) یا روح کا نام دیتے ہیں۔ جو مختلف عناصر کیلئے مختلف ہے۔ آسانی کیلئے ہم سادہ ترین ہائیڈروجن ایٹم کے شعور کو مادے کا اکائی شعور (Unit Mind) کا نام دیں گے۔ ہائیڈروجن کے اربوں کھربوں ایٹم کیوں نہ ہوں ان کا مجموعی شعور ایک اکائی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح لوہے کا ایک گرام ہو یا ایک ٹن اس کی ہر مقدار کا شعور لوہے کے ایک ایٹم ہی کے برابر ہوگا۔ لیکن جب دو یا زیادہ عناصر آپس

شکل نمبر 34:　　الیکٹران ہی دنیا کے بننے کا اہم سبب ہیں

انسان کی مثال ایک ایٹم کی زندگی سے دی جاسکتی ہے۔ جیسے شمسی نظام ایٹم ہی کا ایک بڑا ڈیزائن ہے اسی طرح انسان کا ڈیزائن ہے۔ اس مثال میں ایٹم کا مرکز انسان کے جسم سے مماثل ہے اور الیکٹران اس زندگی کی مانند ہیں۔ جس طرح ایٹم کے مرکز کے ارد گرد الیکٹران کے بادلوں کی وسعت مرکز کی نسبت بہت زیادہ ہے۔اسی طرح انسانی نفس کی حدود بھی بیحساب ہیں۔

اوسطاً مرکز کے حجم اور ایٹم کے مجموعی حجم میں ایک اور لاکھ کی نسبت ہے۔ لہٰذا چیزوں کا وجود، ان کی شکل وصورت اور خصوصیات الیکٹران کی وجہ سے ہیں۔اگر فرض کرو الیکٹران ساتھ چھوڑدیں تو پھر تمام مرکزی گولے قوت ثقل کی بناء پر ایک دوسرے کی طرف لپک کر ایک انتہائی کثیف چھوٹا گولہ بن کر اپنا وجود کھودیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ الیکٹران کے اوپر منفی برق ہے اور ایٹم کے مرکز میں پروٹون کی وجہ سے مثبت برق ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسا توازن رکھا ہے کہ وہ الیکٹران کو اپنی طرف کھینچ کر اپنے میں گم کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ (ووضع المیزان)



ایٹم اور اس کے ارد گرد الیکٹران کا بادل

میں کسی کیمیائی یا طبعیاتی عمل سے ملتے ہیں اور کسی نئے مرکب کو جنم دیتے ہیں تو اس نئے مرکب کا شعور اس ترتیب اور ترکیب پر منحصر ہوگا جس سے وہ ملے ہیں اگر وہ ترتیب اور ترکیب ٹوٹ جائے تو وہ اپنے شعور کی سطح سے نیچے گر جاتے ہیں یوں حیات اور شعور دونوں کے مدارج ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مثلاً جاگنے کی حالت نیند کی حالت سے زندہ تر ہے اس لئے کہ نیند میں شعور دماغ سے علیحدہ ہو جاتا ہے دراصل شعور کا غیر شعور کی طرف سفر ہی وہ عمل ہے جس کو ہم موت کہتے ہیں اور جس طرح قرآن الحکیم میں بھی کہا گیا ہے کہ "جو لوگ اپنے خالق کا شعور نہیں رکھتے وہ چلتے پھرتے مردے ہیں" لہٰذا زندگی خالق کی معرفت کا نام ہے۔ اس لحاظ سے کفر موت ہے اور ایمان حیات۔

23.13 نظم اور زندگی کا اظہار

اوپر کی بحث سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں کہ کسی چیز میں زندگی کا اظہار اسکے ذرات کی باہمی ترتیب اور ڈیزائن کے نظم پر منحصر ہے۔ اس حقیقت کا موازنہ کسی ایٹمی ری ایکٹر (Atomic Reactor) کی کارکردگی سے بھی کیا جا سکتا ہے اگر چہ ری ایکٹر میں یورینیم کا ہر ذرہ ہر وقت تابکاری میں مصروف عمل ہے لیکن اس میں مجموعی طور پر از خود توانائی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب یورینیم کے ڈھیر کو کسی خاص نظام اور خاص مقدار کے تابع کیا جائے، اس خاص (Critical) نظام اور مقدار کا نام ہی نیوکلئیر ری ایکٹر ہے جو انتہائی تیزی سے توانائی پیدا کر سکتا ہے۔ اس نظام کے بغیر وہ سست رو یورینیم کے ڈھیر ہوتے ہیں

اسی بات کو ہم لوہے کے ذرات کو کسی مقناطیسی فیلڈ میں ترتیب دینے کی مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر چہ لوہے کا ہر ذرہ اپنی خاصیت میں مقناطیس ہے لیکن جب یہ ذرات بے ترتیبی کے ساتھ ادھر ادھر پڑے ہوتے ہیں تو بدنظمی کیوجہ سے لوہے کا ٹھوس ٹکڑا مقناطیسی قوت سے خالی ہوتا ہے۔ جب اس کے ذرات کو کسی بیرونی طاقت کے اثر کے تحت ایک خاص با قاعدہ نظام میں لے آتے ہیں جسے Magnetizing مقناطیس بنانا کہتے ہیں تو لوہے کا یہی ٹکڑا خود بھی طاقتور مقناطیس بن جاتا ہے اور اس کے اندر باہر مقناطیسی قوت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اب اگر اسی مقناطیسی سلاخ کو گرم کر کے دوبارہ اس کے ذرات میں بے ترتیبی پیدا کر دیں تو اگر چہ انفرادی طور پر اس کے ذرات مقناطیس ہی ہونگے لیکن مجموعی حیثیت میں وہ سلاخ اپنا مقناطیسی اثر کھو کر لوہے کا معمولی ٹکڑا بن جائے گی۔

23.14 زندگی کے مدارج اور تخلیق

چنانچہ زندگی بھی ذروں اور برقیات کے با قاعدہ جوڑ سے بنتی ہے اور ان کا یہ نظم ایک ڈیزائن کے مطابق ہے جو روح کا خاصہ ہے۔ اس کے برعکس موت بدنظمی اور بے ترتیبی کا دوسرا نام ہے۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب

موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشان ہونا

اس نظریہ کے مطابق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ " کسی سسٹم کے نظم کی پیائش سے اس چیز کی زندگی کے درجہ کو ناپا جا سکتا ہے۔ سائنس کی زبان میں نظم کو آرڈر (Order) اور بدنظمی کو انٹراپی (Entropy) کہتے ہیں۔ لہٰذہ کسی چیز میں جتنی (Entropy) کم ہوگی اس کی زندگی اسی نسبت سے زیادہ بلند ہوگی یعنی وہ طریقے اور عوامل جن سے این ٹراپی کو کم کیا جا سکتا ہے وہ زندگی خیز طریقے ہیں اور وہ طریقے یا عوامل جو بے ترتیبی کو بڑھاتے ہیں وہ اس چیز کو اس کی موت کے قریب تر لے جاتے ہیں۔ سو فیصد بے ترتیبی سو فیصد موت ہوگی۔ لیکن اس حالت میں بھی چونکہ جسم کے الگ الگ ایٹم زندہ رہتے ہیں اس لئے عالم باطن میں وہ چیز زندہ ہوتی ہے لیکن ظاہر میں وہ مرجاتی ہے۔

اوپر والی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مختلف چیدہ چیدہ عناصر کو اگر کسی ایسے نظم اور ڈیزائن میں اکٹھا کیا جائے تو یہ سسٹم زندگی کا اظہار کرنا شروع کر دے گا۔ یعنی یہ عین ممکن ہے کہ انسان بھی لیبارٹری میں عارضی طور پر زندگی کی تخلیق کر سکے اس لئے مصنوعی زندگی ایک سائنسی حقیقت ہے اور انسان اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ چیزوں کو مردہ حالت سے زندہ حالت میں لا سکے، لیکن وہ زندگی کہیں باہر سے نہیں آئے گی بلکہ عناصر کے اپنے اندر کی ہی زندگی ہوگی جو ترتیب اور ترکیب کے زور سے ظاہر ہو جائے گی۔

موجودہ سائنس یہ بھی معلوم کر چکی ہے کہ کائنات کے ہر نظام میں وقت کے ساتھ ساتھ این ٹراپی میں اضافہ ہو رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بالآخر موت ہر چیز کا مقدر ہے۔ یہی کچھ قرآن پاک باور کراتا ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز فنا ہو جائے گی یعنی موت سے دوچار ہوگی اور باقی صرف ذات باری تعالیٰ رہ جائے گی۔ وہی اصل حق ہے۔ جہاں تک مصنوعی زندگی کے پیدا کرنے کا تعلق ہے قرآن پاک نے بھی یہ بات عیاں کر دی ہے کہ آدمی کیلئے یہ ممکن ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک بعض پیغمبروں کی بھی مثال دیتا ہے جنہوں نے ایسی چیزوں میں زندگی پیدا کر دی جو بظاہر مردہ تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ معجزات ان عظیم ہستیوں کیلئے مخصوص تھے لیکن یہ کمال ضرور انسان کی عظمت کی دلیل ہے اور آنے والی نسلوں کے عمل کرنے کے لئے ایک زبردست دلیل ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ وہ مٹی سے پرندوں کے جسم بناتے اور اللہ کے حکم سے ان میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتے تھے۔ یہ معجزہ ان کے پیغمبر حق ہونے کا ثبوت تھا۔ قرآن پاک ان کے اس معجزہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے:

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا

تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ O

(وہ یہ کہے گا کہ) بے شک میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے اور وہ یہ ہے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک ماروں گا اور وہ پرندہ ہو جائے گا اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتا سکتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ بے شک ان معجزوں میں بڑی نشانی ہے تمہارے یقین کے لئے اگر تم ایمان رکھتے ہو O (سورۃ آل عمران، آیت ۴۹)

قرآن حکیم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے پرندے زندہ ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی عصاء کو سانپ میں تبدیل کرنے کا معجزہ دکھایا تھا۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پتھروں سے کلمہ پڑھایا تھا اور وہ بول اٹھے کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" یہ سب عظیم ہستیاں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول اور انسان تھے جنہوں نے اپنے معجزات سے زندگی اور موت کی تخلیق کے متعلق انسان کے مقام کو خوب واضح کیا۔ اس لئے اگر کل کوئی سائنسدان اللہ تعالیٰ کے قوانین سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مادہ کے اجزاء کو اکٹھا کر کے زندگی کا اظہار کر دیتا ہے تو یہ قرآن پاک کی اس بات کا ایک اور ثبوت ہوگا کہ انسان کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے اور یہ خالق کائنات کی ہی حمد وثناء ہوگی۔

اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ O

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے O تو دن کو رات سے نکالتا ہے اور رات کو دن سے نکالتا ہے، اور مردہ سے زندہ نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو۔ اور جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے O

(سورۃ آل عمران، آیات ۲۶ تا ۲۷)

23.15 جسم، زندگی، نفس اور روح میں امتیاز

ابھی تک کی بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اختصار کے ساتھ جسم، زندگی، نفس اور روح کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ:۔

1۔ روح انسان کی فطرت، اللہ تعالیٰ کا امر حق کی طرف راہنمائی کا باعث ہے جو ضمیر کی شکل میں اپنا اظہار کرتی رہتی ہے۔

2۔ نفس روح کی وہ شکل ہے جو اختیار کے نتیجہ میں فطری صلاحیتوں، ماحول، تعلیم و تربیت، عقائد اور اعمال وغیرہ کے اثرات سے بنتی ہے۔

3۔ زندگی انسان کی حرکت اور نشو و نما کی قوت ہے اور جسمانی ایٹموں میں توازن کا اظہار ہے۔

4۔ جسم انسان کے لئے مانند مکان ہے جو اس کی رہائش اور دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ جیسے برتن ٹوٹنے سے پانی باہر نکل جاتا ہے جسم کی موت پر نفس اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

اپنی ترکیب میں انسان دو جوڑوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا جوڑا روح اور اختیار کا ہے اور دوسرا جوڑا جسم اور توانائی کا ہے جو زندگی کا مظہر ہے۔ جس طرح ہم نے ایٹم کی ساخت میں واضح کیا تھا کہ برقی اثر (Charge) آزاد حالت میں نہیں رہ سکتا بلکہ یونہی کوئی جسم اسے ملتا ہے اس پر چڑھ جاتا ہے اسی طرح ارواح عالم ظاہر میں جسم کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے جیسے ہی کسی بچہ کی رحم مادر میں تولید ہوتی ہے اور جب وہ انسانی شکل ڈھال لیتا ہے تو اس میں روح داخل ہو جاتی ہے اور زندگی میں اختیار کے زیر اثر نفس بن کر ابھرتی ہے۔ اختیار کی یہ قوت اسے علیین میں بھی لے جاسکتی ہے اور اسفل السافلین میں بھی۔

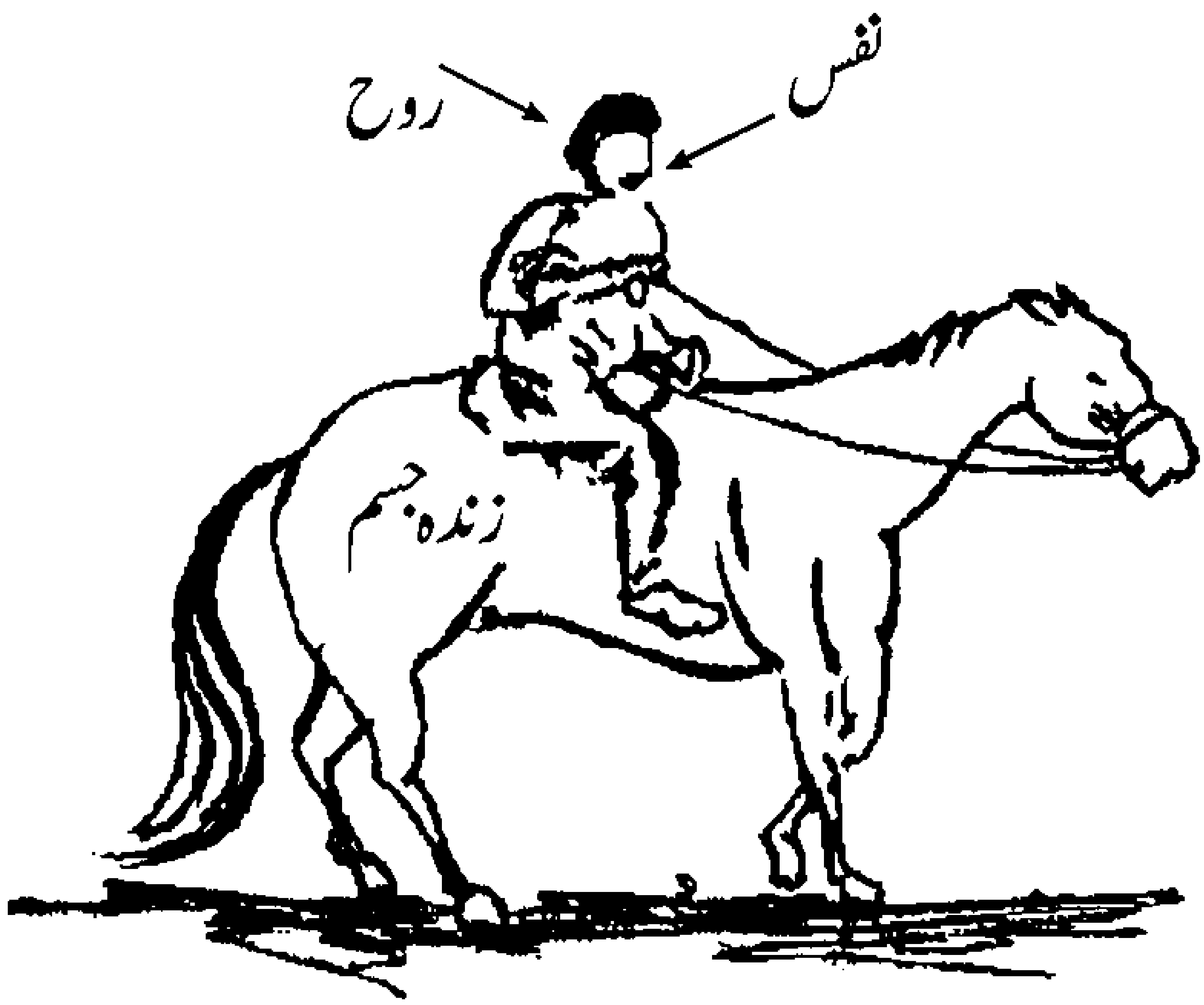
23.16 زندگی کے درجات

ابھی تک ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درحقیقت قدرت میں ہر شے زندہ ہے اور اسکا فہم و ادراک اس کی خصوصیات کا مظہر ہے۔ اگر عناصر کے ذرات کو کسی خاص ترتیب اور نظام کے تحت اکٹھا کیا جائے جس کے نتیجے میں انٹراپی (Entropy) کم ہو جائے تو یہ مل کر زندگی کے بہتر درجات کا مظاہرہ کرتے ہیں اس لئے ہمارے ہاں جو بے جا اصطلاحات ہیں کہ یہ زندہ ہے اور وہ مردہ ہے۔ یہ حقیقت سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہیں۔ جہاں زندگی کی حرکت ہمیں نظر آتی ہے اسے ہم زندہ کہہ دیتے ہیں اور جہاں زندگی کی حرکت ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اسے ہم مردہ کا نام دیتے ہیں حالانکہ کون زندہ ہے اور کون مردہ؟ یہ اپنے اپنے ادراک کی بات ہے۔ کوئی پتھروں سے بھی ہمکلام ہونے کی قابلیت رکھتا ہے اور کوئی انسانوں سے بھی بیگانہ ہے۔ جس طرح ترتیب کے مدارج ہیں اسی طرح بے ترتیبی کے بھی مدارج ہیں لہٰذا نسبتی حیثیت میں کسی نہ کسی درجہ پر سبھی زندہ ہیں۔ نباتات، جمادات کی نسبت اعلیٰ تر زندگی کے مدارج پر ہیں اور حیوانات نباتات کی نسبت سے بالاتر زندگی رکھتے ہیں۔ ان سب کے اوپر انسانی وجود ہے جو زندگی کے سب سے اونچے درجہ کا مظہر ہے۔

یہ نظریہ کہ ایٹم زندگی کی بنیادی اکائی ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مردہ ذروں کے مرکبات سے از خود زندگی کہاں سے آئے گی؟ کائنات میں تمام اشیاء عناصر کے ایٹموں ہی کی مختلف تراکیب اور ترتیب سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں ارتقائی منازل ہیں جو ذرات کے الگ الگ

شکل نمبر35:   روح، نفس، زندگی اور جسم کا باہمی تعلق

روح اللہ کی طرف سے رہنمائی، اس کی رحمت اور اس سے تعلق کا نام ہے یہ امر ربی ہے اسے اچھائی اور برائی کی تمیزاور اختیارحاصل ہے۔ دنیاوی حیات میں ماحول، اچھائی اور برائی کو قوتوں ، ایمان، عمل، خواھشات کی بھتات ، حرام اور حلال کے کھانے پینے کے نتیجہ میں روح کی جو شکل نکلتی ھے اسے نفس کہا جاتا ہے۔یہ انسان کی مجموعی شخصیت ہے اور ھماری زندگی کا حاصل جمع ہے۔اس لئے قرآن پاک میں انسانی روح کیلئے نفس کا نام استعمال کیا گیا ھے۔زندگی میں نفس کا ارتقاء اس کے اعتقاد اور اعمال کی سمت میں ھوتا رھتا ہے اور اسکی ایک مثال بیج اور درخت کی ھے، روح مانند بیج ھے اور نفس اس سے آگے کر بڑا ھونے والا درخت ہے۔ موت کے بعد جسم مرجاتا ھے لیکن نفس پھر بھی زندہ رھتا ھے۔پیدائش کے وقت روح اپنی تقدیر کا پرچہ ساتھ لے کر دنیا میں وارد ھوتی ہے۔زندگی اور موت کے حالات سبھی اسی تقدیر کا حصہ ھیں۔جسم اس کیلئے مادی دنیا سے رابطے اور اس سے کام لینے کا ذریعہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جسم ایک سواری ہے اورروح سوار ہے ۔ دونوں کے امتیاز سے نفس برآمد ھوتا ھے جو آدمی خودھے۔زندگی کے سفر میں ایک طرف شیاطین ھیں جن کی کوشش اسے گمراہ کرناھے دوسری طرف ملائکہ ھیں جو اسے سیدھے راہ پر رکھنا چاھتے ھیں۔آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ملائکہ کی بات مانے یاشیاطین کی، بھر حال وہ اپنے لئے خود ھی راستہ تلاش کرتا ہے۔ موت کے بعد گھوڑا یعنی جسم جس کا تعلق زمین سے تھا زمین ھی میں رہ جاتا ھے اور نفس اپنے اختیار کو کھو کر عالم برزخ میں واپس چلا جاتا ہے اور پھر ان دونوں کا ملن یوم الدین کو ھوگا جب تمام انفاس کائنات میں سے اللّٰہ کے حکم پر اکٹھے ھوجائیں گے۔



کیمیائی اتصال اور نظام کا نتیجہ ہیں۔ یوں کیمیائی مرکبات اپنے ترکیبی ذرات کی نسبت اونچے درجہ کی زندگی کے مظہر ہیں اور حیاتیاتی مرکبات جو زیادہ اعلیٰ اور پیچیدہ ترتیب سے ہیں، ان میں ہستی کا درجہ مزید اونچا ہوگا۔ امینوایسڈ جو ذرات کا بہت پیچیدہ نظام ہے وہ دیگر مرکبات کی نسبت اعلیٰ تر زندگی کا مظہر ہیں ایک زندہ خلیہ جو اپنی بناوٹ میں ڈیزائن اور صنعت کا شاہکار ہے وہ امینوایسڈ سے بھی زیادہ زندہ ہے۔ اسی طرح جانوروں کے خلیے پودوں کے خلیوں کی نسبت زیادہ پیچیدہ اور فعال مرکبات ہیں اور انسانوں کے خلیے جانوروں کے خلیوں کے مقابلہ میں بہت بہتر طور پر منظم ہیں۔ یوں وہ مقابلتاً زندگی کے اوپر والے درجہ پر فائز ہیں۔ مختلف سطحوں پر زندگی کے مدارج کو سمجھنے کیلئے شکل نمبر ۳۶ معاون ہوگی۔

23.17 مادہ کی روح (Mind of Matter)

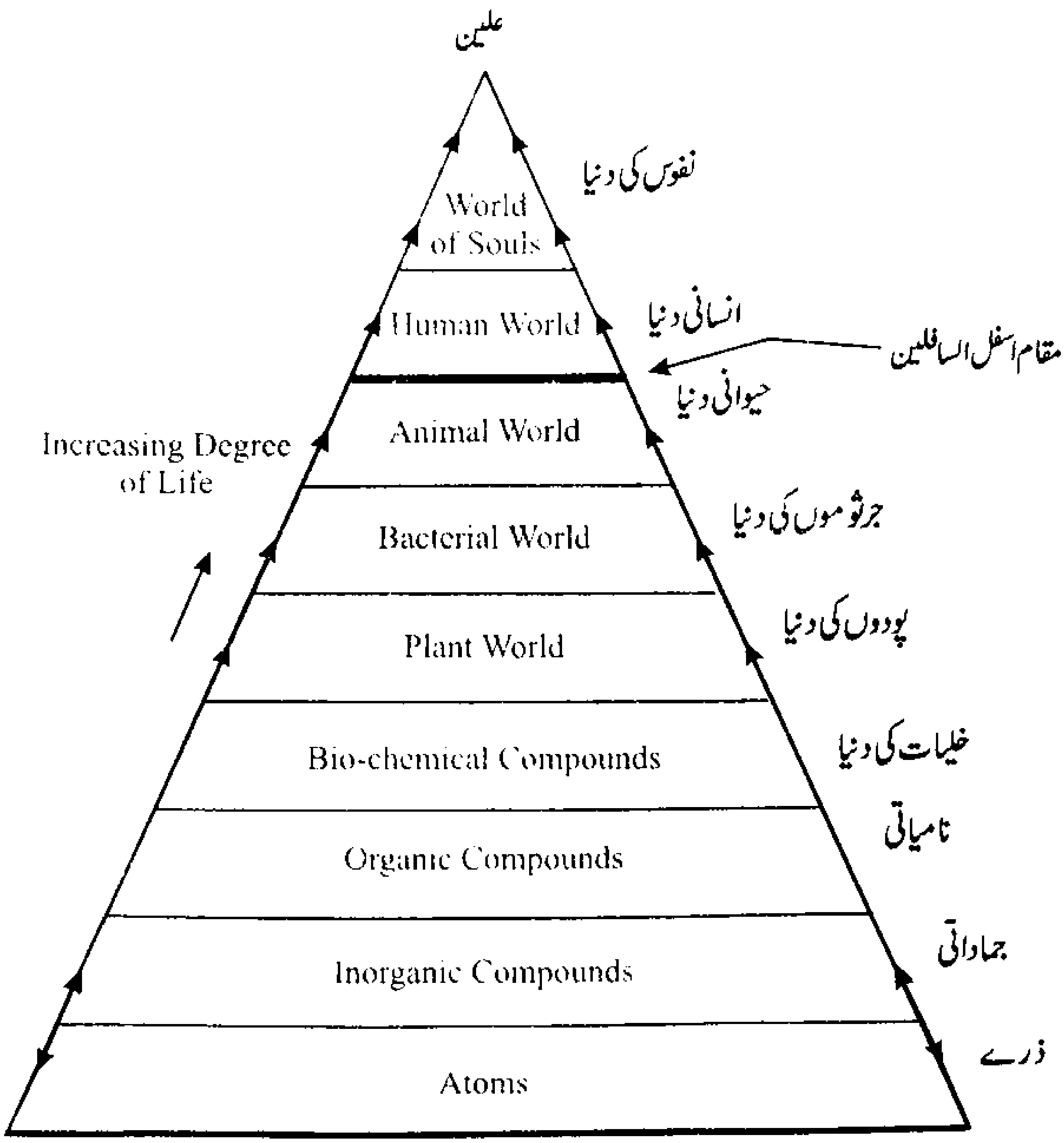
اب ہم ایک اور بنیادی معاملہ کو زیر بحث لائیں گے یعنی یہ کہ وہ کونسی چیز ہے جو مادہ کو قدرت کے ضابطوں کی تابعداری کیلئے مجبور کرتی ہے؟ مثال کے طور پر ایک خاص حالات میں ہائیڈروجن اور آکسیجن کے وصل سے پانی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ ابھی تک سائنس '' کیسے '' کا جواب تو بخوبی مہیا کرتی ہے لیکن '' کیوں '' کے جواب پر خاموش ہے۔ لیکن اگر ہم ایٹم زندہ ہے کے نظریہ کو تسلیم کرلیں تو کیوں کا جواب بھی بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ہمارے نزدیک اسکا صحیح جواب یہ ہے کہ ذرات جانتے ہیں کہ انہیں کن خاص حالات میں کیا کرنا ہے؟ یہ چیز ہم پہلے ہی زیر بحث لا چکے ہیں کہ ہر چھوٹی یا بڑی چیز اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور اس کے امر سے آگاہ ہے۔ تخلیق کے وقت خالق قدرت نے یہ امر ان کی فطرت میں ودیعت کر دیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے قوانین کو پہچانیں اور ان کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔ اللہ کے قوانین کا یہ ادراک اور ان کی پہچان مادہ کی بنیادی خاصیت ہے۔ یہی شعور مادہ کی ہر سطح پر اس کی روح (Mind) ہے جس کا خاصہ اپنے خالق اور اس کے قوانین کی پہچان ہے۔

اس طرح سے ہر ذرہ از خود ایک شعوری وجود ہے۔ اگر زندگی ان کو اثر آفریں بناتی ہے تو شعور ان کیلئے رخ کا تعین کرتا ہے اور زمان ومکان میں ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ یوں کائنات اس طرح منظم ہے کہ اس کا ہر بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا عنصر (قرآن پاک کے الفاظ کے مطابق اصغر و اکبر) اپنے اندر ایک راہنمائی کا طریق کار موجود رکھے ہوئے ہے جو اس کے رویہ کو کنٹرول کرتا ہے اور اس کی فطرت اور صورت کا باعث ہے۔ اس سلسلہ میں سورۃ طہٰ کی آیت ۵۰ کا اکثر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ آیت مبارکہ بلا استثناء بتاتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے اندر اس کی راہنمائی ڈال دی گئی ہے جو اس کی فطرت اور خلقت کا حصہ ہے یہی اس کی روح یعنی (Mind of Matter) ہے۔

شکل نمبر36:   شعور کے مدارج

ہم قرآن پاک سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خصوصی فطرت عطاء فرمائی ہے اور انہیں درجہ بدرجہ شعور دیا ہے جس کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ہمارے نزدیک شعور ہی کا دوسرا نام (Mind)ہے۔ یہی چیزوں کی روح ہے چونکہ ایٹم مادہ کی اکائی ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شعور کی بھی اکائی ہے اوراپنے اپنے شعور کی وجہ سے ہر عنصر دوسرے عنصر کی پہچان رکھتا ہے۔اور عناصر کا باہمی عمل(Reactions) بھی ان کے شعور کی وجہ سے ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کی زندگی بھی مختلف مدارج پر ان کے شعور کی نسبت سے قائم ہے۔ انسان کا شعور بلند ترین درجہ پر ہے۔ نیچے دی گئی شکل میں یہ مدارج دکھائے گئے ہیں۔ ایک بڑا شعور چھوٹے شعور کو کنٹرول کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ انسانوں میں بھی ایک اعلیٰ شعور کا آدمی نسبتاً کمتر شعور والوں کا لیڈر ہوتا ہے۔



باب نمبر 24

نفس اور زمان و مکان کی وحدت

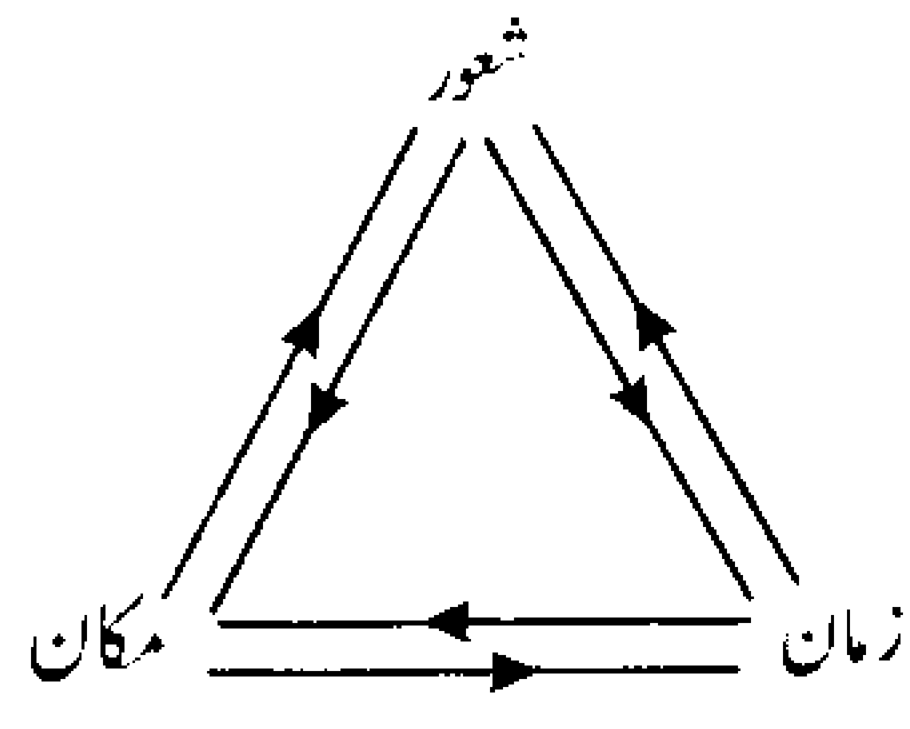
(Unification of Mind, Time and Space)

"مادہ کا ادراک (Mind of Matter)" والا نظریہ ہمیں ایک سہ طرفی اصول کی طرف لے جاتا ہے جس میں "زمان، مکان اور شعور (Time, Space and Mind)" وہ تین چیزیں ہیں جو اس کائنات کے چلنے یا طریق کار کے ستون کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ اس عقدہ کو سمجھنے کیلئے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زمان و مکان کے تناظر کو بیچ میں لائے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کوئی واقعہ تب ظہور پذیر ہوگا جب اس کے ہونے کے لئے وقت صرف کریں اور رکھنے کیلئے مکان ہو۔ اس لحاظ سے زمان و مکان (Time & Space) واقعات کی ماں کی طرح ہیں۔

24.1 واقعات کا سبب

اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ سوال بڑا اہم ہے کہ کسی واقعہ کے معرض وجود میں آنے کے کیا اسباب ہیں۔ واقعہ کے ہونے کی طرف راہنمائی کرنے والی طاقتوں کو کون کنٹرول کرتا ہے اس کا جواب مادہ کی اس خاصیت میں ہے جسے ہم نے شعور یا اس کی روح کہا ہے۔ یہ شعور ان کو قدرت کے ضابطوں کو سمجھنے کی توفیق بخشتا ہے قدرت کے ضابطوں کو حرکت میں لاتا ہے، ان کو عمل پر مجبور کرتا ہے اور یوں یہ واقعات کا ازلی سبب ہے۔

مندرجہ ذیل شکل اس چیز کا خاکہ ہے کہ زمان و مکان اور شعور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلتے ہیں اور واقعات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معرض وجود میں لاتے ہیں۔ چونکہ ان تینوں کا ڈائرکٹ تعلق ذات باری تعالی سے ہے اس لئے اللہ ہی مسبب الاسباب ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔



شکل: واقعات کے ظہور کے بنیادی اسباب

اس نظریہ کے مطابق چیزوں کی روح یعنی شعور آگاہی اور راہنمائی کا سبب ہے جبکہ زمان ومکان وجود کے آغاز کیلئے بنیادی جگہ اور حرکت فراہم کرتے ہیں۔اسلئے واقعات عالم شہادت میں آنے سے پہلے شعور میں شکل وصورت اختیار کرتے ہیں اور وہاں سے اتر کر وہ اپنی طبیعاتی صورت کے ساتھ زمان ومکان میں نمودار ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں ایک طاقتور شعور اپنے سے کمتر شعور کو کنٹرول کرتا ہے۔انسانی شعور چونکہ سب سے اعلیٰ تر ہے اسلئے اس میں آسمانوں وزمین کے اندر ہر چیز کو مسخر کرنے کی صلاحیت ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

24.2 واقعات کے ظہور کی ترتیب

شعور کی مادہ پر یہ نمایاں اور فائق حیثیت واضح کرتی ہے کہ روحانی طاقتوں کو طبیعاتی طاقتوں پر فوقیت حاصل ہے یعنی ہر چیز کی بنیاد روحانی طاقتوں سے بندھتی ہے اور واقعات بعد میں رونماء ہوتے ہیں۔یہ سب کچھ مندرجہ ذیل طریقہ کار سے کارفرماء ہوتا ہے۔

انسانی شعور سے ارادہ کا اظہار ہوتا ہے اور ارادہ سے آزادی فکر،عمل اور اختیار حرکت میں آتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ واقعات کی اصل شعور ہے اسلئے اگر کوئی فرد یا قوم اختیار اور فکر وعمل کے بلند مقامات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کو اپنے شعور یعنی روح کو بلند کرنا ہوگا۔یہاں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ روح کی غذا علم،محنت اور ریاضت ہے۔اس کا سب سے پسندیدہ وہ علم ہے جو اس کو مقصد حیات کے قریب ترلے آتا ہے۔لہٰذہ جو فرد یا قوم اپنی روح کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں انہیں مادی اشیاء سے محبت کی بجائے علم کے میدان میں جہد وریاضت کرنا ہوگی۔پھر مادی ذرائع خود بخود ان کے تابع ہوجائیں گے۔

روح کا دشمن شیطان ہے جو نفس کو روح کی آواز پر عمل کرنے سے ورغلاتا ہے چنانچہ جو فرد،گھر یا قوم شیطان کیلئے کھلا میدان چھوڑ دیتی ہے آخر تباہ وبرباد ہوجاتی ہے۔حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،جنت کے اردگرد ان تمام چیزوں کی باڑ ہے۔جو انسان کے من کو پسند نہیں ہیں اور جہنم کو ان چیزوں نے احاطہ کیا ہوا ہے جو اس کے لئے من پسند ہیں لہٰذا روح کو چھوڑ کر من کی خوشی کیلئے جینا اپنے آپ کو جہنم میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

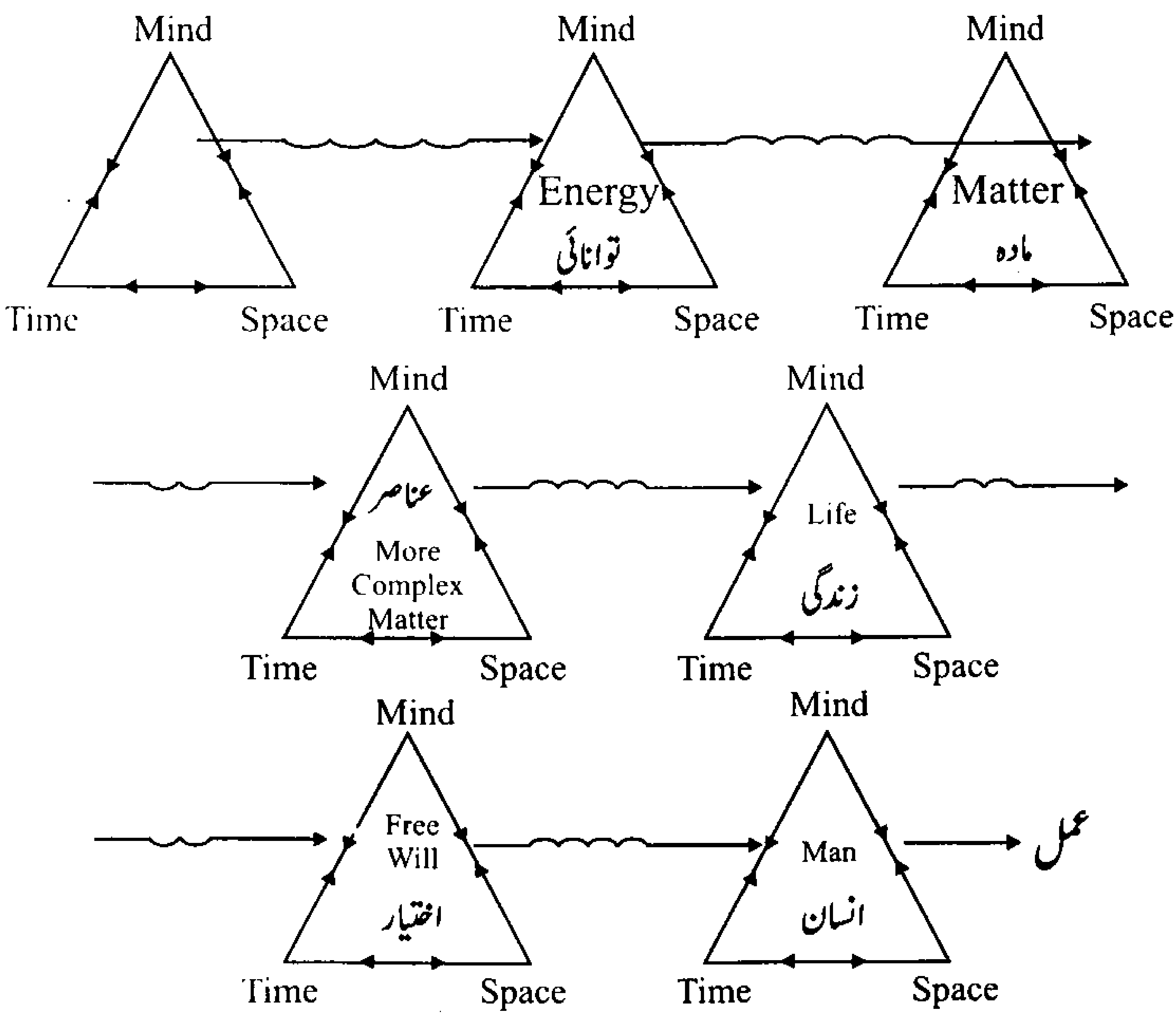
یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ موت سے شعور ضائع نہیں ہوتا بلکہ مادیات کا جالا اتر جانے کی وجہ سے اصل حقیقت مزید واضح ہوجاتی ہے لیکن موت سے اختیار اور آزادی فکر وعمل سلب ہوجاتی ہے یعنی زندگی کا مظہر آزادی فکر وعمل اور اختیار ہے جس کی ترقی کا انحصار شعور پر ہے۔اونچے درجے کے جانداروں یا حیوانوں کا شعور بھی اونچے درجے کا ہوتا ہے اور جانداروں میں انسان اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے سب سے برتر ہے تو اس کی آزادی فکر وعمل بھی سب سے برتر ہے۔یہی وجہ ہے کہ زمین وآسمان سب اس کے سامنے مسخر ہیں۔

24.3 زمان ومکان کی حقیقت

ازل سے زمان ومکان اور شعور ایک دوسرے سے مل کر باہمی طور پر عمل پیراء ہیں اور ان کا منبع خود اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

شکل نمبر 37: زمان و مکان اور شعور (Mind) کی وحدت (Unification)

جھاں تک عمل کا تعلق ھے زمان و مکان اورشعورایک وحدت ھیں اور یہ تینوں مل کر ھی کسی واقعہ کے ظھور پذیر ھونے کا باعث بنتے ھیں۔ اس عمل میں بنیادی خاصہ امر ھے اور امر کا خاصہ شعور ھے شعور کا ارادہ اور ارادہ سے اسباب اور اسباب کے استعمال سے عمل ظھورپذیرھوتا ھے جبکہ مکان (Space) سے واقعہ کوحجم اور زمان (Time) سے اسے وقوع پذیر ھونے کیلئے وقت اورزندگی ملتی ھے۔ شعور اس کو یہ اھلیت دنیا سے ابتدائے کائنات میں زمان و مکان اور نفس کے عمل سے ھی توانائی سے مادہ (Matter) اور اس سے عناصر اور وھاں سے جمادات ونباتات اور حیوانات وجود میں آئے۔زمان و مکان اور نفس ھی انسان کے عمل کابھی باعث ھیں، اگر ارادہ صحیح راہ پر ھو گا تو عوامل اور نتائج بھی صحیح ھوں گے۔ مثلاً ایک بیمار نفس فرد کی تباھی کا پیش خیمہ ھے اور بیشمار بیمار نفوس پوری قوم کیلئے تباھی لیکر آتے ھیں۔ اسی طرح صحت مند صالح نفوس سب کے لئے حیات کا پیغام ھیں۔



جس کے بارے میں ارشاد ہے:

هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ O

وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن، اور وہ ہر چیز کو پورا پورا جانتا ہے O

(سورۃ حدید، آیت ۳)

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی ہستی اور زمان ومکان کی حیثیت کو سمجھنے کیلئے سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۳ نہایت غور طلب ہے۔ ''الاول والاخر (Time) '' وقت کی دو انتہائیں ہیں اور ''الظاہر والباطن '' مکان (Space) کی دو انتہائیں ہیں اور ہر چیز کا پورا پورا علم ہونا شعور کی انتہاء ہے یعنی اپنی انتہاء میں یہ تینوں خالق کائنات کی صفات ہیں۔

قرآنی اصطلاح میں شعور کا دوسرا نام نور بھی ہے۔ اللہ تعالی نور السماوات والارض ہے یعنی پوری کائنات میں اس کا شعور پھیلا ہوا ہے ایٹم ایٹم اس کے شعور سے منور ہے یعنی اللہ تعالی اپنی زمان ومکان اور نور کی صفات کے ساتھ موجود ہے۔ انسان کا نور اس روح کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالی نے اس کی تخلیق کے موقع پر اس میں پھونک دی تھی۔ اسی وجہ سے انسان مسجود ملائک ہے۔ فرشتے چونکہ نور کی تخلیق ہیں اس لئے وہ بہت اعلی شعور رکھتے ہیں لیکن انہیں اختیار کی آزادی نہیں۔

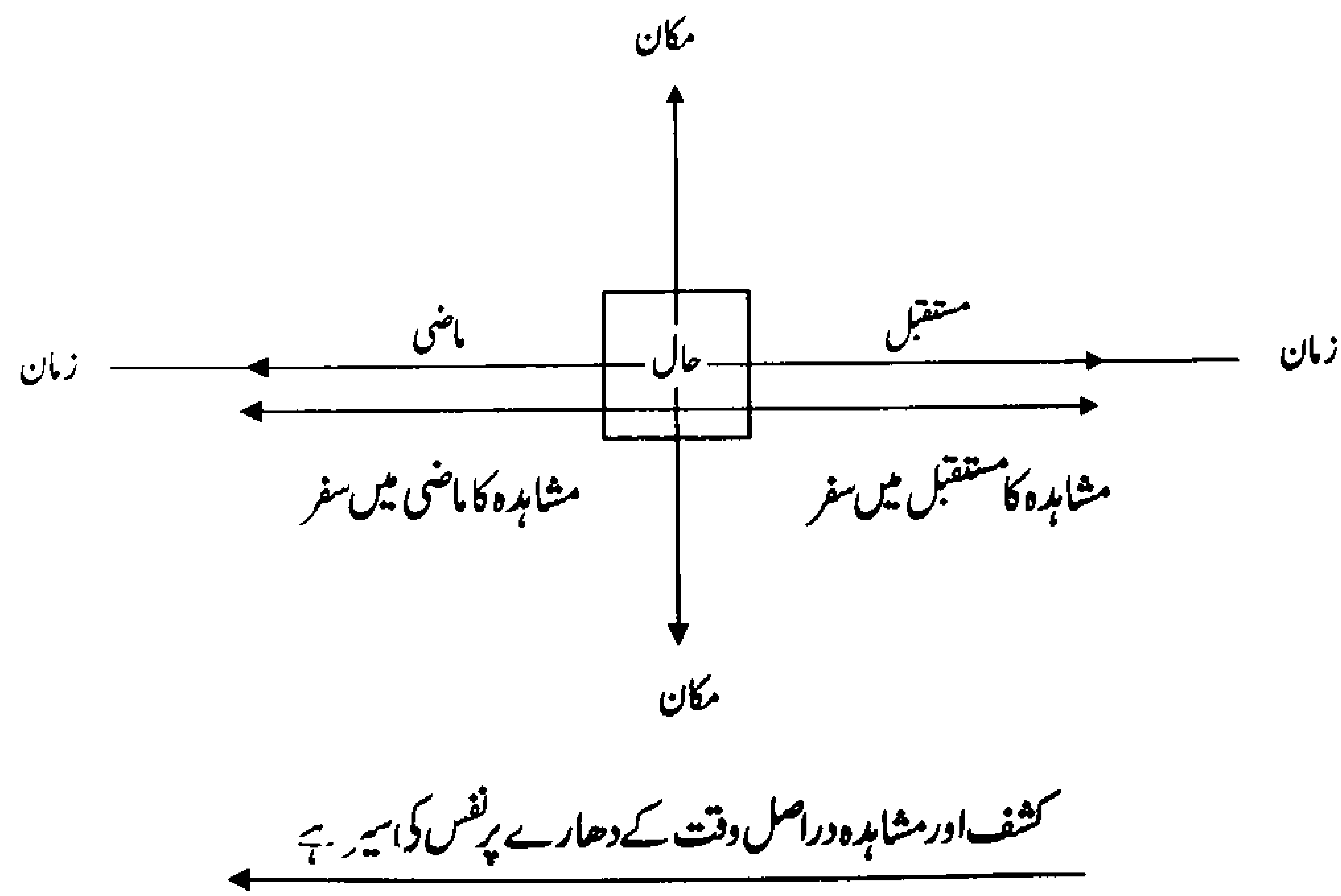
24.4 زمان ومکان کی سائنسی توضیح

قابل غور بات ہے کہ آہستہ آہستہ زمان ومکان کی موجودہ سائنسی توضیح کسی حد تک قرآن پاک کے نزدیک آرہی ہے اس کے مطابق زمان ایک لا انتہاء متحرک سمت ہے اور مکان میں تینوں سمتیں ہیں یعنی عرض، طول اونچائی یا گہرائی اور زمان اسکی سواری ہے چنانچہ کائنات کی ہر چیز کا وجود انہی چار سمتوں میں بند ہے اور یوں زمان ومکان بڑی سے بڑی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جس طرح پانی پستی کی طرف بہتا ہے اسی طرح وقت بھی مستقبل سے ماضی کی جانب رواں دواں ہے عالم شہود وقت کے سامنے ایک نہایت پتلی کھڑکی کی مانند ہے اس میں سے جو نظر آتا ہے اس کو ہم حال کہتے ہیں۔ اس کا انحصار شاہد (Observer) کے شعور کی قوت پر ہے اس لئے کسی کا ماضی کسی اور کا مستقبل ہوسکتا ہے اور کسی کا مستقبل کسی اور شاہد کا ماضی ہوسکتا ہے یعنی شاہد (Observer) اپنے شعور کی طاقت سے وقت پر حال کی دائیں بائیں جانب سفر کرسکتا ہے۔ یعنی زمان ومکان نسبتی امر (Relative) ہیں۔

آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کے مطابق اگر شاہد کی رفتار روشنی سے زیادہ ہو تو وہ مستقبل میں سفر کرنا شروع کردے گی۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ واقعات روشنی کی رفتار سے اتر رہے ہیں یا یوں کہیے کہ آنے والے وقت کی رفتار روشنی کی رفتار ہے۔ مستقبل میں جانے کے لئے اس

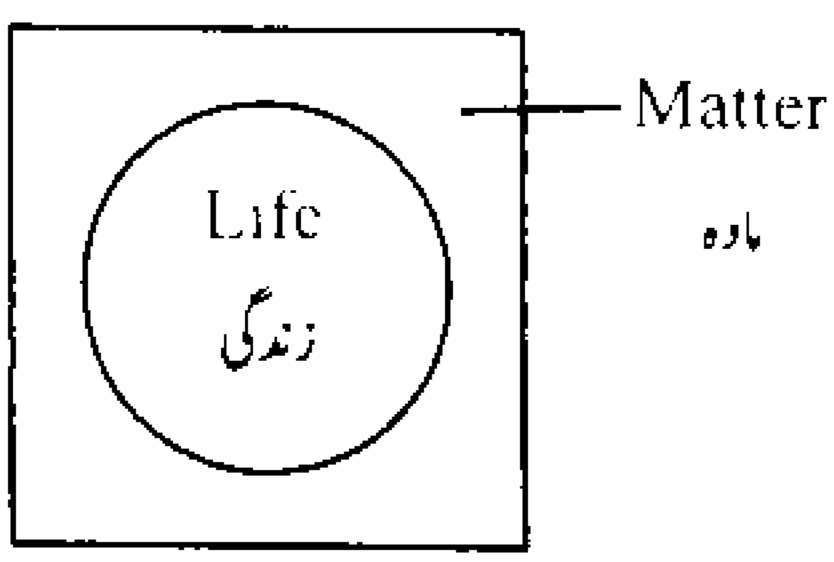
شکل نمبر 38: زمان ومکان(Time Space) کا سلسلہ اور ہم

ہماری کائنات زمان ومکان کی چار سمتوں کے اندر مقید ہے۔ سائنس کے نزدیک مکان(Space) کی تین سمتیں یعنی چوڑائی، لمبائی اور اونچائی ہیں اور وقت (Time)چوتھی سمت ہے۔ جیسے مکان (Space)مسلسل کھل رہی ہے اسی طرح اس میں مکین بھی مسلسل حرکت میں ہیں۔ نیچے شکل میں دکھایا گیا ہے کہ جس کو ہم حال (Present) کہتے ہیں یہ دراصل شاہد (Observer) کے سامنے ایک کھڑکی ہے جس کے آر پار وقت کی ٹرین چلتی نظر آتی ہے اگر کوئی شاہد وقت کے دھارے پر سیر کرسکے تو وہ مستقبل اور ماضی میں جا کر آنے والے اور گزرے ہوئے واقعات کا مشاہدہ کرسکتاہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ واقعات وقت کے دھارے پر ایک خیال کی مانند ہیں جو شاہد (Observer) کے سامنے مکان(Space) سے مل کر ظاہر ہوجاتے ہیں اور اپنے اثرات چھوڑ کر فوری ماضی میں گم ہوجاتے ہیں۔ موت کے بعد نفس وقت کی تمام سمتوں میں زندہ رہتاہے چونکہ جسم مکان (Space) کا پابند ہے اس کے اجزا مکان ہی میں تحلیل ہوجاتے ہیں لیکن آخرت کو نفس اپنے اجزاء کو پہچان کر اپنے پرانے ڈیزائن کے مطابق اکٹھا کرلے گا۔ یوں نفس اور جسم کے ملاپ سے پہلے جیسا انسان بن جائے گا۔



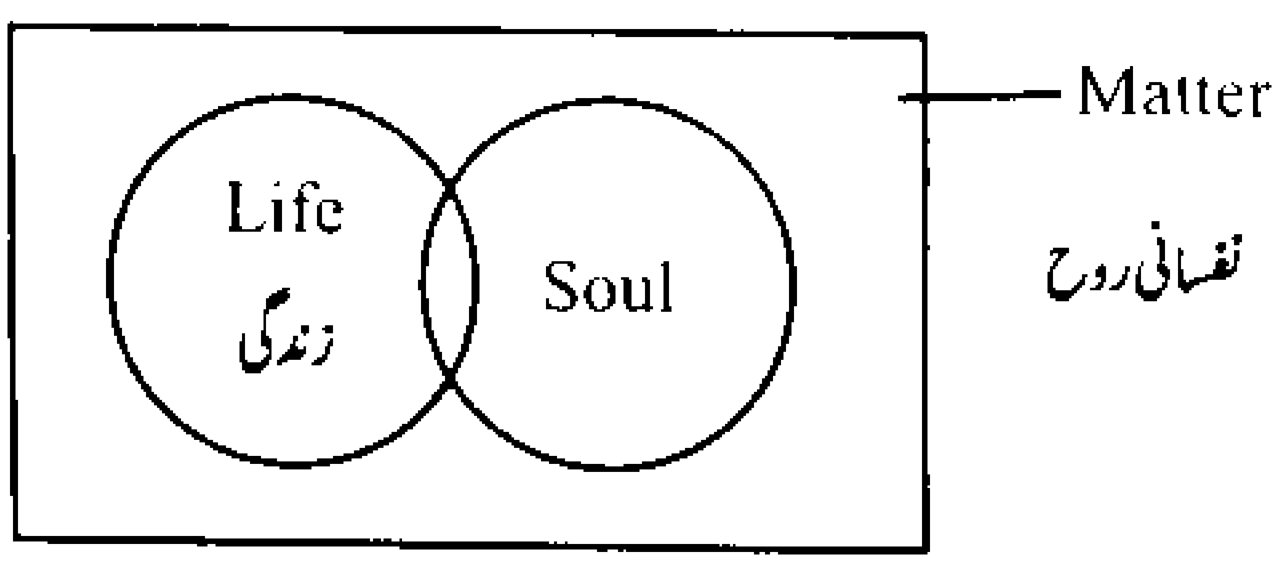
شکل نمبر 39: نفس اور اس کی ترقی

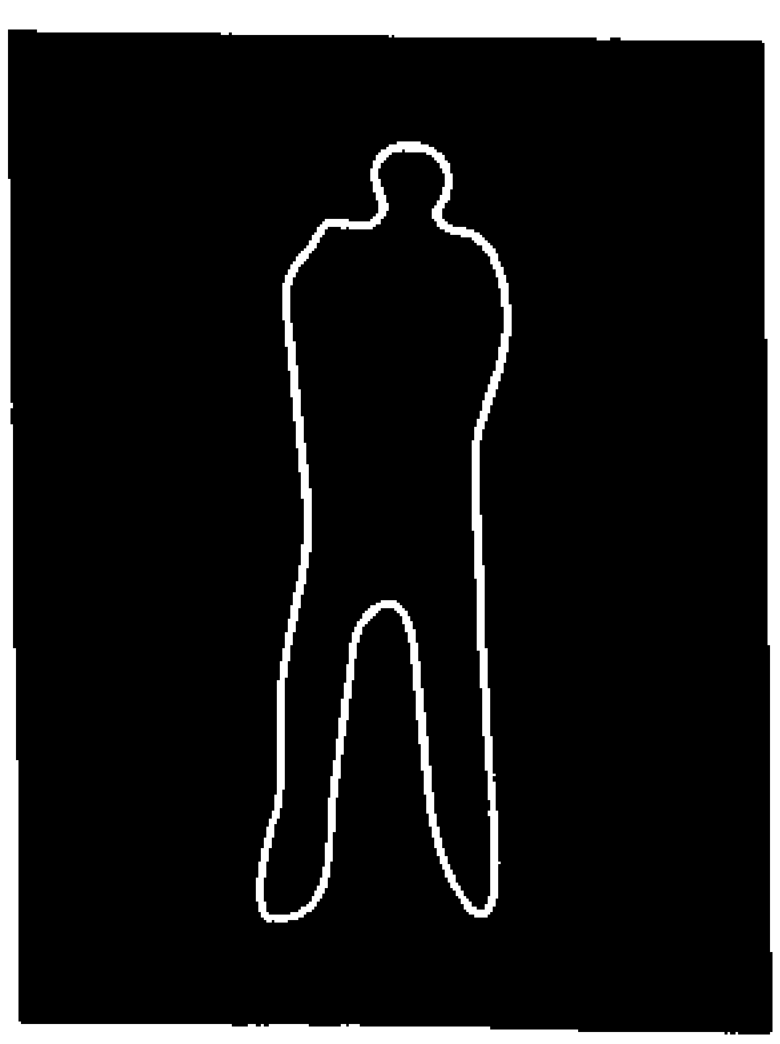
ہم قرآن مجید سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ تمام اشیاء زندگی اور جسم سے مرکب ہیں اور زندگی کا اظہار ان کے شعور کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے کائنات میں تمام قسم کی جمادات، نباتات اور حیوانات کے برعکس انسان علیحدہ ہستی ہے جو جسم، زندگی اور نفس کا مرکب ہے اور اعلیٰ ترین شعور کے مرتبہ پر قائم ہے۔ زمین پر زندگی کے وقفہ کا مقصد نفس کا امتحان ہے، جہاں اس نے شیطان کو شکست دے کر اپنی بڑائی کو ثابت کرنا ہے اسی میں اس کی ترقی ہے یہ ترقی ان اصولوں پر چل کر ہوسکتی ہے جو اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بتائے اور قرآن حکیم ان تمام اصولوں کی کتاب (Mannual) ہے۔ مندرجہ بالا شکل کمزور، معتدل اور ترقی یافتہ انفاس کا اظہار ہے۔ وہ کامیاب انسان جو ایک طاقتور اور صحت مند نفس کے ساتھ اپنے اگلے سفر پر قدم رکھتا ہے نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔



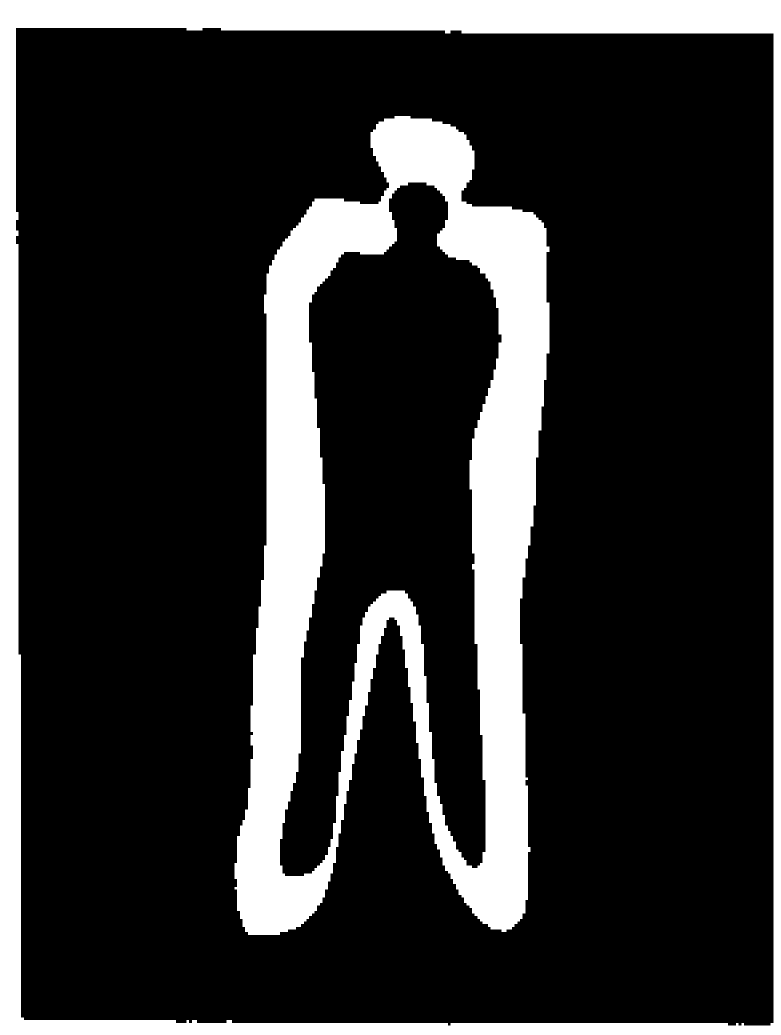
All living things are set of life and matter

All human beings are the set of life, matter and soul.

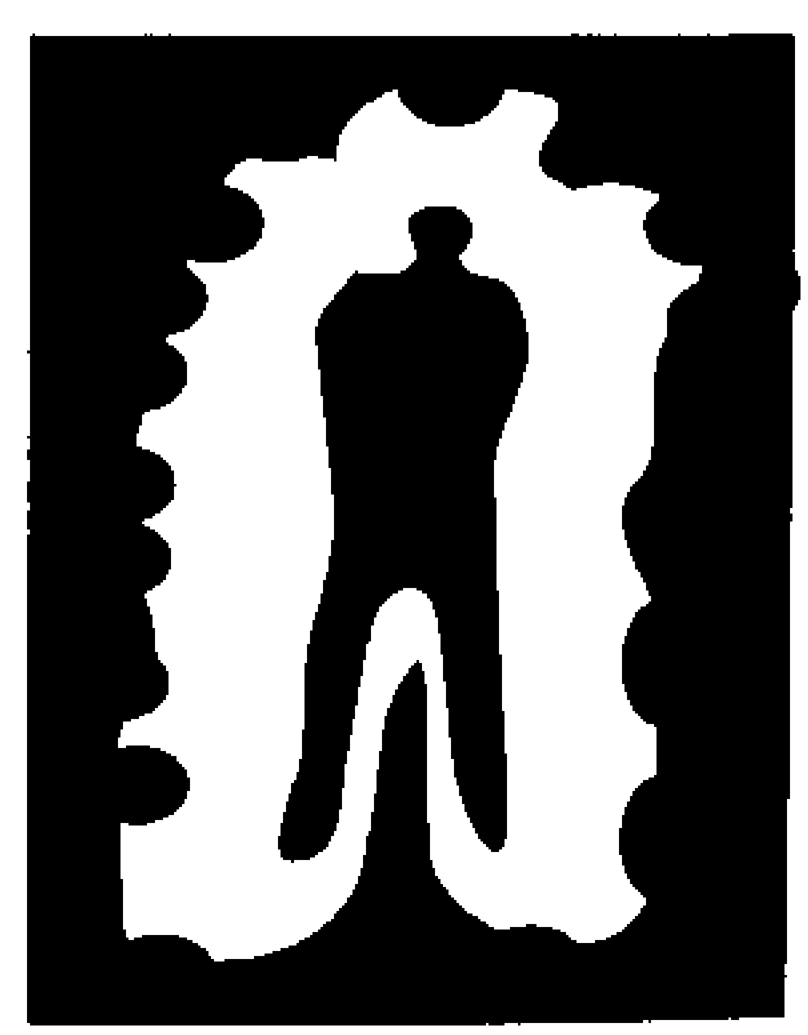




کمزور ظلمت زدہ نفس



تذبذب والا نفس



ترقی یافتہ نفس

رفتار کو مات کرنا ہوگا۔لیکن کسی مادی جسم کی رفتار روشنی جتنا بھی نہیں ہوسکتی،اس کے لئے لامحدود توانائی کی ضرورت ہے۔البتہ ہمارے نزدیک انسانی روح یعنی اس کے شعور پر یہ قید نہیں جیسے خیال کی رفتار پر کوئی پابندی نہیں،اسلئے انسان اپنے شعور کی بناء پر ماضی،حال اور مستقبل کی قیود سے آزادی حاصل کرسکتا ہے۔مشاہدہ کی یہ قوت موجودہ زندگی میں بھی ممکن ہے بشرطیکہ ہم اپنی روح کو دنیاوی کثافتوں سے پاک رکھیں۔اس زندگی میں بھی اگر کوئی شخص اپنی روحانی طاقتوں کو بیدار کرلیتا ہے تو زمان ومکان پر وہ کسی حد تک حاوی ہوسکتا ہے۔ایسے نفوس دنیاوی حیات کے بعد بھی زمان ومکان میں آزادی سے آگے پیچھے جہاں چاہیں سیر وسیاحت کیلئے آزاد ہونگے،البتہ گناہ گار اپنے گناہوں کی کثافت تلے دب کر موجودہ جسمانی آزادی سے بھی محروم ہوجاتے ہیں اور حسرت کے مارے بھوت بن کر اسی دنیا پر ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)۔

جدید حسابی دریافتوں کے مطابق کائنات کی چار ظاہر سمتوں کے علاوہ بھی مزید کئی سمتیں ہیں ایک حساب کے مطابق ان کی تعداد ۲۶ ہے یعنی وجود ۲۶ سمتوں میں ظاہر ہونے کی طاقت رکھتا ہے جن میں سے ہمیں صرف چار کا تجربہ حاصل ہے ان سمتوں میں جانے کیلئے کسی دوسری دنیا میں جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی نقطہ پر سب کچھ موجود ہے۔جیسے صفر کے باطن میں سارا جمع اور منفی وجود موجود ہے لیکن ظاہر بین کے لئے وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ایٹم باہر سے نیوٹرل ہے لیکن اندر بجلی کے مثبت اور منفی برقولوں کا انتہائی سرعت مند وجود ہے۔اس کی ایک اور مثال کسی کتاب کے صفحے پلٹنے کا معاملہ جیسی بات ہے وہی کتاب ہے لیکن منظر بدل جاتا ہے یا ٹیلی ویژن کے چینل بدلنے کی مثال ہے ماضی،حال اور مستقبل کا بھی یہی حال ہے اور اس طرح عالم ظاہر،عالم باطن،زندگی اور موت کے حالات میں انسان کا ایک سمت (Dimension) سے دوسری سمت (Dimension) میں داخل ہوجانا ہے۔یوں جنت بھی یہیں ہے اور دوزخ بھی یہیں ہے۔ایک ہی قبر میں کوئی جنت کی راحتیں پاتا ہے اور اسی قبر میں دوسرا مردہ جہنم کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔جب کہ ظاہر بین آنکھ کو دونوں ایک ہی حالت میں نظر آتے ہیں۔

باب نمبر 25

اعمال کا اندراج اور گواہی

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ شَهِدْنَا ۚ.. O

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' سب بولے ''ہاں'' ہم اس کا اقرار کرتے ہیں O (سورۃ اعراف، آیت ۱۷۲)

''کیا میں تمہارا رب نہیں؟ ہاں ہم نے گواہی دی۔ تو ہمارا رب ہے''۔ یہ وہ گواہی ہے جو ہر انسان نے عالم ارواح میں برملا دی اور اسکی فطرت کا حصہ ہے۔ وہ کیسا بھی ہو کہیں بھی ہو، ہر زمان ومکان میں وہ اپنے خالق کو ظاہراً یا در پردہ مانتا ہے۔ وحشی سے وحشی قبائل میں بھی اس کا احساس ہے، دہریے بھی اس سے خالی نہیں، کبھی نہ کبھی وہ بھی پکار اٹھتے ہیں۔ "یا اللہ"

درحقیقت کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کی گواہی ثبت ہے جو انسان سے اپنے مالک کا اعتراف کرواتی رہتی ہے۔ یہ گواہی اس کے شعور کا لازمی حصہ ہے اور جو اس سے جان بوجھ کر انکار کرتا ہے وہ انسان تو، کیا حیوانوں سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ حیوان بھی اللہ تعالیٰ کا شعور رکھتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ قرآن حکیم کے مطابق کافر رندوں سے بھی بدتر ہیں۔

25.1 چیزوں کی یادداشت

گواہی کے سلسلے میں ہی قرآن پاک سے ایک اور بنیادی نظریہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام اشیاء اپنے اردگرد ظہور پذیر ہونے والے واقعات پر بھی گواہ ہیں اور ان کے اثرات قبول کرتی ہیں۔ سائنس کا قانون سبب اور اثر (Law of Cause and Effect) بھی اس حقیقت کی دلالت کرتا ہے۔ مثلاً جب ہم بولتے ہیں تو ہماری آوازوں کی لہریں ماحول پر ثبت ہو جاتی ہیں، اگر ہم کسی جگہ بیٹھے تھے اور پھر جب وہاں سے اٹھ گئے تو پیچھے ایسے اثرات چھوڑ جاتے ہیں جن سے ہمارے جانے کے بعد بھی ہماری موجودگی کا پتہ چل جاتا ہے، ان اثرات میں جسم کی گرمائش، سانس یا لمس کے ذریعے چھوڑے ہوئے جسمانی اجزاء اور نشانات وغیرہ شامل ہیں۔ جو ہماری غیر موجودگی میں بھی ہمارے اوپر گواہ کا کام کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔صورتحال کچھ یوں ہے کہ ہر چیز کے کان، آنکھیں اور شعور ہے جس سے انہیں اپنے ماحول کا ادراک ہوتا ہے اور ان کی اپنی ایک یادداشت بھی ہے جس کی بناء پر جو کچھ ان پر وارد ہوتا ہے، ہمیشہ یادرکھتی ہیں اور وقت آنے پر ظاہر کردیں گی۔ یوں ایٹم کی اپنی یاداشت ہے جس میں وہ اپنے او پر وارد ہونے والے واقعات کو محفوظ کرتے جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں اللہ کی کتاب بتاتی ہے کہ حشر نشر والے دن ہمارے اپنے جسم کے مادی ذرات اور ہمارے ماحول میں مادی اشیاء سبھی انسان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ نہ صرف اشیاء یادداشت رکھتی ہیں بلکہ قرآن پاک یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ ہماری آوازیں، حرکات اور خیالات تک ریکارڈ ہو رہے ہیں اور اسی ضمن میں زمین بھی اپنے اوپر گزرے ہوئے تمام واقعات کی تاریخ ہے اور یوم حساب کو سب کچھ کھول کر بیان کردے گی جو اس کے اوپر گزرا ہوگا تا کہ انسان خود اپنے کرتوتوں کی داستان سن لے اور کوئی بہانہ نہ بنا سکے۔اس سلسلہ میں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات محققین ، دانشوروں اور سائنس دانوں کیلئے کھلا چیلنج ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَاO وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا O وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَاOيَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَاO بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَاO

پھر جب زمین تھرتھرانے گئی جیسا کہ اس کے لئے تھرتھرانا مقرر ہےOاور زمین اپنے بوجھ باہر نکالےOاور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیاOاس دن زمین خبریں بیان کرے گی (کہ جو اس پر گزری ہیں)O کیونکہ آپ کا رب اس پر وحی کر چکا ہےO(سورۃ الزلزال، آیات ۱ تا ۵)

اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات مبارکہ کی اس طرح وضاحت کی کہ زمین ہمارے اعمال پر شاہد ہے۔اس کی آنکھیں نہیں لیکن یہ دیکھنے کی بصارت رکھتی ہے۔اس کے پاس قلم نہیں لکھنے کا عمل اس میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔اس کا دماغ نہیں لیکن یادرکھنے کیلئے حافظہ رکھتی ہے۔(متفق علیہ۔مسلم۔ بخاری) کمپیوٹر کی یادداشت میں میموری چپ (Memory Chip) کی ایجاد کے بعد زمین کے ایٹموں کی یادداشت میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔لہٰذا ہمیں زمین سے ڈرنا چاہیے اور اس پر صرف اچھے اعمال ہی کریں تا کہ یہ ہمارے متعلق اچھی گواہی دے۔قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ بھی بتاتی ہیں کہ ہمارے اعضاء یعنی ہاتھ اور پاؤں اور چمڑے سب ہماری جاسوسی کرتے ہیں اور ہمارے تمام اعمال کا اندراج کرتے رہتے ہیں اور حشر کے دن ہمارے کرتوت کھول دیں گے۔فرمایا:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کردیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کے کرتوتوں کی O (سورۃ یٰسین، آیت ۶۵)

مزید ارشاد ہے:

حَتّٰی اِذَا مَاجَآءُ وْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْ ا يَعْمَلُوْنَO

حتیٰ کہ جب وہاں پہنچیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھال سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے O (سورۃ حم سجدہ، آیت ۲۰)

پھر فرمایا:

وَقَالُوْ الِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ط قَالُوْآ اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَO

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی، وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے O (سورۃ حم سجدہ، آیت ۲۱)

ان تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا اپنا جسم بھی اسکا دوست نہیں بلکہ ہمارے اوپر وہ اللہ تعالیٰ کا جاسوس ہے۔ ہاتھ پاؤں عقل دماغ سب اسی وقت تک ہمارے ہیں جب تک ہم ان سے اچھے کام لیتے ہیں اگر انہیں غلط کاموں کیلئے استعمال کیا تو عالم آخرت میں یہی ہمارے دشمن ہونگے۔ دنیا میں مجرم بے شک سمجھے کہ ان کا جرم چھپ گیا ہے لیکن اس کی اپنی سانسوں کے اثرات، اس کی اپنی ہڈیوں اور ماس کے ذرات اس کے کرتوں کے گواہ ہیں۔ سب کچھ نوٹ ہو رہا ہے۔ چلتی ہوئی ہوائیں بھی ریکارڈ کرتی ہیں۔ کوئی کہیں بھی ہوا اپنے ماحول سے کیسے چھپ سکتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز انسان کی نیکی کی بھی گواہ ہوگی۔

25.2 ممکنہ سائنسی وجوہ اور طریق کار

زمین اور ہمارے اپنے بدن کے اعضاء کا ہمارے خلاف گواہی دینے والا عقدہ ایسی چیز نہیں جو اس زمانے میں سمجھا نہ جا سکے۔ انگلیوں

کے نشانات (Finger Prints) کا جرائم کے کھوج لگانے میں استعمال تو کافی پرانا ہو چکا ہے آج کل تو کھوجی سائنس (Fherensic Science) اتنا ترقی کر چکی ہے کہ انسان کے بال یا تھوک کا نمونے سے اس کی پوری شخصیت کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اس طرح اگر ہم کسی چیز کو چھوتے ہیں تو وہاں بھی ایسے اثرات چھوڑتے ہیں جن سے پہچان ممکن ہے۔ یہاں تک آدمی کی جلد جسم کے اعضاء اسکی آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں کے بولنے کا تعلق ہے تو جھوٹ پکڑنے والے جدید آلات اس قدر حساس ہیں کہ انسانی اعضاء اور دماغ سے نکلنے والی لہروں کو فوری پکڑ لیتے ہیں۔ الغرض پچھلے دس بیس سالوں میں انسانی ہڈیوں، بالوں، خون، رطوبت اور خلیوں کی گواہی کے سلسلہ میں جو سائنسی ترقی ہوئی ہے ان کو پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ زندہ تو زندہ، ان کی مدد سے مردہ کے بارے میں اتنی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں جو واقعی حیران کن ہیں۔ مثال کے طور پر انسانی بال موت کے ہزاروں سال بعد بھی آدمی کی خصوصیات اور عادات کا راز اپنے اندر رکھتے ہیں، جہاں تک کہ آدمی اپنی زندگی میں جو کچھ کھاتا پیتا ہے، انسانی بال باقاعدہ ایک ترتیب سے اسکا ریکارڈ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ مثلاً انیسویں صدی کے مشہور انگریز شاعر جان کیٹ کے بالوں کے تجزیہ سے معلوم ہوا کہ وہ عادی افیونی تھا۔

انسانی ذات کے بارے میں بھی جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ وہ بھی ایک یادداشت کا نظام (Memory Systems) رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جس موضوع پر زیادہ کام ہوا ہے وہ خلیوں (Cells) پر تحقیق ہے۔ اگرچہ خلیہ (Cell) اپنی جسامت میں ایک سینٹی میٹر کے دس لاکھویں حصے سے بھی کم ہے، لیکن اپنے اندر انسان کی پوری شخصیت کا امین ہے۔ یہ ایک قسم کا کمپیوٹر بھی ہے اور بجلی گھر بھی، جو امینوایسڈ اور کاربوہائیڈریٹ کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتا ہے اور یوں خود ہی اپنے لئے توانائی پیدا کرتا ہے، سوچتا بھی ہے اور حکم بھی کرتا ہے۔ ایک انسان میں تقریباً دس ارب ایسے خلئے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مالک کی ساری زندگی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اگر صحیح ماحول میسر ہو تو انسان کی موت کے لاکھوں سال بعد تک بھی وہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

سائنس دان اب یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ عین ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں کسی مردہ انسان کے خلیہ سے اس آدمی کی دوبارہ تخلیق کی جا سکے۔ اس کی مثال ایک دانہ کی طرح ہے۔ اس کے اندر پورا درخت چھپا ہوتا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا لیکن مناسب نمی، ہوا اور مٹی کی موجودگی میں وہ تناور درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہوگا کہ ایک انسانی خلیہ سے انسان کی بھی دوبارہ تخلیق ہو جائے۔ گو اس سلسلہ میں فی الحال کوئی کامیاب عملی تجربہ نہیں ہوا لیکن نباتات کے خلیوں سے پودے اور درخت پیدا کئے جا چکے ہیں اور حیوانات کے خلیوں سے حیوانات بھی پیدا کئے جا چکے ہیں۔ اس سائنس کا نام کلوننگ (Cloning) ہے۔ شاید وہ وقت دور نہیں جب کسی قبر سے مٹھی بھر مٹی اور گلی سڑی ہڈیاں لے کر کسی تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں لے جائیں اور وہاں ان میں موجود خلیات کی نشو و نماء کر کے مردہ آدمی دوبارہ تخلیق کر سکیں۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کے بارے بھی بتایا کہ وہ مردہ کی ہڈی سے اسے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ زندہ ہونے والا انسان اصل نہیں بلکہ اسکی نقل ہوگا۔

جب ایسا ہوگا تو یہ قرآن پاک کے طالبعلم کیلئے بالکل حیرانی کا باعث نہ ہوگا چونکہ وہ پہلے ہی جانتا ہے کہ خالق کائنات نے کسی بھی چیز کو شعور اور زندگی کے بغیر پیدا نہیں کیا اور جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انسانی خلیہ تو اپنی تخلیق میں دراصل نہایت چھوٹے پیمانے پر انسان ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انسان کی پوری زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کے بدن کے ذرات اور ریزوں میں جاگزیں ہوتا رہتا ہے۔ قیامت کے دن جسم کے یہی پوشیدہ خلیات زندہ کر دیئے جائیں گے اور یہی ہمارے خلاف گواہ ہونگے۔ حقیقت وہی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قطعی طور پر موت فناء نہیں بلکہ انسانی اجزاء میں بے ترتیبی اور "انٹراپی" (Entropy) کے بڑھنے کا نام ہے۔ ورنہ آدمی کا ڈیزائن، اس کی تقدیر کا لکھا چٹھا اس کا نفس وروح زندہ رہتے ہیں۔

موت تجدید مذاق زندہ کا نام!!!
خواب کے پردہ میں بیداری کا اک پیغام

(اقبال)

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فناء ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

(اقبال)

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

(احمد ندیم قاسمی)

بلھے شاہ اساں مرنا نا ہیں
گور پیا کوئی ہور

25.3 اعمال کے اندراج کے کچھ ممکنہ طریقے

اب ہم اگلے سوال کی طرف آتے ہیں کہ جن چیزوں کو ہم بے جان یا بے حس سمجھتے ہیں، وہ زندگی کے تمام واقعات کا اندراج اور ریکارڈ اپنے اندر کیسے رکھتے ہیں؟ یہ سوال اگرچہ کچھ عرصہ پہلے تک ناقابل فہم تھا لیکن موجودہ سائنس نے اس کو بھی ایک عام سی بات کر کے دکھایا ہے۔ آج کمپیوٹر کی چھوٹی سی چپ (Chip) پر کروڑوں معلومات کا ذخیرہ کرنا ایک معمولی بات ہے اور جب چاہو اس سے یہ معلومات نکال کر لکھی اور پڑھی

جا سکتی ہیں۔

اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہماری زمین پر ہر سیکنڈ باہر کی فضاء سے اربوں کھربوں تابکاری کے ذرات برستے رہتے ہیں اور وہ اس قدر طاقتور ہیں کہ ان میں سے کچھ ہماری زمین اس طرح آر پار ہو جاتے ہیں جس طرح روشنی صاف شفاف شیشے سے گزر جاتی ہے۔ مصوری کے علم سے ہمیں معلوم ہے کہ بعض طرح کی شعاؤں کیلئے بعض کیمیائی مرکبات بڑے حساس ہوتے ہیں۔ روشنی سے کام کرنے والا کیمرہ تو اس سلسلہ میں اس کی ایک ادنی مثال ہے۔ اس سے بھی حساس ایکسرے (X-Ray) سے کام کرنے والے کیمرے ہیں جو ہڈیوں کے اندر گودے تک کی تصویر لے لیتے ہیں۔ جدید مقناطیسی شعاؤں کی مدد سے ریکارڈ کرنے والی مشینیں (MIR) تو حیرت انگیز حد تک حساس ہیں اور ڈیجیٹل کیمروں کے لئے تو کسی کیمیائی عمل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

اس بات کو آگے بڑھائیں تو معلوم ہوگا کہ زمین کا ذرہ ذرہ بھی ایک کیمرہ ہے اور اس میں سے گزرنے والی شعاؤں سے ان کے اوپر ہونے والے واقعات کی فلم بنتی جا رہی ہے، یعنی ان میں سے ایک ایک کمپیوٹر چپ کی مانند ہے جس کو پڑھ کر کل کا سائنس دان زمین کی پوری تاریخ کا علم حاصل کر سکے گا۔ اس سلسلہ میں سائنسی ترقی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برطانیہ جیسی بڑی کتاب جس کیلئے کئی الماریاں درکار ہیں، آج وہ سب ایک پن کے سرے جتنی الیکٹران چپ کے اوپر ریکارڈ ہو سکتی ہے۔ اس لئے انسانی اعمال کا زمین کے ذرات یا اس کے اپنے بدن کے ذرات پر اندراج یا ریکارڈ ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں اور اگر یہ سب کچھ ایک فانی انسان کیلئے کھیل بن گیا ہے تو خالق کون و مکان کیلئے کیا مشکل ہوگی؟

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ فضاء سے آنے والی بعض شعاعیں زمینی عناصر کے مرکزوں تک (Nucleus) کے آر پار ہو رہی ہیں ان فضائی شعاعوں میں سے ایک کو نیوٹرینو (Neutrino) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بیحد لطیف ہیں اور ان کے اوپر کوئی چارج بھی نہیں۔ اس وجہ سے وہ ایٹم کے اندر کے پروٹون اور نیوٹرون کو بھی چیر کر نکل جاتی ہیں اور یقیناً اس چیر پھاڑ کے عمل میں وہ ایٹم کے مرکز پر اپنے اثرات چھوڑ جاتی ہوں گی۔ ان کی طاقت اور لطافت ایسی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ آدمی کے اندر سے گزر جاتی ہیں بلکہ ان کو زمین کی موٹائی بھی نہیں روک سکتی اور فی الفور اس کے آر پار گزر کر دوسری طرف آسمانوں کو نکل جاتی ہیں۔ کیا پتہ کہ مستقبل کا سائنسدان یہ دریافت کرے گا کہ قدرت کے یہ انتہائی لطیف ذرات دراصل اسکے ہرکارے ہیں جو زمین پر ہونے والے تمام واقعات کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد کا یہ حال ہے کہ ہر سیکنڈ ایک مربع سینٹی میٹر رقبہ میں سے ہزاروں نیوٹرینو گزر رہی ہیں اور آدمی کی فلم ذرہ ذرہ پر ثبت کرتی جا رہی ہیں۔ مستقبل قریب میں یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ سائنسدان بھی ان کے ریکارڈز کا کھوج لگا سکیں اور ان کے اندراج کو پڑھ سکیں، یوں زمین ایک کھلی کتاب کی طرح بولنا شروع کر دے۔ اس لئے قرآن حکیم میں جو بتایا گیا ہے کہ روز جزا انسانی جسم کے اجزاء اس کے اعمال اور خیالات اس پر شاہد ہونگے، ایک قابل فہم سائنسی حقیت ہے۔

25.4 ذرات کی یادداشت اور حیات بعد از موت

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں اگر زندگی شعور، یادداشت اور حرکت کا نام ہے تو پھر آدمی کا ذرہ ذرہ (Each Atom) ایک زندہ حقیقت ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان کی اپنے متعلق یادداشت ہے بلکہ وہ جسم میں دیگر ایٹموں سے بھی اپنے تعلق کو یاد رکھتے ہیں۔ اب یہ نظریہ ایک سائنسی حقیقت کے طور پر سامنے آرہا ہے کہ اگر دو ایٹمی ذرات کبھی اکٹھے ہوں اور انہیں علیحدہ کیا جائے تو اس کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ 1993ء میں فرانس کی ایک لیبارٹری میں پانی کے مالیکیولز پر تجربات کئے گئے اور ثابت ہوا کہ وہ یادداشت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب (The Memory of Water by Michel Schiff, Publisher Thorsonsm, 1994) بڑی دلچسپی کا باعث ہے۔ اسی طرح 1994ء میں یہ ثابت ہوا کہ ایک منبع سے نکلنے والی روشنی کے دو فوٹون (Photon) اگرچہ ایک دوسرے سے کروڑوں میل کی مسافت تک بھی جدا ہو جائیں ان کا کسی نامعلوم نظام کے تحت آپس میں تعلق قائم رہتا ہے۔ مثلاً اگر ان میں سے ایک گھومتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر روشنی کے ایک منبع سے جدا ہونے والے فوٹون ایک دوسرے کو نہیں بھولتے تو انسانی جسم کے ذرات کیسے ایک دوسرے کو بھول سکتے ہیں؟ چنانچہ انہیں جب بھی مناسب ماحول نصیب ہوگا وہ دوبارہ اکٹھے ہو سکتے ہیں ایک دوسرے کو باہم ملا سکتے ہیں اور اپنے ڈیزائن کے مطابق ترتیب پا کر دوبارہ باہم زندگی کا نیا سفر شروع کر سکتے ہیں۔ یعنی حیات بعد الموت کوئی اچنبھا نہیں بلکہ قدرت کے ڈیزائن کا ایک ضروری حصہ ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔

25.5 حساب کتاب

ریکارڈ اور یاداشت کے سلسلہ میں ایک اور سائنسی اصول ''اسباب و آثار'' (Cause And Effect) کا ہے۔ ہر اثر اپنے اندر اپنے سبب کی یاداشت محفوظ رکھتا ہے اس لئے آثار کے تجزیہ سے ان کے اسباب تک پہنچا جاسکتا ہے بلکہ آئے روز سائنسی دنیا یہی کچھ کر رہی ہے۔ مثلاً سورج سے جو روشنی اور گرمی زمین پر پہنچتی ہے اس سے وہاں ہونے والے ایٹمی دھماکوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ بیج سے، اس سے اگنے والے درخت کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ فضا میں جو ایٹمی ذرات اور شعاعیں ہیں، ان سے تخلیق کائنات سے متعلق پندرہ بیس ارب پہلے ہونے والے واقعات کا پتہ چل رہا ہے۔ پولیس مجرموں کے چھوڑے ہوئے نشانات کی مدد سے ان کے جرم تک پہنچ جاتی ہے۔ ان مثالوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں خواہ وہ سانس لینے کی عام سی بات ہی کیوں نہ ہو ماحول پر اپنے مستقل اثرات چھوڑ رہے ہیں اور مناسب حساس آلات کی مدد سے ہزاروں سال بعد بھی ان اثرات کے تجزیہ سے ان کی تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

اس ساری بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام تو پہلے ہی سے یہ کچھ کہہ رہا تھا اب سائنس بھی اسی طرف ہماری توجہ مبذول کروا رہی ہے کہ جنہیں ہم بے جان سمجھ کر خاطر میں نہیں لیتے وہ نہ صرف شعور رکھتے ہیں بلکہ ہمارے اوپر قدرت کے جاسوس بھی ہیں۔ چنانچہ زمین جس پر ہم چلتے ہیں، ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں، پانی جس سے ہم پیاس بجھاتے ہیں، لباس جو ہم پہنتے ہیں، غرضیکہ ہمارے اردگرد ماحول کا ذرہ ذرہ ہماری حرکات و سکنات کو ریکارڈ کر رہا ہے، ہماری آوازوں کو محفوظ کر رہا ہے، ہمارے اعمال کی تصویر کھینچ رہا ہے اور وقت آنے پر یہ سب کچھ کھول کر رکھ دے گا سبحان اللہ، رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا تھا کہ "زمین سے ڈرو، اپنے جسم سے ڈرو، اپنے ماحول سے ڈرو، یہ سب قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دیں گے" (واللہ اعلم بالصواب)

باب نمبر 26

انسانی نفوس اور شخصیت

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ط ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِO

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار نہیں بنائے ، یہ کافروں کا گمان ہے، پس خرابی ہے کافروں کے لئے آگ میں O (سورۃ ص، آیت ۲۷)

26.1 مقصد اور تخلیق

قرآن پاک کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو پر معنی بنادیا ہے، کہ یہاں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی یونہی فضول نہیں بنائی بلکہ تمام معدوم اور موجود اشیاء اپنے اپنے مقصد سے باہم متصل ہیں۔ اس نظام میں ایک کا مقصد دوسرے کی تکمیل ہے۔ اسی اصول کے تحت قیامت بھی دراصل کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کیلئے ظہور پذیر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کو " خاتمہ " کا نام نہیں دیا ہے بلکہ اس کو ایک گھڑی، الساعت یا واقعہ کا نام دیا ہے جو وجود کی ایک صورتحال کو دوسری صورتحال میں تبدیل کر دے گی اور یہ تمام تر سلسلہ امر ربی (مشیت ایزدی کے حکم) کے تحت ایک باقاعدہ حساب و کتاب کے مطابق ہوگا یعنی یہ سب کچھ ہرگز اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ تبدیلی موجودہ کائنات کیلئے ایک عظیم پیشرفت ہوگی اور یہ پہلے ہی سے ایک طے شدہ امر ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰىO

بے شک قیامت آنے والی ہے ، قریب۔ میں نے اسے چھپایا ہے، تاکہ ہر نفس اپنی کوشش کا صلہ پائے O (سورۃ طہ، آیت ۱۵)

26.2 اچھے برے حالات اور مسئلہ تقدیر

مندرجہ بالا آیت کے مضمون کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم غور کریں کہ دنیا کا موجودہ نظام برابری کا ہی نہیں بلکہ چناؤ (Selection) پر

مبنی ہے۔ پیدائش سے لیکر موت تک سبھی کچھ مقدر کر دیا گیا ہے۔کوئی کالا ہے کوئی گورا، کوئی ذہین ہے کوئی کم عقل، کوئی امارت میں پیدا ہوا کوئی غربت میں آنکھ کھولتا ہے۔ پھر زندگی میں بھی مواقع برابر نہیں۔کوشش کا پھل بھی سبھی کو یکساں نہیں ملتا۔نیکی اور برائی کا بدلہ بھی دنیا میں اعمال کے مطابق نہیں،کبھی ظالم انعام پاتا ہے اور بے گناہ تختہ دار پر چڑھ جاتا ہے۔یعنی کھلی آنکھ سے دیکھا جائے تو دنیا کا نظام انصاف اور برابری کی بجائے چناؤ، طاقت اور ظلم کیلئے موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بقاء طاقتور (Survival for the Fittest) کیلئے ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی عادل، رحیم ورحمٰن رب کیلئے ایسی دنیا کی تخلیق اس کی شان کے مطابق ہے؟

اگر نگاہ صرف دنیاوی حیات پر ہے تو یقیناً یہ سب کچھ ظالمانہ بے مقصد نظام معلوم ہوگا لیکن اگر حیات بعد الموت بھی سامنے ہے تو پھر یہ سب کچھ مواقع تقدیر کے مطابق پر مقصد معلوم ہوگا، یعنی دنیا انجام نہیں بلکہ امتحان کا ایک موقع ہے اور ہر ایک کے حالات اسکے لئے امتحانی پرچہ ہیں ۔جو کوئی بھی جن حالات میں آنکھ کھولتا ہے یا اپنے آپ کو پاتا ہے وہ اس کیلئے انعام یا سزا نہیں بلکہ آزمائشی پرچہ ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کو دولت، عزت اور طاقت سے آزماتا ہے اور کسی کو غربت، بھوک اور ذلت کے پرچے سے۔

اس دنیا کی مثال اسٹیج ڈرامہ کی سی ہے جس میں پروڈیوسر کسی کو بادشاہ کا کردار دیتا ہے کسی کو فقیر کا، لیکن اصل میں نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ فقیر، سب ہی ڈرامے کے کردار ہیں۔ ایکٹر کی اہمیت اس کے رول کی وجہ سے نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اس نے اپنا رول کتنا اچھی طرح ادا کیا۔یہی حال ہماری تقدیر کا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے پہلے سے لکھا ہوا رول ہے۔ ہمارا امتحانی پرچہ ہے۔ ہمارے اعمال اس پر ہمارا ردعمل ہیں۔اس ضمن میں یہ سمجھ لیں کہ تقدیر سبب (Cause) ہے اور عمل وہ اثر (Effect) ہے جو تقدیر کے نتیجہ میں ہم سے پیدا ہوتا ہے۔اس لئے آخرت میں جزا تقدیر پر نہیں بلکہ ہمارے اس ردعمل پر ہوگی جس کا اظہار ہم آئی ہوئی تقدیر پر کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ حالات جن سے انسانی نفس بھاگتا ہے، آخرت میں ان سے گوہر مقصود پانے کے زیادہ امکانات ہیں اور وہ حالات جن سے انسانی نفس رغبت محسوس کرتا ہے ان کا وہاں نقصان دہ ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔اس کی دنیاوی مثال کالجوں اور سکولوں میں جا کر علم حاصل کرنے سے ہے۔سبھی جانتے ہیں کہ علم زندگی میں اعلیٰ زینوں کی طرف ایک بڑا ممکنہ ذریعہ ہے لیکن بچہ سکول سے زیادہ گلیوں میں کھیل کود کو ترجیح دیتا ہے۔ماں باپ جو تعلیم کی قدر جانتے ہیں اسے پڑھائی کی طرف مجبور کرتے ہیں۔اسی طرح دنیاوی ترقی کیلئے بھی عموماً گھر چھوڑنا پڑتا ہے حالانکہ نفس کیلئے اپنا شہر اور علاقہ زیادہ پسند ہوتا ہے۔ان مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اگر آنے والی زندگی میں عزت ووقار، آرام وسکون کا مقام حاصل کرنا ہے تو موجودہ دنیا کے مواقع تقدیر کو عیش کیلئے نہیں بلکہ اسی طرح استعمال کرنا ہوگا جس کے نتیجہ میں وہاں انعامات کا حصول ممکن ہو۔اسی لئے خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ سے پہلے آنے والے نبیوں اور رسولوں نے انسانیت کو یہی بتایا کہ یہ دنیا رہنے کیلئے نہیں کمانے کیلئے ہے، یعنی آخرت کیلئے زادراہ بنانے کیلئے ہے۔اس سلسلہ میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت ان تمام اشیاء سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ کے اردگرد وہ تمام اشیاء ہیں جو دنیا میں نفس کو راغب ہیں۔

لہٰذا یہاں کے حالات تجرباتی ہیں مستقل نہیں، دنیا کے انعامات اور مشکلات امتحان کے مواقع ہیں، گو ہر مقصود نہیں۔ استقلال صرف اور صرف ان اصولوں کو ہے جن کے تحت نفس کی مختلف حالات میں جانچ پڑتال کی جارہی ہے۔ ان اصولوں کی تعلیم اور یاد دہانی کے لئے دنیا کے ہر عہد، ہر جگہ اور ہر قوم وقبیلہ میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے مسلسل انسانوں کو عملی طور پر بتاتے آئے ہیں۔ ان سب کے آخر میں نبی پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھیجے گئے جنہیں زندگی میں پیش آنے والے ہر طرح کے حالات سے گزار کر ہمیشہ کیلئے ایک عملی مثال بنادیا گیا ہے۔ حیات بعد الموت میں کامیابی کیلئے ان کی مثال اعلیٰ ترین مثال ہے، یعنی اگر ہم مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھ لیں اور ان کے راستے پر چلتے رہیں تو آخرت کی زندگی میں کبھی بھی ٹھوکر نہیں کھائیں گے۔

26.3 یوم الدین کا مقصد

اس ضمن میں یوم الدین دراصل انسان کے حساب کتاب (Audit) کا دن ہے۔ اس روز جو کوئی بھی اس کائنات میں موجود رہا وہ اپنے اعمال کے مطابق انعام یا سزا حاصل کرے گا۔ خواہ وہ اس کرہ ارض کا باشندہ تھا یا کسی اور ارض کا سبھی بالآخر ایک جگہ اکٹھے کئے جائیں گے، سبھی نیک وبد، غریب وامیر، ظالم ومظلوم اپنے رب رحیم الرحمان کے دربار میں نتائج سننے کے لئے داخل ہو جائیں گے۔ وہاں پورے عدل کے ساتھ اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔ ہر ایک کی منزل کا تعین اس کے نتائج کے مطابق ہوگا، ہر حقدار سکون واطمینان سمیٹ لے گا، ہر گناہگار حسرت ویاس والی نار (آگ) میں گرتا جائے گا۔

26.4 انسانی نفس، روح اور زندگی

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں جو سوالوں کا سوال ہے یعنی نفس اور روح کیا ہے؟ اس مسئلے پر ہم کسی حد تک پہلے بھی بحث کر چکے ہیں کہ روح چیزوں کیلئے وہ امر ربی ہے جس کے مطابق ان کی سرشت اور فطرت تشکیل پاتی ہے اس لحاظ سے ایٹم سے لیکر جنات، ملائکہ اور انسان تک سب میں روح ہے جس سے انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے قوانین کی معرفت حاصل ہوتی ہے فرق صرف مدارج کا ہے۔ لیکن انسان کا معاملہ باقی تمام مخلوقات سے جدا ہے۔ اسے روح کے علاوہ اختیار کی طاقت بھی دی گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جس امانت کے کے بارے میں سورۃ احزاب میں ذکر ہوا ہے یہ اختیار ہی کی امانت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O

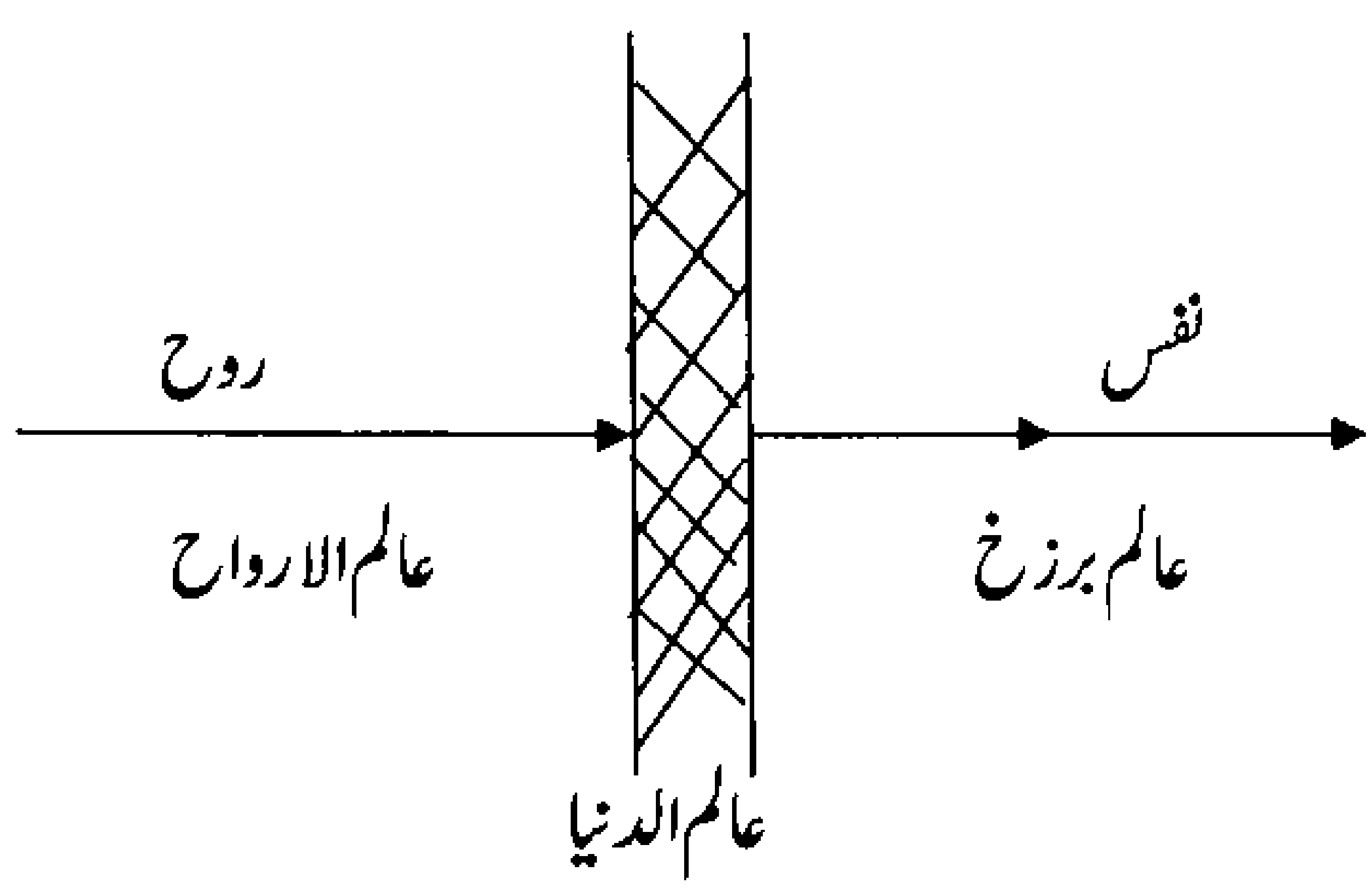
لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاO

بے شک ہم نے یہ امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے گریز کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان تھاO (مقصد یہ تھا) تا کہ اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعہ آزمائش کرے) اور منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب کرے اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہےO

(سورۃ احزاب، آیت ۷۲۔۷۳)

اس اختیار کے نتیجہ میں اب جسم کے ساتھ انسانی روح کو امتحان کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور وہ معیار حق کے سامنے اپنی اچھائی، برائی، ترقی اور تنزلی، ماننے یا نہ ماننے، عمل یا بے عملی وغیرہ کا ذمہ دار ہے۔ زندگی میں اس اختیار کے استعمال کے زیر اثر روح کی جو شکل بنتی ہے اسے قرآن کریم میں نفس کا نام دیا گیا ہے۔

اختیار کی قوت کے اثرات کا جسم کے تقاضوں، اس کی ذہنی صلاحیتوں، ماحول، تعلیم تربیت، عقائد، خیالات اور اس کے اعمال وغیرہ پر انحصار ہے ان کے علاوہ روح پر بیرونی دباؤ بھی ہیں جو اس کو بناتے یا بگاڑتے رہتے ہیں۔ ان میں خصوصی طور پر شیطانی اثرات ہیں جن سے ہمیں بچنا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ہم روح لیکر پیدا ہوتے ہیں اور نفس لیکر جہاں سے جاتے ہیں۔ وہی ہماری شخصیت اس کا مظہر ہے۔



کشف اور مشاہدہ دراصل وقت کے دھارے پر نفس کی سیر ہے

نفس اور روح کے متعلق گیارہویں صدی عیسوی کے مشہور مسلمان دانشور، عالم دین اور فلاسفر امام غزالی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ زندگی تو مختلف عناصر کے باہمی عمل اور کیمیائی ردعمل کا شاخسانہ ہے اور جب عناصر میں بے ترتیبی پیدا ہو جائے تو وہ معدوم ہو جاتے ہیں لیکن نفس ایک "نوری عنصر" سے بنا ہے جو زندگی سے الگ حقیقت ہے اور یہی انسانی شخصیت کو متعین کرتا ہے۔ یہی اس کی خودی یا ذات ہے اور جسم کے مادی عناصر سے آزاد زندہ حقیقت ہے۔ شکل نمبر ۱۴۱ ان وضاحتوں کا خاکہ ہے۔

26.5 ابتدائی زندگی اور نفس کی تربیت

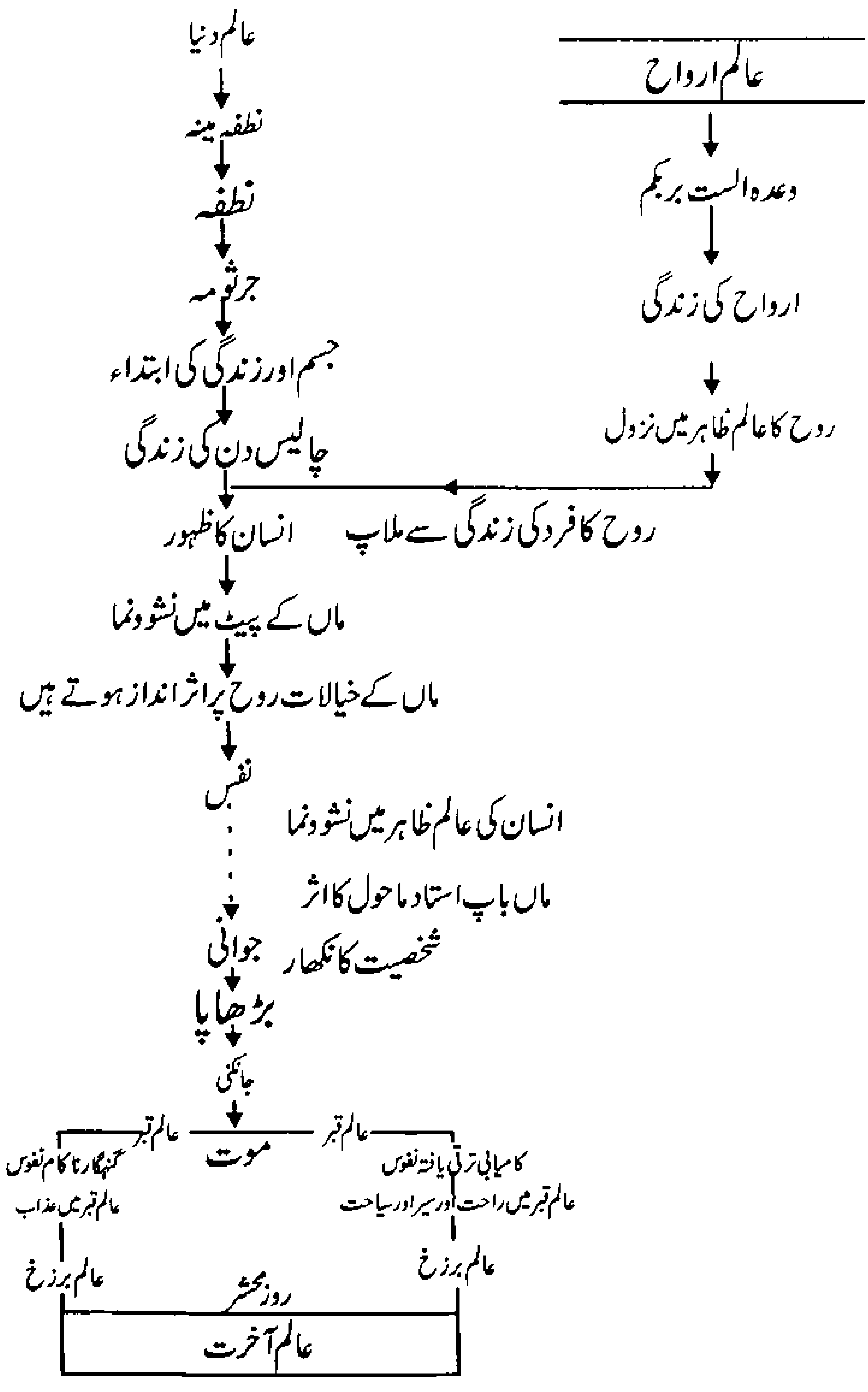
اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کی ابتدا تو مادر رحم میں اُس کے بیضہ کے ساتھ نطفہ کے قرار پکڑنے کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ یہ خوردبینی جسم دو ہفتہ میں بڑا ہو کر بوٹی کی شکل (Embryo) کا بن جاتا ہے اور چالیس دن کی عمر میں انسانی شکل لے لیتا ہے یہی کچھ جدید سائنس نے دریافت کیا ہے، لیکن ابھی تک وہ انسان نہیں ہوتا بلکہ ایک حیوانی وجود معرض وجود میں آجاتا ہے۔ اس سٹیج پر اللہ تعالیٰ عالم ارواح سے اس کی روح کو بھیجتا ہے جو جسم میں اپنا گھر بنا لیتی ہے اور اختیار پانے کے بعد نفس کی منازل پر گامزن ہو جاتی ہے۔

انسانی روح + اختیاری قوت کا استعمال + ماحول کے اثرات + جسم کے تقاضے = نفس

نفس کی ہدایت کیلئے روح اولین مقام ہے لیکن ماحول، تعلیم وتربیت، ذاتی کوشش اور عقائد بھی اسے بنانے یا بگاڑنے میں بہت اہم ہیں۔ جدید جینیٹک ریسرچ (Genetic Research) یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان کی شخصیت میں فطری صلاحیتوں کا دخل تقریباً پچاس فیصد ہے اور باقی اختیاری عوامل کی وجہ سے ہے۔ جہاں تک تعلیم وتربیت کا تعلق ہے اس کیلئے اہم ترین وقفہ بچپن کا دور ہے جس کا آغاز اسلامی تعلیمات کے مطابق ماں کے پیٹ میں ہی ہو جاتا ہے۔ اس وقت بچے کا نفس اس کی ماں کے نفس کے زیر اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات قابل افسوس ہے کہ اکثر ماں باپ بچے کی زندگی کے ان نو مہینوں کو تربیت کے حوالہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ماں جو اس انسان کو دنیا میں لانے کا سبب بنتی ہے وہ بھی بچے کی زندگی کے ان نازک ترین لمحات سے بے خبر ہوتی ہے حالانکہ اس وقت وہ اپنے بچے کے نفس کی سمت اور ترقی کی راہیں متعین کرنے میں بنیادی کردار ادا کرسکتی ہے۔ اسوقت اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنے بچے کیلئے جو کچھ وہ سوچے گی، اسکی طرف سے کرے گی، بچہ اس سے متاثر ہو کر وہی رخ اختیار کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن روحانی تربیت کا یہ اہم ترین دورانیہ اکثر یونہی گزر جاتا ہے، بلکہ بعض حالات میں ماں کے نفس کے شر کی وجہ سے بچے کے نفس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اسطرح ہونے والا بچہ ماں باپ کے باہمی جھگڑوں اور تناؤ سے بھی اثر پذیر ہوتا ہے۔

شکل نمبر 40: زندگی کے سفر کی ابتداء سے انتہاء کی کہانی

نفس انسان کی شخصیت یعنی وہ خودھے۔روح لیکر ہم پیدا ھوتے ھیں اور نفس میں اسکی تبدیلی کے ساتھ ہم مر کے اس دنیا سے جاتے ھیں۔ روح امر ربی ھے وہ معصوم ھے اور ھمیں نیکی کا سبق دیتی ھے۔دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ھرروح کو اچھائی اور برائی کے مواقع عطاء کردئیے اور امتحان کیلئے اس پر شیاطین اور اپنے فرشتے بھی مسلط کردئیے وہ ان سب کے اثرات قبول کرتی ھے۔ان اثرات کے زیر اثر جو شخصیت ابھرتی ھے وہ ھمارا نفس ھے۔



اسلئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اعلیٰ سوچ اور کردار کے مالک ہوں تو ضروری ہے کہ ماں باپ انکی تربیت آغاز زندگی (Conception) کے روز سے شروع کریں، خصوصی طور پر انکو قرآن پاک سنائیں، ان کیلئے نیک دعائیں مانگیں، خوش وخرم رہیں، اپنی زندگی میں نیکی کا خاص خیال رکھیں اور پرعزم اعلیٰ خیالات سے ان کی پرورش کریں۔

نطفہ کی چالیس دن کی عمر سے روح کا نفس والا سفر شروع ہو جاتا ہے جو زندگی بھر جاری رہتا ہے۔ موت کے بعد انسان کے نفس کا عالم برزخ میں ایک نئے سفر سے آغاز ہوتا ہے۔ جسم بگڑ جاتا ہے (**الا ما شاء الله**) اور زندگی اس کے ایٹموں میں بکھر کر ختم ہو جاتی ہے۔ صرف اور صرف ایک نفس باقی رہ جاتا ہے جو اپنے جسم کے ایک ایک ایٹم کو پہچانتا ہے اور اس پر گزرے ہوئے ایک ایک لمحہ سے واقف ہوتا ہے۔ ان یادداشتوں اور اپنے اعمال کا بوجھ اُٹھائے وہ عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

عالم برزخ بھی کوئی جامد حقیقت نہیں ہے بلکہ وہاں کی یہ زندگی بھی ایک اثر آفریں زمانہ ہے لیکن پیش آمدہ حالات کا انحصار موجودہ دنیا کے اعمال پر ہے۔ اس سفر کی آخری منزل پر یعنی یوم الدین کو نفس اپنے ڈیزائن کے مطابق نئے جسم کے ساتھ سامنے آجائے گا۔

26.6 انسانی نفس اور زندگی کا باہمی تعلق

شکل نمبر ۳۶، ۳۹ اور ۴۱ میں انسانی نفس کی ارتقائی منزلوں کے چند مرحلے دکھائے گئے ہیں جو پیدائش سے پہلے والی خوابیدہ حالت سے لے کر اس دنیا سے رخصتی کے وقت کے مراحل ہیں۔ انسانی جسم دراصل ایک سواری کی مانند ہے جس پر سوار ہو کر انسانی نفس اپنے آپ کو بگاڑتا اور سنوارتا ہے۔ دنیاوی زندگی نفس کیلئے معراج کا باعث بھی ہو سکتی ہے اور تنزل یعنی گراوٹ کا بھی۔ وہ علیین کی طرف بھی رخ موڑ سکتا ہے اور اسفل اسافلین کی گہرائیوں میں بھی گر سکتا ہے۔ موت کے بعد اس میں مزید آگے، پیچھے بڑھنے کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اپنا سفر اسی رخ پر جاری رکھتا ہے جس حالت میں اسے موت نصیب ہوئی۔ اس مرحلہ کے بعد وہ اپنے اعمال کے نتائج یا راستے کو تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ دنیاوی زندگی میں جس راستہ پر خاتمہ ہوا اسی راستے پر چلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں اجر کا انحصار ہمارے نفس کے حال کے مطابق ہے، وہی اچھا ہے جس کا خاتمہ اچھا ہے۔ اس لئے ہمیشہ خاتمہ بالخیر کی دعا کرنی چاہیے۔

جیسا کہ ہم پہلے غور کر چکے ہیں کہ روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ راہنمائی اور رحمت ہے جو اس نے ہر چیز کی فطرت میں ودیعت کی ہے۔ اس کے مقابلے میں نفس روح کی زندگی میں اعمال وعقائد وغیرہ کے زیر اثر بننے والی شخصیت ہے۔ وہ جسم کے ایک ایک خلیہ میں اپنا گھر بناتا ہے جسے ہم آج کل سائنس کی زبان میں جینٹک کوڈ (Genetic Code) کہتے ہیں اور کمپیوٹر کی زبان میں سافٹ ویئر (Soft Ware) کہا جاتا ہے۔ اس سافٹ ویئر میں انسان کی زندگی کا پورا پورا پروگرام ہوتا ہے۔ انسان کی قسمت، اس کی صلاحیتیں، اس کی اصلیت، انکی کمزوریاں سب کچھ نفس پر کندہ ہوتی ہیں۔ جہاں تک نفس کی طبعیاتی حالت کا تعلق ہے، جیسے پانی کی شکل برتن کی مانند ہوتی ہے اسی طرح

نفس کی شکل بھی اپنے جسم پر ہوتی ہے۔امریکہ اور یورپ میں حیات بعدالموت پر جو بہت سے تجربات ہوئے ہیں اور تصاویر لی گئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد بھی نفس اپنی اس شکل کو برقرار رکھتا ہے۔

جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ دنیا میں نفس کے قیام کے دورانیہ کا نام زندگی ہے یہ وہ چیز ہے جو جسم کو حرکت میں رکھتی ہے اور نفس کیلئے اختیار کے استعمال کا ذریعہ ہے۔زندگی کی بنیاد انسانی ڈیزائن اور اس کے مطابق عناصر میں ترتیب اور نظم ہے، اس نظم اور ترتیب میں خرابی کا نام بیماری ہے۔اگر کسی وجہ سے مثلاً بڑھاپا، بیماری، حادثہ، یا قتل سے انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے تو نفس اس کو ایسے ہی چھوڑ دیتا ہے جیسے برتن ٹوٹنے پر پانی باہر نکل جاتا ہے اور پھر بخارات بن کر فضاؤں میں تحلیل ہو جاتا ہے اور کچھ زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔اس کی ایک مثال مکان اور مکین کی بھی ہے۔اگر مکین کرایہ دار ہے تو مالک جب چاہے اسے بے دخل کر سکتا ہے، یا مکان گرنے کو ہو تو مکین خود ہی اسے چھوڑ دے گا، یا مدت کرایہ نامہ پوری ہوگئی تو نکلنا پڑا۔یہی حال ہمارے جسم اونفس کا ہے جسم عارضی طور پر مستعار ہے۔یہ ہمیشہ کے لئے ہے ہی نہیں۔کسی نہ کسی سٹیج پر کسی نہ کسی وجہ سے اسے چھوڑنا پڑے گا۔

26.7 جسم نفس اور روح کے باہمی خصائل

ہم اس بات کا پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ روح امر ربی ہے جس پر انسانی حکمت، ضمیر اور اچھائی برائی میں تمیز کا انحصار ہے یہ انسان کو اپنے خالق کی پہچان عطا کرتی ہے، اور نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔اسکی نشست (Seat) انسان کا قلب ہے اور مجموعی حیثیت سے یہ انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کیلئے انگریزی میں قریب ترین لفظ مائنڈ (Mind) ہے اور اردو میں شعور ہے چونکہ روح امر ربی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے اور رسول اکرم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ روح انسان اور اسکے خالق کے درمیان تعلق اور رابطہ کا سبب ہے۔جس قدر روح مضبوط ہوگی اسی نسبت سے آدمی کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بھی مضبوط ہوگا۔انسان کے ضمیر کا مقام بھی اس کی روح ہے جو ہر برائی سے روکتی ہے اور اچھائی کی ترغیب دیتی ہے۔

26.8 نفس کا زمین کی طرف رجحان

جس طرح پہلے بھی کہا گیا ہے، نفس نتیجہ (Resultant) ہے ایک اختیار یافتہ روح کا، چونکہ اختیار کا تعلق جسم سے ہے اس لئے اختیار حاصل کرنے کی خواہش سے اس کا رجحان مادی ذرائع کی طرف ہو جاتا ہے۔جبکہ فطرت اسے علیین کی جانب دعوت دیتی ہے، جسم اسے اسفل السافلین کی طرف کھینچتا ہے اور یوں روح اور جسم کی کشمکش میں انسانی نفس کی نشوونما اور ارتقاء ہوتا رہتا ہے ۔

چونکہ ہماری آخرت کی کامیابی میں بے جا خواہشات بہت بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے اس موقع پر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ خواہشات

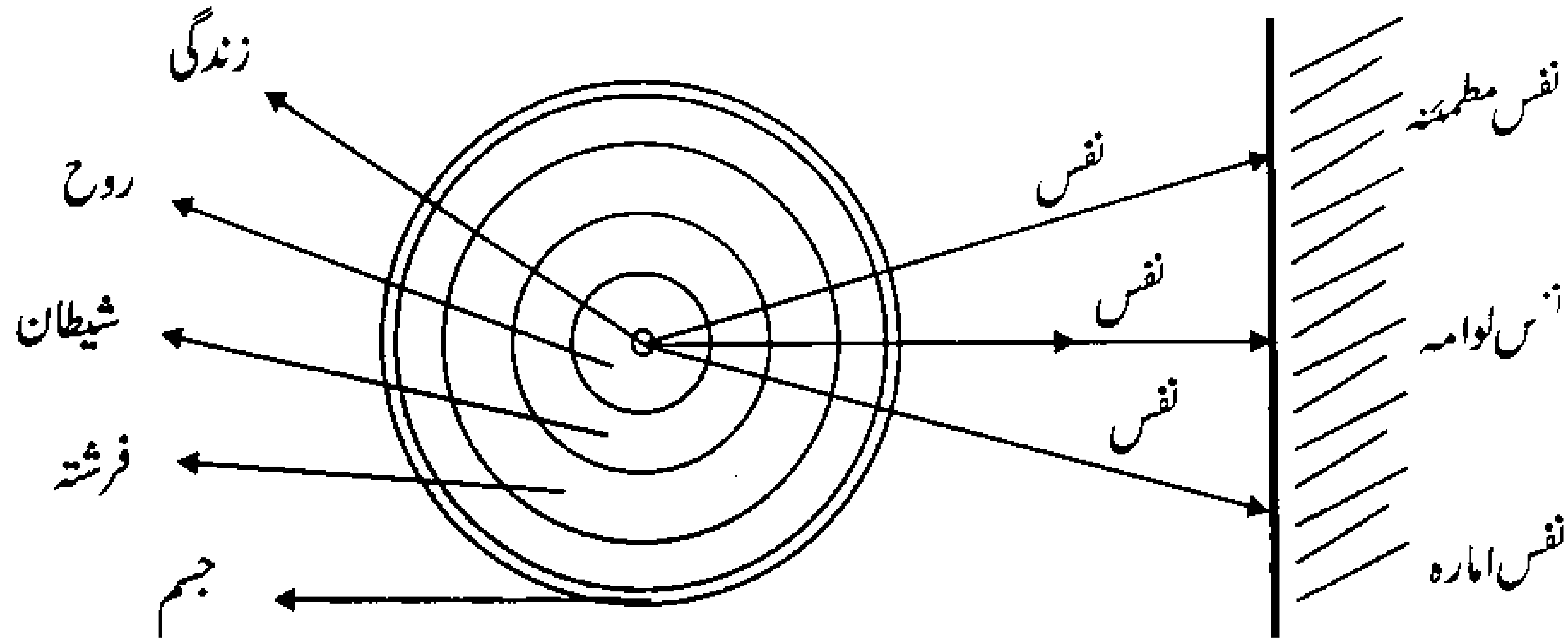
کا منبع کیا ہے؟ خواہشات کا منبع جسم کی بقا ہے۔ دراصل اپنی بقاء کیلئے جدوجہد کرنا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فطرت میں رکھ دیا ہے مثلاً درخت کی خواہش ہے کہ وہ دھوپ کی طرف بڑھے کیونکہ دھوپ میں اس کیلئے زندگی ہے۔ حیوانات میں کھانے کی خواہش ہے جوان کی بقا کے لئے طاقت فراہم کرتا ہے، پناہ گاہ کی خواہش حفاظت کے لئے ہے، طاقت اور دولت کی خواہش اس لئے ہے کہ یہ دوسری خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ ہیں اسی طرح ہر جسمانی ضرورت مختلف خواہشات کی شکل میں اس کے نفس پر ابھرتی ہیں جن میں سے کچھ جائز اور کچھ ناجائز ہوتی ہیں۔ ان پر شیطان نفس کو اپنی طرف ورغلاتا ہے جبکہ روح نفس کی بے جا خواہشات کی مخالفت میں اپنی طرف بلاتی ہے۔

چونکہ نفس جسم کے اوپر پرورش پاتا ہے، اس قربت کی بناء پر نفس کا رجحان جسم کے آرام و آسائش کی طرف ہوتا ہے یا یوں کہہ لینا چاہیے کہ جسم کا تعلق مٹی سے ہے جس سے اس کا خمیر اٹھتا ہے۔ اس لئے جسم کا رجحان زمینی چیزوں کی طرف ہوتا ہے اس کے برعکس روح کا تعلق اللہ کی ذات پاک ہے اس لئے وہ انسان کی اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جب تک جسم روح کو زیر نہیں کر لیتا وہ انسان کو برائی سے روکتی رہتی ہے اور اچھائی کی طرف ترغیب دیتی ہے۔ اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہوتا ہے" اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیطان جسم کے دائرہ میں اپنا گھر بناتا ہے اور فرشتہ اپنی سرشت کے مطابق روح کو اپنا مسکن بناتا ہے۔ فرشتہ کی ہر دم یہی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کی برائی سے حفاظت کرے جبکہ شیطان اسے خواہشات کے چکر میں الجھائے رکھتا ہے۔ اگر فرشتہ جیت گیا تو نفس اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے، اگر جسم کے تقاضے اور شیطان جیت گیا تو نفس سرشتہ شر بن جاتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آدمی کوئی برائی کرتا ہے تو وہ برائی قلب (Human Mind) کے اوپر ایک سیاہ نقطے کی طرح چڑھ جاتی ہے اور جب وہ برائیاں کرتا جاتا ہے تو آخر کار پورے کا پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ روح ہمیشہ کوشش کرتی ہے کہ وہ اس کالک کو دور کرے اور ضمیر کی شکل میں انسان کو جھنجھوڑتی ہے اور صفائی کا کام کرتی رہتی ہے۔ بالآخر جب قلب پر تہہ در تہہ گناہوں کی سیاہی جم جاتی ہے تو روح تاریکی میں دب کر رہ جاتی ہے اور ضمیر کی آواز بے اثر ہو جاتی ہے۔ یوں گناہوں کے نتیجے میں دبے ہوئے نفس کی روح کی نشوونما بھی رک جاتی ہے جیسے سائے میں پودے کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں روح اور نفس کے درمیان گناہوں کا حجاب موٹا ہوتا جاتا ہے شیطان کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے تاوقتیکہ وہ کلی طور پر اس کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی نفوس کیلئے قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، یعنی انکا ضمیر پوری طرح سو جاتا ہے۔ یہ لوگ کان رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں، آنکھیں ہوتے ہوئے بھی حق کو دیکھتے نہیں، دماغ کے باوجود وہ اچھی بات سوچ نہیں سکتے۔ بالآخر ان کا حال وحشی جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

26.9 نفس کی تین حالتیں

جیسے پہلے بھی بتایا جا چکا ہے نفس روح، اختیار اور جسم کی خواہشات کا نتیجہ ہے۔ اس کو سمجھنے کیلئے حسب ذیل ماڈل پیش کیا جاتا ہے۔



اس ماڈل میں نفس کی بنیاد اس کی روح ہے جس کا نزول زندگی پر بوقت پیدائش ہوتا ہے۔ اس کے اوپر شیطان اپنا گھر بناتا ہے۔ اس کے بعد فرشتہ، اور ان کے اوپر انسانی خواہشات کا غبار ہے آخرت کے لحاظ سے کامیاب نفس اختیارات کو جسم کے لئے کم سے کم اور اللہ تعالیٰ کے لئے زیادہ سے زیادہ استعمال کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ اپنے آپ کو خواہشات کے غبار میں گم نہیں ہونے دیتا۔ ان کی کمی بیشی کے حساب سے قرآن حکیم ہمیں نفس کی تین حالتوں کے متعلق بتاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ نفس مطمئنہ

نفس مطمئنہ وہ خوش قسمت نفس ہے جو اپنے رب کی مشیت پر راضی ہوا اور اس کا رب اس سے راضی ہوا۔ یہ نفس اپنی روح (ضمیر) کی بات مانتا ہے۔ اختیار کا غلط استعمال نہیں کرتا اور خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے۔ وہ شیطان سے نفرت کرتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ اپنے رب سے ہر دم اپنا رابطہ استوار رکھے۔ زندگی اس کے لئے مانند جیل خانہ ہے اور موت آزادی۔ اس کی وفات پر فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اس کی خوش نصیبی کی انتہا یہ ہے کہ رب کائنات اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ حق کی خوشنودی کی وجہ سے فرشتے اس پر نازاں ہوتے ہیں اس کو جنت کا خصوصی خوشبودار لباس پہناتے ہیں اور جدھر سے اس کا گزر ہوتا ہے اسے مرحبا مرحبا خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں ساری کائنات اس کی سیرگاہ ہوتی ہے اور خوشی خوشی وہ روز جزا کا انتظار کرتا ہے تاکہ باری تعالیٰ سے اپنا خصوصی انعام حاصل کرے۔ سورۃ الفجر کی آیات ۲۷ تا ۳۰ میں اللہ تعالیٰ ایسے نفس کی شان بیان فرماتا ہے۔

يَـٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَٱدْخُلِى فِى عِبَـٰدِى ۝ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ۝

اے نفس مطمئنہ O اپنے رب کی طرف واپس لوٹ آ کہ تو اس سے راضی ،وہ تجھ سے راضی O (وہ فرماتا ہے) پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O

(سورہ الفجر، آیت ۲۷۔۳۰)

نفس مطمئنہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ خواہشات کی مخالفت کرتا ہے اور توکل علی اللہ اسکا رزق ہوتا ہے۔یوں وہ اپنے رب کے دیئے پر پوری طرح مطمئن ہوتا ہے،اس کی رغبت رب تعالی کا ذکر و شکر اور اسکا اثر مخلوق کی بھلائی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ O

بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق پیدا فرمائی O (سورۃ قمر، آیت ۴۹)

چونکہ اللہ تعالی کے سب کام کسی حساب اور قانون کے تحت ہوتے ہیں اس لئے جسم، زندگی، نفس اور روح کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی کسی حساب کے مطابق کام کرتے ہیں۔اگر ہم اللہ کے قوانین کو سمجھ سکیں تو ان کی حقیقت کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔یہ صحیح ہے کہ آج ہمارے آلات اس کا مکمل ناپ تول نہ کر سکیں گے لیکن مادی آلات سے بڑا آلہ ہمارا اپنا قلب ہے اگر ہم زندگی کے ان بڑے حقائق پر غور کریں،ان کو سمجھنے کی خاطر محنت کریں تو انشاءاللہ وہ ذات پاک ہمارے لئے آسانی فرمائے گی اور ان کی حقیقت روز روشن کی طرح ہمارے قلب پر آشکارا ہو جائے گی۔(انشاءاللہ)

ب۔نفس لوامہ

نفس لوامہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں انسان گناہ کرتا ہے لیکن توبہ سے انہیں دھوتا رہتا ہے۔اس کی روح پر گناہوں کا سیاہ پردہ اتنا موٹا نہیں ہوتا کہ ہدایت کی روشنی سے وہ کلی طور پر محروم ہو جائے،اسلئے ایسا نفس برائی کو برائی سمجھتا ہے،شیطان کے مکر کو جانتا ہے،ہار جائے تو اور بات ہے لیکن وہ شیطان کا مقابلہ بھی خوب کرتا ہے۔اس آدمی کا ضمیر زندہ رہتا ہے۔نفس اگر برائی کی طرف مائل ہوتا ہے تو روح اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتی ہے۔اس کی پہچان یہ ہے کہ گناہ سرزد ہونے کی صورت میں نفس لوامہ کو پریشانی ہوتی ہے اور وہ توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔نفس لوامہ انشاءاللہ جنت میں جائے گا تاہم عالم برزخ میں زندگی کی کوتاہیوں اور برائیوں کی وجہ سے شرمندہ شرمندہ رہتا ہے۔سورۃ قیامہ کی آیت ۲ میں اللہ تعالی نے اس ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھائی ہے۔

ج۔نفس امارہ

یہ وہ نفس ہے جسے جسم کے تقاضوں اور خواہشات نے گھیرا ہوا ہے وہ روح کی آواز کو دباتا ہے اور جسم کو آگے رکھتا ہے۔یوں اپنے اختیار

کے غلط استعمال سے گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے ۔شیطان اس پر کھلے بندوں بلا روک ٹوک آتا جاتا ہے۔اس بدقسمت کا آخری انجام جہنم ہے۔شیطان جس نے اپنا کام کر دکھایا ہے اسے دھوکہ دے کر عالم برزخ میں بھٹکنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے جہاں حقیقت حال معلوم ہونے پر ایسا نفس ہمیشہ کی ذلت اور مایوسی کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔اس کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ یوسف آیت ۵۳ میں کیا گیا ہے۔نفس امارہ کی خاص بات یہ ہے کہ وہ پوری طرح خواہشات کا غلام ہوتا ہے ایک کے بعد دوسری خواہش اسے کبھی چین نہیں لینے دیتی۔

باب نمبر 27

زندگی کی طوالت۔ڈیزائن لائف اور موت

27.1 زندگی کی مدت اور اس کی بقاء

زندگی یا جان کو ہم ماڈرن زبان میں Biochemical Existence یعنی حیاتیاتی وجود کہہ سکتے ہیں۔اس کا انحصار انسانی خلیات کی صحیح صحت پر ہے اور یہ ان تمام اصولوں کے تحت عمل کرتی ہے جو حیوانی زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جان کے زندہ رہنے کیلئے ہوا' پانی' خوراک سب کی ضرورت ہے۔اسی طرح جان کو بیماری متاثر کرتی ہے' اور دوا سے یہ ٹھیک بھی ہوتی ہے اور بہتر خوراک سے اس کی بہتر نشوونما ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ دودھ سے انسانی زندگی بڑھتی ہے۔

پرانے زمانہ میں جب علاج کی سہولتیں کم تھیں اور جراثیموں کے خلاف انسان کا دفاع نہیں ہوسکتا تھا اس وقت انسانی زندگی کی اوسط مدت آج کی نسبت بہت کم تھی، بے شمار بچے بچپن میں ہی مر جاتے تھے،لوگ بھوک اور بیماری کی وجہ سے جلد ہی بوڑھے ہو جاتے لیکن اب بہتر غذا اور علاج معالجہ کی سہولتوں اور حفاظتی تدابیر کی وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی اوسطاً مدت بڑھ گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی جان کی بقاء بڑی حد تک مادی وسائل پر منحصر ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جان خدا کا تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو"۔اس لیے آپ نے علاج معالجہ کی ہدایت کی اور جس جگہ متعدی بیماری پھیل جائے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ جانے کا حکم دیا، اور باہر کے لوگوں کو وہاں نہ جانے کا حکم دیا، تا کہ بیماری نہ پھیلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ چنانچہ خودکشی کو ایک بہت بڑا جرم قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے انسانی صحت کے برقرار رکھنے کیلئے بہت سی احتیاطی تدابیر بتائیں' مثلاً فرمایا کہ "رات کو بھوکا مت سوؤ چونکہ اس سے انسان جلد بوڑھا ہو جاتا ہے" فرمایا کہ "جب کھانا کھانے لگو تو ابھی تھوڑی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لو" یعنی کم کھانے سے صحت بہتر رہے گی' جسمانی صفائی اور خاص طور پر دانتوں کی صفائی کو مذہب کا لازمی عنصر قرار دیا اور اسی طرح کی بے شمار ہدایات تھیں جنہیں آجکل کی زبان میں 'صحت کی حفاظتی تدابیر' (Preventive Health Programs) کہا جاتا ہے۔

27.2 زندگی کی طوالت اور ڈیزائن لائف

اوپر دی گئی تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ بہت حد تک جان کا انحصار انسانی صحت کے معیار پر ہے۔انسان موت پر فتح تو حاصل نہیں کرسکتا لیکن یقیناً اسے پیچھے ڈال سکتا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتا ہے یا موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ درحقیقت اللہ تبارک تعالےٰ نے انسانی زندگی کی مدت اس کے پیدائش کے جرثومہ کے اندر ہی متعین کر دی ہے اور اس کے جین جین

(Gene) پر ثبت شدہ ہے۔ اس حوالہ سے قرآنِ پاک کی مندرجہ ذیل آیات نہایت قابلِ غور ہیں۔

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنایا۔ اور کوئی مادہ نہیں اٹھاتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔ کوئی بھی بڑی عمر کو نہیں پہنچتا، اور نہ ہی عمر میں سے کوئی مدت کم کی جاتی ہے لیکن یہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ اور بیشک یہ اللہ کیلئے آسان ہے''۔ سورۃ فاطر 35، آیت 11

اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہے کہ عمر میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکن ہے اور یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ دنیا میں شاید یہ کتاب ہمارے جینز (Genes) کا اپنا ریکارڈ ہے۔ ماڈرن تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان کا ایک ایک خلیہ (Cell) اپنی نوعیت میں پورا کمپیوٹر ہے۔ جس پر انسانی زندگی کا پورا پروگرام درج ہوتا ہے۔ اس میں زندگی کی تمام منازل کا ذکر ہے، انسان کی ورثہ میں پائی ہوئی بیماریاں یہاں ہوتی ہیں، وہ کس قدر ذہین ہوگا، اس کی صحت کیسی ہوگی، قد کس قدر ہوگا، اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا، وہ غصہ والا ہوگا، محبت والا ہوگا، ہمدرد ہوگا، ظالم ہوگا، ہونہار ہوگا، غرض کہ انسان کے متعلق سب کچھ اس کے خلیہ خلیہ پر پہلے سے درج ہوتا ہے جس کے مطابق انسانی زندگی کا کلاک چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آخری حکم آجاتا ہے جس پر زندگی کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور انسانی نفس حیات کے بندھن سے آزاد ہو کر عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے۔

جینز (Genes) میں پروگرام شدہ زندگی کی مدت کو ہم انجینئرنگ کی زبان میں ڈیزائن شدہ زندگی یعنی (Design Life) کہہ سکتے ہیں۔ اس کا تصور آپ ایسے کریں کہ جب کوئی انجینئر کوئی مشین بناتا ہے اس مشین کی تمام داخلی اور خارجی معلومات کی بنیاد پر اس کی زندگی مقرر کر دیتا ہے اور وہ گارنٹی دیتا ہے کہ اگر اس مشین کی دیکھ بھال مطلوبہ ہدایات کے مطابق کی گئی تو اتنے سال چلے گی لیکن ڈیزائن لائف کا پورا ہونا دیکھ بھال کے معیار پر منحصر ہوتا ہے۔ فرض کرو ایک کار کی ڈیزائن لائف 10 سال ہے لیکن اگر مالک اس کی احتیاط نہیں کرتا، وقت پر آئل نہیں بدلتا، اس کی سروس میں کوتاہی کرتا ہے یا غلط طریقے سے چلاتا ہے تو یقیناً وہ کار دس سال نہیں چلے گی۔ بلکہ پہلے ہی ختم ہو جائے گی لیکن وہی آدمی اگر کار کی بہتر سے بہتر احتیاط کرے تو وہ 10 سال سے بھی زیادہ چل سکتی ہے۔ البتہ حادثہ کی صورت میں پہلے ہی دن ختم ہو سکتی ہے۔

تقریباً یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ خدا تعالےٰ نے انسانی زندگی کو مقرر کر دیا ہے جس کے مطابق آدمی کو دنیا میں اپنی ڈیزائن لائف کو پورا کرنا چاہیے لیکن اکثر لوگ اس حد تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں' مثلاً یہ کہ آدمی کسی حادثہ کا نذر ہو گیا جو انسان کے اپنے بس سے باہر ہے ایسی بے وقت کی موت کی صورت میں اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو باقی ماندہ ڈیزائن لائف چھین جانے کا اجر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روائت کی جاتی ہے کہ ''جو آدمی ڈوب کر مر گیا' اچانک مکان گرنے سے نیچے آکر مر گیا' کسی نے اسے قتل کر دیا یا کسی اور حادثہ میں قضائے الٰہی سے مر گیا تو وہ شہید ہے''۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ طبعی زندگی کو پہنچنے سے پہلے اس لئے مر جاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی قدر نہیں کرتے اور ایسی بری عادات اپنا لیتے ہیں جن سے موت جلدی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ خودکشی کے مترادف ہے' مثلاً شراب نوشی' سگریٹ نوشی' کم خوابی وغیرہ سے اپنی صحت خراب کر

لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جاہلیت کی وجہ سے بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلاً صفائی جو کہ ایمان کا لازمی جز ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے' جراثیموں سے پرہیز نہیں کرتے' اپنی زندگی کو لہو ولعب سمجھ کر اسے گنواتے پھرتے ہیں۔ دراصل ایسی مضر صحت عادات خودکشی کی طرف اقدام ہیں جو کہ اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ "جو آدمی اللہ کی دی ہوئی زندگی کا اپنے ہاتھوں سے خود خاتمہ کر لیتا ہے اس پر جنت حرام ہے اور موت کی تمنا کرنا اور اسکے لئے دعا کرنا بھی منع فرمایا گیا ہے۔

اس لئے اسلام میں اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو صاف ستھرے ہیں۔ چنانچہ نارمل حالات میں انسان کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے، ان چیزوں سے بچے جن کی وجہ سے صحت خراب رہ سکتی ہے اور اچھی عادات اپنا کر اپنی ڈیزائن لائف تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالےٰ کی راہ میں صعوبتیں اٹھانے یا جہاد میں شہید ہونے سے اگر ڈیزائن لائف پوری نہیں ہوتی تو یہ اللہ تعالےٰ کیلئے وہ قربانی ہے جس کا وہ بے حساب اجر دیتا ہے۔

27.3 جان کی حفاظت اور بقاء

پرانے زمانہ میں جب علاج معالجہ کی سہولتیں مناسب نہ تھیں تو جراثیمی بیماریوں کے خلاف کوئی موثر دفاع بھی نہیں تھا ان دنوں انسانی زندگی کی اوسط مدت آج کل کے مطابق کافی کم تھی۔ بلکہ ابھی بھی بعض ایشیائی اور افریقی ممالک میں اوسط انسانی زندگی تیس سے چالیس سال ہے جبکہ ان کے برعکس امریکہ میں یہ ستر سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ علاج معالجہ کی سہولتوں، خوراک اور صحت کی احتیاط کا انسانی زندگی کی طوالت پر گونا گوں اثر ہے۔ اس تمہید سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ انسانی جان جس کی بنیاد مادی ہے اس کی بقاء بھی مادی وسائل پر منحصر ہے۔ یہ کہنا کہ زندگی کی مدت لکھی ہوئی ہے بالکل صحیح بات ہے لیکن ہم میں اکثر ماحول کے اثرات، بیرونی عوامل جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں یا اپنی بداحتیاطی یا حالات کی مجبوریوں کے ہاتھوں اس لکھی ہوئی زندگی سے بہت پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی اخذ کرتے ہیں مثلاً " جان خدا کا ایک تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو "۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ "رات کو بھوکا مت سوئیں اس سے زندگی کم ہوتی ہے۔" اس لیے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب غذا اور علاج معالجہ کی ہدایت فرمائی۔ خود بھی دوا کا استعمال کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کی۔ اسی سلسلہ میں جس جگہ چھوت چھات کی بیماری پھیلی ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جانے اور وہاں کے لوگوں کو دوسری آبادیوں میں جانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ چنانچہ اسلام میں خودکشی بہت بڑا جرم ہے اور جان کی حفاظت بہت بڑی نیکی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا اور جس نے کسی بے گناہ کو قتل کردیا گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا۔"

خدا کے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کی احتیاط کیلئے بھی بہت سی تدابیر بتائیں ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا

فرمان ہے کہ " جب کھانا کھانے لگو تو تھوڑی بھوک رکھ لو، پیٹ بھر کر نہ کھاؤ" سب لوگ جانتے ہیں کہ زیادہ کھانا انسانی صحت کا کس قدر دشمن ہے۔ آپؐ نے ذاتی صفائی (Personal Hygiene) کی طرف بھی خصوصی توجہ دلائی اور اس کیلیے دانتوں کی صفائی کو لازمی قرار دے دیا۔ (گندے دانت نہ صرف دیکھنے میں برے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بیشتر بیماریوں کا باعث بھی بنتے ہیں) احادیث کی کتابوں میں طب نبویؐ ایک مستقل باب ہے جس سے انداز ہونا چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علاج معالجہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ ابتدائی مسلمانوں میں بیماری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ جب ایک ایرانی حکیم مسلمان ہوا تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مدینہ منورہ میں رہنا چاہتا ہے تاکہ اپنی حکمت کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرتا رہے لیکن کچھ عرصہ بعد وہی حکیم حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدینہ منورہ سے جانے کی اجازت طلب کی اور وجہ یہ بتائی کہ "مسلمانوں کی انفرادی اور معاشرتی زندگی اس قدر پاکیزہ ہے کہ یہاں کوئی بیمار نہیں ہوتا اس لئے میری ضرورت نہیں"۔

یہ تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق زندگی کی طوالت کا انحصار حفظان صحت کی تدابیر، خوراک اور علاج معالجہ وغیرہ کے معیار پر ہے اور جان کی حفاظت اور بقاء کیلئے احتیاط ہر مومن پر فرض ہے۔ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا پس وہ شہید ہے۔" لہٰذا اپنی جانوں پر خدا تعالیٰ نے ہمیں اختیار بخشا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ "اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو"۔ ایک لحاظ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خدائی قوانین کو توڑنے سے قبل از وقت موت بھی آسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی گئی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے سے زندگی کی مدت بڑھ جاتی ہے۔ انسان اگرچہ موت پر فتح تو حاصل نہیں کرسکتا لیکن اپنے وقت سے پہلے مرنے سے ضرور بچ سکتا ہے بہرحال جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ عناصر بھی اسی کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

27:4 زندگی کی مقررہ مدت

اوپر کی بحث میں ہم نے کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ زندگی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی لکھی ہوئی زندگی سے قبل از وقت نہ مریں۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی آرزو کرنے اور دعا کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ موت کا وقت مقرر ہے اور اس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے زندگی کی مہلت بھی مقرر ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اکثر ہم اپنی ہی کوتاہیوں، غلطیوں اور ناعاقبت اندیشوں کی بنا پر یا اپنے کنٹرول سے باہر عناصر اور عوامل کی وجہ سے اپنی مقررہ مدت سے پہلے ہی مرجاتے ہیں اور یوں جان جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے اس کو ضائع کردیتے ہیں۔ اس کی انتہا خودکشی ہے۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں

کرتا اس لیے موت سے پہلے مرنے میں بھی قصوروار ہم خود ہیں لیکن بے وقت مرنا بھی قوانین خداوندی ہی کے تحت ہوتا ہے۔ جہاں تک یہ سوال کہ کیا عمر پہلے سے مقرر شدہ ہے اس کا جواب 'ہاں' کے علاوہ کچھ اور نہیں لیکن ذات باری تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ اس لئے دعا کی قبولیت سے آئی موت بھی ٹل سکتی ہے۔

27.5 ڈیزائن لائف کی مدت

ہر انسان اپنی زندگی کی مدت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یہی اس کی ڈیزائن لائف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مارا نہیں جاتا تو وہ زندگی کی اس مدت کو پہنچے گا بصورتِ دیگر اپنے وقت سے پہلے ہی چل بسے گا۔ یہ سوال کہ کسی آدمی کی ڈیزائن لائف کس قدر ہے۔ اس کے جواب کیلئے ہنوز انسانی علم فی الحال بہت ہی محدود ہے۔ ابھی تک انسان اپنے جین (Genes) پر لکھے ہوئے پروگرام کے صرف کچھ حصہ ہی پڑھنے کے قابل ہوا ہے۔ لیکن توقع کی جاسکتی ہے کہ مزید سائنسی تحقیقات کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا کہ ٹیسٹوں کے ذریعہ انسان کی ڈیزائن لائف یعنی قدرتی مدت معلوم ہو سکے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ عموماً ڈیزائن لائف آج کل کی طبعی زندگی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی عمریں ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ تھیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے کہ:

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان ایک ہزار کم پچاس سال رہا پھر انہیں ایک طوفان عظیم نے آلیا اور وہ ظالم تھے"۔ سورۃ العنکبوت، آیت 14

حضرت نوح علیہ السّلام اس طوفان سے بچا لیے گئے اور اس طرح وہ نوسو پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السّلام کی عمر بھی ایک ہزار سال سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز کے وقت آدمی کی اوسط ڈیزائن لائف ہزار برس کے قریب تھی البتہ انفرادی طور پر اس سے کم یا زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل اگر کوئی آدمی ڈیڑھ دوسو سال کی حدود کو بھی چھو جائے تو وہ ایک معجزہ سے کم بات نہیں سمجھی جاتی۔ انسان کی زندگی کا کم ہوتے جانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے جو انسان کے بدلتے ہوئے رہن سہن، بڑھتی ہوئی ذہنی الجھنوں، خوراک میں تبدیلی، موسموں کے تغیر وغیرہ کی وجہ سے ہو، لیکن یہ عمل ہزاروں سالوں پر پھیلی ہوئی وجوہات اور اسباب کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے جس کے نتیجہ میں اوسط انسانی عمر سکڑ کر ایک صدی سے بھی کم ہوگئی ہے عین ممکن ہے کہ اب بھی اگر حالات سازگار رہوں تو کبھی انسانی زندگی عمرِ نوحؑ کو پہنچ جائے۔ لہٰذا اگر سائنس کسی طرح آدمی کی زندگی کو لمبا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو قرآن کریم کے طالب علم کیلئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہوگی بلکہ قدرت کی ایک منشاء پوری ہو رہی ہوگی جسے انسان نے اپنی نادانیوں سے کھودیا ہے۔

یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ طبعی موت سے پہلے مرنے پر بھی کسی کا کوئی ذاتی اختیار نہیں دراصل انسان پر ماحول کے اندر اور باہر سے لاکھوں اوامر اثر انداز ہوتے ہیں جس کا صحیح ادراک ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی سائنسدان یا محقق موت کا وقت تعین نہیں کرسکتا۔ جہاں تک غیر طبعی موت کا تعلق ہے ناساز گار حالات، قدرتی آفات اور حادثات میں مرنے کے امکان (Probability) بڑھ جاتے ہیں لیکن کلی طور پر ان اتفاقات اور امکانات کا علم بھی صرف رب تعالیٰ کو حاصل ہے اس لیے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے موت کے وقت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ البتہ اگر ہم اللہ کی راہ میں صعوبتیں اٹھائیں، بیمار ہو جائیں، زخمی ہو جائیں، یا شہید ہو جائیں تو ایسی موت پر اجرِ عظیم کے حق دار ضرور بن جاتے ہیں۔ بڑے انعام کی بات یہ ہے کہ ایسے آدمی کیلئے ڈیزائن لائف کو پہنچنے سے پہلے مرنے کی صورت میں بقایا زندگی نیکی میں شمار ہو جاتی ہے اور اس کا اجر ان اعمال کی صورت میں ملتا ہے جو انسان مرتے وقت کررہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اپنے طبعی وقت سے پہلے مر جانے میں بہت زیادہ فائدہ کی بات ہے۔

ہم قصوروار وہاں ہیں جہاں ہم جان بوجھ کر اپنی صحت کو نقصان پہنچائیں یا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں اور اس طرح دانستہ کوتاہیوں سے اپنی طبعی عمر کی حد کو پہنچنے سے پہلے ہی روح کا رشتہ زندگی سے توڑ دیں۔ یہ زندگی جیسی نعمت کی ناقدری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف خدا تعالیٰ کے ناشکرے ہیں بلکہ روح کیلئے ارتقائے الٰہی کی جانب ترقی کے مواقع ضائع کر کے اللہ کے حضور ایک مجرم کی حیثیت سے پیش ہوتے ہیں۔ مانا کہ موت پر ہمارا کنٹرول نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کے مطابق زندگی کی بقا کیلئے کوشش کرنا تو ضروری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے جسے اس کی رضا میں گزارا جائے اور جب بیمار ہو جائیں تو موت مانگنے کی بجائے صحت کی دعا کریں۔

27.6 زندگی کا بڑھنا اور گھٹنا ﴿قرآنی دلیل اور احادیث سے واقعات﴾

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی مدت یعنی ڈیزائن لائف مقرر شدہ ہے اور یہ انسان کی تقدیر کا حصہ ہے لیکن قرآن کریم سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تقدیر مقرر کرنے والا تقدیر کو بدل بھی سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو بدلنے پر غالب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی میں کمی بیشی ہوسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"اور نہیں کسی (مقرر شدہ) عمر والے کو زیادہ عمر دی جاتی اور نہ ہی اس کی عمر میں سے کمی کی جاتی ہے
مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں ہے، بیشک یہ اللہ تعالیٰ کیلئے بہت آسان ہے"۔

سورۃ فاطر، آیت 11

اس کا مطلب یہ ہے کہ مقرر شدہ عمر میں زیادتی اور کمی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ کی تشریح میں سید محمد رفاعی اپنی

تفسیر رفائی میں لکھتے ہیں کہ جو عمر کم یا زیادہ کی جاتی ہے اس کا نوشتہ بھی پہلے ہی سے موجود ہے یعنی لوحِ محفوظ میں یہ لکھا ہے کہ اگر فلاں شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو فلاں وقت تک زندہ رہے گا اور جب نافرمانی کرے گا تو اس کی عمر میں اتنا کم کردیا جائے گا اس امر کی طرف جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"صدقہ دینا اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک۔ یہ دو باتیں ملکوں کو آباد کرتی ہیں اور عمروں کو زیادہ"۔

سید رفائی صاحب کے مطابق کہ "ہمیں ایک چیز بھی ایسی معلوم نہیں جو صلہ رحمی کی مانند عمر کو بڑھاتی ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی زندگی کے صرف تین برس باقی ہوں اور اس سے صلہ رحمی بن پڑے تو اللہ تعالیٰ اس میں تیس برس کا اضافہ فرما کر 33 برس کردیتا ہے اور اس سے قطع رحمی ہو جائے تو اس کی عمر میں سے تیس برس کاٹ کر وہاں 33 کی بجائے تین برس ہی رہ جاتے ہیں"۔ (حوالہ تفسیر رفائی صفحہ 524)

عمر میں کمی یا زیادتی کے ممکنات کے بارے میں مندرجہ ذیل روایات بھی اہم ہیں۔ یہ واقعات مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب جمال الاولیاء سے لیے گئے ہیں جو دراصل حضرت شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کی تصنیف جامع کرامات الاولیاء کی تلخیص ہے جو کہ 1324 ہجری میں تالیف ہوئی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نوجوان فوت ہو گیا اس کی ماں جن کا نام حضرت فریضہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، بوڑھی اور اندھی عورت تھی۔ ہم نے اس کو کفن دے دیا اور اس کی ماں سے تعزیت کی تو اس نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے ہم نے کہا ہاں مر گیا ہے۔ اس پر اس نے کہا اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کی اور آپ کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے۔ بخوشی اسلام لائی، بتوں کو نفرت کرکے چھوڑ آئی ہوں۔ اے اللہ! آپ بتوں کو پوجنے والوں کو میری اس مصیبت سے خوش نہ فرمایئے اور اس مصیبت میں مجھ پر وہ غم نہ ڈالیے جس کے تحمل کی مجھ میں طاقت نہیں۔ خدا کی قسم ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مرے ہوئے لڑکے نے اپنے چہرے پر سے پردہ اٹھایا اور پھر کھانا کھایا، ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد اپنی ماں کے مرنے تک وہ زندہ رہا"۔ (بحوالہ ابن عدی اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی وغیرہ)

بیہقی اور ابن عساکر سے روایت ہے کہ "حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شدید مرض میں مبتلا تھے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے اللہ! میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں تو مجھ سے موت کو اتنا موخر کردے کہ بالغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور بیس سال کیلئے ان کی موت موخر کردی گئی"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے مستجاب الدعا تھے یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا رد نہیں جاتی تھی۔ حاکم نے قیس سے روایت کی ہے کہ "ایک دفعہ ان کے سامنے کسی شخص نے حضرت علی علیہ السّلام کو برا بھلا کہا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ شخص آپ کے ولی کو برا بھلا کہہ رہا ہے آپ اس مجمع کی اس وقت تک متفرق نہ کیجئے

جب تک کہ اپنی قدرت نہ دکھائیں۔ تو خدا کی قسم ہم لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ اس کی سواری زمین میں دھنسنے لگی اور اس نے اس کو کھوپڑی کے بل پتھروں پر پھینک دیا جس سے اس کا دماغ پھٹ گیا اور وہ مر گیا"۔

بخاری و مسلم اور بیہقی نے عبدالمالک بن عمر کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ "ایک شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت اور دیانت پر بہتان باندھا تو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کردے اور اس کی تنگ دستی دراز کردے اور اس کو فتنوں میں ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بہت بوڑھا ہوگیا تھا، بڑا تنگدست تھا اور طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میرا یہ حال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا سے ہوا ہے"۔

اوپر کی احادیث اور روایات اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ عمر مقرر ہے لیکن صدقہ، صلہ رحمی، دعا یا دوا سے اللہ تعالیٰ اس میں کمی بیشی کر دیتا ہے۔

27.7 زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات

سائنسی طور پر یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ زندگی کی طوالت کا ایک راز حفظان صحت کے اصولوں میں ہے۔ جو قومیں اپنی صحت کا خیال رکھتی ہیں ان کی عمریں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ عمروں کی طوالت، ماحول اور علاقہ پر بھی منحصر ہے مثلاً وادی ہنزہ کے لوگ مجموعی طور پر اپنی لمبی عمروں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی طوالت کا راز زندگی گزارنے کے مقصد میں بھی ہے جسے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ وقت سے پہلے نہیں مرتے جن کے سامنے کوئی منزل ہو اور اس کیلئے کوشاں ہوں، خدا تعالیٰ اکثر انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کی مہلت دیتا ہے اور جب ان کی زندگی کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اپنے پاس بلا لیتا ہے یعنی دنیا پر وہ مقصد کی ضرورت سے نہ زیادہ نہ کم رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی زندگی کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ ضروری ہے کہ آدمی ایک پر مقصد زندگی بھی گزارے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عموماً مقصد کی تکمیل موت کا پیغام بھی ہوتا ہے اور مقصد پورا ہونے کے بعد لوگ جلدی انتقال کر جاتے ہیں۔ بیشمار ایسی مثالیں ہیں کہ جب ان کا مقصد پورا ہوگیا تو اس کے بعد وہ مر گئے مثلاً قائداعظم محمد علی جناح باوجود ایک کمزور صحت کے آدمی تھے، پاکستان کے حصول تک وہ سخت محنت بھی کرتے رہے اور ٹھیک ٹھاک رہے، جب پاکستان بن گیا تو ایک سال بعد رحلت فرما گئے۔

خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جب آیت **اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی تو مسلمان خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا دین مکمل ہو گیا لیکن ایک مزاج شناسِ رسول رو رہا تھا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جب لوگوں نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ میرا یہ رونا جدائی کے ڈر سے ہے، جب دین مکمل ہو گیا ہے تو پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے جس کے بعد آپ کا مزید دنیا میں رہنا بے سود ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کے نزول کے چند ماہ بعد ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مقصد اور زندگی کی طوالت کے درمیان تعلق کو سمجھنے کیلئے آپ ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جن کی زندگی کا مشن اپنے مقصد کا حصول تھا۔عموماً آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ نہ صرف بڑی عمر پاتے ہیں بلکہ آخری دم تک مستعد بھی رہتے ہیں۔ ہمارے سامنے انہی میں قائد اعظمؒ، امام خمینیؒ، گاندھی، چرچل، برناڈ شاہ، برٹن رسل، ماؤزے تنگ ، ہوچی منہ، غرضیکہ بہت سے مشاہیر کی مثالیں ہیں جو مقصد کی تکمیل کی لگن میں ایسے لگے کہ موت بھی ان کا سامنا کرنے سے ڈرتی تھی۔ آپ کا شاید یہ بھی مشاہدہ ہو کہ وہ لوگ جو گورنمنٹ ملازمت میں ہیں جب ریٹائرڈ ہوجاتے ہیں تو ان میں سے اکثر پانچ دس سال کے اندر اندر ہی ختم ہوجاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کاروباری ہیں اور ریٹائرڈ نہیں ہوتے وہ نسبتاً لمبی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ایک ریٹائرڈ آدمی جینے کی دھن کھو دیتا ہے،اس کیلئے زندگی بیکار ہوجاتی ہے اور وہ بھی زندگی کے لئے بیکار ہوجاتا ہے۔لہٰذا جلد ہی اسے موت آلیتی ہے۔

مغرب کے لوگوں کی عمریں بڑھنے میں یقیناً یہ بھی ایک عنصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو زندگی سے ریٹائرڈ نہیں ہونے دیتے اور اکثر ایک بامقصد زندگی گزارتے ہیں چنانچہ آپ انہیں آخری دم تک کسی دھن میں لگا ہوا پاتے ہیں۔ یہ صرف چند ایک مثالیں تھیں۔ مجھے یقین ہے جب آپ خود غور فرمائیں گے تو اس نظریہ کی حمایت میں آپ کو کئی اور مثالیں بھی مل جائیں گیں۔ ہماری اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ رہنے کیلئے مقصد ضروری ہے۔مقصد زندگی کو طوالت بخشتا ہے۔لہٰذا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو زندگی کو با مقصد رکھو اور اپنی منزل کے حصول کیلئے متواتر دل و جان سے کام کرتے جاؤ پھر آپ دیکھیں گے کہ کیسے موت پیچھے ہٹتی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح مہلت دیتا جاتا ہے۔

27.8 موت کا وقت

جیسے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ موت کا وقت مقرر نہیں۔لیکن جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ آدمی اپنی غلط کاریوں اور خواہشات کی وجہ سے اس مقرر شدہ وقت سے پہلے خود اپنی قبر کھودنا شروع کر دیتا ہے۔اگر کسی آدمی کی زندگی کو متاثر کرنے والے تمام عوامل کا کسی طرح احاطہ ہوسکے تو سائنسی حساب سے اس کی عمر کے بارے میں کسی حد تک حساب لگانا ممکن ہوگا۔اس لیے اگر آنیوالے وقتوں میں سائنس ایسے عوامل کے تجزیہ سے بتا سکے کہ کسی آدمی کی بقیہ عمر کیا ہے تو چونکہ انسان کا ایک ایک سیل،ایک ایک حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ کون کب مرنے والا ہے اور چونکہ وہی سب قوانین کا مالک اور خالق ہے اس لیے موت خواہ وقت سے پہلے ہو یا طبعی اسی کے حکم سے وارد ہوتی ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

"اور کوئی نفس نہیں مرسکتا بغیر حکم اللہ کے۔سب کا وقت مقرر ہوچکا ہے"۔

سورۃ آل عمران،آیت 145

''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ ملے گا دن قیامت کے جو آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوا وہ اپنی مراد کو پا گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا مال ہے''۔

سورۃ آلِ عمران، آیت 185

27.9 دعا اور درازیٔ عمر

موت حیاتیاتی خلیات کی انتہائی تخریب کا وقت ہے۔ خلیات کی یہی موت انسان کی زندگی کا خاتمہ ہے اور روح کے انتقال کا وقت بھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق روح انسانی اور روح حیوانی (زندگی) کا ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک حیاتیاتی تخریب سے روح حیوانی ختم نہیں ہو جاتی۔ اس وقت روح انسانی جو مصداق سواری کے ہے روح حیوانی سے محروم ہو جاتی ہے سواری کے جانے سے اس کا رشتہ اسباب کی دنیا سے بھی کٹ جاتا ہے اور وہ عالم ارواح کو منتقل ہو جاتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حیاتیاتی خلیات کا عمل بھی وہی خدا کنٹرول کرتا ہے جس کے قوانین کے تحت ہم وجود میں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ناامید اور لاعلاج مریض بھی بعض اوقات معجزانہ طور پر بچ جاتے ہیں۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ جب ڈاکٹر اپنی جدوجہد سے مایوس ہو کر لواحقین کو دعا کیلئے کہتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ بارگاہ ایزدی نے کسی ماں باپ، کسی بہن، بیوی یا کسی معصوم کی دعا قبول کر لی اور مردہ جسم میں بھی جان ڈال دی۔

اسلامی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی ساری زندگی یا اس میں سے کچھ حصہ کسی کو ہدیہ بھی کر سکتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ انسان نہایت صدقِ دل سے دعا کرے کہ یا باری تعالیٰ اگر مریض کی زندگی ختم ہو چکی ہے تو میں تیری وساطت اور حکم سے اپنی زندگی میں اتنے سال یا ساری کی ساری زندگی اپنے اس مرنے والے عزیز کو تحفہ کرتا ہوں مجھے موت دے دیجئے اور اس کے بدلے میں اس کو میری زندگی عطا کر دیجئے۔ بیشک تو جس کو چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت دے۔ اس ضمن میں شہنشاہ بابر اور ہمایوں کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ ہمایوں بادشاہ شہنشاہ بابر کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے تخت وتاج کا وارث۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہمایوں بہت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ وقت کے تمام اطباء اور حکماء شہزادے کی زندگی بچانے سے مایوس ہو گئے لیکن خدا پر یقین رکھنے والا باپ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں بادشاہ نے تمام مصاحبین کو شہزادے کے کمرے سے باہر جانے کو کہا اور خود اس کی جگہ مرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ وہ ایک رقت آمیز منظر تھا جب ایک بادشاہ نہیں بلکہ ایک مجبور باپ انتہائی عاجزی سے اپنے بیٹے کی چارپائی کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اور رو رو کر دعا کر رہا تھا۔ ''اے بارگاہِ الٰہی بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے۔ بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے''۔ ابھی وہ ساتویں چکر ہی میں تھا کہ قریب المرگ ہمایوں نے آنکھیں کھول دیں اس طرح بابر کی جان کا صدقہ قبول ہو چکا تھا، بیٹا بچ گیا لیکن شہنشاہ خود بسترِ مرگ پر تھا۔

یہ تو تاریخ میں ایک بادشاہ کا واقعہ ہے لیکن آپ خود بھی کئی ایسے معجزانہ طور پر موت سے بچنے کے واقعات جانتے ہوں گے۔ امریکی سائنسدان ڈاکٹر موڈی اور دیگر سائنسدانوں کے مشاہدات (جن کا تفصیلاً ذکر باب ۳۱ میں دیا گیا ہے) میں بھی جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوئے ان میں سے بھی کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن ان کے لواحقین کی پر اثر دعاؤں نے انہیں واپس کھینچ لیا۔

27.10 سکرات موت

سکرات موت کا مطلب وہ تکلیف ہے جو آدمی کو جانکنی کے وقت پیش آتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے اسلامی اکابرین کا خیال ہے کہ انسان کے لئے سکرات موت انتہائی بھاری اور مشکل موت ہے۔

جہاں تک جدید تحقیق کا تعلق ہے وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ موت کے وقت انسان انتہائی بے چینی کے عالم میں ہوتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ اگر جسم میں کسی جگہ معمولی سا زخم ہو جائے تو درد کی کیسی کیسی ٹیسیں اٹھتی ہیں لیکن موت کے وقت تو ایک ایک خلیہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے انسان کے اوپر اس سے بڑی تکلیف کیا ہو گی۔

جان ہماری رگ رگ میں پیوستہ ہے۔ قبضِ روح کے وقت جب یہ کھینچی جاتی ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کانٹے دار جھاڑیوں میں کھینچا چلا جاتا ہو لیکن موت کے وقت چونکہ انسان کے چیخنے چلانے کی قوتیں جواب دے چکی ہوتی ہیں اس لیے وہ فریاد نہیں کر سکتا۔

موت کے وقت کی تکلیف کسی پر بھی آسان نہیں ہے۔ اول العزم پیغمبرؑ بھی اس سے نہیں بچے۔ حدیث پاک ہے کہ وفات کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ "اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت کو آسان کر دے"۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پہلے میں سوچا کرتی تھی کہ موت کی سختی صرف گنہگاروں پر آتی ہے لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کو دیکھ کر اب مجھے پتہ چلا کہ جان کنی کی تکلیف بھی انسان کے درجات کو بلند کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ سے مومن کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ جن کی موت آسان ہوتی ہے کوئی قابل رشک بات نہیں۔

27.11 سکرات موت گناہوں کا کفارہ اور روح کی سربلندی کا ذریعہ

احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ چیز عیاں ہے کہ انسان پر جو تکالیف قدرتی طور پر آتی ہیں اور آ رہی ہیں ان کو صبر اور خدا کی رضا سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔ یہ سب تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے امتحان کے پرچہ جات ہیں اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صبر سے برداشت کیا جائے تو روح کی سربلندی کا باعث بنتی ہیں۔ بیماری تو بیماری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن

کے پاؤں میں جو کانٹا چبھتا ہے بشرطیکہ وہ صبر کرے اس کیلئے باعث درجات ہے۔اسی بنیاد پر یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ زندگی میں تمام اعمال حسنہ کے باوجود بھی روح کیلئے کچھ درجات ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔جس کا حصول صرف جان کنی کی سختی برداشت کرنے سے آسان ہو جاتا ہے۔امام غزالیؒ اپنی کتاب 'کیمیائے سعادت' میں لکھتے ہیں کہ اگر کافر دنیا میں نیک اعمال کرتا رہا تو اس پر قبض روح کا مرحلہ آسان رہتا ہے تا کہ اس کی نیکی کا اس کو بدلہ مل جائے اور اللہ تعالیٰ پر آخرت میں اس کا کوئی حق نہ رہ جائے۔شاید یہی وجہ ہو کہ مغربی سائنسدانوں کے مشاہدات میں عارضی موت سے زندہ ہونے والے اکثر افراد نے سکرات موت کا کوئی زیادہ ذکر نہیں کیا۔

سکرات موت کے وقت ایک عام انسان پر دو طرح کی تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ایک تکلیف روحانی جس میں اسے دنیا چھوڑنے کا غم اور رنج شامل ہے اور دوسری تکلیف جسمانی یہ وہ وقت ہے جب خون کی گردش کم ہو رہی ہوتی ہے اور خلیات کے اوپر شدت سے توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہوتا ہے چنانچہ موت کا کھچاؤ، اس کی گھٹن، تکلیف اور درد نس نس اور رگ رگ میں ہونا قابل سمجھ ہے۔مرغ بسمل کو کس نے نہیں دیکھا۔اس وقت یہی حال انسان کا بھی ہوتا ہے لیکن بعض بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں دماغ موت سے بہت پہلے ہی ماؤف ہو جاتا ہے۔آدمی پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور اس طرح بیہوشی کے عالم میں موت آتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایسے حالات میں درد محسوس کرنے والی حسیات مفلوج ہو جاتی ہوں اور آدمی موت کے مرحلوں سے آسانی سے گزر جاتا ہو لیکن یہ اس کیلئے اچھا نہیں۔گناہ کے کفارہ اور توبہ کا آخری موقع بھی یونہی گزر گیا یہی وجہ ہے کہ اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے اور اچانک اموات کی زیادتی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

نزع کے وقت سکرات موت اختیاری نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان کو اس فطری تکلیف کے بدلے بلند درجات عطا کرتا ہے۔چنانچہ جو لوگ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں وہ سکرات موت کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں اور وہ ان دواؤں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتے، جو موت کی تکلیف کے احساس کو مصنوعی طریقہ سے ختم کر دیں بہر حال موت آرام سے آئے یا تکلیف سے، یہ قیامت کی طرف پہلا زینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

> "اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی خلق کو پہلی بار بناتا ہے اور پھر اس کو دہراتا ہے تا کہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اچھے کام کیے تھے اور کافروں کیلئے ہے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے یہ بدلہ ہے ان کے کفر کا"۔سورۃ یونس، آیت 4

27.12 الوداعی وقت

نزع کا وقت روح کیلئے دنیا سے الوداع ہونے کا وقت ہے۔اس وقت انسان کو جلدی جلدی دوسری دنیا کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور

دنیا اس سے دور ہٹتی جاتی ہے۔اس وقت زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں وہ انتہائی قیمتی ہیں۔یہ انسان کی پوری زندگی کا خلاصہ ہے۔وہ لوگ جن کا ضمیر صاف نہیں وہ اس وقت بھی دنیا کے خیالات سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔انہیں زندگی کی تمام کمائی ہاتھوں سے نکلتے معلوم ہوتی ہے اس لیے کسی صورت میں بھی مرنا نہیں چاہتے۔قرآن کریم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے ایسے لوگوں کی روحوں کو زبردستی نکال کر لے جاتے ہیں۔ان کیلئے موت کا وقت انتہائی حسرت و یاس والم کا وقت ہوتا ہے۔اس لمحے وہ اپنی پوری عمر کی محنت کو ضائع ہوتے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور آگے بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ہوسکتا ہے کہ اس وقت اس کے بیٹے، بیٹیاں، اہل خاندان، عزیز، رشتہ دار اور دوست سب ہی اس کے اردگرد جمع ہوں لیکن وہ اس کیلئے مزید مایوسی کا باعث ہوتے ہیں۔وہ جانتا ہے کہ دنیا کے یہ لوازمات اب اس کیلئے ایک ایک کر کے بیکار ہوتے جا رہے ہیں۔اس وقت گزری ہوئی زندگی کے تمام لمحات بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے ہوتے ہیں۔وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی بھر کی کمائی ضائع ہوگئی اور آخرت کیلئے اس کا توشہ خالی ہے اور جس طرح حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ایک تلخ حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

> "جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے نفس کیلئے ہی ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو یہ گمراہی بھی اسی کیلئے ہے اور کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہ بھیجیں"۔سورۃ بنی اسرائیل، آیت 15

حقیقت یہ ہے کہ وقت نزع پوری زندگی سے زیادہ اہم ہے۔زندگی کے چند لمحات باقی ہیں اور اس آخری وقت کے اعمال، خیالات اور چال چلن ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔یہ نتیجہ نکلنے کا وقت ہے۔اگر اس وقت اللہ یاد رہا تو قبر میں بھی اللہ تعالیٰ یاد رہے گا۔یہ وقت ایک پردے کو عبور کر کے دوسرے پردے میں داخل ہونے کا وقت بھی ہے، یہاں پر ایک سفر کا اختتام ہوتا ہے اور دوسرے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔پرانے ساتھیوں سے الوداع کا وقت ہے اور آگے آنے والوں کا کوئی پتہ نہیں۔اس لیے یہ ایک نایقینی کا بھی وقت ہے۔اگر آپ اس وقت مرنے والے کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔کلمہ طیبہ کا ورد کریں اور اس کی فلاح کیلئے دعا کریں۔البتہ مومنین کیلئے یہ دنیا کی قید سے آزادی کا وقت ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ارضی حیات کو امتحان سمجھا اور اپنے رب کے قرب کیلئے محنت کرتے رہے۔ان کیلئے موت اپنے مدعا کے حصول کا وقت ہے اور اپنے ایمان کو حقیقت میں دیکھنے کا وقت ہے۔بیقراری ان کو بھی ہے لیکن یہ بیقراری اپنے رب سے جلد ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔ان کیلئے یہ وقت دنیا کے کٹھن دور کے اختتام کی گھڑی ہے اور خوشی خوشی موت کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔

27.13 نفس کی پرواز

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا پیغام ہے (اقبال)

ہم اس مسئلہ پر پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں کہ نفس اور زندگی دو مختلف چیزیں ہیں اور موت دراصل جسم کی زندگی کی موت ہے جب کہ نفس کو ہمیشہ کیلئے بقاء ہے۔ جسم کی موت حیاتیاتی خلیات کی تباہی کی وجہ سے ہے اور اس ضمن میں ہمارے اور دوسرے حیوانات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس طرح سکرات موت کی تکلیف کی وجہ بھی حیاتیاتی ہے جہاں تک جسم سے نفس کا جدا ہونے کا مسئلہ ہے وہ حیاتیاتی موت کے عوامل سے ایک ، جدا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس اور جسم کا بندھن اتنا مضبوط نہیں کہ نفس جسم کے تابع ہو کر رہ جائے ، بلکہ زندگی میں تقریباً ہر روز نیند کے عالم میں یہ جسم سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے اور بیداری پر پھر واپس آجاتا ہے اس لیے نفس کا جسم سے جدا ہونا حیاتیاتی موت کا باعث نہیں بنتا۔ لیکن جسم کی موت کے بعد چونکہ نفس کیلئے دنیا میں رہنے کا سبب ختم ہو جاتا ہے اس لیے وہ عالم ارواح کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کی مثال کسی مکان کے مکین کی ہے اگر مکان تباہ ہو جائے یا اس سے چھین لیا جائے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتا ہے۔ اس کی دوسری مثال اس مسافر کی ہے جب اس کی روانگی کا وقت آجاتا ہے تو وہ خود گھر کی بتیاں بجھا کر باہر نکل جاتا ہے۔

قرآن کریم میں روحانی موت کا بھی ذکر ہے۔ یہ ان لوگوں کی موت ہے جو بظاہر تو زندہ ہیں لیکن ان کی روح اس قدر پراگندہ ہو چکی ہوتی ہے کہ اس سے ہدایت کی روشنی نکلنا بند ہو جاتی ہے اور یوں ایسے لوگوں کا قلب روحانی روشنی سے بے نور ہو جاتا ہے۔ انہیں قرآن کریم روحانی لحاظ سے مردہ قرار دیتا ہے۔ انہیں حیوانات بلکہ حیوانات سے بھی بدتر کہتا ہے۔

باب نمبر 28

فرشتے، جنات اور انسان

فرشتے اور جنات اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہیں جن کا تعلق عالم الغیب سے ہے بعض لوگ ان کے انکاری ہیں یا ان کے بارے میں مختلف تاویلیں دیتے ہیں مثلاً کہیں گے کہ جنات کا مطلب ناری طبیعت والے انسان ہیں یا فرشتے کچھ قدرتی طاقتوں کا نام ہے جیسے کشش ثقل وغیرہ لیکن قرآن پاک میں اللہ اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ایسی سب تاویلیں بالکل غلط ہیں۔ وہ دراصل عقل و دانش والی علیحدہ مخلوق ہیں جنہیں مادی ذرائع سے دیکھا نہیں جاسکتا لیکن اس وجہ کی بناء پر ان کے وجود کو رد کر دینا انتہائی جہالت ہوگا۔ سائنس کی دریافتوں میں بیشمار ایسی چیزیں ہیں جن کا انسانی حواس اور آلات ادراک نہیں کر سکتے لیکن وہ کائنات میں موجود ہیں۔ مثلاً ایٹم کے اندر کے ذرات (sub atomic particles)، کائناتی شعاعیں (Cosmic Rays)، نیوٹرینو، کشش ثقل، ایٹم کے اندر کی قوتیں (Atomic Internal Forces)، کائنات کے اندر بلیک ہولز (Black Holes) اور کیا کیا وجود ہیں جن کو کسی نے نہیں دیکھا، لیکن صرف حساب دانوں کے کہنے پر ہم انہیں مانتے ہیں۔ اس لئے فرشتوں اور جنات جن کی خبر دنیا کے سچے ترین انسانوں، اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسولوں نے دی ہے کو ماننا کیوں مشکل ہونا چاہیے؟

قرآن حکیم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے اور جنات نہایت قدیم مخلوق ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی، جب عالم ارواح میں نفوس سے اپنی پہچان کروائی اور اپنی بندگی کی شہادت لی تو فرشتے اس وقت بھی موجود تھے اور شیطان جو کہ جنات میں سے ہے وہ بھی وہاں موجود تھا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ فرشتوں اور جنات میں سے پہلے کون تھا تو قرآن حکیم ہی سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ فرشتے جنات سے پہلے وجود میں آئے تھے۔ وہ ایک نوری تخلیق ہیں اور جنات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ناری ہیں یعنی آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ چونکہ آگ کا وجود موجودہ کائنات کا ہی ایک حصہ ہے اس لئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جنات کی تخلیق موجودہ کائنات کے بعد عمل میں آئی ہوگی جبکہ فرشتے اور ارواح کائنات کی عالم ظاہر سے پہلے والی حالت میں بھی موجود تھے، اس لئے کہ روح امر ربی ہے۔ مفروضہ کے مطابق انسان اپنی ارواحی زندگی میں جنات اور ملائیکہ سے بھی پہلے کا ہونا چاہیے، لیکن جسمانی تخلیق میں سب سے بعد میں آیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے کہ " آپ کا نور فرشتوں سے بھی پہلے خلق کیا گیا" **اول ما خلق الله نوری** " اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افضل الانبیا افضل البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام حاضر اور غائب کی تخلیق کی وجہ ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے

سب غایتوں کی غایت اولیٰ تم ہی تو ہو

آپ رحمت اللعالمین ہیں۔ جب تک رحمت پیدا نہ ہوتی عالم کیسے وجود میں آسکتے تھے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان اللہ تبارک تعالیٰ کی قدیم ترین مخلوق ہے۔ اگر چہ عالم ظاہر میں اس کا ظہور سب سے بعد میں ہوا لیکن عالم الغیب میں یہ سب سے پہلے وجود میں آیا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مہمان خصوصی جلسہ گاہ میں اس وقت تشریف لاتا ہے جب سارے سامعین موجود ہوں اور تیاریاں مکمل ہوں۔ بے شک انسان کامل ہی کائنات کے وجود کی بنیاد (Design Basis) ہے اور زمان و مکان بھی اسی کیلئے ہی تخلیق ہوئے۔ یوں انسان اپنے ڈیزائن میں زمان و مکان سے قدیم تر ہے اور اپنی بزرگی اور مقام میں بھی سب سے افضل ہے۔ اس لئے اپنی فطرت میں وہ زمان و مکان کا مقید نہیں بلکہ زمان و مکان کو وہ اپنی مٹھی میں بند کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق
جہاں ہے تیرے لئے، تو نہیں جہاں کیلئے

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ معراج اس بات کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ اس طرح حضرت سلیمانؑ کے مصاحبین میں جناب آصف برخیا نے ملکہ سبا کا تخت پل بھر یا اس سے بھی کم عرصہ میں منگوا کر ثابت کیا کہ انسان زمان و مکان کو مسخر کر سکتا ہے۔ (حوالہ سورۃ نمل، آیت ۴۰)۔ یہ کہ کائنات انسان کی وجہ نہیں بلکہ انسان کائنات کے وجود کی وجہ ہے، اس نکتہ میں سائنس کے لئے حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کی ایک نئی سمت ہے اور سائنس کو ''کیوں اور کیسے'' کا جواب ملنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

28.1 جنات کی خصوصیات

جہاں تک جنات کا تعلق ہے یہ انسان کے متوازی لیکن کم تر مخلوق ہے۔ انسانوں کی طرح پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں، ان میں خاندانی نظام بھی رائج ہے، نشو نما کے لئے رزق کے بھی محتاج ہیں اور کسی حد تک ان کو بھی اختیار حاصل ہے اس لئے اپنی اچھائی اور برائی کے ذمہ دار ہیں اور ان کے لئے بھی جزا اور سزا ہے۔

ان میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ ان کے بھی آدمیوں کی طرح کے مذاہب ہیں۔ مثلاً کوئی مسلمان، کوئی عیسائی کوئی ہندو اور کافر ہے لیکن جنات میں انبیاء نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی انسانی نبی کے مذہب کو مان لیتے ہیں۔ ان کی اکثریت کی طبیعت میں خیر سے زیادہ شر ہے۔ عموماً وہ انسانوں سے حسد کرتے ہیں اور ابلیس کے پیروکار بن کر انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

جنات کا فرشتوں اور انسانوں سے ایک فرق یہ بھی ہے کہ جنات عالم باطن اور عالم ظاہر کے دہانہ پر ہیں اور اپنی ساخت میں توانائی کا جسم رکھتے ہیں جبکہ فرشتے عالم باطن کی نوری مخلوق ہیں۔ان دونوں کے مقابلہ میں آدمی اگر چہ اپنی دنیاوی حیثیت میں عالم ظاہر کی مادی مخلوق ہے لیکن روحانی حالت میں عالم الغیب کا نوری باشندہ ہے اس طرح اس میں ظاہر اور باطن دونوں کی خصوصیات موجود ہیں۔ جنات کی تخلیق کے بارے میں قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ انہیں کسی خاص قسم کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔اور یہ انسان کو جسم ملنے سے پہلے کی بات ہے۔فرمایا۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِO

اور جنوں کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے O (سورۃ الحجر ۲۷)

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍO

اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے O (سورہ الرحمن، آیت ۱۵)

یاد ہونا چاہیئے کہ ابتدائے آخر میں کائنات صرف آگ کا ایک گولا تھی جنات اس زمانہ کی تخلیق ہو سکتے ہیں۔ابلیس جو کہ جنوں میں سے ہے ایک زمانے تک عالم باطن میں فرشتوں کی ہم نشینی کرتا تھا لیکن راندہ جانے کے بعد عالم ظاہر میں انسان کے ساتھ ہی اتار دیا گیا۔اب بھی جنات عالم باطن کی خبریں لینے کیلئے چڑھتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی تو وہاں سے کچھ خبریں بھی لے آتے ہیں لیکن اللہ نے انہیں روکنے کے لئے شعاعی ہتھیار جنہیں چمکتا ہوا شہاب کہا گیا ہے مقرر کئے ہوئے ہیں۔اس لئے جنات کا زیادہ رخ اب عالم ظاہر ہی کی طرف رہتا ہے۔

جیسے پہلے بھی بتایا گیا ہے کسی حد تک جنات انسان کی طرح فکر وعمل کی آزادی رکھتے ہیں اور صاحب اختیار بھی ہیں لیکن انسان سے بہت کمتر درجہ پر ہیں۔ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی اصل شکل میں ارضی ذرائع سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جبکہ انسانی جسم کی تخلیق ارضی مادوں سے ہے اور اس میں ایجاد کی صلاحیت ہے۔اس لئے ارضی ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی قابلیت رکھتا ہے بلکہ اب وہ ان ذرائع کو کنٹرول کر کے آسمانی فضاؤں میں اپنی دسترس بڑھا رہا ہے لیکن جنات اس معاملہ میں بالکل بے بس ہیں۔وہ اختیار رکھتے ہیں لیکن ایجاد کے ملکہ سے خالی ہیں۔

جنات میں اللہ تعالی نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ اپنی شکل بدل سکتے ہیں یعنی وہ انسانی شکل میں آ کر انسانوں جیسا کام کر سکتے ہیں اسکے لئے بھی انہیں کسی انسان کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے اور اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خوابیدہ حالت میں چلا جاتا ہے اور جنات ان کے ہوش وحواس پر غالب آ کر اپنی من مانی کرتے ہیں۔لیکن تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی صلاحیتیں عام انسانوں سے بھی کم تر ہوتی ہیں۔مثلاً اگر ایک جن انسان کی حالت میں آ جاتا ہے تو وہ انسان سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتا، انسان سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتا، انسان سے زیادہ

عقلمند نہیں ہو سکتا، یعنی جنات انسانی جسم میں آ کر ایک عام آدمی سے بڑھ کر عقل اور ذہانت کا کام نہیں کر سکتے۔ ہاں! البتہ وہ مزدور (Labour) کے طور پر خوب موزوں ہیں کہ حیوانوں کی مانند تھکتے نہیں اور بعض لوگ جو جنات پر قابو حاصل کر لیتے ہیں وہ ان سے بھاری اور جان جوکھوں والے کام کرواتے رہتے ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے عمارتی مزدوروں (Construction Labour) کا اور لوہا پگھلانے کا کام لیا۔ ایسی چیزوں میں عقل آدمی کی چلتی ہے لیکن ہاتھ جنات کے۔ البتہ آج کل کے مشینی دور میں جنات سے اس طرح کی مزدوری کے کام لینا بھی کوئی فائدہ مند نہیں ہوگا۔

اپنی اصل جناتی حالت میں یہ مخلوق بجلی کی تیزی سے سفر کر سکتی ہے، دور دور تک دیکھ سکتی ہے اور انسانی ذہن کو کسی حد تک متاثر کر سکتی ہے لیکن آدمی کو کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتی۔ جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جنات عقلی طور پر انسان کی نسبت ایک بہت کمزور مخلوق ہیں۔ اس لئے وہ جس کا زور صرف کمزور انسانوں پر ہی چلتا ہے لیکن ان کا یہ اثر بھی طبعی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف انکے اذہان پر اثر کرتے ہیں۔ یوں وہ کمزور ذہن، کمزور ارادہ اور کمزور کردار کے لوگوں کے کاموں میں دخل دیتے ہیں۔ مضبوط شخصیات سے ڈرتے ہیں۔ جنات کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ وہ خوشامد سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں جو ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جنات انہی پر چڑھتے ہیں جو ان کو مانتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔

28.2 شیطان

شیطان کا اصل نام ابلیس ہے اور یہ شر کی سب سے بڑی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے۔ وہ انسان سے حسد کرتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں ہے کہ اسے اللہ کی نگاہوں سے گرا دے تا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی جنت میں واپس نہ جا سکے۔

شیطان کی انسان دشمنی کا آغاز حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ہوا۔ اس وقت وہ تمام جنات کا سردار تھا اور مقرب فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف خلافت بخشا اور علم دے کر اسکی فضیلت ثابت کر دی تو شیطان نے انسان سے حسد کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت سے اس کی اور انکے ساتھیوں کی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح انسان کو اس کے علمی اور روحانی مقام سے گرا دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ذلیل ہو جائے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ وہ بھی جہنم میں جائے۔ قرآن حکیم بار بار انسان کو شیطان کے ان عزائم سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ اس کے مکر و فریب، حسد و بغض سے بچ جائے اور جس طرح زمین پر وہ بزرگ مخلوق ہے آخرت میں بھی اپنے اس مقام کو قائم رکھ سکے۔ سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے کہ شیطان انسان کے نفس پر ایک خول کی مانند اپنا گھر بنا لیتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے انڈے کی زردی اور سفیدی کے اوپر خول ہوتا ہے۔ اس طرح شیطان نفس پر ہدایت کا نور نہیں پہنچنے دیتا۔ البتہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر (کاموں) میں لگے رہتے

ہیں شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ارشاد ہے کہ

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ O وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ O

اور جسے رحمان کے ذکر سے بے کلی ہو تو اس پر ایک شیطان مسلّط ہو جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے O اور بدیں وجہ وہ شیاطین ان کو راہِ راست سے روکتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں O (سورۃ الزخرف آیت ۳۶۔۳۷)

28.3 شیطانی نظام اور شیطانی قوتیں

شیطان جس نظام کے لئے کام کرتا ہے وہ شرک اور ظلم کی قوتوں کا نظام ہے۔ جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ اس نظام کا سربراہ اعلیٰ تو ابلیس ہے وہی ابلیس، جس نے حضرت آدمؑ کو جنت میں بہکایا تھا اس کے نیچے ایک بہت بڑی فوج ہے جس کے عہدہ دار جنات ہیں۔ اس کے ساتھ ایک گروہ انسانوں کا بھی ہے جو اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انسان کو نقصان دینے والی تمام دوسری قوتوں سے بھی کام لیتا ہے۔ اس لحاظ سے جراثیم، وائرس تک شیطان کے آلہ کار ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بخار کا باعث بھی شیطان ہے یعنی جراثیم وغیرہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ غرض کہ فضاء کا چپہ چپہ شیطانی قوتوں کے انتشار سے بھرا پڑا ہے، جن سے بچنا انسان کا کام ہے۔

انسانی معاشرہ کی طرح شیاطین میں بھی معاشرتی اونچ نیچ اور درجات ہیں۔ ان کے ہاں بھی کوئی حکمران ہے اور کوئی ماتحت۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ ابلیس ان کا مذہبی بادشاہ ہے۔ اس کے نیچے اس کے ماننے والوں کی درجہ بدرجہ بہت بڑی تنظیم ہے اور یہ سب ایک مذہبی فریضہ کے طور پر اپنے حریف انسانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے بڑی چالاکی سے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اس منصوبہ بندی میں بنیادی یونٹ فرد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے۔" لوگوں نے پوچھا کہ "حضورؐ! آپ کے ساتھ بھی۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! البتہ میں نے اسے اپنے قابو میں کر لیا ہے" اس شیطان کا کام ہمارے نفوس میں دین کے متعلق شک وشبہات ڈالنا، نیکی کی بجائے برائی کو بہتر کر کے پیش کرنا، خیالات میں انتشار پیدا کرنا، ایسی تجاویز دینا جو ظاہراً بہت مرغوب اور طبعیت کو خوش کرنے والی ہوتی ہیں لیکن درحقیقت ہمارے قلوب کو دیمک کی طرح چاٹ کر رکھ دیتی ہیں وغیرہ۔ لیکن وہ ماسوائے ورغلانے کے کچھ نہیں کرسکتا اور کسی بھی انسان کو برائی پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اگر آدمی اس کی بات مان لیتا ہے، اس کے اشارے پر کام کرنے لگتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا۔

جہاں تک انسانی شکل میں شیاطین کا تعلق ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی فطرت میں اچھائی ختم ہو جاتی ہے اور وہ مکمل طور پر شیطان کی غلامی میں آجاتے ہیں اور اس کے آلہ کار بن کر دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ سورہ الناس میں ان کو خناس کا نام دیا گیا ہے۔ ان کا مقصد بھی لوگوں کے اذہان کو اپنے بد خیالات سے خراب کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ شیطان کے گروہ میں شامل ہوتے ہیں اس لئے شیاطین اپنے ان انسانی ساتھیوں کی ہر وقت امداد کرتے رہتے ہیں اور ان کی مدد سے یہ بد بخت دنیا میں خوب ترقی کرتے ہیں۔ بہت سے کفار، منافقین جن میں جوگی، جادوگر وغیرہ بھی شامل ہیں ان میں سے بعض کو شیاطین غیب کی خبریں بھی دیتے ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنی غیب دانی کا سکہ جما کر معصوم لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں، کئی ایک دھوکے باز پیر فقیر جو طرح طرح کی کرامتیں دکھاتے پھرتے ہیں انہی میں سے ہوتے ہیں۔ جیسے پہلے کہا ہے، شیاطین میں شر کی سب قوتیں شامل ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حتےٰ کہ جراثیم اور دیگر وائرس بھی انہی میں سے ہیں۔ ان سب کے خلاف کام کرنا ہر اچھے انسان کا شیوہ ہے اور ان سے بچنے کی ہر کوشش انتہائی قابل قدر ہے۔

28.4 انسان کے ساتھی فرشتے اور ملکوتی قوتیں

شیطان کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی دو فرشتوں سے مدد کی ہے جو اسکو اچھائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن وہ بھی انسان کے اعمال میں دخل نہیں دے سکتے۔ ان کے ذمہ یہ کام بھی ہے کہ جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ اس کو لکھتے رہتے ہیں۔ یوں انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ لمحہ بہ لمحہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

> وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝
>
> اور وہ (اللہ) اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر اپنے محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے حتیٰ کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آتی تو وہ (اسکی روح) کو لے لیتے ہیں اور وہ اس میں کوئی تفریط نہیں کرتے۔

> اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝
>
> کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ بات اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے، یقیناً ہم اور ہمارے فرشتے ان کے لئے (ان کے اعمال کو) لکھتے رہتے ہیں ۝ (الزخرف ۸۰)

انسان کے ساتھی فرشتے (Guardian Angels) وفات کے بعد اسکے نفس کی عالم برزخ میں بھی راہنمائی کرتے ہیں، اگر وہ تکلیف میں ہے تو افسوس کرتے ہیں اور اسکی بہتری کیلیئے دعا کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے اچھے اعمال کے نتیجہ میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو یہ فرشتے اس پر خوش ہوتے ہیں اور مزید ترقیوں کیلیئے دعا کرتے ہیں۔

اوپر دی گئی وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں اکیلا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دو اور مخلوق بھی ہیں جن میں سے ایک شر کی قوتوں کو ہوا دیتی ہے اور دوسری خیر کی طرف حوصلہ افزائی کرتی ہے لیکن ہر حال میں آخری فیصلہ انسانی نفس کو خود ہی کرنا ہوتا ہے اس لئے وہی اس کے نتائج کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس کے ابدی مقام اور پہچان کا انحصار اس بات پر ہے کہ زندگی میں وہ شیطان کے اثرات میں رہا یا اپنے فرشتوں کی بات مانتا رہا ہے۔

شیطانی نظام کے بیان میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ یہ ایک بہت وسیع وعریض نظام ہے جس نے دنیا کے چپہ چپہ کو گھیرا ہوا ہے یہ سچ ہے لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے بھی بڑا ایک ملکوتی نظام بھی قائم کیا ہے جس کا مقصد انسان کی مدد کرنا ہے۔ اس میں شر کی شیطانی قوتوں کے بالمقابل انسان کے لئے نفع بخش قوتیں شامل ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اور فضاء کے چپہ چپہ پر ستر ستر ہزار فرشتے ہیں مطلب یہ کہ ملکوتی قوتوں کا بھی شمار کرنا مشکل ہے۔ یوں شر اور خیر دونوں قوتیں اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ کھڑی کر دی ہیں مثلاً اگر اللہ تعالےٰ نے انسان کے دشمن کیڑے پیدا کیئے ہیں تو ان کے مقابلے میں انسان دوست کیڑے بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر وشر کی قوتوں میں کھڑا کر دیا ہے تا کہ اس کی ہر طرح سے آزمائش مکمل ہو سکے۔ اب یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورا اترنے کیلیئے خیر کی قوتوں کا ساتھ دیتا ہے اور شر کی قوتوں کی بیخ کنی کرتا ہے، یا شر کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے۔

28.5 فرشتوں اور نیک جنات کی امداد

اس ضمن میں قرآن پاک ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ تمام ملکوتی قوتیں ہر وقت انسان کے فائدے کے لئے کام کر رہی ہیں۔ انفرادی طور پر جب کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی ذات کی خوشنودی اور اس کے پروگرام کو آگے بڑھانے کا بنالیتا ہے تو فرشتے اس کی کامیابی کیلیئے دعا گو ہو جاتے ہیں اس کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں اور جب وہ کسی مشکل میں ہوتا ہے تو اس کے حلیف قوتیں بن کر مدد کرنے کے لئے اتر پڑتے ہیں۔ مدد کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کے دل سے پریشانی، غم اور خوف نکال کر مصیبت میں بھی گونا گوں اطمینان اور خود اعتمادی کا سبق دیتے ہیں۔ انہی مواقع کے لئے قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جو اللہ کے بندے ہیں انہیں غم اور خوف سے نجات مل جاتی ہے۔ دوسرے لوگ جس بات کو تکلیف سمجھتے ہیں اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ یعنی وہ تکلیف بھی ان کے لئے فرحت کا باعث بن جاتی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لئے

نمرود کی آگ پھولوں کا ڈھیر بن گئی تھی۔ **یا نار کونی برداوسَلَامًا علیٰ ابراہیم۔**

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی!
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

فرشتوں کی مدد ہر وقت اور ہر حال میں نیک اور مومن مسلمان کو میسر ہوتی ہے۔ وہ مجاہدین جو اسلام کی راہ میں جنگ لڑتے ہیں فرشتوں کی مدد کے متعلق ان کے مشاہدات حیران کن اور روح پرور ہیں۔ خواہ وہ جنگ بدر تھی یا افغانستان اور عراق میں جہاد یا کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد یا پاک بھارت جنگیں۔ فرشتوں کی امداد اور طمانیت پہنچانے کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

فرشتوں کے علاوہ مسلمان جنات بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ غیر مادی قوتوں کی مدد بھی غیر مادی ہوتی ہے۔ اس مدد کی ایک شکل یہ ہے کہ مسلمان کا ذہن تکلیف دہ حالات میں انتشار سے خالی رہتا ہے وہ یکسو ہوتا ہے، بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتا، خوف وحزن سے آزاد ہوتا ہے حوصلہ نہیں ہارتا اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی اس پر سکینہ چھا جاتی ہے۔ مددگار فرشتے اور جنات کی نظر چونکہ انسان کی نسبت بہت تیز ہے اس لئے دشمن کی نقل وحرکت کے متعلق (Intelligence Service) وہ اپنے مسلمان بھائی کے دماغ کی صحیح طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ یوں مومن غیبی مدد کے ذریعے سے وقت پر صحیح فیصلہ کرتا ہے اور دشوار ترین حالات میں بھی مایوسی کی بجائے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتا ہے۔ بعض دفعہ وہ انسانی شکل میں آکر بھی مدد کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں کئی طرح کے رجال الغیب مختلف خدمات پر مامور ہیں۔ ان میں نیک لوگوں کی ارواح بھی شامل ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام رجال الغیب میں سے ہیں اور ان کی سرکردگی میں ایک گروہ کام کرتا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں غیبی مدد کے واقعات کا تجربہ ہزاروں لوگوں کو حاصل ہے۔ ان کے پیچھے اسباب یہی مومن جنات مامور شدہ فرشتے اور ارواح ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

یاد رہے کہ فرشتوں اور جنات کی امداد کیلئے کسی قسم کی چلہ کشی کی ضرورت نہیں۔ اگر نیت خالص کردار بلند ہو اور جدوجہد کا مقصود اللہ کا نام بلند کرنا ہو تو فرشتوں اور مسلمان جنات کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ اپنی استعداد کی حد تک ایسے مومن کی مدد کریں اور یہ مدد بغیر مانگے اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو قبولیت کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں اور غیبی مدد بھی فوری ملتی ہے۔

28.6 جنات پر کنٹرول

کچھ لوگ جنات کو اپنے قابو میں لانا چاہتے ہیں،اس کیلئے کئی طرح کی چلہ کشیوں کی ضرورت پڑتی ہے اور بلا لحاظ مذہب وملت، مسلمان، ہندو، عیسائی اور کافر بھی ذہنی مشقتوں،توجہ اور ریاضتوں سے جنات کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں اور پھر ان کی معلومات کی حد تک ان سے کئی کام بھی لے سکتے ہیں۔اس گروہ میں زیادہ تر شامل لوگ لالچی ڈبہ پیر قسم کے لوگ ہیں یہ عموماً نگاہوں سے چھپی ہوئی باتوں کے متعلق جنات سے پوچھ کر لوگوں پر اپنی برتری جتاتے ہیں۔انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو جنوں کے نام پر کاروبار کرتے ہیں۔مثلاً جن چڑھادینا وغیرہ۔اکثر تو یہ دھوکہ ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی سچ بھی ہوسکتا ہے۔اگر خدانخواستہ کسی کو جن چڑھنے کے سبب ذہنی مرض ہو جائے تو بہتر علاج اعصاب اور کردار کی مضبوطی،صلوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔اگر مریض خود یہ کرنے کے قابل نہ ہو تو کوئی مضبوط کردار کا عابد آدمی اللہ کے نام سے جن بھگا سکتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے ماننے والوں کو ایسے غلط اعتقادات اور چلہ کشیوں سے منع فرمایا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر حال میں جنات سے افضل مخلوق ہے اور اپنے سے کمتر مخلوق پر وقت ضائع کرنے کی بجائے وہی جدوجہد اپنے نفس کی قوتوں کو اجاگر کرنے پر لگائے تو یہ اس کیلئے بہت بہتر ہے۔

28.7 نفوس،ملائکہ اور جنات کی ساخت

اوپر ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ انسان کے ساتھ ساتھ جنات اور ملائکہ بھی دو دیگر مخلوقات ہیں،ذیل میں ہم ان کے متعلق مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ قرآن پاک سے ہم یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ سب غیر مادی مخلوق ہیں اور انکی اصل کوئی خاص قسم کی توانائی ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ جس طرح کے قدرتی قوانین کے پابند ہیں وہ ہماری مادی دنیا سے بالکل مختلف ہوں۔قرآن پاک اور حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ہم اس نتیجہ پر بھی پہنچے ہیں کہ انسانی روح کی بنیاد نور ہے اور فرشتے بھی نوری مخلوق ہیں،ان کے مقابلہ میں جنات کی فطرت ناری ہے۔انسانوں اور جنات کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ O وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ O

اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بدبودار گارا تھی O اور جنوں کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے O (سورۃ الحجر ۲۶۔۲۷)

آگ کی لو کا جدید سائنس کی زبان میں مطلب ہاٹ گیس پلازما (Hot Gas Plasma) لیا جاسکتا ہے جو انتہائی گرم گیس کا شعلہ ہے۔ سورج بھی گرم گیسوں کے پلازما پر مشتمل ہے۔ ستارے بھی اسی طرح کی آگ سے بنے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ آگ بجلی اور مقناطیسی شعاعوں (Electromagnetic) پر مشتمل ہے۔ ابھی تک انسان صرف اس زندگی کو مانتا رہا ہے جسکی بنیاد مادی ہے لیکن جیسے جیسے سائنس ترقی کرتی جارہی ہے غیر مادی زندگی کا تصور بھی ابھر رہا ہے۔ مثلاً ماہر طبیعات گیرالڈ فیز طوبرگ اپنی کتاب "زمین سے باہر کی زندگی" (Life beyond Earth) میں لکھتا ہے کہ "ہوسکتا ہے کہ آسمانوں میں ایسی زندگی موجود ہو جس کی بنیاد برقی مقناطیسی شعاعیں (Electromagentic Radiation) تابکاری ذرات (Radioactive Paricles) اور کائناتی شعائیں (Cosmic Radiation) ہو، یہ اور بات ہے کہ اپنے زمینی ماحول میں ہم ابھی تک ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں"۔

ملائکہ اور جنات بھی اسی نوع کی زندہ شخصیات ہوسکتی ہیں جن کو مادی ذرائع کے حوالے سے سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے۔ لیکن جیسے جیسے ماورا مادیات کے مطالعہ میں سائنسدانوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے اسی نسبت سے غیر مادی زندگی کا احساس بھی بڑھتا جارتا ہے۔ حال ہی میں فضا (Space) میں ایسے غیر مادی زندہ چیزوں کے دیکھنے کے کئی دعوے کئے گئے ہیں جن کے بعد سائنس اگر ایسی مخلوقات کا اقرار نہیں کرتی تو انکار بھی نہیں کرتی۔ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب سائنس قرآن کریم کے فرشتوں اور جنات کے بارے میں بھی ایک اہم گواہ بن کر سامنے آئے گی۔

28.8 زندگی سے پہلے زندگی

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ موجودہ مادی کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا اور اس کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے نفوس کو پیدا کیا۔ عالم ارواح میں یہ سب اکٹھے تھے اور جنہوں نے ابھی پیدا ہونا ہے وہ آج بھی وہاں ہیں۔ جو عالم ارواح میں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں وہ اس دنیا میں آکر بھی آپس میں ایک انجانا انس اور فطری تعلق محسوس کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو وہاں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں وہ زمینی حیات میں بھی ایک دوسرے سے اجنبی رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم سب کو کبھی نہ کبھی ایسا تجربہ ہوتا ہے کہ کوئی اجنبی ملتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے جو پرانی روحانی قربت کی وجہ سے ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کوئی دوسرا شخص بلاوجہ اچھا نہیں لگتا۔

پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر اس زندگی سے پہلے بھی ہماری زندگی تھی تو ہمیں یاد کیوں نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی یادداشت محدود ہے مثلاً اکثر کو تو اپنا بچپن بھی یاد نہیں رہتا، ماں کے پیٹ کی زندگی کے بارے میں ہم سے شاید ہی کوئی کچھ یاد رکھتا ہو، حالانکہ ہم وہاں زندہ تھے اور شعور رکھتے

تھے،اس لئے عالم ارواح کی زندگی کا یاد نہ رہنا اس کی حقیقت کی نفی نہیں کرتا البتہ یہ بات بھی پوری طرح صحیح نہیں کہ ہم وہاں کی زندگی کے متعلق سب کچھ بھول چکے ہیں۔بعض لوگوں کے سلسلے میں یہ یادداشت اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ اپنے پرانے روحانی دوستوں کے جو حالات بتاتے ہیں وہ حیران کن حد تک صحیح ثابت ہوتے ہیں، کبھی کبھی ایسی حیران کن خبریں آپ نے خود بھی پڑھی ہونگی یا سنی ہونگی جن میں بعض بچے عجیب وغریب صلاحیتوں کے مالک پائے جاتے ہیں مثلاً پیدائشی حفاظ، پیدائشی ولی اللہ، یا ایسے بچے جو اپنے خیالی بہن بھائیوں کا ذکر کرتے ہیں اور بعض دفعہ ان کی بتائی ہوئی نشانیوں پر جائیں تو وہاں پہنچ بھی جاتے ہیں۔ابھی چند سال پہلے اخباروں میں ایک بچہ کی بڑی شہرت ہوئی تھی جو بتاتا تھا کہ اس کے کچھ بھائی امریکہ میں رہتے ہیں اور جب تحقیق کی گئی تو بچے کی بتائی ہوئی نشانیاں، اور اس کے ساتھی واقعی وہاں موجود تھے۔

یادرہے کہ ایسے واقعات جنات کے اثرات کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں اور عالم ارواح میں اپنے ساتھیوں اور وہاں کے حالات کی بقیہ یادداشتوں کی وجہ سے بھی پیش آسکتے ہیں۔ہندو مذہب کو ماننے والے ان واقعات سے مسئلہ آواگون (Reincarnation) کے عقیدہ کو ثابت کرتے ہیں۔لیکن یہ عقیدہ بہت سی سائنسی وجوہ کی بنا پر غلط ثابت ہو چکا ہے۔مثلاً اس عقیدہ کے مطابق انسانی آبادی میں اضافہ کی بجائے کمی ہونی چاہیے۔اس لئے کہ اس عقیدہ کے مطابق وہی روح بار بار پیدا ہوتی ہے۔بلکہ جو انسان انسانی درجہ سے کم تر کام کرتے ہیں وہ حیوانی انواع میں پیدا ہوتے ہیں اور جو بہت اچھا کام کرتے ہیں وہ مہاتما بن جاتے ہیں۔جب کہ حقیقت اس کے بالکل الٹ ہے۔انسانی آبادی ہمیشہ سے بڑھ رہی ہے۔

عالم ارواح کی اس یادداشت کی عام مثال خالق کا تصور ہے۔انسان جدید ہو یا قدیم، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ سے ہر انسان کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کو مانتا چلا آرہا ہے۔اسی طرح موت کے بعد کی زندگی پر یقین بھی ایک بنیادی تصور (Universal Belief) ہے، قدیم سے قدیم دور کا انسان بھی موت کے بعد کسی طرح کی زندگی کا قائل تھا اور آج کے آرکیالوجسٹ (Archaeologist) پرانی قبروں سے معلوم کر رہے ہیں کہ نہایت قدیم زمانہ کے لوگ بھی اپنے مردوں کو اسی امید کے ساتھ دفن کرتے تھے کہ کبھی انہیں دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ایسا کیوں ہے؟ قرآن حکیم سے اخذ کردہ نتائج سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی وجہ وہ وعدہ ہے جو خالق کائنات نے تمام نفوس کو پیدا کرنے کے بعد ان سے لیا جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کہ

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''، سب بولے کہ'' بے شک تو ہمارا رب ہے اور ہم ان کا اقرار کرتے ہیں''(یہ اس لئے تھا) کہ کہیں قیامت کے دن یہ کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی O

(سورۃ اعراف، آیت ۱۷۲)

ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ " **الست بربکم** " کے وقت جن روحوں نے جوش اور شوق سے " **بلیٰ** " یعنی "ہاں" کہا۔ وہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں اس وقت دبی آواز والے آج بھی اپنے خالق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ البتہ دنیا کی زندگی اس کمی کو پورا کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ اگر کوئی انسان اس وقت پیچھے رہ گیا تھا تو اب آگے بڑھ کر تن من دھن سے اللہ تعالیٰ سے محبت کر کے اس کمی کو دور کر لے۔ اسی طرح وہ لوگ جو فطری طور پر دیندار ہیں ان کیلئے بھی یہ دنیا مزید موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی محبت کو شرک سے آلودہ نہ ہونے دیں اور کسی غلط دین میں پھنس کر خالی خولی مذہبی رسومات میں الجھ کر اپنی فطرت کو ضائع نہ کر بیٹھیں۔

28.9 عقل اور سائنس کی مجبوری

عالم الغیب کے حقائق کے بارے میں ارواح، ملائکہ، جنات جیسی مخلوقات کا ادراک عقل اور سائنس کیلئے کبھی بھی آسان نہیں ہوگا جس کی وجہ ان کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دماغ اور حواس خمسہ مادی دنیا سے رابطہ اور کام لینے کیلئے دیے ہیں جب کہ غیب کے حقائق کا علم مادیات سے باہر عالم احساسات سے متعلق ہے، اس لئے سائنس اور عقل جو ہر چیز کو تجربہ اور لیبارٹری کے انداز سے ماپ کر جاننا چاہتی ہے وہ عالم الغیب کے حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہے گی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دماغ اور عقل انسان کی پوری حقیقت نہیں بلکہ " کل "(Superset) کا ایک جز (Subset) ہیں۔ جز کیلئے کبھی بھی ممکن نہیں ہوتا کہ وہ " کل " کا احاطہ کر سکے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے قوم فرد میں، دریا قطرہ میں، اور کائنات زمین میں نہیں سما سکتی۔ جس طرح قطرہ کیلئے سمندر کو سمجھنا ناممکن ہے ایسے ہی ہماری چھوٹی سی عقل کیلئے عالم الغیب کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ملائکہ، جنات اور ارواح کی حیثیت کو یونہی تسلیم کر لیں جیسے ہمارے خالق نے قرآن پاک میں بتایا ہے۔ قطرہ کیلئے عقلمندی یہی ہے کہ وہ سمندر کی وسعت کو تسلیم کر لے۔

فرشتے، جنات اور نفوس وہ اعلیٰ حقیقتیں ہیں جو ہر جگہ ہر آن ایسے ہی موجود ہیں جیسے فضاء کے نقطہ نقطہ میں ٹیلیویژن کی آوازیں اور تصویریں موجود ہیں لیکن انہیں دیکھنے کیلئے ایریل اور ٹی وی سیٹ چاہئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " زمین و آسمان کے چپے چپے پر ستر ہزار فرشتے موجود ہیں۔ " لیکن ان کو دیکھنے کیلئے ظاہری آنکھوں کی بجائے قلبی آنکھیں چاہئیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ

ہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین آسمان میں نہیں سما سکتے، لیکن مومن کے دل میں۔یعنی عالم غیب کے حقائق کو اگر سمجھنا ہے تو اس کیلئے
ی بصیرت چاہئے۔

دل بیناء بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان کہ زمین و آسمان کے چپے چپے پر ستر ہزار فرشتے موجود ہیں کا مطلب ہے کہ ان کی
راد بے انتہا ہے۔ان میں سب سے مرتبہ والے حضرت جبرائیلؑ، میکائیلؑ، عزرائیلؑ اور اسرافیلؑ ہیں اور چھوٹوں چھوٹوں میں قدرت کے وہ تمام
رندے ہوسکتے ہیں جو کائنات کا نظام چلانے میں لگائے گئے ہیں مثلاً ان میں تمام قدرتی طاقتیں اور سائنسی قوانین بھی شامل ہوسکتے ہیں۔ایٹم
ہ اندر اور باہر کی قوتیں بھی اس ذات پاک کے کسی نہ کسی درجہ کے ملائکہ ہوں گے۔(واللہ اعلم)

جہاں تک روحوں، فرشتوں اور جنات کے مادی عقل میں نہ آنے کی بات ہے تو یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۔اس زندگی میں
رے سامنے ایسی سینکڑوں اشیاء آتی ہیں جو اربوں سالوں سے موجود ہیں، لیکن عام آدمی نے ان کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔مثلاً ہم جو پانی
تے ہیں اس میں ہائیڈروجن کی موجودگی اتنی پرانی ہے جتنی یہ کائنات۔ازخود، ہمارے اجسام میں جو کاربن ہے، یہ ہم سے دور کسی ستارے میں
ماکے سے باہر نکلی تھی جس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے، فضاء خواہ کھلی ہو یا مجسّم (Solid) اس کے ہر ایک مربع سینٹی
ٹر سے ہر سیکنڈ میں برقیات اور تابکاری کے ہزاروں ذرات آر پار ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیں اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں، سورج کی توانائی جو
ری زندگی کی نشوونما میں مددگار رہتی ہے اس کا ایندھن بھی ہائیڈروجن گیس ہے جس کی پیدائش آج سے تقریباً پندرہ بلین سال پہلے عین اس وقت
ئی جب کائنات کی تخلیق کو ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا لیکن ہمیں اس بات کا احساس نہیں، ایٹم کو ہم سب مانتے ہیں لیکن کسی نے دیکھا نہیں، اس کے
در ایک جہاں بند ہے لیکن محسوسات کی دنیا سے بہت دور ہے، آجکل انٹرنیٹ کی دنیا میں ہر وقت ہر جگہ ہمارے اندر اور باہر کی فضا میں کروڑوں
یڈیائی سگنل موجود ہیں، پوری پوری فلمیں چل رہی ہیں، تقریریں ہو رہی ہیں، کتابیں ہی کتابیں موجود ہیں لیکن ہمارے لئے یہ سب غیب کی باتیں
ہیں جب تک کہ ہم کمپیوٹر یا ٹیلیویژن کی مدد سے ان کو پکڑ نہیں لیتے۔

دراصل عالم الغیب کی وسعت عالم المشہود کی نسبت اتنی بڑی ہے جیسے دریا کا مقابلہ ایک پانی کے کوزہ سے کیا جائے یہی حال ہماری
ائنات کا ہے ہمارے حواس اور سائنسی آلات نے جو کچھ ابھی تک معلوم کیا ہے وہ کل (Total) کی نسبت کچھ بھی نہیں ہے۔اس لئے قدرت کے
ارخانہ میں ارواح، فرشتے اور جنات وغیرہ کوئی اکیلے نہیں جو ہماری یادداشت یا سمجھ سے بالاتر ہیں یہاں تو بیشمار اور بہت کچھ ہے جو ہماری عقل
کیلئے کھلا چیلنج ہے۔اگر ہم ان سے انکاری ہیں تو ہمیں ان سب اشیاء کی موجودگی سے بھی انکار کر دینا چاہئے جو ہماری بصارت اور بصیرت میں نہیں

آتیں۔ تحقیق کے پہلو سے بھی دستبردار ہو جائیں اور کہہ دیں کہ ہمارے علم کے باہر کسی شے کا وجود ہی نہیں۔

اگر ایسا کہنا ٹھیک نہیں، تو پھر ہمیں غیب کے ان حقائق کو مان لینے میں بھی کوئی عار نہیں ہونا چاہئے جن کی خبر دنیا کے سچے ترین انسانوں یعنی اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہمیشہ دیتے آرہے ہیں۔ اگر ہم آج سائنس دانوں کی باتوں کو بلاتحقیق مانتے ہیں تو ان کی باتوں پر کیوں نہ ایمان لائیں جو ہر دور میں انسانیت کیلئے سب سے بڑے محسن ہیں، جنہوں نے اخلاقی اقدار کی بنیادیں فراہم کی ہیں اور جنہوں نے سچائی اور اصول کیلئے جانیں تک قربان کردیں۔ اگر آج ان کی باتیں ہماری عقل میں نہیں آتیں تو کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ آج سے سو سال پہلے والے انسان کو موجودہ سائنسی دریافتوں کا علم نہیں تھا؟ اب جس رفتار سے ایٹم کے اندر کے رازوں، کائنات کی بنیادی طاقتوں اور ہمارے اپنے نفوس کی حقیقتوں کے بارے میں دریافتیں ہو رہی ہیں ان کو دیکھ کر یہ کہنا مشکل نہیں کہ بہت جلد سائنس خود عالم الغیب کی ان مخلوقات پر سب سے بڑی گواہ ہوگی۔ لیکن کیا ہم اس وقت کے انتظار میں کفر کی حالت میں مرجائیں؟ نہیں، بلکہ ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ روز محشر ہمارا خالق ہم سب کو اکٹھا کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَالۡمُهۡتَدِ ج وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ط وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا ط مَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِيۡرًا O

اور جسے اللہ ہدایت کی راہ دکھائے پس وہی ہدایت یافتہ ہے اور جو گمراہی میں مبتلا ہوں پس ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ پاؤ گے، اور قیامت کے دن ان کو منہ کے بل محشور کریں گے۔ اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب کبھی آگ ہلکی پڑے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے O (استغفراللہ)

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۹۷)

باب نمبر 29

اسلام کی نظر میں روح کا شعور، علم اور یادداشت

آج کل مغربی دنیا میں روحوں پر بڑی سائنسی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان کا احاطہ کریں اس موضوع پر اسلام کا نکتہ نظر واضح کرنے کے لئے مندرجہ ذیل احادیث اور روایات پر غور کرنا ضروری ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ التکاثر جو ہم ابتداء میں دے چکے ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد شعور کھلتا جاتا ہے اور انسان پر عالم الغیب کے حقائق واضح ہونے لگتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت حیات بعد الموت کے متعلق جدید سائنسی مشاہدات، قدیم علماء کے روحوں کے متعلق بتائے گئے واقعات اور میرے اپنے ذاتی تجربات ہیں۔ جو سب دراصل اللہ کے نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی خبروں کی تصدیق ہے۔

مندرجہ ذیل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی وہ احادیث دی جا رہی ہیں یا ان کی ترجمانی کی جا رہی ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موت جسم کا خاتمہ تو ہے لیکن نفس قائم دائم رہتے ہیں۔ وہ اپنے اجزاء جسمانی سے رابطہ استوار رکھتے ہیں خواہ وہ پانی میں گھل جائیں، مٹی میں مل جائیں، آگ میں راکھ ہو جائیں یا جانوروں کی غذا بن جائیں۔

جدید سائنس کی بھی یہ دریافت ہے کہ عناصر کی یادداشت ہے۔ روشنی کے ذرات (Photons) اپنے منبع سے علیحدہ ہو کر بھی ایک دوسرے کو نہیں بھولتے، (Reference New Scientist, 1987)۔ چیزوں کی ہیئت بدل جاتی ہے لیکن یادداشت (Memory) ویسے ہی رہتی ہے۔ انسانی جسم کے ذرات اور اس کے نفس کے تعلق کا بھی یہی حال ہے۔

29.1 مردہ کا زندہ کی آواز سننا اور حساب و کتاب

یہ کہ مردہ قبر میں دفن ہونے کے بعد بھی قبر سے باہر لوگوں کی باتیں سنتا ہے صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں "جب مجھے دفن کرچکو تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر تک ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اسکا گوشت تقسیم ہو یہاں تک کہ میں تم سے

انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئوں کو کیا جواب دیتا ہوں"(حوالہ کتاب الروح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم قبرستان جاؤ تو قبر والوں پر سلام بھیجو، وہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔"

ابن ابی "کتاب القبور "اور امام عبدالحق "کتاب العاقبہ "میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت قبر کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے میت کا دل اس سے بھلتا ہے اور جب بات کرتا ہے مردہ اس کا جواب دیتا ہے"(بحوالہ کتاب الروح)

29.2 مردوں کی روحوں کا زندوں سے ملنا

ابن ابی الدنیا، بیہقی سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلامؓ نے ایک دوسرے سے کہا" اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا۔ جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا انتقال ہوا تو وہ حضرت سلمان فارسیؓ کو عالم خواب میں ملے۔ آپؓ نے پوچھا کہ " کیا زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں"؟ فرمایا ، "ہاں"! مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔"(بحوالہ کتاب الروح)

29.3 شہید کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا

بخاری شریف کی حدیث نبوی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"شہید کیلئے ایک نہایت خوبصورت جسم اترتا ہے اور اس کے نفس سے کہتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہو. اس وقت وہ اپنے پہلے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں،وہ ان کی باتیں سنتا ہے، کلام کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ اس کی باتیں سنتے ہیں.وہ خود انہیں دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اسے دیکھتے ہونگے یہاں تک کہ جنت سے اس کی بیبیاں اس کو آکر لے جاتی ہیں"(بحوالہ کتاب الروح)

29.4 عالم برزخ میں آزادی اور سیر

امام احمد بن حنبل اپنی مسند اور طبرانی معجم کبیر میں روایت کرتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک دنیا کافر کیلئے جنت اور مسلمان کیلئے جیل کی مانند ہے اور مومن کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قید خانہ سے رہائی پاتا ہے۔وفات کے بعد مومن کا نفس زمین میں گشت کرتا ہے اور بافراغت چلتا پھرتا ہے ،اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے"۔

(بحوالہ کتاب الروح)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ بھی اپنی کتاب 'کیمیائے سعادت میں' مختلف روایات اور واقعات کے حوالہ سے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

Presented by; https://jafrilibrary.com

باب نمبر 30

مغربی دنیا میں روحوں پر سائنسی تحقیقات

(Search for Soul in the West)

30.0 تعارف

شاید ہم میں سے بہت سے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ تقریباً پچھلے ایک سو سال سے مغربی دنیا خصوصاً برطانیہ، امریکہ اور روس میں پیراسایکالوجی (Parapsychology) کے حوالہ سے روحوں (Spirits)، غیر مرئی مخلوقات اور ان کے متعلقہ مابعد طبیعاتی طاقتوں (Metaphysical Forces) پر کئی جگہ ریسرچ ہو رہی ہے اور بڑے دلچسپ نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں۔ ان تحقیقات کے پیچھے جو محرکات ہیں ان میں علمی پیاس بجھانے کے علاوہ سراغ رسانی کے محکمہ جات (Intelligence Agencies) کے اپنے مخصوص مفاد بھی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہی بیماریوں کے روحانی علاج (Spiritual Healing) پر بھی بہت کام ہو رہا ہے۔ جادو اور جنات جن کے متعلق پچاس سال پہلے بات کرنا اپنا مذاق بنانا تھا پر بھی سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے۔ ان باتوں کو سمجھنے اور سیکھنے کے لئے وہاں سائنسدان افریقہ اور ہندوستان کے جوگیوں کے پاس شاگردی اختیار کر رہے ہیں۔

مغربی دنیا کی اس بے پناہ دلچسپی سے فائدہ اُٹھانے کیلئے کئی ایک ٹھگ اور فراڈ بھی اس میدان میں اُبھر آئے ہیں، خصوصاً ہندو جوگی اور مہاتما کئی روپوں میں یورپ اور امریکہ میں آشرم قائم کر کے کروڑوں ڈالر کا ارواح کے نام پر، بزنس کر رہے ہیں اور لوگوں میں آوا گون (Reincarnation) اور آباؤاجداد کی ارواح (Ancestral Spirits) وغیرہ جیسے گمراہ نظریات بھی پھیلا رہے ہیں۔ یہ خطرناک رجحانات اپنی جگہ پر، لیکن ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف ان کا پراپیگنڈا ہے کہ اس مذہب میں روحانیات نہیں۔

یورپ اور امریکہ میں درجنوں ایسے ادارے ہیں جن کی جستجو کا محور روح ہے جسے وہ (Soul) یا سپرٹ (Spirit) کہتے ہیں اور وہ سائنسی تجربات سے اس کا ہونا یا نہ ہونا ثابت کرنے کیلئے کام کر رہے ہیں۔ لوگوں کی دلچسپی کا یہ حال ہے کہ ہر سال لاکھوں افراد ان اداروں کی تحقیق اور تجربات کو سننے کے لئے آتے ہیں، ان کے رسائل کو پڑھتے ہیں اور اپنے تجربات سے بھی انہیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یورپ اور امریکہ میں ان کی ممبر شپ ایک کروڑ افراد سے زیادہ ہے۔ ممبرز نہ صرف باقاعدہ چندہ دیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو اپنی ساری ساری جائداد ان کے نام وقف کر جاتے ہیں تا کہ اس نہایت مفید اور اہم کام میں پیش رفت جاری رہے، مثلاً زیروگرافی کے موجد نے 1960ء میں ایک ملین

ڈالر تحفہ (Donation) امریکی سوسائٹی فار سائیکلکل ریسرچ (Amercan Society for Psychical Research) کو دیا۔ 1972ء میں ایک صاحب جیمز کڈ (Games Kidd) نے دو لاکھ ستر ہزار ڈالر کا تحفہ دیا۔ اس طرح جورجینا سکول آف میڈیسن میں پیرا سائیکالوجی (Parapsychology) کا شعبہ قائم کرنے کے لئے موجد کارلسن (Carlson) نے ایک ملین ڈالر کا تحفہ دیا۔ غرض لوگ دل کھول کر اس لئے چندہ دے رہے ہیں کہ انسانی حقیقت جو ابھی تک قدرت کا سب سے بڑا راز ہے پر سے پردہ اُٹھایا جائے اور سائنسی طور پر بھی معلوم ہو جائے کہ ہم کیا ہیں؟

افسوس کا مقام ہے مسلمان ممالک اس کام میں بھی بہت ہی پیچھے ہیں اور ماسوائے خالی باتوں کے اس نہایت اہم کام کی طرف کچھ توجہ نہیں دے رہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ مستقبل میں جب مغرب والے اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق روح کے ہونے یا نہ ہونے پر سائنسی دریافتوں کا اعلان کریں گے تو مشرق کے مختلف مذاہب کو ایسا دھچکا لگے گا کہ وہ سنبھالنے سے بھی نہ سنبھل سکیں گے۔ چونکہ یہ عالمی اہمیت کا مضمون ہے اس لئے ضروری ہے کہ مشرقی دنیا خصوصاً مسلمان ممالک میں روح، نفس، ملائکہ اور جنات جیسی غیر مرئی مخلوقات کو سمجھنے کے لئے مختلف علمی اور سائنسی ادارے وجود میں آئیں، ہمارے صاحب ثروت لوگوں کو بھی چاہیے کہ اس عظیم سائنسی اور انسانی اہمیت کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے دل کھول کر چندہ دیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر دین اور دنیا کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ انسان پر اپنی حقیقت آشکار ہو جائے اور قرآن کریم میں حیات بعد الموت کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے اسے سائنسی طور پر بھی ثابت کر دیا جائے۔

30.1 تحقیقات کا دائرہ کار اور مقاصد

یورپ اور امریکہ میں جو ریسرچ ہو رہی ہے اس کے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں۔

(۱) انسان کی اپنی حقیقت کو سمجھنا

(۲) مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کا سمجھنا اور دنیاوی حیات اور برزخی حیات کے درمیان رابطہ قائم کرنا۔

(۳) مختلف بیماریوں کا روحانی علاج کرنا۔

(۴) موت پر فتح حاصل کر کے دنیاوی حیات کو طول دینا۔

(۵) روحوں کے ذریعہ زمین اور باہر کی دنیاؤں کے درمیان پیغام رسانی کا سلسلہ قائم کرنا۔

(۶) ماورائی قوتوں کو جاسوسی کیلئے استعمال کرنا۔

مثلاً ملبورن کرسٹوفر Melbourne Christopher کی کتاب روح کی تلاش ("Search for the Soul") کے صفحہ دو پر لکھا ہے۔

''امریکن محکمہ سراغ رسانی کا یہ خواب ہے کہ وہ جلد از جلد روحوں پر قابو حاصل کر کے بغیر کسی مادی ذریعہ کے جان سکیں کہ دوسری جگہوں پر کیا ہو رہا ہے مختلف ممالک اپنی انتہائی سیکرٹ (Secret) لیبارٹریوں میں کیا کر رہے ہیں اور دوسری قوموں کے جنگی منصوبے کیا ہیں، دنیا کے اہم رہنماؤں کے دماغوں کی کیا سوچ ہے اور یہ بھی کہ روحوں کے ذریعے دشمن ممالک کے ایٹمی رازوں تک رسائی کی جا سکے اور اگر انہیں ان کے سٹور میں پڑے پڑے ناکارہ بنایا جا سکے تو کیا ہی شاندار بات ہوگی''۔

یہ سراغ رسانی کی بات ہے لیکن اپنے تمام تر مقاصد کے پیش نظر مغربی دنیا میں مندرجہ ذیل شعبوں میں 1850ء سے تحقیق جاری ہے۔

(1) روحیں انسانی شکل میں (The Souls in Human Form)

(2) روحوں کی تصویر کشی (The Souls Through Lens)

(3) روحوں کا وزن (Weights of the Souls)

(4) روحوں سے پیغام رسانی (Esp. Telepathy)

(5) قرب المرگ لوگوں کے مشاہدات (Visitor to the Afterlife)

(6) روحانی طریقہ سے بیماریوں کا علاج (Spiritual Healing)

مندرجہ ذیل میں روحوں پر مغربی دنیا میں ہونے والی تحقیقات اور تجربات کو قدرے تفصیلاً پیش کیا جا رہا ہے ہمارا اس کام سے متفق ہونا ضروری نہیں لیکن جو کچھ بھی ہو رہا ہے حیرت انگیز ضرور ہے۔

30.2 روحوں کو بلانا (The Soul in Human Form)

مغرب میں روحوں کے بلانے کا عمل بڑا عام ہے۔ اسلام میں بھی بعض بزرگ کشف القبور کے ذریعہ مردوں سے پیغام رسانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خواب میں روحوں سے ملنے کے واقعات تو عام سی بات سمجھی جاتی ہے لیکن اس موضوع پر باقاعدہ تحقیق نظر نہیں آئی ہے۔ مغرب میں یہ طریقہ ایک فن بن چکا ہے لیکن یہ سوال کہ واقعی مردوں کی ارواح کسی کے بلانے پر آجاتی ہیں اسلامی روایات میں اس بات کا انکار ہے نہ اقرار۔ میری اپنی سنجیدہ رائے یہ ہے کہ وہ میت کی روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا ہمزاد جن ہوتا ہے یا یہ وہ نفوس ہوتے ہیں جو عالم برزخ میں بھوت بن کر زمین

کو نہیں چھوڑتے۔ مغرب میں دنیا داری کی ہوس اور بڑھتی ہوئی بے دینی (Secularism) کی وجہ سے اب وہاں لوگوں کی ایک بڑی اکثریت مرنے پر بھوت بن کر اسی دنیا میں پریشان پھرتے رہتے ہیں۔ اس لئے بلانے پر وہ آسانی سے آجاتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی یہ بات عام ہے۔

اس عمل میں ایک عامل اور معمول (Medium and Sitter) دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ عامل مردے کی روح کو معمول کے وجود میں بلاتا ہے۔ وح کے آنے کے بعد معمول اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہوتا بلکہ بلائی گئی روح اس کے جسمانی اعضاء مثلاً کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو استعمال کرتے ہوئے عامل (Sitter) کے مختلف سوالوں کے جواب دیتی ہے۔ اس عمل کا پچھلے دوسو سالوں سے رواج بڑھتا جا رہا ہے اور اس سے مندرجہ ذیل کام لینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

غیب کی باتوں کے متعلق دریافت کرنا مثلاً گمشدہ چیزوں کی تلاش، چوروں کی پہچان، گم شدہ دستاویز کا ڈھونڈ نکالنا، چھپے خزانوں کو ڈھونڈنا، مرے ہوئے رشتہ داروں دوستوں سے رابطہ استوار کرنا، مرے ہوئے لوگوں سے معلومات کا حصول وغیرہ۔ کتاب "روح کی تلاش" (Search for The Soul) میں بڑے بڑے سائنسدانوں کے حوالوں سے 1850ء سے 1980ء تک کے عظیم عاملوں اور معمولوں کے کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ عاملوں میں بعض نوبل پرائز یافتہ سائنسدان بھی شامل تھے۔

انہی میں سے ایک دلچسپ واقعہ ڈاکٹر رابرٹ ہیر (Dr. Robet Hare) کا ہے آپ ژیل یونیورسٹی (Yale University، USA) میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے اور امریکن سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے ممبر تھے۔ پہلے پہلے وہ روحوں کو نہیں مانتے تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے خود اس پر ریسرچ شروع کی تو پھر وہ نہ صرف روحوں پر یقین کرنے لگے بلکہ خود بھی عامل بن گئے۔ انہوں نے ستمبر 1854ء کو نیو یارک میں تین سائنسی میٹنگوں کے سامنے حلفیہ طور پر بتایا کہ ان کے پاس روحوں کو ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور وہ خود روحوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ چکے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک دفعہ ایک روح کو بلایا اور اس سے ایک بھاری میز اٹھوایا۔ ایک دفعہ جب ان کی ٹوپی گم ہوگئی تو انہوں نے جب روح کو لانے کیلئے کہا تو چند لمحوں میں وہ ٹوپی آسمان کی طرف سے گر کر ان کے سامنے تھی، اس طرح کئی گمشدہ چیزوں کو انہوں نے روحوں کی مدد سے ڈھونڈا ہے۔ انہوں نے ایک تجربہ میں بہت سے لوہے کے گولوں کو ایک الماری میں بند کر دیا اور پھر بلائی ہوئی روح کو انہیں نکالنے کیلئے کہا تو ہزاروں لوگوں کے سامنے وہ الماری کھلنے لگی اور گولے باہر میز پر رکھ دیے گئے۔ ان کا ایک تجربہ روحوں کی طاقت کے متعلق تھا جس کیلئے وہ ایک وزن کرنے والی مشین کا استعمال کرتے تھے۔ وہ حاضر معمول کے ذریعہ مختلف لوگوں کی روحوں کو بلاتے اور سپرنگ کھینچنے کیلئے کہتے اور اس طرح ان کے بازوؤں کی قوت کا اندازہ کرتے، پروفیسر ہیر (Hare) سائنسی دنیا میں پہلے امریکی تھے جنہوں نے اس طرح کے تجربات کئے۔ 1855ء میں انہوں نے اپنے مختلف تجربات کی روئداد اپنی کتاب روحوں کے متعلق تجربات (Experimental Investigation of the Spiritual Manifestation) میں بیان کی ہے۔

دوسرا بڑا سائنسدان جس نے اس موضوع کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا وہ رائل سوسائٹی لندن کو فیلو تھا جس کا نام ولیم کروک (William

(Crookes) تھا۔آپ چیسٹر کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔1869ء میں انہوں نے روحانی تحقیقات کی طرف کام کرنا شروع کیا۔اس کام کیلئے وہ خود عامل بن گئے اور برطانیہ کے مشہور معمولوں (Sitters) کی مدد سے انہوں نے روحوں پر ریسرچ کرنا شروع کی۔ان کے تجربات بھی امریکی ڈاکٹر ہیئر (Hare) کے طریقوں ہی سے تھے۔انہوں نے جنوری 1874ء کو ششماہی مجلّہ سائنس (Quarterly Journal of Science) میں اپنی چار سالہ ریسرچ کے نتائج کے اپنے سائنسی پیپر "Notes of an Enquiry into the Phenomena Called Spiritual" شائع کردیے۔اس کے مطابق انہوں نے روحوں کے ذریعہ ایسی چیزیں حاصل کیں جن کا حصول اس وقت مشکل تھا، ان سے میوزک سننا، اندھیرے میں چیزوں کو ڈھونڈ لینا وغیرہ قسم کے کامیاب تجربات کروائے۔اس کام کے ساتھ ڈاکٹر کروک نے کیمسٹری کی ریسرچ کا کام بھی جاری رکھا۔1897ء کو ملکہ وکٹوریہ نے انہیں سر کا خطاب دیا 1896ء کو وہ سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے پریزیڈنٹ بنادیے گئے۔اس موقع پر انہوں نے سوسائٹی کے دیگر ممتاز سائنسدانوں کو بتایا کہ "روحوں کے متعلق ان کی دریافتیں ان کی کیمسٹری کی دریافتوں سے بھی زیادہ اہم ہیں۔اب میں ٹیلی پیتھی (Telepathy) پر کام شروع کرنے والا ہوں، مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ قدرت کے اس انتہائی باطنی راز سے بھی پردہ اُٹھ جائے گا ایک پردے کے بعد دوسرا پردہ اُٹھتا رہے گا، وقت کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت بن کر ہمارے سامنے آتی رہے گی۔بالآخر وہ حیران کن وقت آئیگا جب روحوں کا راز انسان پر آشکار ہوجائے گا"۔لیکن بہت سے سائنسدان پروفیسر کی ان تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے ان کے خیال میں یہ ان کا وہم تھا یا معمول ان کو بیوقوف بناتا رہا ہے۔

30.3 روح کی تصویر کشی کی کوشش (Soul Through Lens)

مغرب میں روحوں کی تصویر لینے کی ریسرچ کا آغاز 1900ء کے بعد اس وقت ہو جب کیمرہ کی ایجاد کافی ترقی کرگئی تھی۔اس وقت سے لے کر بہت سے لوگوں نے ارواح کی تصویر لینے کی کوشش کی ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ کبھی کبھی بہت صاف تصویر بھی حاصل ہوجاتی ہے لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔اس طرح کی سب سے پہلے کوشش USA میں ایک صاحب جس کا نام ہالینڈ Holland بتایا جاتا ہے نے کی تھی۔یہ محدب عدسوں کا ماہر کاریگر تھا۔چنانچہ انہوں نے اپنی اس مہارت کو استعمال کرتے ہوئے 16 انچ عدسہ والا کیمرہ بنایا۔تاکہ روحوں کی تصویر کشی کی جائے۔ایک واقعہ میں ان کے ساتھی رپورٹر کے مطابق "ہم نے عدسہ کے سامنے والے شیشہ (Mirror) پر دیکھا کہ مردہ کے جسم کے عین اوپر اس کی روح تھی جس کی شکل اسی جیسی تھی، روح کا جسم کے ساتھ رابطہ صرف ایک رسی (Chord) کے ذریعہ تھا۔روح تھکی تھکی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔اس منظر کو دیکھ کر میں بے ہوش ہوکر زمین پر گر گیا"۔

اس سے پہلے 1852ء میں ایک صاحب امیڈر یوڈیوس نے اپنی کتاب "موت اور بعد کی زندگی (Death and

After-Life) میں رپورٹ کیا تھا کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے ایک مردہ عورت کے جسم سے کچھ اوپر اس کی روح کو معلق دیکھا تھا، جسم اور روح کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ایک رسی نما چیز تھی اور روح جسم کی نسبت کئی درجہ زیادہ خوبصورت تھی۔ آخر کار وہ کھلے دروازے سے نکل کر اپنی آخرت کی طرف روانہ ہوگئی''۔

1902ء میں ایک اور سائنسدان جس کا نام صرف مسٹر جی (Mr. G) لکھا گیا ہے نے جرنل برائے سوسائٹی آف سائیککل ریسرچ (Journal Society for Psychical Research) میں رپورٹ کیا کہ اس نے بھی ایک مردہ جسم کے اوپر سفید دھواں نما شکل کو دیکھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تقریباً ۵ گھنٹے تک اس روح کو جسم کے ساتھ Umbilical Chord کے ذریعہ سے جڑا دیکھتا رہا جس کے بعد روح اس کو توڑ کر آزاد ہوگئی۔

1907ء میں ایک سائنسدان ہیپالی باراڈوک (Dr. Hippoly Baraduc) نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹوگرافی پیرس فرانس میں کی اور 1908ء میں اس نے Lamorts at Leurs Manifestation کے نام سے مضمون لکھا جس میں اپنے سارے تجربات نتائج رپورٹ کیے تھے۔

1939ء کو USA میں ایک اور سائنسدان ہرورڈ کارنگس نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹوگرافی کی اور اپنے رزلٹ Laboratory Investigation into Psychic Phenomena (1939) میں رپورٹ کیے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک روشنی کا عجیب گیند مردہ سے نکلتا دیکھا گیا۔ اسی بات پر مزید ریسرچ کارنیگ لیبارٹری (Carnage Lab) واشنگٹن D.C. میں ہوئی انہوں نے بھی ایک روشنی کا گیند نکلتے رپورٹ کیا جس کی تفصیل فزیکل ریویو (Physical Review) میں چھپی۔ ان کے بعد بھی کئی لوگوں نے اس طرح کی فوٹوگرافی کی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ روشنی کا گیند یا سفید دھواں نما جسم یا روح کا چمکدار ایتھریئل (Ethereal) جسم اس بات کا ثبوت ہیں کہ مرنے والے کے جسم سے کوئی چیز ضرور نکلتی ہے بعض نے اس کو سائیکک فورس (Psychic Force) کا نام دیا ہے لیکن بہت سے سائنسدان اس سے متفق نہیں ہیں۔

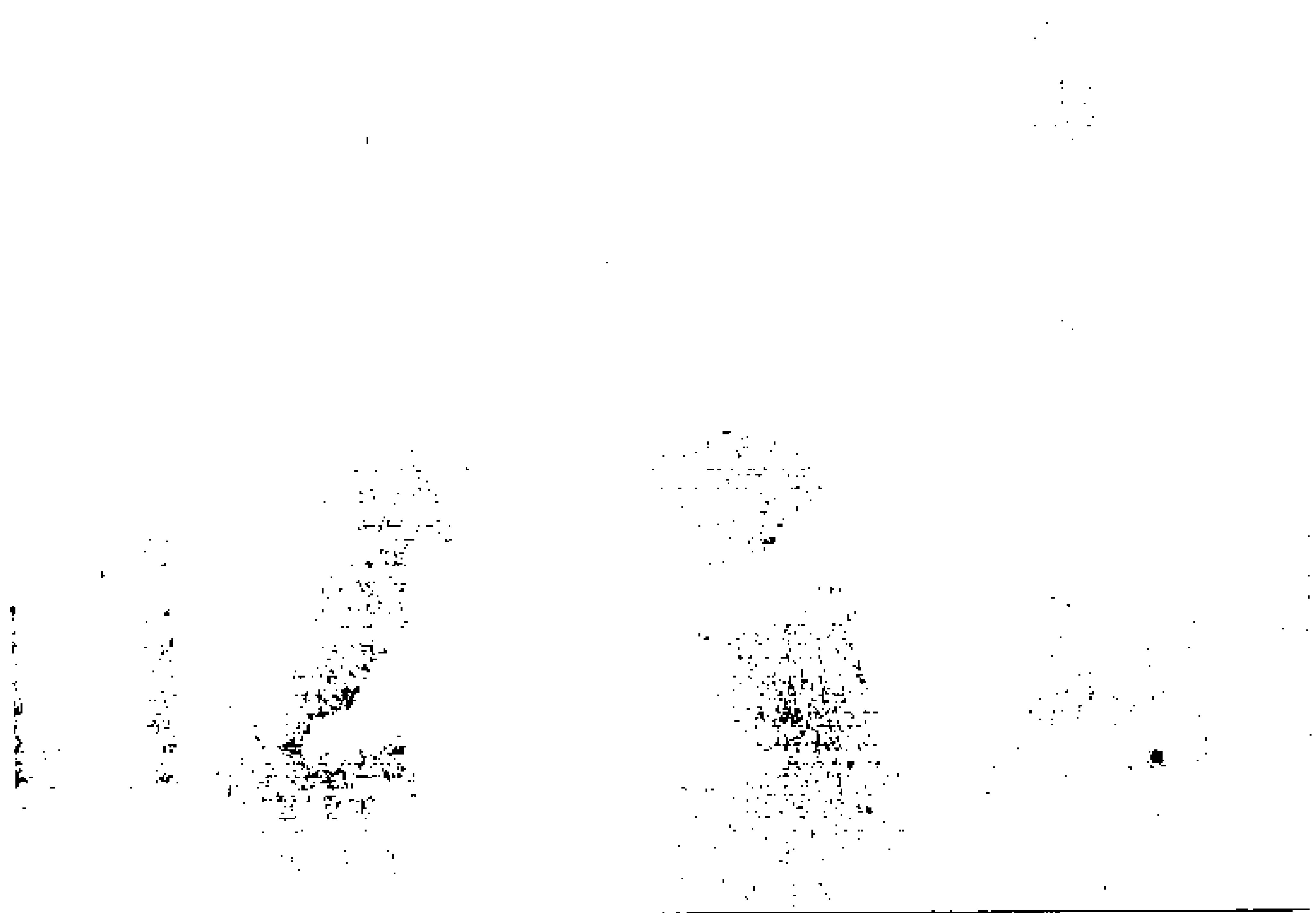
30.4 روحوں کے وزن کرنے کے تجربات (Weighing of the Soul)

یورپ اور امریکہ میں روحوں کے متعلق تحقیق اس نکتہ پر بھی ہوئی ہے کہ جسم سے جو چیز نکلتی ہے اس کا کچھ وزن بھی ہوگا۔ سب سے پہلے ایک امریکی ڈاکٹر ڈنکن میکڈوگل (Duncan Macdougull) نے 1907ء میں امریکی جرنل سائیککل ریسرچ (American Journal Society for Psychical Research) میں اس لائن پر اپنی تحقیقات کی تفصیلات کو پیش کیا۔ انہوں نے ایک ایسا

ایک جوڑے نے چھٹیوں کے دوران اپنی بیٹی کی تصویر بنائی۔ جب اس تصویر کو ڈویلپ (صاف) کیا گیا تو بغیر ٹانگوں کے ایک خاتون پیچھے نظر آرہی ہے۔



یہ منظر ایک فلم کا ہے جس کا نام "تین مرد اور ایک بچہ" ہے۔ ایک لڑکا پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ لڑکا اسی کمرے میں قتل ہوا تھا جہاں یہ فلم بنائی جا رہی تھی۔



ایک جوڑے نے اپنے ایک سالہ بچے کا کار میں فوٹو لیا۔ کار **17**ویں صدی میں بنے ہوئے قبرستان کے باہر کھڑی تھی۔ کوئی تبصرہ نہیں۔



یہ تصویر انڈونیشیاء میں ایک رپورٹر نے 1933ء میں لی۔ رپورٹر ایک ایسے کمرے کی تصویر لینا چاہتا تھا ۔ جس میں بہت سارے لوگوں کو قتل کیا گیا تھا۔ جب تصویر کو صاف کیا گیا تو اس میں یہ نظر آیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس تصویر کو جن لوگوں نے بار بار دیکھا ان کو ذہنی بیماریاں پیدا ہو گئیں۔





1916ء میں لی گئی یہ تصویر ایک شبیہہ دکھا رہی ہے جو کہ ممکنہ طور پر کسی کی پرواز کرتی ہوئی روح ہے۔



بیڈ(Bed) ایجاد کیا جو مریض کا وزن کرنے کی مشین کا کام بھی کرتا تھا۔ بیڈ کے اوپر شیشے کا بنا ہوا تابوت رکھا تھا جس میں وہ قریب المرگ مریضوں کولٹا دیتا اور وقت نزع سے وہ وزن نوٹ کرنا شروع کر دیتا۔ اس نے دیکھا کہ مرنے پر تقریباً آدھا اونس وزن کم ہو جاتا تھا۔ اپنے تجربات کی بنا پر اسے پکا یقین ہو گیا کہ مرنے پر جسم سے کوئی ایسی چیز نکلتی ہے جسے روح کہا جاتا ہے اور ایک جوان آدمی کی روح کا وزن تقریباً آدھا اونس ہے۔ ڈاکٹر ڈنکن نے یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا جانوروں میں بھی روح ہوتی ہے چوہوں، بلیوں، بندروں اور کتوں پر بھی ایسے ہی تجربات کئے لیکن موت کے بعد بھی جانوروں کے وزن میں کوئی فرق نہ پڑا جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ روح صرف انسانوں میں ہی ہوتی ہے۔

1915ء میں ایک اور امریکی ڈاکٹر ایچ۔ ایل ٹونگ H.L. Twing نے بھی ایسے ہی تجربات کئے اور اس نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ جانوروں کی حد تک مرنے پر وزن میں کمی نہیں آتی البتہ آدمیوں کے بارے میں اس کی خاموشی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ کسی آدمی پر کوئی تجربہ نہ کر سکا۔

30.5 مغربی حکماء کے حوالہ سے حیات بعد الموت کے متعلّق مزید مشاہدات

اب تک ہم روحوں کے متعلق مغربی دنیا میں ہونے والے سائنسی کام کو اختصار کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ یہاں تفصیلی واقعات دیں گے جو امریکی مصنف ملبورن کرسٹوفر (Milbourn Christorpher) کی کتاب (Search for the Soul) میں سے لئے گئے ہیں مصنف مندرجہ ذیل واقعات حیات بعد الموت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

1- 1871ء میں چھپنے والی کتاب (Looking Beyond) جسکے مصنف جوزف بیرٹ (Joseph Barrett) تھے ان کے حوالہ سے بتاتے ہیں کہ "ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دیا۔ غم سے نڈھال اسکے بڑے بھائی نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر بٹھا کر زور زور سے چیخنا شروع کر دیا تم ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے جا رہے ہو؟ کہاں چلے جا رہے؟ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور بولا، "تم نے مجھے کیوں بلایا ہے، کیا خوبصورت میوزک تھا کیا خوبصورت مناظر دیکھ رہا تھا، میں نے ایسی چیزیں دیکھیں جو زندگی بھر نہ دیکھ پایا، مجھے میرے پہلے گزرے ہوئے دوست ملنے آرہے تھے، تم نے مجھے واپس کیوں بلالیا ہے، کیوں بلالیا ہے"۔

2- "ایک واقعہ ایک ایسی لڑکی کا ہے جو ڈوب گئی تھی، اسے تالاب کے نیچے سے نکالا گیا اور میڈیکل طریقوں سے اس کے پھیپھڑوں سے پانی نکال کر اس کو مصنوعی سانس دیا گیا وہ دوبارہ زندہ ہوگئی لیکن بہت زیادہ ناراض تھی، اس نے کہا، میں پانی کے نیچے بہت خوش تھی تم لوگوں نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے میں فرشتوں کے ساتھ آسمانوں کو اڑ رہی تھی۔ تمہیں مجھے واپس نہیں لانا چاہئے تھا"۔

3- پہلی اگست 1876ء کی بات ہے ایک بیوہ خاتون (Mrs. Diana Powolson) جس کا خاوند 9 بچے چھوڑ کر چند ماہ پہلے ہی

فوت ہوا تھا، وہ اپنے ہونے والے دسویں بچہ کی پیدائش کے موقع پر مر گئی، ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دے کر آنکھیں بند کر دیں، لیکن پھر بھی ایک ڈاکٹر نے بجلی کا کرنٹ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کی۔ آخر کار وہ ہوش میں آ گئی، اس نے اپنی موت کے بعد کے مندرجہ ذیل واقعات سنائے۔

''جس رات میں مری، موت میرے لئے راحت کا پیغام تھی، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، میرے سر کا درد ختم ہو گیا، پہلے پہل ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، میں نے سوچا کہ شائد میں اندھی ہو گئی ہوں جس پر مجھے بہت خوف ہوا، لیکن میں نے دیکھا کہ میرے خاوند نے جو چند ماہ پہلے ہی مرا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میرے دوسرے وفات پائے ہوئے رشتہ داروں نے بھی میری مدد کرنا شروع کر دی، پھر اچانک اندھیرا دور ہو گیا، میں نے اپنے سارے دوستوں کو دیکھا اور وہاں بیشمار اور لوگ بھی تھے۔ میں نے پہاڑ اور وادیاں دیکھیں، پھول، دریا، سمندر، جھیلیں اور مختلف قسم کے جانور میرے سامنے تھے، اتنا خوبصورت میوزک تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی، وہاں جو لوگ بھی تھے انہیں ملنے کی مجھے کبھی بھی توقع نہیں تھی، وہ عام قسم کے لوگ تھے کچھ صحت مند چمکدار تھے، کچھ بیمار اور بری حالت میں تھے۔ میں نے ان کے گھر دیکھے وہ مل جل کر رہتے تھے، میں نے کئی روشن روحیں دیکھیں لیکن ان کے پر نہیں تھے۔ میرے دوست مجھے اندھیرے سے ایک نہایت روشن جگہ لے گئے وہاں میں نے کئی جلسہ نما میٹنگیں ہوتی دیکھیں، لیکن معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس موقع پر مجھے بتایا گیا کہ تمہیں ضرور واپس جانا چاہیے یہ بات میرے خاوند نے مجھے بتائی، میں رونے لگی اور اس پر بہت غصہ ہوئی۔ میں اب بھی اس خوبصورت گھر میں واپس جانا چاہتی ہوں جس کے بارے میں انہوں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تیرا ہے، جب مجھے واپس آنا پڑا تو میرے خاوند نے اپنے بیٹوں کے لئے کچھ پیغامات دیے، اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی مجھے اپنے زندہ رشتہ داروں کے نام پیغامات دیے، وہاں مجھے کچھ مردہ روحوں سے ڈر لگتا تھا وہ کالی اور خوفناک تھیں لیکن کچھ دلکش اور خوبصورت بھی تھیں۔ میرا خاوند جب فوت ہوا تو اس کی عمر ۷۶ سال تھی لیکن وہاں بالکل نوجوان نظر آ رہا تھا۔ میرے دو بچے جو پہلے سے فوت ہو چکے تھے وہ بھی میرے خاوند کے ساتھ ہی تھے، میں اس پر بہت حیران ہوئی، میں نے ان میں سے ایک ہی دیکھا ہوا تھا ایک تو پیدائش سے پہلے ہی مر گیا تھا، وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میرے دل میں اس کیلئے ممتا جاگ اُٹھی، میرا ایک بچہ جو پندرہ سال پہلے فوت ہوا تھا، اس وقت اس کی عمر ایک سال تھی لیکن میں نے وہاں اسے پندرہ سال کا نوجوان دیکھا۔ مسز ڈیانا نے یہ بھی بتایا کہ

''روحیں اس طرح نہیں گاتیں جس طرح ہم گاتے ہیں، ان کے کپڑے بھی کھلے کھلے تھے، نہ ہی روحیں بات چیت کیلئے زبان اور منہ کا استعمال کرتی تھیں، بغیر الفاظ کے ہر کوئی دوسرے کو سمجھتا تھا، میں ان کے خیالات کو بھی پڑھ سکتی تھی، یہ زبان جاننے سے بھی زیادہ آسان لگا۔ انہوں نے مجھے کہا تین چار سالوں کیلئے واپس زمین پر چلی جاؤ اور اپنے بچوں کی پرورش کرو، اس پر بالآخر میں مان گئی''۔

اس خاتون نے مزید بتایا کہ ''مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام (Christ) سے ملنے کا خیال تھا لیکن یہ بات پوری نہ ہوئی، انہوں نے کہا تم جو اندھیرے میں تھی اس کی یہی وجہ تھی، اب مجھے پتہ چلا ہے کہ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہئے تھا، وہاں ہم ایسے ہی ہونگے جیسے یہاں دنیا میں ہوتے ہیں، ہم اپنی خوشی کے خود معمار ہیں، وہاں مجھے کوئی جنت یا دوزخ کی جگہ نظر نہیں آئی، صرف ایک زندگی تھی جو یہاں سے بہت زیادہ مکمل اور

خوبصورت تھی، یہ دنیاوی زندگی کی طرح ہرگز نہیں، میں جو کچھ بتا رہی ہوں وہ میرے ذہن پر نقش ہو چکا ہے، میں جب مر رہی تھی تو مجھے یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں بے ہوش ہو رہی ہوں یا مر رہی ہوں بلکہ ایسے لگا جیسے ایک زندگی سے دوسری زندگی میں داخل ہو رہی ہوں"۔

"وہاں موجود روحوں (Spirits) نے مجھے بتایا کہ مزید ترقیوں کیلئے انہیں اپنے اعمال پر پشیمانی ہوئی اور توبہ مانگنا پڑی، جب تک انہوں نے یہ نہیں کیا وہ ناخوش رہے۔ وہاں ایک ایسی روح سے بھی میری ملاقات ہوئی جس کو میں پہلے تو سمجھی کہ شاید یہی خدا ہے، بعد میں مجھے خیال آیا کہ شاید یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں لیکن پھر اصلیت معلوم ہوئی کہ یہ روشن روح دوسروں کو تعلیم دیا کرتی ہے، اس کے بعد بھی میں نے ایسی کئی روحیں دیکھیں جو دوسروں سے بہت مختلف ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہر روز سیکھنے میں گزرتا ہے جس سے روحانی ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ (کتاب روح کی تلاش۔ صفحہ ۶۹۔۷۱ Search for the Soul)۔

4۔ نومبر 1889ء کو امریکی رسالہ Louis Medical and Surgical Journal میں ایک میڈیکل ڈاکٹر اے۔ ایس۔ ولٹز (Dr. A.S. Wiltse) کا اپنا واقعہ چھپا جو مرنے کے بعد زندہ ہو گئے تھے، انہوں نے بتایا کہ "میں کچھ دیر کے لئے بے ہوش ہو گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس جسم کو چھوڑ رہا ہے، ایسے معلوم ہوا جیسے میں جھولا جھول رہا ہوں، پاؤں میں کچھ ہلکی ہلکی خارش ہو رہی ہے اس وقت میرا نفس جسم سے سر کے راستہ علیحدہ ہو گیا۔ ایک بلبلہ کی مانند کمرہ کی فضا میں، کبھی اوپر کبھی نیچے جاتا اور پھر زمین سے ٹکرایا اور میرے اپنے جسم کی سی شکل اختیار کر لی۔ میں نے خاص طور سے یہ دیکھا کہ میرے نفس اور جسم کے درمیان ایک ربڑ نما باریک ڈوری تھی جو کھلتی جاتی لیکن ٹوٹنے نہیں پاتی۔ میں نے دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے لیکن سخت افسوس تھا کہ کسی فرشتہ نے خوش آمدید نہیں کہا۔ پھر مجھے کسی نے اوپر گہرے کالے بادلوں میں اٹھا لیا، اس میں آگ ہی آگ کے شعلے تھے جو ڈرا رہے تھے جس سے میں بہت زیادہ خوفناک ہو گیا، دور نیچے چٹانوں کے سلسلے نظر آئے۔ میں نے سوچا کہ شاید ان چٹانوں کے نیچے میرا ہمیشہ رہنے کا مقام ہے، اسی موقع پر مجھے اختیار (Choice) دیا گیا کہ اگر چاہوں تو واپس چلا جاؤں۔ اس وقت ایک سیاہ بادل نے مجھے ڈھانپ لیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو اپنے بستر پا لیٹا پایا۔ کمرے میں جو لوگ تھے ان کا خیال تھا کہ ڈاکٹر مر چکا ہے۔ اس کا اپنا خیال ہے کہ وہ تقریباً ۳۰ منٹ تک مردہ رہا۔ (کتاب "Search for the Soul" صفحہ ۷۲۔۷۱)

5- ایک واقعہ مسٹر جان پکرنگ (John Puckring) کا ہے جو رسالہ "روحانی دنیا Spiritual Herald" میں ۵ جون 1935ء کو چھپا۔ پکرنگ ۵۸ سال کا آدمی ہسپتال میں مر گیا۔ برمنگھم ہسپتال کے ڈاکٹر پرسیال ملر (Dr. Persval Miller) نے بتایا کہ ہم نے اپنی ہر طرح کی کوشش کر لی لیکن اس کی زندگی نہ بچا سکے لیکن تقریباً ۵ منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں، اس دوران پکرنگ نے جو کچھ بتایا اس کا مختصر بیان یہ ہے۔ "میں نے دیکھا کہ کمرہ میں ایک دھندسی بھر گئی، اچانک اس دھند میں ایک تیز روشنی چمکی جس سے ہر چیز صاف نظر آنے لگی، اب مجھے سکون اور خوشی کا عجیب احساس تھا، وہاں سے ایک نہایت خوبصورت بلڈنگ میں پہنچا دیا گیا، وہاں بڑے بڑے ستون تھے، بہت بڑا ہال تھا جس کی کوئی چھت دیواریں اور فرش نہیں تھا۔ وہاں مجھے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔ ان کے لباس ایسے ہی تھے جیسے عام لوگ زمین پر پہنتے ہیں۔ میں نے ان

میں سے ایک شخص کو پہچان لیا یہ ہمارے شہر کا پوسٹ مین (Postman) تھا جس کا پانچ سال پہلے انتقال ہو چکا تھا، اس پر مجھے احساس ہوا کہ میں بھی مر چکا ہوں، اس کے بعد میں نے اپنی بیوی کو ڈھونڈنا شروع کیا جس کا انتقال پندرہ سال پہلے ہوا تھا، ابھی اس کی تلاش جاری تھی مجھے واپس بھیج دیا گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس بستر پر پایا۔ میں ہرگز واپس نہیں آنا چاہتا تھا لیکن اب دوبارہ زندہ ہونے کے بعد مجھ میں موت کا خوف ختم ہو گیا ہے۔ میں ایک اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں تاکہ مرنے کے بعد بھی مجھے بہتر مقام مل سکے"۔ (کتاب "Search for the Soul" صفحہ ۷۴۔۷۳)

6- ایک اور واقعہ ایک پادری آرتھر فورڈ کا ہے۔ یہ واقعہ امریکی رسالہ (Unknown and known) میں 1968ء میں بھی چھپا ہے۔ 1971ء میں روتھ منٹگمری کی کتاب A World Beyond میں بھی چھپا ہے۔ آرتھر فورڈ کے مطابق یہ واقعہ 1968ء میں کارل گیسل ہسپتال فلوریڈا میں پیش آیا۔ "میرے جسم میں شدید درد تھا، نرس نے مجھے بے ہوشی کا ٹیکہ لگایا تاکہ میں آرام سے سو سکوں لیکن اس دوران مجھے عارضی موت آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے بستر کے اوپر تیر رہا ہوں پھر وہاں سے باہر لایا گیا اور میں نے اپنے آپ کو وادیوں اور پہاڑوں کے اوپر اڑتے ہوئے پایا۔ سامنے ایک بہت ہی چمکدار مختلف رنگوں والی روشنی تھی جس کی طرف میں جا رہا تھا، وفات پائے ہوئے دوست اور واقف کار میرے ارد گرد جمع ہو گئے، جو زندگی میں بوڑھے تھے وہ بھی جوان معلوم ہوتے تھے۔ وہ مجھے ایک خاص جگہ دکھانے کیلئے لے گے وہ کون سی جگہ تھی اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، پھر جب مزید اوپر لے کر گئے تو وہاں ایک اور روشن جسم تھا۔ اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ کون تھا، پھر جب مزید اوپر لے کر گئے تو وہاں ایک اور روشن جسم تھا۔ اس نے مجھے واپس زمین کی طرف بھیج دیا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو نرس نے بتایا کہ میں پندرہ دن بے ہوش رہا ہوں"۔ (کتاب "Search for the Soul" صفحہ ۷۵۔۷۴)

باب نمبر 31

حیات بعد الموت پر ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی سائنسی تحقیقات

جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آج کل روحوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے اور ان سے مختلف کام لینے کے لئے مغربی دنیا میں بڑا کام ہو رہا ہے ان کے مقاصد کچھ بھی ہوں لیکن اس کام سے روحوں کا وجود کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ہم ڈاکٹر موڈی جو اس میدان میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں کی تحقیقات کا ذکر کریں گے۔

(Reference Raymond A. Moody, JR. "Life after Life", The investigation of a Phenomenon - Survival of Bodily Death., Book First Published in 1975, Mockingbird books , Covington Georgia 30209)

ڈاکٹر موڈی نے فرداً فرداً تقریباً ۱۵۰ ایسے اشخاص کا مطالعہ کیا جن کو ڈاکٹروں نے طبعی طور پر مردہ قرار دے دیا تھا لیکن بعد میں وہ معجزاتی طور پر زندہ ہو گئے تھے۔ 1970ء میں جب انہوں نے اس تحقیق کا آغاز کیا تو اس کیلئے انہوں نے امریکہ کے مختلف ہسپتالوں کے ساتھ مسلسل الیکٹرانک رابطہ کا نظام قائم کیا اور ایک سوال نامہ وضع کیا جو مر کر زندہ ہونے والے آدمی کو دیا جاتا تھا۔ وہ ان انوکھے تجربات کا تین اقسام میں تجزیہ کرتے ہیں۔

1۔ ایسے لوگوں کے مشاہدے اور تجربات جنہیں واقعتاً ڈاکٹروں نے طبعی طور پر مردہ قرار دیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ زندہ ہو گئے۔

2۔ ایسے لوگوں کے تجربات اور مشاہدات جو کسی حادثہ کی وجہ سے یا سخت چوٹ کی وجہ سے یا بیماری کی شدت کی وجہ سے طبعی موت کے بہت نزدیک پہنچ گئے تھے لیکن حقیقت میں مرے نہیں تھے۔

3۔ ایسے لوگوں کے تجربات اور مشاہدات جو فوت ہو گئے اور دوبارہ زندہ نہ ہوئے لیکن مرنے سے تھوڑا عرصہ پہلے انہوں نے اپنے مشاہدات پاس کھڑے لوگوں کو بتائے۔

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اپنی تحقیقات کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: (صفحات 23-21)

''اسکے باوجود کہ مختلف لوگ مختلف صورتوں اور علیحدہ علیحدہ وجوہات کے تحت موت سے دوچار ہوئے اور یہ لوگ ایک دوسرے کو جانتے

تھے نہ کبھی ملے تھے لیکن جو کچھ انہوں نے بیان کیا اور مرنے کے بعد ان کے ساتھ پیش آیا، اس میں غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے۔ آسانی سے پندرہ ایسے منظر چنے جاسکتے ہیں جو ہر آدمی کی کہانی میں موجود تھے۔ ملتے جلتے مشاہدات کے نکات کی بنا پر مندرجہ ذیل میں ایک مثالی اور مکمل مشاہدہ پیش کیا جاتا ہے۔

''ایک آدمی موت کے ساتھ دوچار ہو رہا ہے، جیسے ہی وہ انتہائی کرب کے نقطہ کو پہنچتا ہے اور مرنے لگتا ہے تو وہ سنتا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کو مردہ قرار دے دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ انتہائی مہیب اور بیزار کرنے والا شور سننے لگتا ہے۔ اونچی آواز والی گھنٹیاں اور بھنبھناہٹیں سنائی دیتی ہیں اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے ایک تنگ، لمبی اور اندھیری سرنگ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اچانک اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے جسمانی بدن سے باہر نکل چکا ہے لیکن گرد و پیش کو وہ نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اردگرد جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسے سمجھتا بھی ہے۔ اس کو اپنا مادی جسم بھی نظر آ رہا ہوتا ہے گویا وہ از خود ایک تماشائی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کے بدن کو ڈاکٹر اور نرسیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے جسم کی یہ حالت دیکھ کر وہ خود کو ایک بے قراری اور اضطرابی کیفیت سے دوچار پاتا ہے لیکن کچھ وقفے کے بعد اس کی پریشانی جاتی رہتی ہے۔ اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اپنا بھی کوئی جسم ہے لیکن یہ جسم پرانا جسم نہیں جو سامنے پڑا نظر آتا ہے بلکہ وہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو دوبارہ ایک شخصیت محسوس کرتا ہے لیکن الگ قسم کی۔ اس کی طاقتیں بھی اس طبعی بدن سے مختلف ہیں جس کو وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ وہ اپنے سامنے کے حالات و واقعات دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہاں کمرے میں کچھ لوگ اس سے ملنے یا اس کی مدد کرنے کیلئے آئے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ رشتہ داروں اور دوستوں سے جو پہلے مر چکے تھے ان کو بھی وہیں اپنے استقبال کیلئے پاتا ہے۔''

''وہیں وہ اپنے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھتا ہے جو اسے لے کر وہاں سے کسی اور منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ شہر کے اوپر اڑ رہا ہے اور سب ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، پھر وہ ایک تاریک غار میں سے گزرتا ہے۔ وہاں اسے ڈر اور خوف محسوس ہوتا ہے لیکن غار کی دوسری طرف روشنی نظر آتی ہے۔ جب وہاں پہنچتا ہے تو ایک روشنی کا وجود دیکھتا ہے جس میں بڑا سکون اور پیار ہوتا ہے۔ ایسا نوری سماں اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ اس نوری وجود کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ وہ اس سے زبانی ہم کلام نہیں ہوتا لیکن ایسے لگتا ہے جیسے دماغی طور پر بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ نوری وجود اس سے اس کی زندگی کے متعلق سوال پوچھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس آدمی کو اپنی پوری دنیاوی زندگی کا خاکہ نظر آنے لگتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نوری وجود نے اس کی دنیاوی زندگی کے مناظر اور واقعات کی فلم کو چلا دیا ہے لیکن اچانک اسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اسے کہہ رہا ہو کہ ابھی اس کو دنیا میں واپس چلا جانا چاہئے، ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔ اب وہ اس نئی دنیا سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ واپس نہیں جانا چاہتا۔ اس وقت اس کے ساتھی (فرشتے) اسے زبردستی واپس لے آتے ہیں۔ پھر وہ دوبارہ اسی تاریک غار سے گزرتا ہے اور واپس آ کر اپنے جسم کو دیکھتا ہے۔ وہ اس میں دوبارہ داخل نہیں ہونا چاہتا لیکن زبردستی اس کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس

لئے کہ ابھی اسے کچھ مزید عرصہ دنیا میں زندہ رہنا ہے۔" (Page 21,22,23,)

کنکٹیکٹ (Connecticut) یونیورسٹی یو ایس اے کے سائنسدان کینتھ رِنگ (Kenneth Ring) نے بھی ایک سو بیں ایسے لوگوں پر تحقیق کی ہے جو کسی بیماری، حادثہ یا خودکشی کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان میں سے تقریباً آدھے لوگوں نے وہی مشاہدات دہرائے جن کا موڈی کے بیانات میں تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ (بحوالہ "لائف آفٹر ڈیتھ" نیو یارک کاورڈ، میکن اور گینگھگن 1980ء) "اول شدید ابتلاء پھر "سکوت یا امن" پھر دنیاوی جسم سے علیحدگی اس کے بعد اندھیری سرنگ (Dark Tunnel) میں دخول اور اس کے بعد نوری وجود کا نظر آنا اور نور میں دخول ہے" اکثر لوگوں کو یہ پانچوں مراحل اسی ترتیب سے نظر آئے یا محسوس ہوئے لیکن بعض اوقات واقعات کا سلسلہ اس سے مختلف بھی تھا۔ تقریباً ساٹھ فیصد لوگوں نے کہا کہ موت کے فوری بعد سکوت چھا گیا۔ البتہ نور میں سما جانا اتنا عام تجربہ نہیں تھا۔ کینتھ رِنگ کے گروپ کے صرف دس فیصد لوگ ہی اس آخری تجربہ سے دوچار ہوئے۔ (مزید تفصیلات اگلے ابواب میں ملاحظہ فرمائیں)

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ جو تجربات اور مشاہدات موڈی اور رِنگ نے بیان کئے ہیں وہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہیں جو موت کے نزدیک تو پہنچے لیکن اس کی گہری وادیوں میں نہیں گئے بلکہ پہلے ہی واپس کر دیے گئے۔ ان واقعات میں انسانی ذات اپنے جسمانی وجود سے صرف عارضی طور پر الگ ہوئی تھی (جیسے خواب میں بھی ہوتا ہے) یہ وہ حقیقی موت نہیں تھی جس کے بعد انسانی نفس اس دنیا سے پوری طرح کٹ جاتے ہیں اور دوسرے عالم میں مستقل طور پر چلے جاتے ہیں اور پھر کبھی واپس نہیں آسکتے۔ اس لئے یہ عالم برزخ کے واقعات نہیں بلکہ جانکنی سے پہلے یا اس کے فوری بعد کے حالات ہیں۔

(اس سلسلہ میں ہمارے ملک ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک صاحب نور محمد صاحب نے جو کچھ روحانی اثرات کی وجہ سے فقیری کی طرف مائل ہوگئے تھے، دو کتابیں "عرفان" کے نام سے 1936ء میں لکھیں جن میں نیم مرنے والوں کے بارے میں عملی مشاہدات تحریر کئے ہیں ان کے بیانات تقریباً موڈی کے مشاہدات جیسے ہیں)۔

31.1 مرکر زندہ ہونے پر قدیم یونانی حکما کے مشاہدات

قدیم حکماء میں سے افلاطون (Plato) 428 قبل مسیح سے 348 قبل مسیح جس کا شمار دنیا کے چند عظیم داناؤں میں ہوتا ہے وہ بھی موت کے بعد والی زندگی پر یقین رکھتا تھا اور اس کی تبلیغ بھی کرتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ حیات بعد الموت پر یقین رکھتا تھا بلکہ اس عظیم فلسفی نے بھی بے شمار

تجربات اور مشاہدات کئے جن سے حیات بعد الموت ثابت ہوتی ہے۔ ریمنڈ موڈی اپنی کتاب صفحہ ۱۱۵۔۱۱۹ افلاطون کی تحقیقات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''افلاطون کی تحریروں میں موت کے تجربات کثرت سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی ہو بہو ان مشاہدات اور تجربات سے ملتے جلتے ہیں جو میری (Ramond Moody) کی کتاب کے پچھلے ابواب میں بیان ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر افلاطون موت کی یہ وضاحت کرتا ہے کہ زندہ آدمی کا مادی جسم جب روحانی نفس سے الگ جاتا ہے تو یہ مردہ حالت میں چلا جاتا ہے اور انسان کا روحانی نفس اپنے مادی جسم کی پابندیوں سے مبراء ہو جاتا ہے جو اس مادی بدن کی وجہ سے ہیں۔ یعنی یہ مادی بدن اپنے بوجھ کی وجہ سے حرکت اور رفتار وغیرہ کے سلسلہ میں محدود ہے لیکن روحانی نفس ان بندھنوں سے آزاد ہے۔ افلاطون کا وقت کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ یہ اس طبعی زندگی ہی کا ایک عنصر ہے اور موت کے بعد والی زندگی میں طبعی وقت کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہاں پر دوسرے ابدی عناصر ہیں جو وقت پر بھی غالب ہیں یعنی موت کے بعد ہم ابدیت میں داخل ہو کر وقت کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔''

''افلاطون اپنے بیانات میں یہ بات بھی زیر بحث لاتا ہے کہ انسانی نفس جب مادی جسم سے الگ کیا جاتا ہے تو اس کی ملاقات ان نفوس سے ہوتی ہے جو اس سے پہلے دنیا سے جا چکے ہوتے ہیں۔ وہ ان سے بات چیت بھی کرتا ہے اور وہ بھی اس سے دنیا کے حالات معلوم کرتے ہیں۔ وہ نو وارد کی تسلی تشفی بھی کرتے ہیں اور درپیش آئندہ سفر میں اس کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ ''وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ''مرنے والے نفوس کے ذہن میں ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایک کشتی آئے گی جو ان کو اس دنیا کے پار دوسرے کنارے تک لے جائے گی جہاں انہیں موت کے بعد رہنا ہوگا''۔ افلاطون اپنی تحقیق کے دوران کئی ڈرامائی مناظر پیش کرتا ہے اور بڑے جچے تلے حقائق اور نکتے پیش کرتا ہے وہ اپنی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ''یہ ارضی جسم انسان کیلئے ایک قید خانہ ہے۔ موت ان قیود سے آزادی کا نام ہے اور پھر انسان ایک وسیع تر جہاں میں پہنچ کر سکھ کا سانس لیتا ہے۔

(''ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں ''**الدنیا سجن المومن** ''یعنی مومن کیلئے یہ دنیا قید خانہ کی مانند ہے اور کافر کیلئے موت کے بعد آنے والی زندگی قید خانہ ہوگی'')

افلاطون کے مطابق ''یہ دنیاوی زندگی ناسمجھی کی زندگی ہے۔ اپنی پیدائش سے پہلے انسانی نفس شعور کی اونچی منازل پر قائم ہوتا ہے۔ وہاں سے اتر کر وہ اس مادی جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ ہستی اس کیلئے سو جانے اور بھول جانے والی بات کی مانند ہے۔ دنیاوی جسم میں داخل ہونے سے پہلے انسانی نفس کے پاس جو اونچا ادراک تھا وہ مادہ جسم کی کثافت کی وجہ سے دھندلا جاتا ہے اور وہ سب حقائق اور سچائیاں جو اس سے

پہلے معلوم تھیں، انہیں بھول جاتا ہے۔ اس لئے موت درحقیقت جاگنے اور پرانی یادیں واپس لانے کا دوسرا نام ہے جس کے بعد انسان کا شعور بہت تیز ہو جاتا ہے" اقبال بھی اس مضمون کو یوں بیان کرتے ہیں:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے!!!

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

افلاطون کے مطابق "انسانی نفس جب مادی جسم سے علیحدہ ہوتا ہے تو وہ چیزوں کی فطرتی حقیقت کو سمجھنے کا بہت شعور رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں موت کے فوراً بعد آدمی کو اس کے مستقبل کے بارے میں آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ مقدس ہستی اس کے سامنے اس کے دنیا میں کیئے ہوئے اچھے اور برے اعمال کھول کر رکھ دیتی ہے"۔ (سورۃ التکاثر کی ابتدائی آیات پر غور فرمائیں)

31.2 قدیم چینی اور تبتی مشاہدات و تجربات

ڈاکٹر موڈی اپنی کتاب صفحہ 119۔221 میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یونانی فلاسفروں کے علاوہ زمانہ قدیم سے چین اور تبت کے دانشور بھی اس یقین پر قائم تھے کہ موت کے بعد انسانی نفس قائم رہتا ہے۔ مسلسل ریاضتوں اور عبادتوں سے بعض تبتی لاما اور ہندو یوگی تو عارضی طور پر اپنے نفس کو اپنے جسد خاکی سے الگ بھی کر لیتے تھے اور اس طرح زندگی ہی میں وہ اپنے نفس کو جسد خاکی سے آزاد کر کے ماضی اور مستقبل میں بڑی آسانی سے جا سکتے تھے اور ایسی روحانی بلندیوں پر پہنچ جاتے جہاں وہ آگے پیچھے ہر طرف دیکھ کر واقعات اور حالات کی پیشگوئی کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔" ریمنڈ موڈی نے ایک تبتی کتاب (Tibetan Book of Dead) سے بھی حوالے دیئے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو کہ زمانہ ماقبل از تاریخ تبت کے دانشوروں کو زبانی طور پر پڑھائی جاتی تھی اور یوں سینہ بہ سینہ یہ علم چلتا رہا۔ آخر ان باتوں کو کتابی شکل آٹھویں صدی عیسوی میں دی گئی۔ اس کتاب میں طبعی موت کے بعد اگلے جہاں میں انسان کے سفر کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ موڈی کہتا ہے کہ اس کتاب میں دیئے گئے موت کے فوراً بعد کے واقعات کا ان مشاہدات کے ساتھ خوب موازنہ کیا جا سکتا ہے جو اس نے خود ان لوگوں کے بارے میں اکٹھے کئے ہیں جو موت کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

باب نمبر 32

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی کتاب سے مر کر زندہ ہونے والوں کے تفصیلی اقتسابات اور اسلامی تجزیات

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی جن کی کتاب (Life After Life) کا حوالہ ہم پہلے بھی دے چکے ہیں ذیل میں اس سے چیدہ چیدہ اقتسابات دیئے جا رہے ہیں۔ مناسب جگہوں پر اسلامی روایات کے حوالہ سے ان کا تجزیہ بھی کیا ہے:۔

یاد رہے کہ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اور دوسرے سائنسدانوں کے حیات بعد الموت کے بارے میں مشاہدات اس تھوڑے سے وقفے پر مشتمل ہیں جس میں روح اور جسم کا رابطہ ابھی باقی ہوتا ہے یعنی یہ موت اور زندگی کے اتصال کا مقام ہے جس میں نفس ابھی جسم کے ساتھ معلق ہوتا ہے یہاں سے زندگی کو واپسی ممکن ہے۔ اس سے اگلی منزل ہیشگی کی موت ہے جس سے واپسی ناممکن ہے۔ اس تناظر میں اب مندرجہ ذیل واقعات پر غور فرمائیں:۔

32.1 کئی سمتی دنیا

ایک صاحب جو اپنے بیان سے سائنسدان معلوم ہوتے ہیں اپنے احیاء بعد الموت کے واقعہ میں سناتے ہیں۔ ''میرے لئے اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں صرف تین جہتی دنیا (Three Dimensional World) کو جانتا ہوں اس لئے نہ میرے پاس ایسے الفاظ ہیں نہ ایسے استعارے ہیں کہ میں وہاں کے حالات آپ کو بتا سکوں۔ دوسری دنیا یقیناً تین جہتی دنیا نہیں، اس لئے میں وہاں کی صحیح اور پوری تصویر دینے سے قاصر ہوں''۔ (صفحہ۔۲۶)

32.2 دم گھٹنا (جان کنی اور وقت نزع کی تکلیف)

اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے لوہے کا ایک ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا گیا ہے اور کس دیا ہے میں نے اپنے آپ کو سخت اندھیرے میں پایا اور ایسے لگا جیسے خلا میں دھکیل دیا گیا ہوں۔ (صفحہ۔۲۷)

(قرآن کریم بھی یہی بتاتا ہے کہ موت کی تکلیف سب کو ہوتی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ لیکن کوئی بھی اس سے بچا نہیں، اسلام میں اس کو جان کنی کی تکلیف کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی تکلیف سے پناہ مانگنے کیلئے کہا ہے۔

(بخاری) حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری میں فرماتے "اے اللہ موت کی سختی میں میری مدد فرما")۔

32.3 سیاہ تاریک راستہ

اکثر لوگوں نے بتایا کہ کس طرح موت کے فوری بعد انہیں ایک سیاہ تاریک راستہ والی سرنگ (Tunnel) میں ڈال دیا گیا۔ مثلاً ایک لڑکے نے بتایا کہ "جیسے ہی وہ مرنے لگا پہلے شدید شور سنا پھر میں نے اپنے آپ کو ایک انتہائی تاریک راستہ سے گزرتا پایا جیسے یہ کوئی گندے پانی کا گڑ ہو، میں آگے جا رہا تھا اور شور مجھے کھائے جا رہا تھا"، بعض نے کہا کہ تاریک راستہ میں سے گزرنا ایسے لگا جیسے خلا میں سے گزر رہے ہوں، جس سے دم گھٹتا ہے اور نہایت تکلیف دہ احساس ہوتا ہے لیکن کچھ لوگوں کا تجربہ مختلف تھا۔

بہت سے لوگوں نے بتایا کہ موت کے بعد بہت ہی خوفناک شور سنا، مثلاً ایک آدمی جو پیٹ کے آپریشن کے بعد ۲۰ منٹ کیلئے مر گیا تھا اس نے بتایا "میں نے شدید گھنٹی نما شور سنا جو بڑا تکلیف دہ تھا یہ اس قدر تکلیف دہ شور تھا جسے میں بھول نہیں سکتا"۔

ایک عورت نے بتایا کہ موت کے بعد اس نے شدید بھیں بھیں کا شور سنا، پھر ایک دھماکہ کی طرح شور ہوا، پھر ایسے سیٹی کی آواز تھی جیسے طوفان آگیا ہو۔ (صفحہ ۳۰)۔

(قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ "فرشتے جب گنہگاروں کی زندگی لیتے ہیں تو منہ اور جسموں کو مارتے ہیں)"۔

32.4 موت کے بعد سکون

اکثر لوگ سناتے ہیں کہ موت کی تکلیف کے فوری بعد انہیں بڑا سکون ملا۔ ایک صاحب جن کا بیان ہے کہ زخم پر شدید درد کی لہر اٹھی لیکن اسکے بعد سکون آگیا، "مجھے ایسے لگا جیسے میں اندھیروں میں تیر رہا ہوں مجھے اتنا سکون ملا اتنا زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا"۔

ایک فوجی جو کہ زخمی ہوگیا تھا اس نے بتایا کہ "جیسے ہی مجھے (بم) کے چھرے لگے مجھے ہرگز کوئی درد نہیں ہوئی بلکہ میرے اوپر سکوں چھا گیا اتنا سکون میں نے زندگی بھر محسوس نہیں کیا، کیا ہی اچھا احساس تھا"۔ (صفحہ ۲۹)

32.5 اپنے جسم اور ماحول کو دیکھنا

مرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے یہ دیکھا کہ ان کی روح، جسم سے علیحدہ ہوگئی، اس کی شکل ہمارے جسم کی شکل سے ملتی جلتی ہے لیکن سائز میں بڑی اور وزن میں انتہائی لطیف ہے یہ نفس مردہ جسم اور اردگرد کے ماحول کو باہر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اپنے جسم کے اردگرد ہونے والے

واقعات کو جس تفصیل سے کچھ لوگوں نے سنایا انہوں نے ڈاکٹروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ان میں سے چند واقعات دیے جاتے ہیں۔

32.6 دل کا حملہ

ایک عورت نے بتایا کہ "ہسپتال میں دل کے حملہ کے بعد مجھے داخل کرلیا گیا، وہیں مجھے دوسرا حملہ ہوا، پھر میرا سانس بند ہوگیا اور دل کی حرکت بھی بند ہوگئی۔ میں نے نرسوں کو کہتے سنا کہ کوڈ پنک،(Code Pink)۔اس وقت میں نے اپنے آپ کو بیڈ سے اُٹھتے دیکھا اور کمرے میں چھت کے قریب پہنچ گیا میں نے دیکھا کہ کئی نرسیں میرے جسم کے اردگرد اکٹھی ہوگئیں تقریباً ایک درجن تو ضرور ہوں گی۔اس وقت میرا ڈاکٹر جو راؤنڈ پر تھا میں نے اسے بھی آتے دیکھا، میں نے دیکھا کہ وہ مجھے بچانے کی بہت کوشش کررہے تھے، ایک نرس نے مجھے بجلی کے جھٹکے دیے۔ میں نے دیکھا کہ کیسے میرا سارا جسم جھٹکوں پر اُٹھ جاتا تھا، پھر میں نے دیکھا کہ وہ میری چھاتی کو مار رہے تھے میرے بازوؤں کو اوپر نیچے کررہے تھے تو میرے جسم کے اندر کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں سوچتی تھی کہ یہ ایسا کیوں کررہے ہیں میں تو ٹھیک ہوں"۔(صفحہ۳٦)

32.7 کار کا ایکسیڈنٹ

ایک آدمی نے بتایا کہ "میری کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، رات کا وقت تھا کہ دوسری طرف سے آتی ہوئی کار کے ساتھ ہیڈ آن ٹکر ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں سخت اندھیرے سلنڈر میں سے گزر رہا ہوں یہ بہت جلدی طے ہوگیا، پھر میں نے دیکھا کہ میں کار سے تقریباً پانچ گز دور ہوا میں معلق تھا، میں نے ایکسیڈنٹ کی آواز کو کم ہوتے سنا، میں نے لوگوں کو ادھر ادھر سے ایکسیڈنٹ کی طرف بھاگتے ہوئے آتے دیکھا، مجھے میرا دوست کار سے نکلتا بھی نظر آیا جو کہ شدید صدمہ کی حالت میں تھا۔ میں اپنا جسم بھی کار میں پھنسا ہوا دیکھ رہا تھا لوگ اسے نکالنے کی کوشش کررہے تھے میری ٹانگیں مڑ چکی تھیں اور ہر طرف خون ہی خون بہہ رہا تھا۔"

32.8 مردوں کی زندوں سے بات چیت کی کوشش

ایک عورت نے جس کا سانس بند ہوگیا اور ڈاکٹر مصنوعی سانس دے کر اس کی جان بچانے کی کوشش کررہے تھے بتایا "میں نے باہر سے دیکھا کہ وہ مصنوعی سانس سے میری زندگی بچانے کی کوشش کررہے تھے میں ان سے بات کرنا چاہتی تھی، اگرچہ میں ان کے بہت قریب تھی لیکن کوئی میری طرف توجہ نہیں کررہا تھا، کوئی آدمی میری بات نہیں سن رہا تھا"۔

32.9 نفس (Self) چیزوں کے اندر سے گزرنا

کئی لوگوں نے بتایا کہ ان کا نفس (Self) اس قدر لطیف بے وزن اور سرعت والا تھا کہ کثیف چیزوں کے اندر سے گزر جاتا اور آرپار

دیکھ لیتا تھا۔ مثلاً ایک عورت نے اپنی کار کے حادثہ کے بعد بتایا کہ ''جب میں مر چکی تھی تو ڈاکٹر اور نرسیں میرے جسم کو زندہ کرنے کیلئے میری چھاتی پر مکے مار رہے تھے میں انہیں بار بار کہہ رہی تھی کہ مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو، لیکن کسی کو اپنی بات سنا نہیں سکتی تھی۔ میں نے پھر انہیں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس کا احساس نہیں تھا مجھے احساس تھا کہ میں ان کو چھو رہی ہوں لیکن وہ میرا لمس محسوس نہیں کر رہے تھے۔ میں لوگوں کو اپنی ایکسیڈنٹ شدہ کار کے ملبہ کے ارد گرد جمع ہوتے تنگ پگڈنڈی پر کھڑی دیکھ رہی تھی لیکن وہ مجھ سے بے خبر تھے، وہ میرے اندر سے گزر رہے تھے اور انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا''۔ (صفحہ ۴۵)

32.10 نفس کی کیفیت اور خصوصیات

ڈاکٹر وں موڈی لکھتا ہے کہ تقریباً ہر شخص نے بتایا ہے کہ نفس (Spirit Body) بہت لطیف تھا جیسے اس کا کوئی وزن نہ ہو، اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ دروازوں، دیواروں کے آر پار بآسانی گزر سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا، لوگوں کو سن سکتا تھا لیکن زندہ لوگ اس کو نہ محسوس کر سکتے تھے، نہ دیکھ سکتے تھے، نہ سن سکتے تھے، نہ ہی چھو سکتے تھے اور یہ بھی کہ جسم وقت کی پابندیوں سے آزاد تھا، وہ آگے پیچھے مستقبل حال ماضی میں جھانک سکتا۔

''(رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ھے کہ مردہ پہچانتا ھے جو اس کو نہلاتے ھیں، کفن پہناتے ھیں، اس کا جنازہ اُٹھاتے ھیں، اس کو قبر میں دفن کرتے ھیں، وہ ان کی باتیں سنتا ھے جواب دیتا ھے لیکن لوگ اس کی باتیں نھیں سنتے)''۔(مشکٰوۃ)

ایک آدمی نے بتایا کہ ''وہ تیز گاڑی چلا رہا تھا کہ وہ ایک موڑ پر کنٹرول نہ کر سکا، کار ہوا میں اُڑی اور پھر میں نے دیکھا کہ سڑک کے نیچے ایک کھائی میں گر گئی، اس وقت میرے وقت کی حس ختم ہو گئی۔ میرا اپنے جسم سے رشتہ ٹوٹ گیا، میں اپنے جسم سے سر کی جانب سے باہر نکل آیا۔ میں اپنی Spirit Body کو بیان نہیں کر سکتا، گول تھی یا لمبوتری تھی، کیسی تھی مجھے احساس نہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک بادل کی طرح تھی جو اپنی شکل بدل سکتا ہے، جیسے میں باہر تھا میں نے محسوس کیا کہ ایک بوجھ اتر گیا ہے، میں بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا، ایسے لگتا تھا کہ وقت ٹھہر گیا ہے۔ اگرچہ حادثہ میں ہر چیز اچانک ہوتی ہے لیکن میں ایک ایک حرکت کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ میرے سامنے ایک فلم کی مانند ہو۔ میں نے دیکھا کہ میرے جسم کو زیادہ زخم نہیں آئے تھے صرف گردن مڑ گئی تھی اور ایک پاؤں زخمی ہوا تھا، مجھے کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ ہر چیز کافی دلچسپ معلوم ہوتی تھی۔ حادثہ کے وقت تو ایسے لگتا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ ہو رہی ہے اور میں ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہوں لیکن جب میں اپنے جسم سے پوری طرح باہر آ گیا تو وقت کا احساس بھی تیز ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے ہسپتال میں آپریشن تھیٹر میں کیسے لیکر گئے، مجھے اپنے متعلق یاد ہے کہ میں بالکل شفاف تھا مجھ سے چیزیں گزر سکتی تھیں اور میں چیزوں سے، جب میرا دل بند ہو گیا تو مجھے ایسے لگا جیسے میں ایک گولا ہوں۔ مجھے کسی جسمانی تکلیف کا احساس نہیں، میں اپنے جسم کو اور اس پر جو پیش آ رہا تھا تقریباً دس گز سے دیکھ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا جیسے کوئی زندہ سوچتا ہے''۔ (صفحہ ۵۰)

32.11 بصارت کی تیزی

ایک آدمی نے بتایا کہ جب وہ مر چکا تھا تو اس کے دیکھنے کی قوت (Vision) بہت زیادہ طاقتور ہوگئی اس نے کہا کہ "مجھے سمجھ نہیں آرہا ہے کہ میں کس طرح اتنی دور دیکھ سکتا تھا"۔ ایک عورت نے بتایا کہ "میں جب مرگئی تو میں نے دیکھا کہ میرا نفس (Spirit Body) جدھر چاہے ادھر دیکھ سکتا تھا، ایسے جیسے اس پر دیکھنے کی کوئی حد نہیں تھی"۔

ایک عورت نے بتایا کہ "میں نے دیکھا کہ وہاں بہت گہما گہمی تھی لوگ میری ایمبولینس کے اردگرد دوڑ رہے تھے، میں لوگوں کے خیالات کو پڑھ سکتی تھی اور جس شخص کو بھی دیکھتی وہ زوم (Zoom) کر کے میرے قریب آجاتا، میں خود اپنے جسم سے کئی گز کے فاصلہ پر کھڑی تھی، جب میں کسی کو دور سے دیکھنا چاہتی تو ایسے معلوم ہوتا کہ میرا کچھ حصہ وہاں پہنچ جاتا، مجھے ایسا لگا جیسے میں دنیا کے ہر کونے میں دیکھ سکتی ہوں"۔ (صفحہ ۵۲)

(قرآن کریم کی سورۃ التکاثر میں ھے کہ مرنے پر آدمی کا شعور کھل جاتا ھے اس پر غیب کے حقائق آشکار ہونے لگتے ھیں)۔فرمایا:-

> دنیا میں تمھیں غافل رکھا بھتات کی حرص نے ۔یھاں تک کہ قبروں کو بھیجے گئے ۔پس تم عنقریب جان جاؤ گے۔اور پھر (سن لو) تم عنقریب جان لو گے۔(سورۃ التکاثر 1-4)

32.12 سننے کی حس

مر کر زندہ ہونے والے لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ لوگوں کی باتوں کو سنتے تھے ہجوم میں ایک ایک کی بات سمجھتے تھے لیکن اپنا مدعا کسی کو نہ سنا سکتے تھے نہ بتا سکتے تھے، ایک خاتون نے اپنا مشاہدہ بتایا کہ "میں لوگوں کو اپنے جسم کے اردگرد کھڑے دیکھ رہی تھی میں ان کی باتوں کو سن اور سمجھ رہی تھی بلکہ مجھے ان کے اذہان کے خیالات کا بھی علم ہو رہا تھا میں ان کے بولنے سے پہلے سمجھ لیتی تھی کہ وہ کیا کہنے والے ہیں"۔ (صفحہ ۵۲)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتاھے کہ "مردہ قبر میں دفن ہونے سے پھلے جو باتیں کرتا ھے اس کو ماسوائے انسان کے باقی سبھی چیزیں سنتی ھیں"۔

(شاہ ولی اللہ دھلوی اپنی کتاب" حجتہ اللہ بالغہ" میں کھتے ھیں کہ "نفس Self جب جسم کو چھوڑتا ھے تو بدن پر جو کچھ گزرتا ھو وہ دیکھتا ھے، سنتا ھے اور اس کا پورا پورا احساس ھوتا ھے، وہ باتیں کرتا ھے لیکن عام آدمی اس کو سن نھیں سکتے بلکہ اس کو سمجھنے کیلئے بھی روحانی کان چاھیں"۔ شاہ ولی

اللہ صاحب لکھتے ھیں کہ "انسان کے علوم اور خیالات نفس کے ساتھ رھتے ھیں")۔

32.13 احساس تنہائی

اگر چہ آدمی لوگوں کو سن سکتا ہے، ان کے خیالات تک کو محسوس کرتا ہے، جدھر چاہے دیکھ سکتا ہے لیکن ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے بتایا کہ اس حالت میں ایک عجیب طرح کی تنہائی والی وحشت ہوتی ہے کہ جیسے کوئی ان کو دیکھ رہا ہے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں سنا سکتے، بالکل دنیا سے ان کا رشتہ پوری طرح کٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ احساس انتہائی مایوس کن ہے۔ ایک آدمی نے بتایا کہ وہ وہاں انتہائی زیادہ تنہائی کا شکار تھا۔

ایک آدمی نے بتایا کہ "میں عجیب تجربات سے گزر رہا تھا یہ سب اتنے خوبصورت تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، میں چاہتا تھا کہ میں کسی کو بتا سکوں لیکن مجبور محض تھا۔ مجھے یہ احساس کھائے جا رہا تھا کہ "بس کبھی بھی کسی کو بتا نہیں سکوں گا کہ میں نے کیا کچھ وہاں دیکھا"۔ اس احساس سے میرا دل ڈوب رہا تھا اور میں ڈپریشن (Depression) میں جا رہا تھا"۔ ایک اور شخص نے بتایا کہ "مجھے احساس تھا کہ میں بالکل تنہا ہوں، یہ ایک خوفناک احساس تھا"۔ (۵۳)

32.14 لوگوں سے ملاقات (صفحہ ۵۸۔۵۵)

ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ تنہائی کا یہ احساس اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کہ مرنے والا اپنے پہلے سے وفات شدہ دوستوں اور رشتہ داروں کو ملاقات کے لئے آتے ہوئے دیکھتا ہے، لیکن یہ ملاقات کس موقع پر ہوتی ہے اس کے بارے میں سب کا مشاہدہ یکساں نہیں۔

ایک عورت بچہ کی پیدائش کے موقع پر مر گئی اور بعد میں پھر زندہ ہوئی اس نے اپنا واقعہ یوں سنایا کہ "ڈاکٹر میری زندگی سے مایوس ہو گئے اور میرے رشتہ داروں کو بتا دیا کہ میں مرنے والی ہوں لیکن میں خود ہر بات سن رہی تھی۔ اس وقت میں نے اپنی ملاقات کیلئے بیشمار لوگوں کو آتا دیکھا، وہ چھت کے ساتھ تیرتے نظر آ رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو مر چکے تھے، میں نے ان میں اپنی دادی کو پہچان لیا، وہیں میری سکول کی سہیلی بھی تھی۔ وہ سب خوش لگ رہے تھے، میں نے محسوس کیا کہ میری خاطر آئے ہوئے ہیں یہ بالکل ایسے ہی منظر تھا جیسے کوئی دیر کے بعد گھر آئے اور اسکے دوست اور رشتہ دار اسے جوق در جوق ملنے آتے ہیں۔ یہ کیا خوبصورت لمحات تھے"۔

ایک آدمی نے بتایا کہ "اس کا ایک دوست جس کا نام باب (Bob) تھا کار کے حادثہ میں فوت ہو گیا تھا۔ جب میں موت کے دروازے تک پہنچ گیا تو میری روح بھی جسم سے علیحدہ ہو گئی، اس وقت میں نے دیکھا کہ باب میرے سامنے تھا، اگلے ایک ہفتہ تک مجھ پر کئی دورے پڑے جب بھی میں موت کے منہ میں چلا جاتا میں باب کو اپنے کمرے میں پاتا، میں باب سے پوچھتا کہ تم کہاں سے آتے ہو اور میں کہاں جانے والا ہوں؟ لیکن وہ کوئی جواب نہ دیتا۔ پھر ایک دن اس نے کہا تم ابھی زمین پر رہو گے اور وہ چلا گیا"۔ (صفحہ ۵۶)

32.15 فرشتہ

کچھ ایسے بھی واقعات سامنے آئے ہیں جن میں مرکر واپس آنے والوں کا خیال ہے کہ ان سے ملاقات کرنے والوں میں فرشتے بھی تھے ان کا نام انہوں نے ساتھی روح (Guardian Spirit) دیا ہے۔ایک آدمی بتاتا ہے کہ اسے ایک روح نے کہا کہ ''میں تمہاری ساتھی روح (Guardian Spirit) ہوں، میں زندگی بھر تمہاری مدد کرتی رہی ہوں اب میں تمہیں دوسروں کے حوالہ کرنے والی ہوں''۔ایک عورت نے بتایا کہ وہ جب اپنا جسم چھوڑ رہی تھی اس وقت اس نے وہاں کمرے میں دو روحانی شخصیات کو دیکھا۔انہوں نے کہا ہم زندگی میں تمہارے رہنما فرشتے تھے۔

(اسلام میں ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے کراماً کاتبین ہیں۔جو مرنے کے بعد بھی آدمی کی رہنمائی کرتے ہیں)

32.16 نوری ہستی (Light Being) سے ملاقات (صفحہ ۵۸۔۶۴)

ڈاکٹر موڈی کہتے ہیں کہ سب سے حیران کن بیان جس نے لوگوں پر بہت گہرا اثر چھوڑا وہ ایک روشن ہستی Light Being سے ملاقات تھی، زیادہ تر لوگوں نے بتایا کہ شروع میں یہ روشنی مدھم سی معلوم ہوتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے بقعہ نور نظر آتی ہے لیکن یہ روشنی کوئی دنیا والی روشنیوں کی طرح نہیں بلکہ اس کو بیان کرنا لوگوں کے بس سے باہر تھا۔

ڈاکٹر موڈی کے گواہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک زندہ روشن ہستی ہے جس سے محبت کی شعاعیں نکلتی ہیں، اس میں وہ سکون ہے کہ مرنے والا اس کے سامنے بے حس ہو جاتا ہے، اس میں وہ کشش ہے جو بیان سے باہر ہے، لیکن یہ کیا ہے اس کے متعلق سب کا اپنے اپنے مذہب اور رجحانات کے مطابق بیان ہے مثلاً عیسائی مذہب کے پیروکار نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام (Christ) سمجھا۔ایک یہودی نے اسے کہا کہ وہ اللہ کا فرشتہ تھا۔ایک آدمی جس کا کوئی خاص مذہب اور رجحان نہیں تھا اس نے اسے صرف روشن ہستی ہی کہا۔ملاقات کے چند ہی لمحوں بعد یہ روشن ہستی آنے والے سے اظہار خیال شروع کر دیتی ہے لیکن یہ بات چیت زبان یا الفاظ میں نہیں، بلکہ ذہنی ہے۔عام طور پر جو اس نوری ہستی نے سوال پوچھے وہ یہ ہیں۔

(1) کیا تم مرنے کیلئے تیار ہو؟

(2) تم نے اپنی زندگی سے کیا کیا ہے؟

مثال کے طور پر ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ مجھ سے اس نوری ہستی نے پوچھا کہ جس طرح میں نے زندگی گزاری وہ کس کام کی ہے؟ لیکن سب نے بتایا کہ سوال پوچھتے وقت وہ نوری ہستی کسی طرح کے غصہ میں نہیں آتی بلکہ نہایت محبت اور ہمدردی سے پوچھا جاتا ہے۔نہ ہی اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہے بلکہ وہ تو رحم ہی رحم نظر آتا ہے۔(صفحہ ۶۰)

ایک آدمی اپنی ملاقات کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ''میں نے سنا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مردہ قرار دے دیا ہے میں اس وقت کمرے کی فضا میں تیر رہا تھا، وہاں سے مجھے ایک گہرے اندھیرے کی طرف لے گئے جب میں اس میں سے گزر رہا تھا اس کی گھٹن کو میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ دوسرے کنارے پر ایک لائٹ تھی، میں اس کو دیکھ رہا تھا بہت ہی روشن لائٹ۔ جیسے جیسے میں قریب آتا گیا وہ لائٹ بڑی ہوتی جاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام (Christ) ہیں، شاید اس وجہ سے کہ میں ایک عیسائی ہوں بہر حال جیسے جیسے میں قریب جا رہا تھا میرا ڈر اور خوف دور ہوتا جا رہا تھا''۔ (صفحہ ۶۴)

ایک دوسرے واقعہ میں آدمی جب اس نوری ہستی کے حضور حاضر ہوا تو کہا ''میں آپ سے محبت کرتا ہوں''۔ اس پر اس نے کہا اگر تم واقعی محبت کرتے ہو تو واپس جاؤ اور اپنی زندگی کے بقیہ کام اچھی طرح مکمل کرو''۔

ایک شخص نے کہا کہ ''مجھے معلوم تھا کہ میں مر رہا ہوں میں اپنے جسم کو آپریشن کے میز پر پڑا دیکھ رہا تھا، کوئی میری بات نہیں سن رہا تھا مجھے سخت وحشت تھی، اس وقت میں نے ایک نوری ہستی کو دیکھا۔ پہلے یہ کچھ مدھم تھی پھر بہت تیز ہوگئی، دنیا کی ہر قسم کی لائٹ سے جداگانہ۔ مجھے اس میں سکون اور گرمی کا احساس ہوا اس کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ جب پہلے یہ نوری ہستی نظر آئی تو مجھے سمجھ نہ آئی کہ کیا ہونے والا ہے لیکن پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ ''تم مرنے کیلئے تیار ہو''، یہ ایسے تھا جیسے آدمی آدمی سے بات کرتا ہے لیکن وہاں کوئی آدمی نہیں تھا بس ایک مجسّم نور تھا، جب اس نے بات کی تو اس سے مجھے بہت حوصلہ ہوا، میں اس کی محبت اور شفقت کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس میں ایک خاص طرح کی سرور کن مزاح کی حس بھی تھی''۔ (صفحہ ۶۴)

(قرآن پاک کی بیسیوں ہی آیات میں مرنے کے بعد انسان کا اپنے رب سے ملاقات کا ذکر ہے۔ اللہ سے مرنے کے بعد ملاقات مسلمان کے ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ فرمایا:۔

'بے شک نقصان میں رہے جنھوں نے (اللہ سے ملنے کو جھٹلایا تھا) اور ہدایت یافتہ نہ تھے'' (سورہ یونس، آیت 43)

''اور انسانوں میں سے اکثریت اپنے رب سے ملاقات کی منکر ہے'' (سورہ روم، آیت 8)

سورہ جمعہ میں ارشاد ہے۔

''وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے تم ضرور ملو گے۔ پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے، جو چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا ، جو عمل تم کرتے تھے'' (سورہ جمعہ، آیت 8)

32.17 زندگی کی فلم اور نیکی کے عمل

ڈاکٹر موڈی نے بہت سے لوگوں کے مشاہدات کا یہ خلاصہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائی کلمات کے بعد اس نوری ہستی نے نہایت شفقت سے پوچھا کہ تم نے زندگی میں کیا کیا ہے؟ اس وقت زندگی کی پوری کہانی ایک فلم کی طرح سامنے آنا شروع ہو جاتی ہے، چند لمحوں میں ساری زندگی کا

ریکارڈ نظروں کے سامنے سے گزر جاتا ہے، یہ سب کچھ انتہائی صاف اور بلا شک وشبہ ہوتا ہے، آدمی کے جذبات تک دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس یہ بات بتانے کے لئے کہ یہ کیسے ہو رہا تھا الفاظ نہیں لیکن یقیناً یہ ہماری زندگی کا مکمل ریویو تھا اور اس قدر تفصیلی تھا کہ کوئی چھوٹی بڑی بات چھوڑی نہیں گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ جب وہ نوری ہستی ہماری زندگی کے ریویو کو دیکھ رہی تھی تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خاص طور پر دو چیزوں کی اہمیت ہمارے اوپر واضح کرنا چاہتی تھی۔

☆ دوسرے لوگوں سے محبت اور ہمدردی

☆ علم حاصل کرنا

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ جب ایک آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے ماسوائے تین چیزوں کے (۱)دوسروں کی بھلائی کیلئے صدقہ جاریہ کے کام۔ (۲)علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ (۳)نیک اور صالح اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی ہے اورنیکی کے کام کرتی ہے)۔

آئیے اب ایک مرنے والے سے اس کا بیان سنتے ہیں۔ (صفحہ ۶۵۔۶۴)

”جب میں نے اس نوری ہستی کو دیکھا تو اس نے پوچھا تمہارے پاس مجھے دکھانے کیلئے کیا ہے؟ تم نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا کیا؟ یا اسی طرح کا کوئی اور سوال۔ اسی وقت میری زندگی کی فلم چلنا شروع ہوگئی، میں بچپن سال میں تھا ایسا لگا کہ میں وقت میں چلنے لگا ہوں اور سال ہا سال اب تک جو کچھ مجھ پر گزرا، جو کچھ میں نے کیا، میرے سامنے آ رہا تھا۔ یہ سب کچھ ایک پروگرام اور حساب کے مطابق سامنے تھا اور بالکل واضح تھا اور کلر (Colour) میں حقیقت کے مطابق تھا۔ مثلاً میں نے جب دیکھا کہ میں ایک کھلونے کو بچپن میں توڑ رہا تھا تو میں نے توڑنے کے اس عمل کی ایک ایک حرکت کو دیکھا، جب میں اپنی فلم دیکھ رہا تھا تو وہ نوری ہستی غائب ہوگئی لیکن پھر بھی مجھے اس کی حاضری کا احساس تھا اور وہ کبھی کبھی اپنی رائے کا بھی اظہار کرتا تھا۔ مثال کے طور پر اس نے مجھے بتایا کہ میرا اپنی بہن کے ساتھ لالچ والا رویہ تھا، اس نے مجھے بتایا کہ آئندہ میں لوگوں کی بہتری کیلئے مخلصانہ کام کروں“۔

”مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ ان لمحات کو زیادہ پسند کرتا ہے جو علم کے حصول میں گزارے ہیں۔ بلکہ اس نے مجھے کہا کہ واپس جا کر علم کو حاصل کرتے جاؤ۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ علم کا حصول زندگی کے ساتھ بند نہیں ہوتا بلکہ دوسری دنیا میں بھی جاری رہتا ہے۔ مجھے اب یہ لگتا ہے کہ یہ نوری ہستی مجھے میری زندگی کی فلم دکھا کر سبق سکھانا چاہتی تھی کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ زندگی کا یہ ریویو بہت جلدی ہوگیا شاید زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ یا شاید ۳۰ سیکنڈ سے بھی کچھ کم عرصہ میں لیکن عجیب بات یہ کہ سب کچھ بالکل واضح اور تفصیلاً تھا“۔ (صفحہ ۶۸)

32.18 واپسی

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ ''یہ تو واضح ہے کہ میں نے جن لوگوں کے یہ واقعات لکھے ہیں وہ مرنے کی کسی نہ کسی سٹیج سے واپس زندگی میں آ گئے تھے۔ موت کے پہلے چند لمحے انتہائی خوف زدہ اور تکلیف دہ تھے اس لئے وہ مرنا نہیں چاہتے تھے لیکن بعد میں ان میں سے اکثر کو اتنا اچھا لگا کہ وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے خاص طور پر وہ لوگ جو نوری ہستی تک پہنچ گئے تھے انہیں تو مرنا بہت ہی اچھا لگا اور اس کے حضور سے وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے، لیکن واپسی کے اکثر بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ اکثریت کا خیال ہے کہ انہیں نہیں پتا کہ وہ کیسے اور کیوں واپس آئے، کچھ نے کہا کہ واپس آنا ان کی اپنی خواہش تھی مثلاً کوئی بچوں کیلئے واپس آنا چاہتا تھا تو کوئی اپنا ادھورا کام مکمل کرنے کیلئے، اور کئی وہ تھے جو آنا نہیں چاہتے تھے لیکن بھیج دیے گئے مثلاً ایک آدمی کا بیان ہے کہ:۔

''یقیناً اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا، میں مر چکا تھا اور اس نے ڈاکٹروں کو اس قابل کیا کہ وہ مجھے واپس زندگی میں لے آئے۔ یہ سب ایک مقصد کیلئے تھا، یہ میری بیوی کی مدد کیلئے تھا، وہ اکیلی ہو چکی تھی۔ اگر میں مر جاتا تو اس کی کون مدد کرتا، اب اس کی حالت بہتر ہے اور میں دوبارہ اپنی زندگی کو اس کی وجہ تصور کرتا ہوں''۔

ایک عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچوں کی تربیت کیلئے دوبارہ زندگی دی۔

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کیلئے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو کھول دے اور منور کردے۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا کہ آدمی کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا جو اسے راستہ دکھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کے دونوں محافظ فرشتے اس سے دور ہوجاتے ہیں اور موت کا فرشتہ حضرت عزرائیلؑ روح کو لینے کیلئے آجاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ موڈی کے لوگوں کے مشاہدات میں جس نوری ہستی کا ذکر ہے وہ عزرائیل علیہ السلام ہی ہوں)۔

32.19 دعاؤں کا اثر

بعض مر کر زندہ ہونے کے واقعات ایسے بھی ہیں کہ مرنے والے نے بتایا کہ ''میری زندگی کچھ لوگوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے مثلاً ایک عورت نے بتایا کہ میری ایک بوڑھی پھوپھی تھی وہ بہت بیمار تھی، ہم سب اس کی زندگی اور صحت کیلئے دعا کرتے رہتے تھے وہ کئی دفعہ مری اور پھر زندہ ہو جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ میں کئی دفعہ دوسری دنیا میں چلی گئی اور واپس آ گئی لیکن اب میں وہاں ہی رہنا چاہتی ہوں، وہاں بہت خوبصورتی ہے لیکن جب تک تم میرے لئے دعا کرتے ہو تو میں وہاں نہیں ٹھہر سکتی ہوں، تمہاری دعاؤں نے مجھے اس دنیا میں روکا ہوا ہے، مہربانی کرکے اب دعائیں بند کریں''، ہم نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد جلد بعد ہی وہ ہمیشہ کیلئے فوت ہو گئی۔ (صفحہ ۸۱)

32.20 زندگیوں پر اثرات

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کہتے ہیں: ''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے حیرت انگیز تجربہ سے گزرنے کے بعد ان لوگوں کی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے''؟ اس سوال کے جواب میں اکثر نے کہا کہ اب ہم زندگی کی قدر پہلے سے زیادہ کرتے ہیں اور موت کا خوف دور ہو گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس تجربہ کے بعد وہ زندگی اور موت کے مسائل پر زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ چونکہ امریکی معاشرہ میں موت کے متعلق بات چیت کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، اسلیئے اکثر نے کہا کہ ہم اپنے مر کر زندہ ہونے والی بات کو زیادہ نہیں کرتے کہ کہیں لوگ ہمیں عجیب نہ سمجھنے لگیں۔ مندرجہ ذیل میں چند لوگوں کے تاثرات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

''مجھے اس تجربہ میں گذرنے سے پہلے سائیکالوجی اور روح وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی میں نے زندگی کو سنجیدگی سے لیا تھا لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ زندگی صرف دنیا ہی نہیں ہے۔ یہ جمعہ کو فلم بینی اور ہفتہ کو فٹ بال میچ دیکھنے سے زیادہ اہم ہے، مجھے زندگی میں کچھ معنی نظر آتے ہیں، اگر چہ ابھی تک مجھے یہ معلوم نہیں، کہ وہ کیا مقصد ہے جس کیلیئے مجھے پیدا کیا گیا تھا لیکن سوچنے کیلیئے میرے سامنے اب ایک وسیع میدان ہے''۔ (صفحہ ۸۹)

ایک اور صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''اس وقت سے میرے ذہن میں ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا کیا ہے اور اب میں اسے کیسے گزاروں؟ پہلے میں زندگی بلا مقصد گزارتا تھا اب میں اس میں مقصد تلاش کرتا ہوں تا کہ میرا نفس بہتر ہو۔ میں لوگوں کے بارے میں زیادہ سوچتا ہوں اور ان کیلیئے کچھ اچھا کام کر کے جانا چاہتا ہوں''۔ (۹۰)

ایک آدمی کہتا ہے کہ ''اس سے پہلے میں اپنے بچوں کے متعلق بڑا پریشان رہتا تھا، مجھے کل کی بڑی فکر تھی اور ماضی کے اوپر کھلتا رہتا تھا لیکن اب یہ چیزیں میرے لئے اہم نہیں رہیں''۔

ایک اور صاحب بتاتے ہیں کہ ''حیات بعد الموت کے اس تجربہ کے بعد میں دوسروں کی ضروریات کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو میں کر سکتا ہوں لیکن پہلے نہیں کرتا تھا مثلاً کسی کو لفٹ دینا، کسی مصیبت زدہ سے اچھی بات کر لینا، کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا، یہ سب باتیں اب میرے لئے اہم ہیں''۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ''اب میری زندگی کا مشن لوگوں سے محبّت اور ہمدردی ہے''۔ (صفحہ ۹۴)

ایک صاحب نے بتایا کہ ''میں اب موت سے ڈرتا نہیں، یہ بھی نہیں کہ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا، بلکہ یہ کہ مجھے اب خوف نہیں رہا، میں کیوں موت سے ڈروں؟ یہ ختم ہو جانا نہیں بلکہ یہ تو ایک طرح کی نئی شاندار زندگی کا آغاز ہے''۔ (صفحہ ۹۶)

''اسلام یہ کہتا ھے کہ زندگی کا مقصد حقوق اللّٰہ اور حقوق العباد کو پورا کرنا ھے۔ یہ اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کے کام ھیں اللّٰہ فرماتا ھے، میں نے تمھیں اسلیئے پیدا کیا کہ تم میری عبادت کرو''

32.21 خودکشی کے بعد زندگی

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ میرے مشاہدہ میں مرنے کے بعد زندہ ہونے والوں میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے خودکشی کی کوشش کی تھی لیکن ہمیشہ کیلئے مر نہ سکے بلکہ پھر سے زندہ ہو گئے۔ تقریباً ہر ایک کیس میں یہ تجربہ بڑا تکلیف دہ تھا۔

ایک عورت نے کہا کہ "اگر یہاں تمہاری روح (Soul) پریشان ہے تو وہاں بھی پریشان ہوگی"۔ انہوں نے بتایا کہ جس خوف کی وجہ سے میں نے خودکشی کی وہ خوف وہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ایک آدمی اپنی بیوی کی موت سے اس قدر رنجیدہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ریوالور سے گولی ماری جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا لیکن ڈاکٹروں کی کوشش کے بعد اسے دوبارہ زندگی مل گئی، اس نے بتایا کہ میں وہاں تک نہیں پہنچا جہاں میری بیوی ہے میں ایک نہایت خوفناک جگہ پر پہنچ گیا، مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے سوچا کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا"۔

کچھ اور خودکشی کرنے والوں نے بتایا کہ وہاں انہیں بہت پشیمانی تھی کہ کاش ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ وہاں ہمیں پتہ چلا کہ خودکشی کی وجہ سے ہمیں سزا ملے گی۔ ایک آدمی نے بتایا کہ "میں جب مر چکا تو مجھے بتایا گیا کہ دو چیزیں بالکل منع ہیں خودکشی اور دوسروں کو قتل کرنا۔ اگر تم نے خودکشی کی تو یہ زندگی کے تحفہ کو واپس اللہ تعالیٰ کے منہ پر مارنے کے مترادف ہے، کسی کو قتل کر دینا اس آدمی کی زندگی کیلئے اللہ کے مقصد کو توڑنا ہے"۔ (صفحہ ۱۴۴)

(اسلام میں خود کشی کو حرام موت کہا گیا ھے، اور اسکا سبب یہ ھے کہ خود کشی کرنے والا اللہ تعالےٰ کی طرف سے زندگی جیسے عظیم تحفہ کی قدر نہیں کرتا ھے۔ یہ بھی کہا گیا ھے کہ خود کشی کا جرم معاف نہیں ھو گا اور کرنے والا جھنم میں جلتا رھے گا)۔

باب نمبر 33

خوش بخت نفوس اور بد بخت بھوت

33.1 موت کے بعد نفوس کے مقامات

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مرنے کے بعد روحیں ایک پردہ کے پیچھے چلی جاتی ہیں جسے قرآن کریم میں برزخ کا نام دیا گیا ہے لیکن یہ مقام کوئی دور نہیں بلکہ یہیں کہیں ہے یعنی اگر زندگی دن ہے تو موت رات ہے بس شخصیت کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی زندگی کی جسمانی حالت ہے اور دوسری اس کی روحانی حالت ہے۔ جیسے پانی کبھی مائع ہوتا ہے اور کبھی بھاپ، کبھی پتھر کی طرح سخت لیکن ہر صورت میں وہ ہوتا پانی ہی ہے۔ اپنی مائع حالت میں وہ ضرور کسی نہ کسی برتن کا مقید ہوتا ہے۔ گیس کی حالت میں وہ آزاد ہے جہاں چاہے نکل جائے جب کہ ٹھوس حالت میں وہ برتن کے بغیر بھی مقید ہے۔ موت کے بعد نفس کا مقام اور اس کی اڑان کا انحصار دنیاوی حیات میں اس کی کیفیت پر ہے کہ اس نے کیا کیا، کیا سوچا، ہر چیز ہی اس کی نشو و نما کو متاثر کرتی ہے۔ جیسے ہماری غذا ہمارے جسم کی نشو و نما کرتی ہے اسی طرح ہمارے اعمال اور خیالات سے ہمارے نفوس کی نشو و نما ہوتی ہے۔ صحیح ایمان اور عمل نفس کو علیین کی بلندیوں تک لے جاتا ہے جب کہ باطل اعمال اور سفلی خواہشات کے بوجھ سے نفس اٹھنے چلنے کے قابل بھی نہیں رہتا اور موت کے بعد زمین پر مایوس سرگرداں رہتا ہے۔ ایسے ہی سرگرداں نفوس کو بھوت کہا جاتا ہے۔ ان میں اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی ہے۔ شاید روحوں کے بلانے کے واقعات کا تعلق بھی بھوتوں ہی سے ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم الصواب)

جیسا کہ اگلے صفحات کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ موت کے بعد لوگ مندرجہ ذیل کیفیات میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

1۔ وہ جو براہ راست جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

2۔ وہ جو عالم برزخ میں کائنات کی سیر کے مزے لیتے ہیں۔

3۔ وہ جن پر قیامت تک نیند طاری ہو جاتی ہے۔

4۔ وہ بدقسمت جو اسی زمین پر حسرت اور مایوسی کے عالم میں بھوت بن کر پریشان اور گرفتار ہیں۔

5۔ سیدھے دوزخی نفوس

قیامت سے پہلے نفوس کی ان کیفیات کے بارے میں عمومی قانون سورۃ البقرۃ کی آیت مبارک 286 میں درج ہے۔فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اس کیلئے وہ جو اس نے کمایا اور
اس پر وہی (اثرات) ہیں جو اس نے کمایا''۔سورۃ البقرۃ، آیت 286

اس آیہ مبارک کی تشریح میں تفسیر رفاعی کے مفسر حافظ سعید احمد رفاعی لکھتے ہیں کہ "انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس کے اچھے برے اثرات اس کے باطن پر اس طرح مرتب ہوجاتے ہیں جس طرح غذا کے اثرات جسم پر مرتب ہوجاتے ہیں جب انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اور جسم فنا ہوجاتا ہے اور روح مجرد عن المادہ ہوتی ہے اس وقت برے اثرات اسے اذیت پہنچاتے ہیں"۔

یوں انسان پر قیامت سے پہلے دو دور آتے ہیں ایک دنیاوی زندگی کی مدت اور دوسرے عالم برزخ کی مدت۔ان کے متعلق سورۃ الانعام کی آیت 2 میں ارشاد ہے کہ:۔

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کردی، اور
اس کے بعد ایک دوسری مدت بھی ہے، جو اس کے ہاں طے شدہ ہے، مگر تم لوگ جو کہ شک میں
پڑے ہوئے ہو''۔سورۃ الانعام، آیت 2

زندگی کی مدت گزرنے کے بعد جس دوسری مدت کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ عالم برزخ کی زندگی ہے۔واقعی اس کے متعلق انسان شک میں پڑا ہوا ہے۔اس کے بعد قیامت ہے اور پھر یوم الدین اور پھر جزا یا سزا کا دور ہے۔اس مضمون میں ہمارے زیر بحث مسئلہ موت کے بعد برزخی زندگی ہے۔قرآن کریم، احادیث طیبہ اور سائنسی اور غیر سائنسی مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد اپنی برزخی حالت میں نفس مندرجہ ذیل صورتوں میں زندہ رہتا ہے۔

33.2 نفس مطمئنہ

یہ اعلیٰ ترین حالت ہے یہ وہ نفوس ہیں جو دنیاوی حیات کے دوران اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ "وہ اس سے راضی اور وہ اس سے راضی"۔ یہ ان کا معاملہ ہوتا ہے۔مرنے کے فوری بعد ان کے نفوس کیلئے جنت کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ ان میں نبیین، صدیقین، صالحین اور شہداء شامل ہیں۔ان خوش قسمت لوگوں کو جنت کیلئے یوم الدین کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ موت ان کیلئے جنت کا دروازہ ہے۔ایسے نفوس کی موت کے وقت فرشتے اس کو خوشخبری سناتے ہیں۔

''اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس ہو جا، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے،
(اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں) میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔
سورۃ الفجر، آیات 30-27

ایسے ہی ایک نفس مطمئنہ کا واقعہ سورۃ یٰسین میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس عظیم انسان کو کافروں نے حق کی گواہی دینے پر شہید کر دیا لیکن وہ اپنی شہادت کے بعد بھی اپنی کافر قوم کا خیر خواہ ہے۔ ان لمحات کی کہانی قرآن کریم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیتا ہے:۔

''جنت میں داخل ہو جاؤ اس نے کہا! کاش میری قوم جانتی کہ، میرے رب نے میری کیسے مغفرت کی، اور مجھے عزت والوں میں سے کیا''۔ سورۃ یٰسین، آیات 27-25

دراصل اللہ تعالیٰ اپنے تمام نیک بندوں کو ایسا ہی انعام عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور جنہیں موت کے وقت فرشتے وصول کر لیتے ہیں، وہ پاک باز بھی ہوں، وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں اس وجہ سے جو تم نیک اعمال کرتے تھے''۔ سورۃ النحل، آیت 32

33.3 سیدھے دوزخی نفوس

نفوس مطمئنہ کے مقابلہ میں انتہائی بدنصیب وہ نفوس ہیں جن کو موت کے فوری بعد سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے اور ان پر دوزخ کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کی مثال فرعون اور آلِ فرعون سے دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے باغی تھے۔ ایسے لوگوں کی قبریں ہی ان کا عقوبت خانہ بن جاتی ہیں جہاں انہیں صبح شام دوزخ دکھائی جاتی ہے ان کے بارے میں سورۃ المومن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''ان کے اوپر صبح شام آگ لائی جاتی ہے، اور جب قیامت کا دن قائم ہوگا اس وقت حکم ہوگا، آلِ فرعون کو شدید تر عذاب کے سپرد کر دیا جائے''۔ سورۃ المومن، آیت 46

بدکار لوگوں کیلئے عمومی حکم ہے کہ:۔

''کاش تم دیکھ سکو کہ کیسے فرشتے موت کے وقت ان کے نفوس کو وصول کرتے ہیں؟ وہ ان کے

چہروں پر مارتے ہیں اوران کی پیٹھوں پر مارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب آگ کے عذاب کو چکھنے کیلئے تیار ہو جاؤ، اور یہ عذاب تمہارے بداعمال کی وجہ سے ہے، جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کیے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں'۔ سورۃ الانفال، آیات 50-51

33.4 شہداء کی خصوصی زندگی

برزخ میں جانے والوں میں ایک قابل رشک زندگی شہداء کی ہے۔ یہ وہ خوش بخت نفوس ہیں جو مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم بڑے واضح طریقہ سے بتاتا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی موت کے بعد زندہ ہیں، آزادی سے کائنات میں جدھر چاہیں اڑتے پھرتے ہیں جو چاہیں وہ کھاتے پیتے ہیں اور اپنی اس حالت سے وہ بہت خوش ہیں۔ وہ اپنے نئے مقامات میں دنیا میں پیچھے رہ جانے والے دوستوں کو بھی یاد رکھتے ہیں اور انہیں مل کر خوشخبری دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

''اور یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے ہیں وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں، اور خوش ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا، اور خوشخبری دیتے ہیں اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو، جو ابھی ان سے نہیں ملے، ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی غم، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے باعث بہت خوش ہیں، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ سورۃ آل عمران، آیت 169-171

33.5 سوئے ہوئے نفوس

انتہائی خوش نصیب اور انتہائی بدنصیب نفوس کے درمیان اکثریت ان نفوس کی ہے جنہیں ابتدائی حساب کتاب کے بعد سلا دیا جاتا ہے۔ اس حالت میں ان پر وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا بس ایک حالت خواب ہے جس میں اعمال اور اعتقاد کے مطابق خواب برے بھی ہو سکتے ہیں اور اچھے بھی۔ ایسے نفوس کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ یٰسین میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کو وہ اٹھائے جائیں گے تو انہیں اپنی نیند سے اٹھنا ناگوار ہوگا ان نفوس میں مسلمان اور غیر مسلم بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اور جب پھونکا جائے گا صور تو وہ ناگہاں اپنی قبروں سے، اپنے رب کی طرف دوڑے آئیں گے (کہیں گے) اے وائے افسوس! کس نے ہمیں اٹھا دیا ہے، ہمارے خواب گاہ سے پھر جلد ہی

ان پروارد ہو جائے گا کہ، یہ تو وہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے سچ ہی بتایا تھا"۔

سورۃ یٰسین، آیات 52-51

یہاں تک یہ بات کہ مرنے کے بعد روح کا جسم سے تعلق رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو اٹھارہویں صدی کے ممتاز عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ کے بیٹے ہیں اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ مرنے کے بعد جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے، روح کا تعلق مع الجسم ہر آدمی کیلئے ہے اور یہ تعلق وہاں زیادہ ہوتا ہے جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ عموماً تیس سال بعد یہ تعلق بہت کم ہو جاتا ہے مگر اولیاء کرام جن کیلئے خدا تعالیٰ کا فیضان رحمت منظور ہوتا ہے یہ تعلق زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جگہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے دفن ہوتے ہیں وہاں ان کا فیض بھی جاری رہتا ہے۔ (حوالہ محمد موسیٰ "اللہ کی محبت کا نصب العین"۔ پبلشر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ حیدر آباد)

33.6 رجال الغیب

اوپر ہم نے دیکھا ہے کہ مرنے والے نفوس میں کچھ ایسے ہیں جو سلا دیے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو عذاب میں ڈال دیے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو سیدھے جنت میں مرجاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عالمین میں اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے کیلئے آزاد ہوتے ہیں اور کائنات کے زمان و مکاں کی مختلف جہتوں میں حسب مرضی سیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نفوس میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کچھ فرائض سونپ دیتا ہے اور یوں وہ تکوینی امور کی بجا آوری میں فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ شاید انہی روحوں کے بارے میں سورۃ القدر میں فرمایا گیا ہے

"فرشتے اور روح اترتے ہیں اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کی طرف"۔ (4)97

انہی عظیم ہستیوں میں رجال الغیب بھی شامل ہیں جن کی قرآن کریم میں ایک مثال حضرت خضر علیہ السلام کے حوالہ سے دی گئی ہے۔ (حوالہ آیات سورۃ کہف)

33.7 بھوت (Ghosts)

نفوس میں ایک قسم ان بدبختوں کی ہے جو باغی تو نہیں ہوتے لیکن دنیا کی حرص میں اس قدر الجھے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کو

دنیا نہیں چھوڑتی۔ اس لیے انہیں عالم برزخ میں نیند بھی نہیں آتی اور دنیا کی حرص کی وجہ سے وہ اپنی محبت کی جگہوں کے باسی بن کر موت کے بعد بھی وہاں بھٹکتے رہتے ہیں، (سورۃ الاعراف آئت نمبر 176)۔

بھوت بننے والے نفوس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی حرص کے تابع زمین کے باسی بن جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور اے حبیب! ان کو اس شخص کے احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دیں، لیکن وہ ان سے دور نکل گیا پس اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی طرف اٹھا لیتے، لیکن وہ تو زمین کا باسی بن گیا اور اپنی حرص کا تابع ہوا''۔ سورۃ الاعراف، آیت 176

آیت مبارکہ کے آخری مصرع پر غور کریں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نہیں اٹھایا بلکہ وہ اپنی حرص اور خواہشات کے تابع ہو کر زمین کے باسی بن گئے انہیں ہی بھوت (Ghost) کہا جاتا ہے۔

ایسے نفوس کی حسرت ناک حالت اور ان کی روحانی کشمکش کا اشارہ سورۃ البقرۃ کی آیت 166-167 سے ملتا ہے۔ اپنی اس حالت میں وہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہوتے ہیں جن کی خوشی کیلئے وہ زندہ رہتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''وہ لوگ جو تابعداری کرتے تھے (کفر کی) وہ کہیں گے، ''کاش کہ ہم دوبارہ زندگی میں لوٹ جائیں، تاکہ ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوں، جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہیں''۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا، اور وہ یاس و حسرت میں رہیں گے وہ اس آگ سے نکلنے والے نہیں''۔ سورۃ البقرۃ، آیات 166-167

بھوتوں میں اکثریت سود خور نفوس ہیں جن کی برزخی حیات پاگل مخبوط الحواس لوگوں کی سی ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ:۔

''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ اٹھ نہیں سکتے مگر ایسے میں جیسے اٹھتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ سود کو بھی بیع کی طرح کہتے تھے''۔ سورۃ البقرۃ، آیت 275

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ بھوت عام طور پر وہ نفوس ہیں جو دنیا کی حرص اور لالچ میں گرفتار غلط کام کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر سود خور کنجوس اور حریص لوگ شامل ہیں جو مرنے کے بعد بھی دنیا کی حرص سے نکل نہیں پاتے۔ انہی میں وہ مایوس ذہن بھی ہیں جو خودکشی کرکے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کر لیتے ہیں تب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ انتہائی غلط کام کیا تھا۔ یوں بھٹکنے والے نفوس کے اعمال کی بدی، خواہشات کی بہتات، دنیا سے بہت زیادہ محبت ان کا مر کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ اپنی بے اطمینانی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ انہیں دنیا کی حرص نے اتنا پاگل کر دیا

ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں اپنی موت کا یقین نہیں آتا۔ یہ نفوس اپنی خواہشات اور مایوسیوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی سکت بھی نہیں ہوتی کہ وہ کائنات کی سیر کو نکل پائیں نتیجتاً وہ بھوت، چڑیل یا گھوسٹ (Ghost) بن کر زمین پر ہی سرگرداں چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ یوں اس دنیا میں ہر طرح کے بھوت ہیں۔ سود کھانے والے بھوت، خودکشی کرنے والے بھوت، دنیا کے حریص بھوت، ظالموں کے بھوت، گناہ کرتے ہوئے مرنے والوں کے بھوت، غرض بیشمار قسم کے بھوت، قبرستانوں، گھروں، گلیوں، سڑکوں، ہسپتالوں، مارکیٹوں اور ہوٹلوں کے اردگرد حسرتوں میں ڈوبے پریشان حال بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ سب کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں پہچانتا اور یوں شدید تنہائی اور دنیا کھو جانے کے غم کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

33.8 بھوتوں کے کچھ واقعات اور ان پر جدید تحقیقات

بھوت پریت کو اگرچہ انسان شروع ہی سے مانتا ہے اور بیشمار لوگ ہر سال ان کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، ان کی عجیب عجیب حرکات کو دیکھ کر ڈرتے بھی ہیں لیکن ان پر سنجیدہ سائنسی تحقیقات کا آغاز ابھی حال ہی میں ہوا ہے اور اس میں بھی امریکی سائنسدانوں کا کام صفِ اول کی حیثیت رکھتا ہے جس کی کچھ جھلکیاں آئندہ صفحات میں دی جارہی ہیں۔

ہمارے اپنے ملک پاکستان میں مشہور سول سرونٹ اور دانشور قدرت اللہ شہاب (مرحوم) غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بھوتوں کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات تفصیل سے اپنی آپ بیتی "شہاب نامہ" میں لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے رجال الغیب میں سے اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام صرف (Ninety) نوے تھا۔ نائنٹی کے ساتھ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزرا۔ وہ ایک طرح سے ان کے غیبی مرشد بھی تھے۔

بھوتوں کے متعلق قدرت اللہ شہاب صاحب کے بتائے گئے واقعات میں سے ایک سے ایک واقعہ حیران کن ہے مثلاً ایک دفعہ جب وہ ڈپٹی کمشنر تھے تو جو گھر انہیں الاٹ ہوا وہاں چیزیں غائب ہو جاتیں، اوپر سے پتھر بھی گرتے، طرح طرح کی خوفناک آوازیں سنائی دیتیں، بجلی کے سوئچ بند کردیے جاتے، غرض کئی طریقوں سے بھوت ان سے مذاق کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ رات کو گھنٹی بجی پھر ان کے کمرہ کا دروازہ کھٹکنے لگا، جب وہ باہر آئے تو دروازہ پر انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ کھڑا تھا، جس کے ہاتھ میں ان کیلئے کچھ ڈاک تھی، جسے وہ انہیں تھما کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد بعض مقامات پر انہوں نے رات کو کمرے کے اندر پتھر گرنے کے واقعات بھی دیکھے۔ یہ واقعات بڑے خوفناک ہوتے تھے لیکن جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتے تو پتھر گرنا بند ہو جاتے۔

قدرت اللہ شہاب صاحب (مرحوم) کے بھوت پریت کے متعلق یہ مشاہدات ان کی طرف سے ایک ٹھوس گواہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے واقعات بیشمار دوسرے لوگوں کے مشاہدہ میں بھی آتے رہتے ہیں لیکن وہ نہ ہی ان کی اچھی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں سائنسی انداز

میں رپورٹ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے اپنے مشاہدہ میں مندرجہ ذیل واقعات آئے ہیں۔ 1964ء کی بات ہے کہ میں مانچسٹر یونیورسٹی U.K. کا طالب علم تھا۔ اس زمانہ میں BBC ٹیلیویژن پر ایک ایسے گھر کو دکھایا گیا جس میں بھوتوں کا بسیرا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس گھر کی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود چلی جاتی ہیں، چنانچہ پولیس نے BBC کے تعاون سے وہاں TV کیمرے فٹ کر دیے۔ میں نے اپنے TV پر دیکھا کہ کیسے ایک کرسی فضا میں اٹھتی ہے اور دوسرے کمرے میں پہنچا دی جاتی ہے اس طرح ایک بستر کے تکیے فضا میں تیرتے دیکھے گئے۔ بھوت خود تو نظر نہیں آتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ اٹھا کر ادھر اُدھر کرتے تھے وہ ضرور نظر آتی تھیں۔

بھوتوں کا ایک اور واقعہ میرے ایک عزیز دوست کے ساتھ پیش آیا۔ 72-1971ء میں ہم راولپنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن، اے بلاک کے ایک گھر میں رہتے تھے۔ ہمارے ہوتے ہوئے تو اس مکان میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا لیکن ہمارے بعد جو میرے دوست وہاں آئے وہ سیکولر (Secular) ذہن رکھتے تھے۔ گھر میں تیز میوزک اور کچھ آوازیں بھی لگاتے، وہیں ان کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کے تھوڑے دنوں بعد ہی ان کے گھر میں عجیب وغریب واقعات ہونا شروع ہو گئے مثلاً رات کو میوزک خود بخود چلنے لگ جاتا، کبھی کبھی بچے کے اوپر پانی کے چھینٹے پڑے ہوئے ہوتے۔ لیکن ایک دن ایسا واقعہ ہوا جس نے انہیں واقعی بہت پریشان کر دیا۔ اس وقت صاحب دفتر میں تھے بیگم صاحبہ بچے کو سوتا چھوڑ کر باورچی خانہ میں کام کر رہی تھیں۔ فارغ ہو کر جب وہ بچے کے پاس آئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ اسے کسی نامعلوم جوان عورت نے اٹھایا ہوا تھا جس کے بال کھلے تھے جیسے ابھی ابھی نہا کر آئی ہو۔ وہ عورت کچھ کہے بغیر بچے کو بیڈ پر لٹا کر نظروں سے غائب ہو گئی۔ میرے دوست نے جب اس واقعہ کا مجھ سے ذکر کیا تو میں نے انہیں عاملوں سے رجوع کرنے کو کہا۔ عاملوں نے معائنہ اور عمل کے بعد بتایا کہ وہاں ایک ہندو عورت کا بھوت ہے جو تقریباً دو سو سال قبل اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی تھی اس وقت وہ حاملہ بھی تھی۔ اس جگہ جہاں اب مکان ہے وہ دونوں چھپ گئے لیکن عورت کے وارثوں نے آ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس عورت کا تعلق گانے بجانے والے خاندان سے تھا۔ چونکہ صاحب میوزک کے دلدادہ تھے اکثر تو سارا سارا دن میوزک لگا رہتا اس لیے اس عورت کا بھوت بیدار ہو گیا۔ جب اس نے بچہ کو دیکھا تو اس کی اپنی مامتا بھی جاگ اُٹھی۔ عاملوں نے جب اس کے بھوت کو سمجھایا بجھایا تو اس نے بچہ کو تنگ نہ کرنے کا وعدہ دے دیا لیکن ہمارے دوست نے اسی میں خیریت سمجھی کہ اس گھر کو چھوڑ دیا جائے۔

33.9 امریکی تحقیق

بھوتوں کے سلسلہ میں جو محققانہ کام امریکہ میں ہوا ہے اس سے بہتر کوئی ریکارڈ میرے علم میں نہیں آیا۔ یہ کام پروفیسر ہینز ہالزر (Prof. Hans Holzer Ph-D) کا ہے جو ایک پیراسائیکالوجسٹ ہیں۔ اپریل 1994ء میں ان کے مشاہدات اور تجربات کے نچوڑ پر مشتمل ان کی کتاب "بھوت کہاں ہیں؟" (Where the Ghosts Are?) کیرل پبلیشنگ گروپ USA نے چھاپی ہے۔ کتاب 231 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں امریکہ اور برطانیہ کی 60 ایسی عمارات کا ذکر ہے جہاں بھوت رہتے ہیں۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بذات

خود ان عمارات کا سروے کیا ہے، عاملوں کے ساتھ مل کر تحقیقات کی ہیں، بھوتوں کی حرکات کو نوٹ کیا ہے اور فوٹو گرافی کی ہے۔ یوں وہ بلا شک وشبہ کہہ سکتے ہیں کہ بھوت ایک حقیقت ہے۔ انہی بھوتوں میں امریکہ کے مشہور صدر ابراہم لنکن کا بھوت بھی ہے جسے بیشمار لوگوں نے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔

33.10 بھوت کیا ہیں؟

سب سے پہلے اس سوال کہ " بھوت کیا ہیں؟" ڈاکٹر ہالزر اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"What exactly is a Ghost? "In terms of psychic research, as I have defined them, a ghost appears to be surviving emotional memory of some one who has died traumatically and usually tragically but is unaware of his death. Ghosts, then, in the over whelming majority, do not realize that they are dead. --------
When death occurs unexpectedly or unacceptable, or when a person has lived in a place for a very long time, acquiring certain habits and becoming very attached to the premises, sudden, unexpected death may come as a shock. Unwilling to part with the physical world, such human personalities then continue to stay on in the very spot, where their tragedy or their emotional attachment had existed prior to their physical death." --------- (Page 5-6)

یعنی یہ سوال کہ " بھوتوں کی حقیقت کیا ہے؟" کے جواب میں سائیکک ریسرچ کے حوالہ سے بھوتوں کے متعلق میری تعریف یہ ہے کہ یہ ان مرے ہوئے آدمیوں کی جذباتی شخصیت یادداشت اور عکس ہیں جو انتہائی خوفناک اور دردناک حالات میں اچانک مرتے ہیں۔ انہیں اپنی موت کا خود بھی علم نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو کسی جگہ بہت دل لگا کر عرصہ سے رہ رہا ہو اور وہاں سے علیحدہ ہونے کا تصور نہیں کر سکتا جب اس کی اچانک اور غیر متوقع موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ اس کیلئے انتہائی حسرت کا باعث بنتا ہے۔ وہ دنیا سے جانا نہیں چاہتا، چنانچہ وہ بھوت بن کر اپنی جگہ ہی سے چمٹے رہتے ہیں۔

آگے جا کر پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ گناہ اور انتقامی جذبہ ہے جو کسی کو بھوت بنا دیتا ہے۔

"Sometimes the Ghost may be too strongly attached to feeling of guilt or revenge to 'Let go'. They are kept in place in time and space by their emotionalities to the spot." ---------

مطلب یہ کہ کبھی کبھی مرنے والے میں گناہ اور انتقام کا شدید جذبہ ہوتا ہے جو اسے کہیں نہیں جانے دیتا۔ وہ زمان ومکان میں اپنے

جذبات یا حسرتوں اور مایوسیوں کی وجہ سے بھوت بن کر ایک ہی جگہ پر جکڑے رہتے ہیں" ۔ آگے جا کر وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghost have never harmed anyone except through fear found in other, the witness of his own doing and because of his own ignorance as to what ghosts represent." ---------

مطلب یہ کہ بھوتوں نے کبھی کسی کو ماسوائے خوف زدہ کرنے کے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ بھی اکثر مشاہدہ کرنے والے کا اپنے اندر کا خوف ہوتا ہے جس کی وجہ عموماً یہ ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بھوت کیا ہیں؟

پروفیسر موصوف نے بھوتوں کی فوٹو گرافی بھی کی جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:۔

As for the photographs of actual ghosts, I have published them in "America's Restless Ghosts", and others elsewhere have also come forward with photographs taken in the so-called haunted houses. ------------

اپنی تحقیق کے نتیجہ میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghosts continue to appear frequently all over the world, to young and old, rich and poor, in old houses and in new houses, in airports and streets and wherever tragedy strikes man. For ghosts are indeed nothing more or nothing less than human beings trapped by special circumstances in this world while already being of the next. Or, to put it another way, human beings whose spirits are unable to leave the earthly surroundings because of unfinished business or emotional entanglements". ----------- "Ghosts are then, very real, and the range of those who may at one time or another observe them is wide indeed".

مطلب یہ کہ " بھوت ساری دنیا میں دیکھے جاتے ہیں، چھوٹے بڑے، امیر غریب، سبھی انہیں دیکھتے ہیں، کبھی وہ پرانے گھروں میں کبھی نئے گھروں میں، کبھی ہوائی اڈوں میں غرض ہر جگہ دیکھے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بھوت ہر صورت میں وہ بدقسمت انسان ہیں جو اپنے حالات اور واقعات کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی اس دنیا کو چھوڑ نہیں سکے اور سکون نہیں پا سکے۔ یہ نفوس اپنی جذباتی وابستگیوں اور نامکمل منصوبوں کی وجہ سے مرتے وقت زمین کو چھوڑ نہیں سکے اور بے سکونی میں اسی جگہ کے ہو کر رہ گئے ہیں لیکن وہ ایک حقیقت ہیں ۔۔۔۔۔ اور انہیں دیکھنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں"۔

33.11 بھوتوں کی طبیعی ساخت۔ زندگی اور موت میں فرق

بھوتوں کی طبیعاتی حقیقت کے بارے میں پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ ان کا وجود برقی توانائی کی شکل میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

In terms of physics, ghosts are electromagnetic fields originally encased in an outer layer called the physical body. At the time of death, that outer layer is dissolved, leaving the inner self free also referred to as "The Soul" by the church ---------- will drift out into non physical world where it is able to move forward or backward in time and space, being motivated by the thought and possession of earth memories fully intact. Such a free spirit is indeed a development upward and as rational being as her or she was on earth.

آگے وہ زندگی موت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس کی مشابہت نیند اور خواب دیکھنے کی بات سے ہے۔

I also noticed an amazing analogy between certain sleep and dream states and death as reported by those claiming to be surviving entities speaking though entranced mediums. The seat of personality seems encased within a temporary frame called the physical body. Under certain conditions, the personality (a soul) can have out of body experiences. There the separation is temporary, under the control of the sleeper. At death the separation is permanent.

In case of the ghost individual, the electromagnetic field is unable to move into the wider reaches of the non-physical earthy emotional entanglements. Nevertheless, it is of exactly the same nature as the personality field of those who do not have such problems. It can, therefore he photographed, measured as an existing charge in the atmosphere, and otherwise dealt with by scientific means. Science has long realized that all life energies are electric in nature. In my view, human personality is also made up of such individual energy particles (photons). Electrical impulses are capable of being recorded and measured. The 'presence' of ghosts has already been proven with equipment designed along Geiger - Counter Lines. (Page-6)

In his final analysis, Professor Hans Holzer concludes.

"Remember in case of ghosts, you are dealing with very human fellow-people, not

monsters, devils or demons-just folks like you who got into emotional turmoil on passing from the level of existence to the next, and therefore could not quite make it across". ----- i.e. "Cannot leave the place of his or her traumatic, final experience on the physical level. So they are hanging, on barely aware of the passing of time". (Page-6)

مطلب یہ کہ بھوتوں کی طبیعاتی اور ماہیت کے بارے میں پروفیسر ہالزر کی تحقیق یہ ہے کہ وہ مقناطیسی اور برقی قوتوں کے امتزاج سے جنم لیتے ہیں۔ زندگی میں یہ جسم کے خول کے اندر رہتا ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان کی برقی مقناطیسی شخصیت جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

پروفیسر موصوف اپنی تحقیق میں قرآن کریم کی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نیند کی حالت میں بھی نفس جسم کو عارضی طور پر چھوڑ دیتا ہے لیکن تعلق ٹوٹتا نہیں۔ موت اس تعلق کو بالکل توڑ دیتی ہے اس لیے اس کے بعد موت اور نفس کا ملاپ ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

> ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے، اور جو ابھی مرا نہیں اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے، اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کیلئے واپس بھیج دیتا ہے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں''۔ سورۃ الذمر، آیت 42

پروفیسر ہالزر کی تحقیق کے مطابق عالم برزخ میں بعض لوگوں کا نفس آزاد ہوتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے ادھر اُدھر گھوم پھر سکتا ہے۔ یہی بات آج سے 1000 سال پہلے امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''رسائل'' میں لکھی تھی اور امام مالکؒ نے ان سے بھی پہلے کہی تھی۔ لیکن بھوت آزاد نہیں ہوتا۔ اس کی برقی مقناطیسی شخصیت اپنی جگہ ہی میں مقید ہوتی ہے جس کی بڑی وجہ موت سے پہلے ان کے اعمال، جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہالزر کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھوتوں کی فوٹو گرافی بھی کی ہے۔ انہیں سائنسی طریقوں سے ماپا بھی جا سکتا ہے۔ اسی ضمن میں نارمل نفس اور بھوت میں فرق صرف یہ ہے کہ نارمل نفس موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے جانے کیلئے آزاد ہوتا ہے لیکن بھوت دنیا کو چھوڑ نہیں سکتا وہ اپنی جگہ پر بے سکونی کی حالت میں مقید ہو جاتا ہے۔

پروفیسر ہالزر کے مطابق ''عرصہ دراز سے سائنس جانتی ہے کہ زندگی برقی مقناطیسی قوتوں کا نتیجہ ہے اور انسان کی اپنی شخصیت بھی دراصل انہی برقی مقناطیسی ذرات پر مشتمل ہے۔ ان کو ہم ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں اور ماپ بھی سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلے ہی بھوتوں کے نفوس کی کامیاب فوٹو گرافی ہو چکی ہے اور گیگر کونٹر کے اصول پر بنے ہوئے آلات کی مدد سے ان کو دیکھا بھی جا چکا ہے''۔

اپنے فائنل تجزیہ میں پروفیسر موصوف نصیحت کرتے ہیں کہ ''یاد رکھیں بھوت ہماری اور آپ کی طرح انسان ہیں وہ کوئی جن، دیو یا بلا نہیں۔ یہ وہ قابل ہمدردی لوگ ہیں جو اپنے احساسات کی پریشانی کی وجہ سے روحوں کی دنیا میں جانے کے قابل نہیں رہے۔ اس لیے وہ ادھر ہی

دھکے کھاتے رہتے ہیں اور انہیں وقت گزرنے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ (جیسے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ قیامت کو جب کافر لوگ اٹھیں گے تو کہیں گے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے کم عرصہ دنیا میں رہے ہیں)۔

اوپر دی گئی بھوتوں کے بارے امریکی تحقیق سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سائنس اب مادی دنیا سے آگے روحانی دنیا میں بھی داخل ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں مذاہب تو ہمیشہ ہی سے بھوتوں کے متعلق بتاتے رہے ہیں کہ وہ پریشان نفوس ہیں جو اپنے گناہوں میں لدے ہونے کی وجہ سے اگلی دنیا کی وسعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ ادھر زمین پر ہی اپنی خواہشات کے گھر، کارخانے یا کاروبار کی جگہ پریشانی کے عالم میں بھٹکتے رہتے ہیں اور قیامت تک یونہی حسرت کی زندگی گزار دیں گے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس بھی اب انہی نتائج پر پہنچ رہے ہیں جو اسلام نے بہت پہلے انسان کو بتائے تھے یعنی ہمارا مرنا صرف جسم کا خاتمہ ہے لیکن اصل انسان زندہ رہتا ہے۔ بھوت انہی میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی سزا زمین پر بھگت رہے ہیں۔

بھوتوں کے سلسلہ میں ایک دلچسپ کتاب ایک برٹش پادری جیلوائن رابرٹ Jaelwgn Robert کی ہے۔ کتاب کا نام ''کل کے لوگ'' ''Yesterday's People'' ہے۔ جس میں مرجانے والے لوگوں کے نفوس کے متعلق بہت سے مشاہدات دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب 1997 میں ایلیمنٹ بکس لمیٹڈ نے یوکے میں چھاپی ہے۔ وہ 36 سال تک آسیب زدہ لوگوں اور آسیب زدہ جگہوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ ان کے مطابق مرنے کے بعد تمام لوگوں کی روحیں بھوتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے پرانے ماحول میں پرانی یادداشتوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ لوگوں کو اپنے موجود ہونے کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ ان کی اس تحقیق کو اگر اسلامی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خیال کہ مر کر لوگ بھوت بن جاتے ہیں اس لحاظ سے ٹھیک ہے کہ وہ یہ بات اپنے ماحول کے متعلق لکھتے ہیں۔ جن میں اکثر بگڑے ہوئے عیسائی یا لامذہب دنیا کے حریص ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں کہ وہ ہمیں اس طرح کے انجام سے بچائے اور وہ ذات پاک ہمیں جنتی نفوس مطمئنہ میں شامل فرمائے۔ اس لیے دنیا میں زیادہ دل نہ لگانے کی کوشش کریں۔ نہ ہی دنیا کی چیزوں کیلئے زیادہ حریص بنیں اس لئے کہ حرص کی کثرت انسان کو اپنے اصل مقصد حیات سے غافل کر دیتی ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہوسکتا (سورۃ التکاثر)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اپنے محبوب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جنت کے حصول کا جو ہدایت نامہ دیا ہے اس کے مطابق ایک نیک پاک، راہ راست والی زندگی گزاریں تا کہ موت کے بعد ہم سیدھے جنت میں جائیں اور خوف اور غم سے آزادی عطا ہو اور بھوت بننے سے بچ جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک ہر حال میں یکساں نہیں، خواہ ناپاک کی حالت تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی''۔سورۃ المائدہ، آیت 100

''وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ، ہم انہیں اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو ایک جیسا کر دیں گے، کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے، بہت برے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں''۔سورۃ الجاثیۃ، آیت 21

باب نمبر 34

روح کی خوشبو کے مشاہدات

مندرجہ ذیل باب میں موت کے حوالہ سے میں ایک ایسے نفس کے متعلق بتاؤں گا جسے میری اپنی ذات سے بھی گہرا تعلق ہے اور میں ذاتی طور پر ان تمام واقعات کا گواہ ہوں۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ حیات بعد الموت کے مضمون پر میری اس قدر دلچسپی کا باعث بھی یہی وجہ بنی تو یہ صحیح ہوگا۔

''یہ روح میرے والد محترم چوہدری محمد شریف خان کی تھی جو 1981ء کو حج کے بعد بارہ ذوالحجہ کو خانہ کعبہ میں طواف الوداع ادا کرتے ہوئے تیسرے چکر پر حطیم شریف کی دیوار کے پاس فوت ہوگئے تھے۔ وہیں سے ان کے ساتھی ان کے مردہ جسم کو اٹھا کر منیٰ کیمپ میں لے آئے جہاں وہ میری والدہ صاحبہ کے ساتھ عارضی طور پر رہائش پذیر تھے۔ لوگوں کے ہجوم نے محسوس کیا کہ کیمپ میں ایک عجیب خوشبو پھیل گئی ہے جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ علماء کا خیال تھا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی کا کوئی خاص بندہ فوت ہو جائے تو آسمان سے فرشتے اس کیلئے خوشبو کا لباس لے کر اترتے ہیں اور شاید یہ خوشبو بھی کسی ایسی ہی وجہ سے تھی۔ والد صاحب کی میت کو نہلانے دھلانے کے بعد سعودی حکام کے سپرد کر دیا گیا اور وہ مکہ مکرمہ کے جنت المعلیٰ میں دفن کر دیئے گئے لیکن ساتھیوں کا بیان ہے کہ وہی مسحور کن عجیب خوشبو بعد میں بھی گاہے بگاہے ان کے منیٰ کیمپ میں آتی رہی۔ تیرہ ذی الحج کو جب ان کے ساتھی مکہ مکرمہ میں ان کی رہائش گاہ پہنچے تو وہاں بھی اسی خوشبو نے ان کا استقبال کیا۔

۱۷ ذی الحج کو جب والدہ صاحبہ بذریعہ PIA کراچی پہنچیں تو میں ان کو لینے کیلئے ایئرپورٹ پر موجود تھا۔ ساتھی حجاج نے مجھے خوشبو کے یہ تمام واقعات بتائے لیکن مجھے یقین نہیں آیا، کراچی سے لاہور تک ہمارا سفر خیبر میل کے ایئرکنڈیشنڈ ڈبے میں تھا۔ میں والدہ صاحبہ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا میرے والد صاحب کے ساتھی بھی اس ڈبے میں تھے۔ انہی میں سے ان کے سگے بھانجے چوہدری محمد اسلم خان، ان کے صاحبزادے تمیز الدین اور ان کی اہلیہ بھی تھیں یہ سب لوگ حج کے دوران بھی ساتھ تھے۔ ریل گاڑی روانہ ہوئے کوئی گھنٹہ گذرا ہوگا کہ حیدرآباد کے قریب خوشبو کا ایک جھونکا آیا جس کی مثال دینا مشکل ہے، میں حیران ہو کر ابھی سوچ ہی میں تھا کہ حاجی اسلم صاحب نے اعلان کیا کہ ڈبے میں چوہدری صاحب کی روح موجود ہے۔ لاہور پہنچتے پہنچتے چار مرتبہ یہی منظر پیش آیا۔ جب لاہور پہنچے تو رشتہ داروں کا ایک ہجوم گھر میں جمع تھا۔ فاتحہ کیلئے بیٹھے تو سب نے محسوس کیا کہ جیسے چوہدری صاحب کی روح اپنے دوستوں سے فرداً فرداً مل رہی ہے۔ بحیثیت سائنس دان میں نے ان تمام واقعات کو سائنسی انداز میں پرکھنا شروع کیا اور باقاعدہ ریکارڈ تیار کرنا شروع کر دیا جس میں خوشبو کا وقت، وقفہ، ہیئت، گواہین اور دیگر ضروری کوائف درج کر لئے جاتے تھے۔ اس طرح کراچی سے لے کر اگلے چار پانچ ماہ تک جب تک یہ واقعات پیش آتے رہے ہیں ان کا سائنسی انداز میں تجزیہ کر کے ریکارڈ تیار کرتا رہا اور بعد میں ایک کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ (کتاب ''روح کی خوشبو'' 1983ء راولپنڈی)۔

اکثر ایسا ہوتا کہ جب ہم ان کا ذکر کرتے تو وہ وہاں پہنچ جاتے۔ 13 فروری 1982ء کا ذکر ہے کہ اسلام آباد اپنے گھر میں رات کے وقت میں نے محسوس کیا جیسے میرے اوپر کوئی لحاف ٹھیک کر رہا ہے جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ کمرہ اسی جانی پہچانی خوشبو سے بھرا ہوا تھا اور ایک مدھم روشنی کا انسان نماء جسم کمرے سے باہر جا رہا تھا۔ میں نے ان کا پیچھا کیا لیکن ڈرائنگ روم تک پہنچتے ایسے لگا جیسے وہ بند دروازوں سے گزر کر باہر چلا گیا ہے۔

روح کی خوشبو کے واقعات کا سلسلہ تقریباً مارچ 1982ء تک چلتا رہا اور پھر اچانک بند ہو گیا، جس پر ہماری والدہ سمیت تمام بھائی بہن حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ کوئی تین ماہ بعد لاہور میں وہ ہمارے ایک پڑوسی عبدالرحمان نامی کی بیگم صاحبہ کو خواب میں نظر آئے لیکن اس دفعہ ان کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی، منہ ٹیپ سے بند کیا ہوا تھا اور انکے ساتھ دو آدمی تھے جنہوں نے انہیں پکڑا ہوا تھا۔ عبدالرحمان صاحب کی بیگم نے عالم خواب میں ہی گھبرا کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس آدمی نے تمہیں ایک بار برا بھلا کہا تھا اور یہ اسی گناہ کی پاداش میں پکڑے گئے ہیں اور اب تم ہی اسے معاف کر سکتی ہو۔

واقعہ یوں تھا کہ والد صاحب پنچایت کے ذریعے لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ 1972ء کی بات ہے کہ مذکورہ عبدالرحمٰن اور انکی بیگم اپنے ایک کرائے دار کے خلاف جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے۔ اگرچہ قصور کرائے دار کا ہی تھا لیکن والد صاحب نے وقتی مصلحت کی خاطر بیگم عبدالرحمان سے کہا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور پنچایت میں اسے ڈانٹ دیا جس پر وہ بیچاری اپنی مجبوری کے باعث بہت پریشان ہوئی اور روتی رہی۔ اس واقعہ کے دس سال بعد جب والد صاحب کی وفات ہوئی اور قبر میں حساب کتاب ہوا تو حقوق العباد کی اس کوتاہی پر وہ پکڑے گئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بیگم عبدالرحمٰن صاحبہ سے معافی مانگنے کی مہلت دی، کہ جاؤ اگر وہ بخشتی ہے تو ٹھیک ورنہ قیامت تک ایسے ہی رہو گے۔ یہ بات سن کر بیگم عبدالرحمٰن کی آنکھ کھل گئی اور دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر انہیں معاف کر دیا۔ اگلے دن پھر وہ خواب میں نظر آئے لیکن اب کے وہ آزاد اور خوش خرم تھے۔ انہوں نے بیگم عبدالرحمٰن کا شکریہ ادا کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کے گھر جا کر یہ واقعہ بتائیں اور خوشخبری بھی دیں کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے اور یہ بھی بتائیں کہ وہ عصر کی نماز کے وقت خوشبو کی شکل میں گھر آئیں گے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ اور میرے بہن بھائی جو اس وقت لاہور میں تھے اکٹھے ہو گئے۔ عین عصر کی اذان کے ساتھ ہمارا گھر ان کی روح کی مخصوص خوشبو سے بھر گیا۔ اس واقعہ کے بعد خوشبو کے ذریعے ان سے ملاقات کا سلسلہ کم سے کم ہوتا گیا اور پھر ختم ہو گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ دوسرے جہاں کی مصروفیت میں اس قدر مگن ہیں کہ اب آنے کا وقت نہیں"۔

میں نے ان واقعات سے متاثر ہو کر اس مسئلے پر مزید تحقیق شروع کر دی اور معلوم ہوا کہ والد صاحب کی روح کی خوشبو جیسے واقعات کچھ دیگر ہستیوں کو بھی پیش آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے خطوط کے ذریعے مجھے اطلاع دی جو سب میرے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ 1983ء میں "روح کی خوشبو" کے نام سے میری لکھی گئی کتاب میں ان میں سے کچھ واقعات درج ہیں۔ یہ تمام واقعات اس بات کا کھلا اور زندہ ثبوت ہیں کہ موت کے

بعد انسانی نفس زندہ رہتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ روح کی خوشبو کے واقعات ان لوگوں میں بھی ہوتے ہیں جنہیں عام اصطلاع میں غیر مسلم کہا جاتا ہے۔ مثلاً جیمز وان پراگ (U.S.A) اپنی کتاب Talking with Heaven میں لکھتے ہیں کہ ان کے مشاہدات و تجربات میں یہ بات کئی دفعہ آئی ہے کہ روحیں اپنے ہونے کا ثبوت بذریعہ خوشبو دیتی ہیں۔ دراصل معصوم ارواح مشرق و مغرب ہر ایک معاشرہ میں پائے جاتے ہیں۔ کافر تو تب ہوتے اگر وہ جان بوجھ کر اسلام کو رد کرتے۔ اگر کسی بھی فرد کو ذاتی طور پر حکمت سے اسلام پیش ہی نہیں کیا گیا تو اسکا حساب تو اپنے طور طریق پر ہی ہوگا۔ بیشک جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے کہ وہ کسی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر ٹیسٹ میں نہیں ڈالتا۔ **"لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔۔۔"**

34.1 روحوں کے متعلق مزید مشاہدات

پاک بھارت جنگ 1965ء اور جہاد افغانستان میں بعض شہداء کے واقعات بھی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہیں کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور شعوری حالت میں آزادی سے کائنات میں سیر کرتے ہیں۔ ان شہداء پر کچھ چشم دید گواہوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں دیئے گئے واقعات پر شک کی کوئی وجہ نہیں۔ مشہور دانشور اور بیوروکریٹ مرحوم قدرت اللہ شہاب صاحب کی خودنوشت "شہاب نامہ" میں بھی ان کے ساتھ پیش آنے والے نفوس کے واقعات درج ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ یہ نفوس وہ ہیں جو مسلمان نہیں تھے اور زمین پر حسرت و یاس کی حالت میں بھوت بن کر بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی کی کتاب "روحوں کی دنیا" بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق عالم برزخ میں کئی سعید روحوں کے واقعات لکھے ہیں۔ حضرت گنج بخش علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب میں بھی عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کے بعض ولیوں کی زندگی کے حالات بتائے گئے ہیں۔ مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ نے چودھویں صدی عیسوی میں اپنے سفرنامہ میں بھی کچھ بزرگوں کی روحوں کے بڑے حیرت انگیز واقعات لکھے ہیں جو پڑھنے کے لائق ہیں۔

خود ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنگ بدر کے چند سال بعد جب مقام صفرا سے گزر رہے تھے تو تمام صحابی حیران رہ گئے کہ ماحول میں خوشبو ہی خوشبو چھا گئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ خوشبو کیسی ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شہید بدر جناب عبیدہ بن حارثؓ کی روح ہم سب کو خوش آمدید کہہ رہی ہے۔ جناب عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں ہی دفن ہیں۔ روحوں کے متعلق ایسے ایسے واقعات اور مشاہدات سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ حیات بعد الموت اور ارواح کے واقعات روزمرہ کے

شواہد تو نہیں لیکن یہ سب بالکل انہونی بات بھی نہیں کہ اسے صرف ایک عقیدہ کہا جائے بلکہ ہر زمانہ میں ہر مذہب کے لوگ اور آج کل کے کچھ جدید سائنس دان بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا نفس (Spirit) زندہ رہتا ہے۔ موت کے بعد والی حیات میں شعور ہوتا ہے، اس میں خوشی ناخوشی، اطمینان اور یاس حسرت سبھی کچھ ہے لیکن ان کا دارومدار اس پر ہے کہ اس فرد نے دنیاوی زندگی کیسے گزاری تھی۔ بے شک:

تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرُ ۝ نِ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ۝

بڑی بابرکت ہے وہ ذات پاک جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس نے موت کو پیدا کیا اور زندگی کو، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہی عزت والا، بخشنے والا ہے O

(سورۃ الملک۔ آیت ۱۔۲)

باب نمبر 35

مرکر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور برزخی حیات کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ

35.1 اسلامی تجزیہ کیوں ضروری ہے؟

اس کتاب میں آپ کئی ایک مرکر زندہ ہونے والے اشخاص کے مشاہدات کی روداد پڑھ چکے ہیں۔ یہ واقعات اس تواتر سے ہیں اور ان کی چھان بین کرنے والے لوگ ایسے مانے ہوئے بزرگ، سائنسدان اور محقق ہیں کہ ان کی صحت کے بارے میں شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ کبھی کبھار موت کی وادی سے گزر کر لوگ واپس بھی آجاتے ہیں اور بعض اوقات مرے ہوئے لوگ اپنی موجودگی کا احساس خوابوں میں، خوشبو سے اور دوسرے طریقوں سے دیتے رہتے ہیں۔ یہ تحقیقات اور ان کے علاوہ پیرا سائیکی، ماورائی طریقوں سے پیغام رسانی اور سراغرسانی میں ترقی بھی ثابت کرتی ہے کہ انسان محض جسم نہیں بلکہ وہ ایک ماورائی شخصیت ہے جسے موت نہیں۔ قرآن پاک کی زبان میں اسے نفس کہا گیا ہے۔ اسی کو روح، سپرٹ، مائنڈ (Mind)، سائیکی وغیرہ کے نام بھی دیے جاتے ہیں۔ یہ تحقیقات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جو لوگ حیات بعد الموت کو نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ خیال کہ ہماری زندگی بس یہی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں۔ ایک فرسودہ نظریہ ہے جس کی جدید سائنس بھی نفی کر رہی ہے۔ ایسے غلط عقیدے کے لوگ اس وقت بھی تھے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور آج بھی ہیں۔ ان سب کو ایک ہی قرآنی جواب ہی کافی ہے کہ "یہ محض گمان کی باتیں کرتے ہیں"۔ (سورۃ الجاثیۃ آیت 24) لیکن جو لوگ انسانی نفس کی بقا کو مانتے ہیں ان کے لیے بھی حیات بعد الموت کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ جب روح کی تفصیلات اور تجزیہ کا موقع آتا ہے تو اکثر ان میں اپنے اپنے مذہب اور عقائد میں جکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ قابل تشویش بات یہ ہے کہ امریکہ میں جو محقق اس موضوع پر سائنسی تحقیقات کر رہے ہیں وہ عیسائیت، بدھ مت اور ہندومت وغیرہ سے متاثر ہیں ان میں کئی ایک روحوں کو آواگون (Reincarnation) کے نظریہ کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی اگرچہ حیات بعد الموت کے قائل ہیں لیکن حساب کتاب، جزا اور سزا کے متعلق ان کی سوچ اسلام سے بہت دور ہے اور ان کی مذہبی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے بہت کم مدد ملتی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ حیات بعد الموت کے ایک ایک پہلو کو واضح کرتا ہے لیکن افسوس کہ اس کے خلاف مغربی دانشور بہت سی غلط فہمیوں، تعصبات اور ذہنی تحفظات کا شکار ہیں جن سے نجات پائے بغیر وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان علماء زندگی، موت کے بارے میں اسلامی تجزیہ پیش کریں۔ مندرجہ ذیل مضمون اس سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے جس کی تحقیق کے دوران قرآن کریم اور احادیث طیبہ کے علاوہ بہت سے اسلامی علمی

ماخذوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے انہی میں ایک نومسلم انگریز خاتون محترمہ رقیہ وارث مقصود کی انگلش میں لکھی گئی کتاب "موت کے بعد زندگی" (After Death Life!) جو طہٰ پبلیکیشن اردو بازار لاہور نے پبلش کی ہے شامل ہے۔اس کے علاوہ جناب عبدالرحمان عاجز صاحب کی کتاب "عالم برزخ" (پبلیشر رحمانیہ دارالکتب فیصل آباد) سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

35.2 محافظ فرشتے

مغربی ممالک میں مرکر زندہ ہونے والوں کے واقعات میں محافظ ارواح کا ذکر آتا ہے جو مردہ کی روح کو اگلے جہان میں لے کر جاتی ہیں۔قرآن کریم بھی ہمیں بتاتا ہے کہ دنیاوی حیات میں ہر انسان مرد ہو یا عورت اس پر اللہ تعالیٰ نے دو محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں، جو زندگی میں انہیں شیاطین کے شر سے بچاتے ہیں، اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں اور ساتھ ساتھ اعمال کو بھی لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے اعمال کا یہ ریکارڈ آخرت میں ہمارے اوپر گواہی کے طور پر پیش ہوگا۔اس میں انسانی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ریکارڈ ہے۔جب موت کا حکم آجاتا ہے تو یہ محافظ فرشتے نفس کو اگلے جہان میں لے کر چلتے ہیں۔یوں ان کا اور ہمارا ساتھ قیامت تک ہے۔قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے بہترین ساتھی ہیں، وہ ہماری بہتری کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے ہیں، برائی کے خلاف ہماری ضمیر کی آواز بن کر سامنے آتے ہیں، جب ہم نیکی کا ارادہ کرتے ہیں تو فوری لکھ لیتے ہیں لیکن گناہ لکھنے میں اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک ہم اصل میں اسے سرانجام نہیں کر دیتے۔

قرآن کریم میں اکثر ان فرشتوں کا ذکر ہے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں۔

> ''اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی موت آتی ہے، تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کے نفس کو وصول کر لیتے ہیں، اور وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے''۔ سورۃ انعام، آیت 61

سورۃ السجدہ آیت 11 میں ارشاد ہے کہ:۔

> ان سے کہو، ''موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا، اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے''۔سورۃ السجدہ، آیت 11

ایسی آیات کریمہ میں آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ مرکر زندہ ہونے والوں پر مغرب میں جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں جن ساتھی فرشتوں کا ذکر آتا ہے وہ ہمارے ساتھ پہلے ہی موجود ہیں۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ بتاتی ہے کہ اگر مرنے والا نیک صالح ہے تو

اس کے ساتھی فرشتے اسے نہایت ادب و احترام سے لے کر اگلے جہاں کو جاتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد صاحبؓ شہید ہوئے تو کافروں نے ان کے جسم کو بری طرح خراب کردیا، اس لیے ان پر ایک چادر ڈال دی گئی کہ گھر والے دیکھ نہ پائیں لیکن اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حکم دیا کہ چادر ہٹادو کہ قریبی عزیز جسم کو دیکھ سکیں۔ دیکھنے کے بعد جب میری بہن بہت زیادہ رونے لگی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا "تم کیوں رورہی ہو، جابر پر تو اللہ کے فرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں اور وہ اسے اٹھاکر جنت کی طرف جارہے ہیں"

35.3 عارضی موت کے بعد روح کی واپسی

مر کر زندہ ہونے والوں کے متعلق تمام سائنسی مشاہدات عارضی موت کے واقعات ہیں لیکن یہ سوال کہ کیا اسلام بھی عارضی موت کو مانتا ہے؟ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ قرآن کریم تو ہمیں روزانہ مرنے اور زندہ ہونے کی خبر دیتا ہے اس کے نزدیک جب کوئی آدمی سو جاتا ہے تو اس وقت اس کا نفس اس کے جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اگرچہ زندگی باقی ہوتی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ روح زندہ انسان کے جسم سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور پھر واپس بھی آسکتی ہے۔ اس سلسلے میں سورۃ انعام کی مندرجہ ذیل آیت نہایت قابل غور ہے۔

> ''اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کرتے ہو، پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے تاکہ مقرر میعاد پوری ہو، پھر اس کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتادے گا جو کچھ تم کرتے ہو''۔ سورۃ انعام، آیت 60

مندرجہ ذیل آیت مبارک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب چیز نہیں ہے فرمایا کہ:۔

> ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت نفوس کو قبض کر لیتا ہے، اور جو ابھی نہیں مرا اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے، اور دوسروں کی روحیں ایک مقرر وقت کیلئے واپس بھیج دیتا ہے، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔ سورۃ الزمر شیہ، آیت 11

ایسی آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نیند کی حالت یا بیہوشی کی حالت بھی ایک طرح کی عارضی موت ہے جس میں نفس جسم کو چھوڑ دیتا ہے۔ اپنی استطاعت اور قابلیت کے مطابق زمان و مکان میں ادھر ادھر نکل جاتا ہے اور وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اس کی یادداشت کو ہم خواب کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ حالت نیند میں نفس بہت کچھ دیکھتا ہے اور پھر ذہن میں پہلے سے محفوظ شدہ خیالات وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے جاگتے وقت تک یہ مشاہدات دوسرے خیالات اور مشاہدات سے مل کر کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔ بہت سے مشاہدات تو جاگنے سے پہلے ہی بھول جاتے ہیں یا ذہنی خیالات اور پریشانیوں کے ساتھ مل کر نا قابل فہم تاثرات میں بدل جاتے ہیں۔

بہر حال آیت مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب بات نہیں۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اور دوسرے محققین کے مشاہدہ میں جو واقعات آتے ہیں وہ گہری نیند یا بے ہوشی سے بھی آگے کے واقعات ہیں جہاں روح اتنی دور نکل جاتی ہے کہ جسم کے احساسات بھی ختم ہو جاتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی جسم مادی طور پر مرتا نہیں بلکہ اس میں ایک خفیف سی زندگی کی لہر چلتی رہتی ہے اور نفس کا رشتہ بھی اس سے برقرار رہتا ہے۔ اس لیے موڈی وغیرہ جس حالت کو Clinical Death کہتے ہیں وہ حقیقی موت نہیں بلکہ گہری نیند یا بے ہوشی سے ملتی جلتی حالت کا نام ہے۔ اس حالت میں بھی جسم کی زندگی پوری طرح ختم نہیں ہوتی صرف روح یا شعور (Consiouness) دور نکل جاتا ہے جو اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو دیکھتا ہے اور بعض اوقات یاد بھی رکھتا ہے لیکن یہ خوابوں جیسا ہی معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارضی موت کے بعد اٹھنے والوں کی اکثر گڈ مڈ رپورٹ ہوتی ہے جس کا ڈاکٹر ریمنڈ موڈی بھی اعتراف کرتے ہیں۔

محققین کیلئے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم متعدد بار ایسے لوگوں کے زندہ ہونے کے متعلق بھی بتاتا ہے جو ایک دو سال نہیں بلکہ سینکڑوں سالوں بعد دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مدت تک دنیا میں عام انسانوں کی طرح زندہ رہے اور پھر دوبارہ فوت ہوئے۔ اس سلسلہ میں اصحاب کہف کا قصہ ایک مثال ہے وہ تین سو سال سے زیادہ عرصہ عارضی موت کی حالت میں رہنے کے بعد اٹھ پڑے۔ (سورۃ کہف آیات 8 تا 26) اس کے علاوہ قرآن کریم ایک ایسے واقعہ کا پھر ذکر کرتا ہے جس میں ایک پورے کا پورا گاؤں مدتوں سے تباہ ہو چکا تھا۔ اسے زندہ کر دیا گیا (سورۃ یٰسین) نہ صرف انسانوں کا عارضی موت کے بعد زندہ ہونا بلکہ قرآن کریم حیوانوں کے متعلق بھی بتاتا ہے جو دوبارہ زندہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کے زندہ ہونے کا واقعہ بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ غرض وحی الٰہی عارضی موت کی نہ صرف تصدیق کرتی ہے بلکہ کئی ایک واقعات بھی بیان کرتی ہے۔

35.4 روح کے احساسات

موت کے بارے قرآن کریم سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ یہ انسان کا مٹ جانا نہیں بلکہ محض اس کے جسم کی موت ہے۔ ایسے ہی جیسے آپریشن سے ناکارہ اعضاء کاٹ کر پھینک دیے جاتے ہیں لیکن انسان باقی رہتا ہے۔ موت کے بعد ہمارا سارے کا سارا

جسم بیکار ہو جاتا ہے لیکن آدمی کی شخصیت اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور اس کے احساسات ختم نہیں ہوتے۔ یہ وہ اساسی مشاہدات ہیں جن کی تصدیق عارضی مرنے کے بعد زندہ ہونے والے بار بار کرتے ہیں۔ یہی بات قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مستقل موت کے بعد شعور زندہ رہتا ہے، انسان کی یادداشت اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اپنے پیچھے رہنے والوں کو نہیں بھولتا۔ مندرجہ ذیل آیت خاص طور پر شہداء کے متعلق ہے ارشاد ہے کہ:۔

> ''مت سوچو کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوئے وہ مر گئے ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں، انہیں ان کے رب کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے رزق پا کر بہت خوش ہوتے ہیں، اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ، ان کے اوپر نہ کوئی غم ہے نہ خوف''۔
>
> سورۃ آل عمران، آیت 156

اسی طرح قرآن کریم کی کئی دوسری آیات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام نیک لوگ موت کے بعد اپنے اپنے مقام میں خوش ہوتے ہیں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کے متعلق ان کی فکر ہوتی ہے کہ وہ بھی راہ راست پر چلیں تا کہ جب وہ اپنے نئے جہاں میں آئیں تو خوش رہیں۔ جدید محققین کے مشاہدات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والوں کی یادداشت قائم رہتی ہے انہیں گردو پیش میں ہونے والے حالات و واقعات کا بھی شعور ہوتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم حیات بعد الموت پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کو بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کا شعور مزید کھل کر سامنے آ جاتا ہے اور حقیقت کے ادراک کی صلاحیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ فرمایا:۔

> ''تمہیں غافل رکھتی ہے کثرت کی حرص یہاں تک کہ تم قبروں کو جا پہنچو گے، اس کے بعد تم جان لو گے (کہ حقیقت کیا ہے؟) پھر سن لو تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا، ہرگز نہیں، بلکہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھو گے''۔
>
> سورۃ التکاثر، آیات 1-5

35.5 مردوں کے سننے، دیکھنے اور جواب دینے کی صلاحیت

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ موت کے بعد انسان کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اور انسان حقیقت کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اپنی اس نئی حالت میں وہ پہلے سے مرے ہوئے لوگوں کے نفوس، فرشتوں اور جنات کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنے ماحول سے آگاہ ہوتا ہے اور لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی بات کسی کو نہیں سنا سکتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارک بھی تصدیق کرتی ہیں کہ انسان کا شعور یادداشت اور ماحول سے آگاہی موت کے بعد بدستور زندہ رہتیں ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنویں کے پاس گئے جس میں کفار کی

لاشیں ڈالی گئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارتے تھے اور پوچھتے کہ " کیا تم نے دیکھ لیا کہ حق کیا ہے؟" جب حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ " حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا مردہ بھی سن سکتے ہیں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " ہاں، البتہ زندہ انسان ان کی بات نہیں سن سکتے "۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، " جب لوگ قبروں میں رکھے جاتے ہیں تو وہ پاس کھڑے لوگوں کے قدموں کی چاپ تک کو سنتے ہیں لیکن ہم ان کی چیخ و پکار کو نہیں سنتے "۔ (مسلم۔ ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ " مرنے کے بعد انسان کا نفس فرشتوں کی معیت میں جنازے کے ساتھ ساتھ جا رہا ہوتا ہے، اگر وہ نیک ہے تو کہتا ہے جلدی کرو، اگر بد ہے تو خوف کے مارے چاہتا ہے کہ اسے دفن نہ کیا جائے۔ "

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر بھی دی کہ ' جب نفس جسم کو چھوڑ دیتا ہے اس وقت وہ سب کچھ دیکھتا ہے اپنی لاش کے اردگرد موجود لوگوں کو پکارتا ہے۔ ان کے ذہن میں آنے والے خیالات تک سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اتنا مجبور ہوتا ہے کہ اپنی بات کسی کو سمجھا نہیں سکتا۔ قبر کے حالات کے سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو نفس کو بٹھا لیا جاتا ہے اور دو فرشتے وہاں آتے ہیں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے تو اس کیلئے جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا تو جہنم کی کھول دی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم برزخ محسوسات کا عالم ہے اور نفوس اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہاں رہتے ہیں۔

35.6 پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات

اسلامی روایات سے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کے علاوہ مرنے والے کے پہلے سے مرے ہوئے عزیزوں اور دوستوں کی ارواح بھی آتی ہیں تا کہ آنے والے اجنبی حالات میں اس کا دل بہل جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد بن وصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت حضرت ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ اس وقت محمد بن وصیؒ نے فرمایا کہ " اے میرے رب کے فرشتو خوش آمدید "۔ (حوالہ " موت کے بعد کی زندگی "، مصنفہ محترمہ رقیہ وارث مقصود) مصنفہ موصوفہ اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھتی ہیں کہ " جب میری دادی صاحبہ انتقال کر رہی تھیں میں نے ان کے بستر کے پاس ایک موہوم سایہ دیکھا جو مجھے ان کی والدہ معلوم ہوئیں۔ اتنے میں دادی صاحبہ نے کہا " کیا ماں اب میں آسکتی ہوں؟ " اور پھر وہ فوت ہو گئیں۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی والدہ کی روح ان کی تسلی کی خاطر وہاں آئی ہوئی تھی اور مرنے والی سے باتیں بھی کر رہی تھی "۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی جو تھوڑی دیر پہلے ہی فوت ہوا تھا کے متعلق فرمایا کہ " وہ اپنے مومن بھائی بندوں کے ساتھ بہت خوش ہے "۔ ابو ہریرہؓ ہی سے ابو نسائی میں روایت ہے کہ " جب ایک مومن فوت

ہو جاتا ہے اس وقت فرشتے کپڑے کی ایک سفید چادر کے ساتھ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اچھے نفس آؤ، اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے راضی۔ اپنے رب کی طرف آؤ پھر حکم ہوتا ہے اس کے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ میری جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ فرشتے اس کو لے کر چلتے ہیں اور خوش آمدید کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ جنت کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے وہاں کے فرشتے کہتے ہیں کیا خوبصورت دلفریب خوشبو تم زمین سے لے کر آئے ہو۔ وہ اسے وہاں پہلے سے موجود مومنوں کی روحوں سے ملاقات کیلئے لے جاتے ہیں جو اسے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں، ایسے ہی جیسے انسان دنیا میں مدت کے بعد اپنے کسی بچھڑے عزیز سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ (النسائی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو کہ ایک مشہور اور نامور صوفی عالم بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی 1763ء) کے واقعات حالات اور ان کے بزرگوں کے حوالہ سے یادداشتوں پر مشتمل کتاب ''ملفوظات شاہ عبدالعزیز'' کے نام سے لکھی ہے جس کی تلخیص محمد موسیٰ بھٹو نے اپنی کتاب ''اللہ کی محبت کا نصب العین'' مطبوعہ سندھ نیشنل اکیڈمی B-400 لطیف آباد حیدر آباد نے کی ہے۔ شاہ عبدالعزیز موت کے وقت خصوصی لوگوں سے ملاقات اور بخشش کی خوشخبری کے متعلق ایک ذاتی مشاہدہ اپنی کتاب کے صفحہ 56 پر لکھتے ہیں کہ ''جس وقت میں پرانی دہلی میں رہتا تھا، ایک سید صاحب کے گھر میں ایک جاہل پوربن باندی کو دیکھا، میرے خیال میں اس نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی ہوگی، لیکن چونکہ بڑھیا تھی اور بزرگ کے صاحبزادوں کی پرورش اس نے کی تھی، اس لیے وہ اس کی بہت خاطر مدارت کرتے تھے۔ جب اس باندی کی موت کا وقت قریب آیا، ایک آواز اس کے منہ سے مشرقی لہجہ کے انداز پر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، تمام حکیموں کو بلا کر پوچھا، کسی نے نہ سمجھا، سب سے آخر میں میرے چچا جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا کو بلایا گیا، انہوں نے آکر معلوم کیا کہ یہ کہتی ہے کہ **''لاتخافی ولاتحزنی''** یعنی ''اے عورت تو کچھ خوف نہ کر اور غمگین نہ ہو''۔ لوگوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ آپ اس سے یہ پوچھیں کہ وہ ایسا کیوں کہتی ہے؟ اس نے شاہ صاحب کو بتایا ''ایک جماعت کھڑی میرے سامنے یہی کہہ رہی ہے''۔ پھر پوچھا، اس کے کیا معنی ہیں؟ کہا معنی نہیں جانتی ہوں، اتنا معلوم ہے کہ اس جماعت کے لوگ میری تسلی کیلئے یہ کلمے کہتے ہیں''۔ اس خاتون سے پھر پوچھا گیا کہ ان جماعت والوں سے پوچھ کہ کون سے عمل کی وجہ سے یہ تیری تسلی کرتے ہیں؟ بہت دیر کے بعد کہا کہ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ تو نے کچھ نماز، روزہ وغیرہ نیک کام تو نہیں کیا ہے، مگر ایک دن جاڑے کے موسم میں بازار سے تیل لینے کیلئے گئی تھی، اس تیل میں سے ایک روپیہ نکلا، اول تو نے یہ چاہا کہ چپ چاپ اپنے کام میں لے آؤں اس لیے کہ کسی کو خبر تو ہے ہی نہیں، پھر غور کیا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ روپیہ، روپیہ والے کو واپس کر دیا، صرف یہ کام تیرا اللہ کو پسند آیا ہے، اسی کے بدلہ میں ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تو کچھ خوف مت کر اور کچھ غمگین نہ ہو''۔ (صفحہ 56)

35.7 روح نکالنے میں غلطی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے ذاتی مشاہدات سے ایک اور حیرت انگیز واقعہ کسی ہندو کے مر کر زندہ ہونے کا لکھتے ہیں۔ جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعض اوقات روح نکالنے والے فرشتوں کو غلطی بھی ہو سکتی ہے لیکن جب روح کو بڑے فرشتہ یعنی عزرائیل علیہ السلام کے سامنے

پیش کرتے ہیں تو وہ ان کی غلطی پکڑ کر واپس لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "ایک طبیب نے آ کر عرض کیا کہ آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ نواب نوازش علیخان کے چپڑاسی نے اپنے والد کی علالت کی خبر پا کر رخصت حاصل کی تھی۔ چپڑاسی جب وہاں پہنچا، دو تین دن کے بعد اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جب اس کو آگ میں جلانے لگے وہ زندہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ مجھے ننگے پاؤں کانٹوں پر لے جا رہے تھے، مجھے نقیب (فرشتہ) کے پاس لے گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے جس کو میں نے طلب کیا تھا، پس مجھے رہا کر دیا گیا۔" یہ واقعہ بتانے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بتایا کہ اس معاملہ میں فرشتوں کو روح قبض کرنے میں مغالطہ ہوا تھا۔ اس حکیم نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ بہت موقعوں پر میں نے ایسا سنا ہے۔ فرشتوں کو روح نکالنے میں غلطی ہو سکتی ہے "لیکن یہ کیوں ہوتی ہے میں نہیں جانتا۔ (حوالہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

شاہ عبدالعزیز صاحب ہی اپنے والد صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (صفحہ 120۔ محمد موسیٰ۔ اللہ کی محبت کا نصب العین) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت والد ماجد کے متوسلین میں سے ایک عورت تھی، جس کا نام لاڈلی خانم تھا۔ ہم بچوں سے اس کو بڑی انسیت تھی۔ ہم بھی اس سے فارسی قصوں کی فرمائش کرتے تھے اور فارسی گوئی اس مغلانی سے ہم نے سیکھی تھی۔ الغرض دوسری عورتوں کی طرح وہ مغلانی بھی حضرت قطب صاحب کی زیارت کو گئی، وہاں وہ بے ہوش ہو گئی اور علامات موت اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ جب اس کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت صاحب نے دیکھا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زندہ ہو گئی، دو تین دن بعد اس کو دہلی لائے اور اس سے واقعہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ "میرے پاؤں کے انگوٹھے میں ایک سرسری معلوم ہوئی اور میں بے ہوش ہو گئی اور مجھے ایک جگہ لے جایا گیا، وہاں ایک بزرگ نے لے جانے والوں سے کہا کہ اس لاڈلی خانم کو ہم نے طلب نہیں کیا تھا بلکہ لاڈلی خانم بنت فلاں کو طلب کیا تھا، پھر مجھے رہا کر دیا گیا"۔ جب تحقیق کی گئی تو اسی وقت دوسری لاڈلی خانم کی وفات ہوئی۔ اس لاڈلی خانم کی قوت حواس جاتے رہے تھے، کھانے اور پھلوں کے ذائقہ تک بھول چکی تھی۔ گویا اب وہ لاڈلی خانم اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ نہیں تھی اور ترش چیزیں زیادہ کھاتی تھی۔ اگرچہ دو تین سال تک زندہ رہی لیکن ہمارے خیال سے جا چکی تھی، کیونکہ اس کی تمام حرکات و سکنات خوش لہجہ اور فطانت و سخن فہمی وغیرہ صفات اب اس میں باقی نہ تھے۔ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات نکالنے والے فرشتوں کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔ (صفحہ 120۔ محمد موسیٰ۔ اللہ کی محبت کا نصب العین)

35.8 جسم اور روح کا تعلّق

مندرجہ ذیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے مشاہدات سے بتاتے ہیں کہ مرنے کے بعد روحوں کا اپنے جسم کے ساتھ کچھ عرصہ کیلئے تعلق قائم رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا مندرجہ ذیل بیان نہایت قابل غور ہے۔

"ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے یہ تعلق روح مع الجسم ہر

آدمی کیلئے ہے یا خاص کراولیاء کی خصوصیت ہے؟"۔ ارشاد فرمایا کہ "جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق کم ہو جاتا ہے، مگر بعض اولیاء جن کیلئے خدا تعالیٰ کو فیضان معرفت منظور ہوتا ہے زیادہ مدت تک یہ تعلق روح باقی رہتا ہے"۔ (صفحہ 134۔ محمد موسیٰ۔ اللہ کی محبّت کا نصب العین)

یہ ہے مومن کی موت کی شان۔ گھر والے اس کے جانے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں لیکن وہ وہاں خوش ہوتا ہے۔ پرانے ساتھیوں سے ملتا ہے۔ دوسرے نیک لوگوں سے ملتا ہے، فرشتے اس کوخوش آمدید کہتے ہیں۔ کسی مرنے والے نیک مرد یا عورت کو اگر کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن یا اولاد کے غم کو دیکھ کر غمزدہ ہو جاتا ہے، ورنہ اس کیلئے وہ زندگی ایسی ہے کہ وہ وہاں سے کبھی واپس نہیں آنا چاہتا۔ سائنسی تجربات سے بھی یہی ثابت ہوئی ہے کہ بعض ارواح مرنے کے بعد دوبارہ اپنے جسم کی دنیا میں آنا نہیں چاہتیں۔

جہاں تک موت کے بعد پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات کا تعلق ہے اس کے بارے میں یوم الدین کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس دن زمان ومکان میں ہر جگہ کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ:۔

> ''ایک دن وہ ذات پاک سب کو اکٹھا کرنے والی ہے، اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے انہوں نے، ایک گھڑی سے بھی کم عرصہ انتظار کیا ہے، اور وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے"۔
>
> 10(45)

جیسا کہ ہم کئی بار پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ عالم برزخ اور یوم آخرت کی خوشیاں سب کیلئے یکساں نہیں ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور مخلوقات کو تکلیف پہنچائی اپنے بداعمال کی وجہ سے ان کیلئے مرنے کے بعد کی زندگی نہایت خوفناک ہوسکتی ہے۔ سائنسی تجربات میں بھی یہی بات سامنے آئی ہے کہ کئی ایک مرنے والے وہاں بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:۔

> ''اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا احسن بدلہ ملے گا، جو برائی کرتا ہے اس کیلئے برائی کے مطابق سزا ہے''۔ 28(84)

35.9 مردوں کا خوابوں میں ملنا

یہ سوال ہے کہ کیا مستقل طور پر مرنے والے واپس آ کر دنیا کے لوگوں کو مل سکتے ہیں، اسلامی روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ مردے خوابوں میں آ کر اپنے عزیزوں کو ملتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب خلیفہ حضرت عبدالعزیز بن سلیمان فوت ہوئے تو اپنے ایک دوست کو خواب میں ملے، جنہوں نے ان سے موت کے بعد کے حالات پوچھے۔ عبدالعزیز نے بتایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاف

فرمادیا۔اس کی رحمت نے ہمارے سارے گناہ چھپا لیے۔صرف ہمیں اس کی مہربانی ہی مہربانی ملی ہے"۔ (L.Mabrouk. "Soul Journey After Death" - Daral-Taqwa-PSO)

اوپر دی گئی بحث سے آپ نے دیکھا ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کے حوالہ سے ارواح پر تحقیقات سے جو باتیں سامنے آئیں ہیں وہ بڑی حد تک قرآن کریم اور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث میں دی گئی خبروں سے مطابقت رکھتی ہیں۔یوں جدید تحقیقات اور مشاہدات کو دراصل اللہ تعالیٰ کی کتاب اور صاحب کتاب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمودات کی مزید تشریح اور تصدیق کہا جاسکتا ہے۔یہ سب قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ آدمی کے نفس کو موت نہیں اور قیامت کے بعد یوم الدین کو ہمارے جسمانی اجزاء بھی دوبارہ زندگی پائیں گے۔اگرچہ یہ بکھر کر ایٹم ایٹم ہی کیوں نہ ہوگیا ہو اور تمام کائنات میں گم ہوگیا ہے۔اللہ تعالیٰ ایک ایک ایٹم کو اکٹھا کرے گا اور پھر سے وہی جسم پیدا کر دیا جائے گا جس کو ہم نے کبھی چھوڑا تھا۔1990ء کے بعد فزکس میں ہونے والی دریافتوں سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر ذرے کا ایک یادداشت سسٹم ہے،اگرچہ وہ اربوں میل علیحدہ علیحدہ بھی ہو جائیں تب بھی ایک دوسرے کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔اس کے متعلق حکم ربی ہے کہ:۔

"کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم ان کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ یہ تو کوئی بات ہی نہیں،ہم تو ان کے انگلیوں کے نشانات تک کو بحال کریں گے"۔(3-4)75

اس آیہ مبارک میں انگلیوں کے نشانات (Finger Prints) والی بات پر غور فرمائیے۔جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا انسان نے ان نشانات کی اہمیت کے بارے میں کبھی سوچا تک بھی نہیں تھا۔ان کی انفرادیت اور پیچیدگی ایسی ہے کہ دنیا میں کوئی سے دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات ایک سے نہیں ہوسکتے۔سبحان اللہ،جب ہمارے اجسام دوبارہ وجود میں لائے جائیں گے تو ہماری دراصل کے ہو بہو مطابق ہوں گے حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات تک بھی وہی ہوں گے۔بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کرنے کے قابل ہے ہمیں اس کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے اور موت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک روحیں جسم سے علیحدہ ہو کر ایسے سکون محسوس کرتی ہیں جیسے کوئی قیدی جیل سے رہائی پاکر خوش ہوتا ہے۔البتہ جو لوگ جان بوجھ کر کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کر رہے ہیں ان کیلئے ڈرنے کی بات ضرور ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مومن کے لئے یہ دنیا مانند جیل ہے اور گنہگار کے لئے وہ دنیا"

35.10 برزخ سے روحوں کا خواب میں آکر ملنا اور پیغام دینا

عالم برزخ سے آکر ارواح کا اپنے اوپر گزرنے والے حالات کا بذریعہ خواب بتانا بھی ثابت شدہ بات ہے۔جو لوگ نفس مطمئنہ رکھتے

ہیں چونکہ وہ شر اور گمراہی سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے ان کا شعور اور ذہن بھی پاک ہوتا ہے۔ایسے بزرگوں کو جب خوابوں میں مردہ افراد کی روحیں ملتی ہیں اور کوئی پیغام دیتی ہیں تو وہ احوال کے مطابق ہوتا ہے۔ان کے برعکس نفس امارہ والے لوگ جن کی اکثریت ہے،ان کا شعور دنیاوی خیالات سے پراگندہ ہوتا ہے۔اس لیے ان کے خوابوں میں ان کے ذہن کی طرف سے کئی طرح کے وسوسوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ صبح ہونے تک ان کے خواب پراگندہ ہوتے ہیں۔

بہر حال روحوں کا خوابوں میں آ کر ملنا ایک حقیقت ہے اور اسلامی بزرگوں کے مشاہدات کا ایک خاص حصہ ہے۔مندرجہ ذیل میں ہم حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل کتاب فوائد الفوائد ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو صفحہ 342 سے ایسا ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ "فرزوق نامی ایک شاعر تھا،ایک مرتبہ وہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر تھے،اس وقت کسی نے زور سے پکار کر کہا کہ لوگوں میں سے ایک بہترین آدمی اور لوگوں میں سے ایک بدترین شخص اس مجمع میں موجود ہیں۔فرزوق شاعر نے یہ سنتے ہی حضرت بصریؒ سے کہا کہ آپ نے اس شخص کی آوازسنی،خواجہ حسن بصریؒ نے ایجاب کیا اور ارشاد فرمایا کہ واللہ اعلم۔اس مجمع میں اچھا اور برا کون ہے؟ فرزوق نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس مجمع میں بدترین مرد میں ہوں۔جب فرزوق کا انتقال ہوا،کسی نے خواب میں ان کو دیکھا۔پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا،فرزوق نے کہا جب مجھے قاضی قضا کے روبرو لے گئے تو میں ڈرنے لگا۔اسی وقت فرمانا ہوا کہ "ہم نے تمہیں اس روز بخش دیا تھا جس روز تو نے خود کو بدترین مرد سمجھا تھا"۔

35.11 مسئلہ آواگون اور برزخ

جہاں تک یہ سوال کہ مرنے کے بعد روح یا نفس کہاں رہتا ہے،قرآن کریم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام مرنے والوں کی روحیں ایک پردہ کے پیچھے ہیں جسے برزخ کہا گیا ہے۔ایک دفعہ جو وہاں پہنچ گیا پھر دنیا میں وہ کسی اور جسم میں واپس نہیں آ سکتا (اِلَّا ماشاءاللہ)۔البتہ برزخ ایک بہت بڑی دنیا ہے جس میں تمام روحیں اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف حالات اور درجات کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ان میں بہت سی روحوں کو اللہ تعالیٰ آزادی دیتا ہے اور بہت سی مقید بھی ہوتی ہیں۔بہت سی بھوت بن کر اسی زمین پر سرگرداں ہیں،لیکن ایک دفعہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ممکن نہیں،اس کے بارے مندرجہ ذیل قرآنی آیت بین ثبوت ہے:۔

> "یہاں تک کہ جب ان (کافروں) میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے،اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجئے،تاکہ میں نیک عمل کروں اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں،جواب ہوگا،ہرگز نہیں،یہ تو بس ایک بات ہے،جو وہ فضول کہہ رہے ہیں اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے، وہ اس میں قیامت کو اٹھنے تک رہیں گے"۔سورۃ المومنون،آیت 99-100

اس آیت مبارکہ سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام مسئلہ آوا گون کو نہیں مانتا کہ روحیں واپس اجسام میں ایک جنم سے دوسرے جنم میں آتی ہیں اور یوں بہتر اعمال کر کے نروان حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ سب دھوکہ ہے، اگر کہیں ایسا واقع نظر بھی آتا ہے تو یہ بھوتوں اور جنات کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں انسان کیلئے صرف ایک ہی پیدا ہونا ہے اور یہی ایک زندگی ہے جتنی چاہے اور جو چاہے کمائی کر لے۔ یہاں پر نیا دن اس کے لئے نئے مواقع لے کر نکلتا ہے۔ چاہے تو اسے برائی میں گذار دے چاہے اچھائی میں، لیکن پھر بھی مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس کے بعد آخرت کا گھر ہے۔ یوم حشر کو انسان اور جنات، زمان و مکان کے کونے کونے سے مقرر مقام کی طرف خود بخود دوڑتے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اے نبی (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ان لوگوں سے کہو، یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں، جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے''۔ سورۃ الواقعہ، آیت 50

مناسب معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ آوا گون کی حقیقت کو بھی مختصراً واضح کر دیا جائے۔ یہ ہندو اور بدھ مت کے عقائد کا حصہ ہے اور انسان کیلئے بار بار کی موت اور بار بار کی زندگی بتاتا ہے مثلاً ایک آدمی نے اگر زندگی میں اچھے اعمال کیے ہیں تو اپنے دوسرے جنم میں انعام کے طور پر وہ کسی ایسے گھر میں پیدا ہوگا جہاں زندگی کے پہلے سے بہتر مواقع میسر ہوں گے، اس کے برعکس اگر وہ ایک برا آدمی تھا تو بدقسمتی کے حالات میں پیدا ہوگا، اگر بہت ہی برا تھا تو اگلے جنم میں سزا کے طور پر کتا، بلا، سور غرض کوئی بھی ذلیل مخلوق بن کر اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا یوں آوا گون کے مطابق انسان بار بار پیدا اور مرتا رہتا ہے۔ اگر کئی زندگیوں میں مسلسل اچھے اعمال کرتے جائے گا تو آخر کار نروان پالے گا یعنی خدا کی ذات کا حصہ بن کر ہمیشہ کے لئے سکون پالے گا۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ آوا گون کا یہ نظریہ غلط ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ آوا گون کے مطابق قیامت اور جزا سزا کے دن کی ضرورت نہیں۔ دنیا یونہی چلتی رہتی ہے اور لوگ اپنے کیے کا بدلہ اپنے جنم کی صورت میں پاتے رہتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کے اس نظریہ کے مطابق ہے کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، کوئی قیامت نہیں ہوگی۔ حالانکہ ہمیشہ سے ہمیشہ والی کائنات کا نظریہ سائنسی بگ بینگ (Big Bang) تھیوری نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ اگر کائنات ہمیشہ سے نہیں تو آوا گون ہمیشہ سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کبھی روح ایک ہی تھی تو پھر آوا گون کے پھندے میں پھنسنے والی آج کی 6000 ملین روحیں کہاں سے آ گئیں؟

سائنسی طور پر بھی یہ ایک مضحکہ خیز تھیوری ہے مثلاً اگر کوئی آدمی کتا یا بلا بن کر پیدا ہوتا ہے تو اسے کتے والی زندگی سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا؟ اس کے لئے اس کتے کو اچھے اعمال کرنا چاہئے۔ کتے کے اچھے اعمال کیا ہوں گے؟ جو کتا بن گیا اب وہ ہمیشہ کتا ہی رہے گا، جو درخت کی روح میں پیدا ہوا وہ درخت ہی رہے گا۔ اس لیے روحوں کا بار بار نئی حالتوں میں جنم لینا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر ایک اعلیٰ اعمال کا آدمی اعلیٰ تر مخلوق کی شکل

میں پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی مخلوق ہوگی؟ اگر آدمی ہی پیدا ہوتا تھا تو اپنی آدمیت میں تو تمام لوگ برابر ہیں۔

مسئلہ آواگون کے رد میں ایک دلیل دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے، اگر آواگون صحیح ہوتا تو دنیا کی آبادی کو یکساں رہنا چاہیے بلکہ بڑھتی ہوئی برائی کے پیش نظر کم ہوتا جانا چاہیے۔ چنانچہ آواگون کا مسئلہ ایک غیر سائنسی نظریہ ہے لیکن افسوس کہ پھر بھی کچھ لوگ گمراہ فلاسفروں کے زیر اثر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

بعض دفعہ اس کے ثبوت میں یہ تاویل دی جاتی ہے کہ کبھی کبھی ایسے بچے پیدا ہوئے ہیں جو اپنے پہلے جنم کی باتیں بتاتے ہیں لیکن اس کی اصل وجہ جنات اور بھوت بھی ہوسکتے ہیں جو بچے پر چڑھ جاتے ہیں اور کسی دوسرے ماحول کی خبریں دیتے ہیں جن میں سے وہ پہلے رہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب عامل ان بھوتوں کو اتار دیتا ہے تو بچہ نارمل ہو جاتا ہے۔

35.12 برزخ اور برزخی حیات

اب برزخی حیات کے بارے میں کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ جیسے کہ سورۃ المومنون کی آیت مبارکہ 100 میں بیان کیا جاچکا ہے، برزخ ایک پردہ (Barrier) کا نام ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ الرحمٰن میں سمندروں میں میٹھے اور کھارے پانی کے درمیان رکاوٹ کو بھی برزخ کا نام دیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

> ''اس نے دو سمندر بنائے کہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، نہ کھارا میٹھے میں ملتا ہے، نہ میٹھا پانی کھارے میں ملتا ہے، ان کے درمیان برزخ ہے کہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں دوڑتے''۔
>
> سورۃ الرحمٰن، آیت 20-18

اوپر دی گئی آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ برزخ موجودہ زمان ومکان سے باہر کسی دوسرے مقام کا نام نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی بے آباد جزیرہ یا پہاڑ ہے بلکہ اسی زمان ومکان کی کوئی اور سمت (Dimension) ہے جس کا دروازہ آدمی پر موت کے وقت کھل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثال رات اور دن سے بھی دی گئی ہے۔ دونوں الگ الگ حالتیں ہیں اور اگر فضا کے اوپر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے جیسے یہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ اپنے درمیانی پردہ کو پھاڑ کر ان میں سے کوئی دوسرے پر چڑھ جائے۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق ہماری چار سمتی دنیا کے علاوہ کائنات میں زیادہ سمتوں والی دنیائیں بھی موجود ہوسکتی ہیں کوئی پتہ نہیں کہ انسان کب برزخ کو عبور کر کے ان دنیاؤں میں پہنچنے کا علم بھی حاصل کر لے۔

35.13 برزخی حیات میں داخلہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق مرنے والے عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں۔ زندہ انسانوں کیلئے جسمانی کثافت کی وجہ سے اسے عبور کرنا مشکل ہے البتہ نیند کے عالم میں جب نفس اپنے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو اپنی استطاعت کے مطابق برزخ میں بھی جھانک لیتا ہے۔ لیکن جسم سے باندھی زنجیر کی وجہ سے زیادہ دُور نہیں جاسکتا۔ اس کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے جو ایک رسی سے مضبوط کھونٹے سے باندھا گیا ہو، یہ صرف اپنی رسی کی درازی کی حد تک ہی کھونٹے سے دور جاسکتا ہے تاوقتیکہ رسی ٹوٹ جائے اور یہ کھونٹے سے آزاد ہوجائے۔

مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے قریب المرگ اور عارضی طور پر مرنے والوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رسی دراز کردی گئی اور وہ یوں برزخ میں تھوڑی دور نکل گئے تھے چونکہ رسی ابھی ٹوٹی نہیں تھی اس لیے واپس آگئے، ایسے لوگوں کو برزخی حیات کا مشاہدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس میں شمولیت کا موقع نہیں ملتا۔ یہ موقع اصل موت کے بعد ہی ملتا ہے جب واپسی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ ہوش وحواس میں رہتے ہوئے اگر کسی ہستی نے پورے عالم برزخ کی سیر کی ہے تو وہ ذات پاک صرف حضور خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جس کی تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں ماضی اور مستقبل دونوں طرف گئے اور لوگوں کے حالات ملاحظہ فرمائے۔ تمام گزرے ہوئے نبیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرشتوں اور ارواح سے بھی بلا واسطہ ملاقات ہوئی اور رب العالمین کے دیدار کی نعمت بھی پائی۔

35.14 برزخی حیات کی تنظیم

احادیث اور مسلمان بزرگوں کے مشاہدات اور تحقیق کی بنا پر برزخ کی جو مجموعی تصویر بنتی ہے وہ کچھ یوں ہے۔

برزخ مرنے والوں کی دنیا ہے جس کی آبادی بڑھتی ہی جارہی ہے، وہاں بھی بڑی رونقیں ہیں، بے شمار مقامات اور درجات ہیں، کچھ میں جنت کے حالات ہیں اور کچھ میں دوزخ کے، مرنے والے وہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کے احساس میں رہتے ہیں لیکن جیسے دنیاوی حیات میں بیماری یا تکلیف آدمی کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، یوم الدین سے پہلے برزخی زندگی کی تکالیف بھی دراصل آدمی کیلئے نعمت ثابت ہوتی ہیں اور اس کے بہت سے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوں گی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں برزخی حیات میں عذاب کی آیات کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" اگر ان کی وجہ سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں تو یقیناً یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی مثال ہسپتال میں مریض کے آپریشن سے دی جاسکتی ہے اگر چہ یہ تکلیف دہ ہے لیکن مریض کی اسی میں خیر خواہی ہے۔

نفوس کی استطاعت کے مطابق برزخی حیات میں لوگوں کو ادھر اُدھر جانے کی اجازت ہے۔ وہاں کے رہنے والے آپس میں بات

بیت، میل جول بھی رکھتے ہیں۔ دنیا کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں۔ ایک خطے سے دوسرے خطے تک آجا سکتے ہیں۔ عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہ السلام کے مدارج سب سے اعلیٰ ہیں۔ ان کے بعد صدیقین، شہداء، اور صالحین اور ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے مقامات ہیں جو اپنی دنیاوی حیات میں عقل وشعور سے اللہ تعالیٰ کی گواہی (شہادت) دیتے ہیں اور اس کی راہ میں اپنی جان تک بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے خوش نصیبوں کی برزخی حیات بڑی بھرپور ہے اور وہ وہاں بہت خوش ہیں۔ ان میں شہداء کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

> ''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش وخرم ہیں، اور مطمئن ہیں اس بات پر کہ جو اہل ایمان، ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں، ان کیلئے بھی کوئی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، وہ وہاں اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام پر شاداں فرحان ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''۔ سورۃ آل عمران، آیت 171-167

ان آیات کریم سے مندرجہ ذیل نکات صاف ظاہر ہیں۔

1۔ موت کے بعد نفس زندہ رہتا ہے۔
2۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے عالم برزخ میں آزاد ہیں اور اللہ تعالیٰ سے انعام واکرام حاصل کرتے ہیں۔
3۔ عالم برزخ میں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔
4۔ وہاں وہ بہت خوش ہیں، آپس میں روابط رکھتے ہیں اور ان کی وہاں ایک سوشل لائف ہے۔
5۔ وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑے ہوئے ساتھیوں کو بھولے نہیں بلکہ وہ ان کا موضوع سخن ہیں۔
6۔ عالم برزخ میں ان پر عالم الغیب کے حقائق کھل جاتے ہیں اور انہیں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

35.15 عالم برزخ مقام اصلاح اور شفاء

اسلامی روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالم برزخ میں لوگوں کی زندگی کوئی بیکار کی زندگی نہیں بلکہ دنیاوی حیات ہی کی طرح وہاں بھی مختلف لوگوں کے مختلف مشاغل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یوم الدین سے پہلے پہلے یہ گنہگاروں کے گناہ دھونے اور نیک لوگوں کے لئے رب العالمین کی رحمتوں کا مقام ہے۔

انعام یافتہ آزاد ہیں اور ان کی روحیں کائنات میں گھومتی پھرتی ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں بند ہیں جنہیں وہاں

صبح شام دوزخ کی آگ دکھائی جاتی ہے۔ (قرآن کریم میں فرعون اور ان کے ساتھیوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ان پر صبح شام دوزخ کھولا جاتا ہے۔ سورۃ جن، آیت 46)۔ ایک تیسری طرح کی روحیں بھی ہیں جنہیں قیامت تک سلا دیا جاتا ہے۔ اس دوران ان پر باہر سے کوئی سزا نہیں لیکن ان کے اپنے اعمال خواب بن کر خوش یا تنگ کرتے رہتے ہیں۔ ان تین اقسام کے علاوہ روحوں کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو ارضی دنیا کے ساتھ حسرت کے عالم میں چمٹی رہتی ہیں جنہیں ہم بدروحیں، بھوت (Ghosts) وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کی تفصیلات بھی اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہیں۔

گنہگاروں کیلئے مشہور عالم دین مولانا سلمان ندویؒ کے مطابق عالم برزخ کی مثال ایک شفاخانہ کی ہے۔ وہاں پر بیمار نفوس کے گناہوں کا علاج ہوتا ہے۔ وہاں کی سزا ایسے ہی ہے جیسے شفاخانہ میں کڑوی کسیلی دوائیں کھلائی جاتی ہیں اور بعض کے جسم کو آپریشن کے ذریعہ چیر پھاڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد صرف مریض کی بھلائی ہوتا ہے۔ (حوالہ سید سلمان ندویؒ۔ سیرت النبی۔ جلد 5)۔ برزخ کو ہم حوالات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ سے پہلے کا وقفہ ہے جج جب فیصلہ دیتا ہے تو اس عرصہ کا احسن بدلہ دیتا ہے۔

35.16 برزخ کی آزادی

یہ سوال کہ روحیں برزخ میں آزاد ہیں یا قید، اس کے بارے میں کچھ وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق اپنی برزخی حیات میں روحیں آزاد ہوتی ہیں اور جدھر چاہیں آ جا سکتی ہیں۔ (حوالہ کتاب عالم برزخ، صفحہ 93، مصنف عبدالرحمٰن ماہر کوٹلی)۔ امام غزالیؒ کا بھی یہی نظریہ ہے بلکہ وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روحیں ایک آسمان سے دوسرے آسمان میں بھی جا سکتی ہیں۔ (حوالہ رسائل امام غزالیؒ)۔ البتہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے روحوں کی آزادی کا انحصار ان کے اعمال پر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں قید کی حالت میں ہیں جہاں ان کو صبح شام دوزخ کا نظارہ کرایا جاتا ہے۔

35.17 روحوں کی ڈیوٹیاں

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ عالم برزخ میں ارواح کیا کرتی ہیں؟ جیسے ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ بعض نفوس رب کائنات کی تخلیقات کے نظارے دیکھنے کے لئے نکل جاتی ہیں۔ بعض روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ برزخی حیات میں نیک لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی لگتی ہیں ''اترتے فرشتے اور روح ہر امر کی طرف اپنے رب کے اذن سے'' (سورۃ القدر) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً وہ رجال الغیب کے طور پر آ کر مصیبت میں لوگوں کی مختلف طریقوں سے امداد کرتے ہیں۔ اپنے ساتھی بزرگوں کے سالانہ عرسوں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ رجال الغیب کے سلسلہ میں سب سے نامور بزرگ حضرت خضر علیہ السّلام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قصہ میں بھی آتا ہے،

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تکوینی امور بجالاتے ہیں۔ یوں ایسی روحیں انسانی جسم کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

عالم برزخ میں جیسا کہ مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والے بعض لوگوں نے بتایا کہ وہ ارواح جو سزا میں مبتلا نہیں وہ علمی مباحث اور درس و تدریس میں لگی رہتی ہیں۔ اس طرح اسلامی روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی ارواح قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ظاہر اور باطنی معنوں کو سمجھنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ انسان کی برزخی حیات کے ضمن میں قرآن کریم کی سورۃ الواقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت کے بعد جس کو چاہے جیسی چاہے شکل اور جسم عطا کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

> ''ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے، اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ ہم تمہارے جیسے اور بدل دیں، اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کی تمہیں کوئی خبر نہیں، بیشک تم جان چکے ہو پہلی بار اٹھنے کو پھر کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا''۔ سورۃ الواقعہ، آیت 60-63

ان آیات سے ہم یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ مرے ہوئے لوگ مختلف مادی ذرائع یا مادی اشکال میں اپنے ہونے کا احساس دے سکتے ہیں۔ میرے والد مرحوم کی روح کی خوشبو کا واقعہ جو بیان کیا جا چکا ہے ان کی آمد کا مادی اظہار تھا۔ اس نوع میں بعض اوقات اسلامی جنگوں میں پہلے مرے ہوئے مجاہدین کی شمولیت کی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں بعض فوت ہوئے اولیاء کرام سے ان کی جسمانی حالت میں ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسی روایات عالم برزخ کے مکینوں کے حالات کو سمجھنے کیلئے نہایت سبق آموز ہیں۔

اسی نوع میں خوابوں میں روحوں سے ملاقات اور روحوں کے بھوت دیکھنے کے واقعات بھی ہر ملک اور ہر قوم میں قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ممکنات سے انکار کرنا مشکل ہے۔ اسی ضمن میں امریکی سائیکالوجسٹ ہانز ہالزر (Hans Halzar) کی کتاب " بھوت کیا ہیں؟ "۔(Where are the Ghosts?) بھوتوں کے وجود کو ثابت کرنے کی طرف اہم پیش رفت ہے۔ ان کی تفصیلات اس کتاب میں دی جا چکی ہیں۔

عالم برزخ میں ڈیوٹیوں کا لگنا اسلام کے بزرگوں کے نزدیک ایک ثابت شدہ امر ہے نہ صرف یہ کہ جو فوت ہو جاتے ہیں ان کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں بلکہ بعض اوقات ابھی پیدا ہونے والی ارواح کی بھی ڈیوٹیاں لگتی ہیں۔ اس ضمن میں اسلام کے قابل اور ولی العصر فرزند حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں (ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو، ''اللہ کی محبت کا نصب العین'')، خط بنام محمد تقی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بعض اکابر سلسلہ مثلاً حضرت علی علیہ السلام اور بعض اولیاء اللہ کی روح سے خدا نے وہ کام لیے ہیں جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔ روح بلا جسم وہ کام کر سکتی ہے جنہیں جسم کیساتھ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کون سی تعجب کی بات ہے کہ خدا نے صرف روحوں سے بلا جسم ظاہری کے کام لے لیا"۔

مزید فرماتے ہیں کہ "اکثر اولیاء اللہ کے یہ واقعات معلوم ہوئے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل میں یا بصورت دیگر ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ شکلیں حقیقتاً لطائف کی شکلیں ہوتی ہیں جو عالم شہادت میں عالم مثال میں ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان واقعات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حال مسئلہ تناسخ سے مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقیر (حضرت سید احمد سرہندی) کو لوگوں نے مکہ معظمہ میں دیکھا اور بعض نے بغداد اور روم وغیرہ میں بھی، لیکن فقیر کہیں نہیں گیا۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے مصیبت میں مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی روحانی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا اور ان بزرگوں کو ان بلا کے دفع کرنے کی کبھی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں"۔ (مکتوب 371۔ بنام محمد تقی)۔ سورۃ القدر میں جو ارشاد ہے کہ "اترتے ہیں فرشتے اور روح اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کی طرف" اسی طرف اشارہ کرتا معلوم ہوتا ہے۔

باب نمبر 36

اسلام کے مطابق موت کی اصل حقیقت اور عالم برزخ کی کیفیات

قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَO

آپ فرمادیں وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس کا ضرور تم سے سابقہ پڑے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا جو عمل تم کرتے تھے O (سورۃ الجمعہ، آیت ۸)

پچھلے باب میں جن قدیم اور جدید تحقیقات کا حوالہ دیا گیا ہے ان سے یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ موت شخصیت کے ختم ہونے کا نام نہیں بلکہ نفس کا مادی جسم سے آزادی کا وقت ہے۔ حقیقت یہ ہے جہاں تک جسم کے خلیات کا تعلق ہے سائنس کے مطابق ساری عمر انسان انہیں بناتا ہے اور پھینکتا رہتا ہے۔ ہر روز کروڑوں کی تعداد میں جسمانی خلیات تحلیل ہو کر فضلات میں بدل جاتے ہیں اور انکی جگہ نئے اور تازہ خلیات لے لیتے ہیں۔ دراصل زندگی کی تازگی اسی تبدیلی سے قائم ہے۔ بڑھاپے میں جب یہ عمل سست پڑ جاتا ہے تو جینے کا مزہ بھی جاتا رہتا ہے۔ آخر میں نفس اس بیکار مادی بوجھ سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

لیکن موت بذات خود فناء کا نام نہیں بلکہ اس دنیا کی امتحانی زندگی اور عالم برزخ کی روحانی دنیا کے درمیان ایک دروازہ کی مانند ہے جو صرف اندر کی طرف کھلتا ہے جو ایک مرتبہ گزر گیا وہ کبھی واپس نہیں آسکتا۔ (**الاماشاالله** مگر جیسے اللہ چاہے) اس کے پار اعمال کی بجائے نتائج کا عالم ہے۔ وہاں پتہ چلے گا کہ زندگی میں کیا اہم یا غیر اہم تھا۔ جن باتوں کو آدمی نظر انداز کرتا رہا ہے کیا وہ معمولی چیزیں تھیں اور جن کو بڑی اہمیت دیتا تھا کیا وہ واقعی ہی زیادہ فائدہ مند تھیں؟ تب ان سب کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

36.1 موت کیا ہے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن پاک نے موت کو زندگی کی طرح ہی ایک تخلیق کا نام دیا ہے۔ اس لئے موت خاتمہ نہیں بلکہ زندگی کی طرح یہ بھی ایک تخلیقی امر ہے۔ جیسے پیدائش اس عالم میں داخل ہونے کا تخلیقی امر تھا بالکل ایسے ہی موت کسی دوسرے عالم میں

داخل ہونے کا تخلیقی امر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ Oنِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس نے موت کو تخلیق کیا اور زندگی کو، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہی عزت والا، بخشنے والا ہے O (سورۃ الملک۔ آیت ۱۔۲)

بتایا گیا ہے کہ جس طرح زندگی ایک تخلیقی حقیقت ہے اسی طرح موت بھی ایک تخلیق ہے بلکہ موت کا زندگی سے پہلے ذکر کر کے واضح کیا گیا ہے کہ موت زندگی سے بڑی حقیقت ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے زندگی نہ ہونے کا نام نہیں موت بھی نہ ہونا نہیں، بلکہ یہ دونوں انسان کی آزمائش کے ذرائع ہیں۔ زندگی میں بھی آزمائش اور موت میں بھی آزمائش۔ تو اصل بات آزمائش ہے کہ یہ جتایا جا سکے کہ کون عمل میں بہتر ہے؟ زندگی عمل کا ایک موقع ہے جہاں ہم حالت موت سے آتے ہیں اور آزمائش کے بعد حالت موت میں دوبارہ چلے جاتے ہیں وہاں کا اپنا عمل اور اپنی آزمائش ہے۔ اب سورۃ مومن کی آیت ۱۱ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸ پر غور فرمائیے جہاں دو اموات اور زندگیوں کا ذکر ہے فرمایا:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ O

کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار مردہ کیا اور دو بار زندہ کیا اب ہم اپنے گناہوں کو جان گئے ہیں۔ پس کیا آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے O (سورۃ مومن، آیت ۱۱)

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ج ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ O

بھلا تم کیسے اللہ کے منکر ہو گئے جبکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے O (سورۃ بقرہ، آیت ۲۸)

اوپر بیان شدہ آیات مبارکہ سے ہم موت اور زندگی کے بارے میں مندرجہ ذیل تصورات اخذ کرتے ہیں:

-1 موت نفس کی اس حالت کا نام ہے جب وہ جسم سے محروم ہے۔ چنانچہ پیدائش سے پہلے والی حالت بھی موت کہلاتی ہے اور ارضی زندگی کے بعد والی حالت کا نام بھی موت ہے۔ اس کے برعکس زندگی، انسانی نفس اور مادی جسم کے امتزاج والی حالت کا نام ہے جس کا ایک مختصر وقفہ اس دنیا میں قیام ہے۔ روز جزا کے بعد نفس کو ابدی جسم مل جائے گا۔

2۔ جس طرح زندگی ایک تخلیقی امر ہے۔ موت بھی ویسے ہی ایک تخلیقی امر ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور وہ بھی ایک حقیقت ہے۔

3۔ موت کوئی ''معدومیت'' یعنی مٹ جانے والی صورتحال نہیں بلکہ انسانی نفس کے برزخ میں داخل ہونے کی یہ پہلی منزل ہے۔

4۔ دنیاوی زندگی میں ظاہر ہونے سے پہلے بھی ہم حالت موت میں موجود تھے، اس زندگی کے بعد پھر ایک بار موت کی وادی میں اتر جاتے ہیں اور وہاں سے اگلی منزل پھر ایک اور نئی زندگی کی صورت ہوگی۔ اس لئے ہر نفس کی دو اموات اور زندگیاں ہیں پہلی موت دنیاوی حیات سے پہلے والا زمانہ ہے اور دوسری موت اس کے بعد والا زمانہ ہے جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے۔ ہیئت اور حالات بدلتے ہیں نفس قائم و دائم رہتا ہے۔ موت کے مرحلات کے برعکس ہماری پہلی زندگی دنیاوی حیات ہے اور دوسری زندگی یوم الدین کو شروع ہوگی اس وقت جب نفوس کو دوبارہ اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

5_ عمل اور آزمائش جاری رہیں گے موت کے بعد بھی اور موت سے پہلے بھی اور یونہی ترقی اور تنزلی جاری و ساری نتیجہ ہے۔

36.2 موت اور زندگی کی ایک سائنسی تمثیل

زندگی موت کی حالتوں کو سمجھنے کیلئے شاید ایک سیمی کنڈکٹر (Semi Conductor) سے موازنہ فائدہ مند ہو۔ سیمی کنڈکٹر میں چھید (Hole) بھی ہوتے ہیں اور برقیات (Electrons) بھی۔ چھید کا مطلب ہے کہ وہ جگہ جو Electron سے خالی ہے لیکن اس کی اپنی مستقل حیثیت اور اہمیت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب چھید (Hole) والی جگہ برقیات سے پر ہو جاتی ہے تو یہ برقیاتی ہو جاتی ہے اور جدھر سے الیکٹران آتا ہے وہ جگہ چھید Hole بن جاتا ہے یعنی یہ دو حالتیں ہیں جو آپس میں جگہ بدلتی رہتی ہیں لیکن بنیادی حیثیت چھید (موت) کو ہی ہے۔

قرآن پاک میں جب زندگی اور موت کی مثال دیجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دن اور رات کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں وقت کے دھارے پر ظاہر ہوتی ہیں اگر چہ باقی سب کچھ وہی رہتا ہے۔ فرق صرف سورج کی روشنی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا ہے جس کا منبع زمین سے کروڑوں میل دور ایک مستقل وجود ہے۔ زمین بھی ہر وقت موجود ہے لیکن دن، رات زمین کے اپنے محور کے ارد گرد گھومنے کی وجہ سے آتے جاتے

ہیں یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔

روح کے علاوہ بھی جسم جن عناصر سے تشکیل پاتا ہے وہ بھی انمٹ ہیں۔ قدرت کا اصول ہے کہ عام حالات میں مادہ نہ تباہ کیا جاسکتا ہے نہ پیدا البتہ اپنی ترتیب ہیئت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور بکھر کر تحلیل ہو جاتا ہے لیکن اس کا ایک ایک ایٹم قیامت تک محفوظ ہے بلکہ ذریاتی یادداشتوں (Atomic memories) پر ہونے والی تحقیقات کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھی ایٹموں کے ساتھ گزری ہوئی زندگی بھی یاد رہتی ہے اور اگر کبھی انہیں قریب آنے کا اتفاق ہو وہ ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے۔ اس لئے قبر خواہ مٹی کی، پانی کی، ہوا کی یا آگ کی ہو عناصر کی حد تک جسم قائم رہتے ہیں۔ جیسے ہم اپنے بکھرے ہوئے دوستوں کو یاد رکھتے ہیں نفس بھی اپنے بکھرے ہوئے عناصر کو یاد رکھتا ہے اور جب حکم ہوگا وہ دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے اور پھر سے محفوظ شدہ ڈیزائن کے مطابق زندگی کی محفل نشاط برپا کریں گے۔ بیشک اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ O

ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے اور ہم تمہیں راحت اور تکلیف دے کر آزماتے ہیں، اور تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O (سورۃ الانبیاء، آیت ۳۵)

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ، موت پھر زندگی، اس کے بعد موت اور پھر زندگی، کا سلسلہ کائنات میں بہت عام سی بات ہے اور یہ سب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ سلسلہ جدھر بھی دیکھیں آپ کو نظر آئے گا۔ خزاں کا موسم آتا ہے، درخت ٹنڈ منڈ ہو جاتے ہیں جیسے ان پر پتے آئے ہی نہیں تھے۔ بہار آتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ اب خزاں کبھی نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کو خزاں اور بہار کے سلسلہ پر غور کر کے زندگی، موت اور حیات بعد الموت کے ادراک کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب تم بہار کو دیکھو تو حیات بعد الموت کو یاد کرو"۔

زندگی اور موت کے فرق کو سمجھنے کیلئے اللہ تعالی قرآن پاک میں بے آب و گیاہ زمین کو بھی مردہ کہتا ہے جو بارش کے بعد پانی ملتے ہی زندہ ہو جاتی ہے فرمایا:

وَاللّٰهُ الَّذِیٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ O

اور اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں کہ وہ بادل کی صورت بن جاتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے سبب ہم زمین کو زندہ فرماتے ہیں اس کے مرنے کے بعد، اسی طرح حشر میں اٹھائے جائیں گے O (سورۃ فاطر، آیت ۹)

سورۃ حج کی آیات مبارکہ ۵ تا ۷ میں مضمون کو مندرجہ ذیل طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ O ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ O

اور تو زمین کو دیکھتا ہے مرجھائی ہوئی خشک پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی O یہ اس لئے ہے کہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ وہ مردے جلائے گا اور یہ کہ وہ ہر شے پر قادر ہے O اور اس لئے کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں O (سورۃ حج، آیات ۵ تا ۷)

ان آیات کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسانی جسم کے عناصر اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ مناسب حالات میں خود بخود دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ جیسے نباتات میں حیات و موت کا سلسلہ لوگوں کے سامنے ایک روزمرہ کی بات ہے ان کی اپنی حیات بعد الموت بھی ویسے ہی آسان بات ہے۔ سائنس کی بائیو انجینئرنگ میں ترقیاں مثلاً کلوننگ (Cloaning) وغیرہ وہ اللہ تعالے کا عناصر سے زندہ کرنے کی ایک مثال ہیں۔

36.3 سکرات موت۔ نفس کو جسم سے نکالنا

ہم قرآن پاک کے حوالوں سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ہر نفس کے ساتھ دو نگہبان فرشتے ہیں جو اس کے اعمال کا اندراج کرتے ہیں اور اس کے علاوہ زندگی کے دوران اچھے کاموں میں مددگار بھی ہوتے ہیں، موت کے وقت یہی فرشتے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی رہنمائی میں نفس کو انسانی بدن سے باہر نکال لیتے ہیں۔ بالآخر اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ O ثُمَّ رُدُّوْآ إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ط أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ O

(سورۃ الانعام 62-61)

اور وہی ہے غالب اپنے بندوں پر۔ اور تم پر محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے۔ فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ چُوکتے نہیں O پھر لوٹائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو سب کا مولا ہے اور اسی کا حکم جاری ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے O (سورۃ الانعام ۶۱۔۶۲)

اس بات کو ایک اور جگہ قرآن پاک میں اس طرح بیان فرمایا گیا:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ O

آپ فرمادیں تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف واپس لوٹ جاؤ گے O (سورۃ سجدہ، آیت ۱۱)

موت کے دو فرشتوں کا ذکر مندرجہ ذیل ارشاد ربانی میں بھی ملتا ہے:

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ O مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ O وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ O

اور جب اس سے ملنے والے ملتے ہیں تو ایک دائیں طرف بیٹھا ہوتا ہے اور ایک بائیں طرف O وہ کوئی لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے اثرات اس کے باطن پر مرتکب ہو جاتے ہیں O اور جب آ پہنچی موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ، یہ وہ ہے جس سے بھاگتا ہے O

(سورۃ ق، آیات ۱۷ تا ۱۹)

لہٰذا ہمارے سچے دوست یہی وہ فرشتے ہیں جو زندگی اور موت کے ہر مقام پر ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ برائی سے ٹوکتے ہیں اور اعمال کا ...زاج کرتے ہیں اور عالم برزخ میں بھی ہماری رہنمائی کریں گے۔

361 جانکنی یعنی نزع کا عالم

کیا موت تکلیف دہ یا خوش کن امر ہے؟ یہ سوال ہم سب کیلئے نہایت اہم ہے۔ اس سوال کے جواب کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

...امرحلہ: یہ موت سے عین پہلے کا وقت ہے اسے نزع کا وقت کہا جاتا ہے اکثر حالات میں یہ شدید گھبراہٹ، درد اور تکلیف والا دور ہے، البتہ اگر عصابی نظام بیہوش ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ جسم پر اثرات نہ ہوں۔ مغربی سائنسدانوں کے حیات بعد الموت کے مشاہدات و تجربات جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ مطابق بھی نفس کے جسم سے علیحدہ ہونے پر شدید گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن شدت کا احساس موت کے اسباب پر ہے، مختلف حالات میں مختلف لوگوں پر اسکا احساس مختلف ہوتا ہے۔

...رامرحلہ: موت کا دوسرا مرحلہ وہ ہے جب نفس جسم سے علیحدہ ہو کر اس کے پاس ہی کہیں کھڑا ہوتا ہے یہ وقت ہر نفس کیلئے جان کنی کی سختی سے گزرنے کے بعد اطمینان اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اسلامی روایات اور مغربی تحقیقات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دوران نفس گونا گوں اطمینان محسوس کرتا ہے۔ موڈی اور دیگر مغربی سائنسدانوں نے جن مشاہدات کا ذکر کیا ہے وہ اسی مرحلہ کے مشاہدات ہیں۔

...رامرحلہ: اس دور کے بعد موت کا تیسرا اور آخری دور شروع ہوتا ہے جس میں سے کبھی کوئی واپس نہیں آسکتا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ وحی کے علم کی باتیں ہیں اور شائد ہمیشہ ہی سائنس کے دائرہ کار سے باہر رہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی روایات ہیں۔ مثلاً نزع کے وقت جب مومن بندہ اپنے رب کے انعامات کو یاد ...رتا ہے تو یہ اس کیلئے باعث آرام وسکون بن جاتی ہے۔ لیکن ایک گناہ گار یا کافر کو جب اصلی حقیقت نظر آتی ہے تو موت سے زیادہ اس کے نزدیک ...ی ڈراؤنی چیز نہیں ہوتی۔ لیکن جہاں تک جسمانی تکلیف اور گھٹن ہے تو یہ وقت ہر آدمی کیلئے تکلیف دہ اور انتہائی بے چارگی کا وقت ہے، جب کہ ...من کی تکلیف موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے، کافر کی اصل مصیبت یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد مومن اپنے اعمال کے اثرات کے ...طابق سکون اور راحت محسوس کرتا ہے لیکن بدقسمت گناہ گار نفس پر خوف اور حسرتوں کا عذاب برپا ہو جاتا ہے دنیاوی نعمتوں کے چھن جانے کا

افسوس، پیش آئندہ حالات سے مایوسی اور ندامت کا عذاب تمام زمانہ قبر (برزخ) میں اس کے ساتھ رہتا ہے۔حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر بیماری کی تکلیف اور موت کی سختی کو صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر برداشت کیا جائے تو یہی تکلیف مومن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور عالم برزخ میں جب وہ اپنی اس صبر آزما تکلیف کا بدلہ دیکھتا ہے تو خواہش کرتا ہے کہ کاش! میں دنیا میں مزید تکلیف اٹھالیتا تا کہ اس کے عوض ملنے والے زیادہ سے زیادہ انعامات کا حقدار بنتا اور مزید غلطیاں معاف ہو جاتیں۔خود حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری تکلیف دہ تھی اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں اسوہ حسنہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عملی طور پر سکھانا تھا ایسے تکلیف دہ لمحات کو کیسے گزارنا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک آپ کے زانو میں رکھا تھا، تکلیف آپکے چہرہ مبارکہ پر عیاں تھی لیکن لب مبارک اطمینان سے فرمارہے تھے رفیق اعلیٰ کی طرف، رفیق اعلیٰ کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراؑ کی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا "بیٹی آج کے بعد تیرے بابا کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی" (**انا للہ وانا الیہ راجعون**) اس لئے سکرات موت حق ہے لیکن مومن کیلئے اس کی سختی بھی رحمت ہے۔

NOTHING BEGINS AND NOTHING ENDS
THAT IS NOT PAID WITH MOAN
FOR WE ARE BORN IN OTHERS' PAIN
AND PERISH IN OUR OWN

36.5 سکرات موت اور بعد کے حالات کا خلاصہ

اوپر بیان شدہ آیات اور احادیث مبارکہ کے تحقیقی مطالعہ کے بعد ہم مندرجہ ذیل نکات پر پہنچتے ہیں:

1۔ موت کے وقت ہمارے اوپر بھیجے گئے فرشتے نفس کو مادی جسم سے نکال لیتے ہیں اور اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

2۔ سکرات موت کی تکلیف کافر اور مومن سب کیلئے ہے بلکہ بعض اوقات جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو غلطیوں سے پاک کر کے اپنے پاس لے جانا چاہتا ہے تو اسے موت کی بیماری اور نزع کے وقت کی تکلیف معمول سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور ایک کافر کی موت بظاہر بہت آسان بھی ہو سکتی ہے۔

3۔ موت کے ساتھ ہی نفوس پر عالم الغیب کی وہ تمام حقیقتیں اور راز عیاں ہو جاتے ہیں جن سے زندگی کے دوران وہ ناواقف تھے۔ وہ فرشتوں، جنات اور دیگر روحانی مخلوقات اور اپنی اعمال کے نتائج سب کو دیکھتا ہے۔ان کے علاوہ وہ لوگ جو پہلے سے فوت ہو چکے ہیں

ان کی روحوں اور نفوس سے بھی انکی ملاقات ہوتی ہے۔

4۔ اس کے بعد نفوس عام قبر میں داخل ہو جاتے ہیں جو تا حشر ان کا زمان و مکان ہوگا۔ اسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ کی زندگی اس بات سے مبراء ہے کہ جسم کو کیا ہوتا ہے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ برزخ کی زندگی کا دارومدار دنیاوی حیات پر ہے۔ کچھ سیدھے جنت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، کچھ جہنم کی سزا پاتے ہیں، کچھ نیند کے عالم میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور کچھ اسی دنیا میں بھوت بن کر پریشان حال زندگی گزارتے ہیں یعنی برزخ میں ہر ایک یہاں نفس کو اسکے اعمال کے اثرات کے مطابق تکلیف یا راحت ملتی ہے۔

5۔ وہ لوگ جو ظالم ہیں اور خصوصی طور پر موت کے وقت بھی ظلم کے اعمال کرتے ہیں ان کا سکرات موت اور برزخ کے عالم کی زندگی غیر معمولی طور پر دردناک ہوگی۔

36.6 موت مانندِ نینداور خواب

ہم پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ موت کو قرآن پاک میں نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام نیند سے اٹھنے کے بعد نفس واپس جسم میں لوٹ آتا ہے لیکن مرنے والی نیند کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ البتہ کنکشن (Connection) کی حد تک استثناء صرف قبور میں سوالات کے وقفے کیلئے ہے اور پھر خواص کے نفوس کیلئے ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے حضور جاہ و عزت بخشی ہے۔ وہ نفوس جب چاہیں اپنے اجسام سے رابطہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہیں اسلئے ان کے اجسام کو زمین اور اسکے حشرات بھی کچھ نہیں کہتے۔

جہاں تک حالت نیند میں نفوس اور اجسام کا تعلق ہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک گھوڑا کسی لمبی رسی سے بندھا ہوا ہو۔ اس طرح وہ اپنے کھونٹے سے دور تو جا سکتا ہے لیکن علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب ہم سوتے ہیں تو ہمارا نفس جسم سے کلی طور پر آزاد نہیں ہوتا لیکن اپنی استطاعت، ہمت اور قابلیت کے مطابق زمان و مکان میں دور دور جا سکتا ہے، ہمارے سچے خواب نفس کی اسی سیر کے دوران دیکھے ہوئے واقعات ہوتے ہیں۔

جھوٹ اور پریشانی کے خواب دراصل خواب نہیں بلکہ وہ ذہن کے اندر بھٹکنے والے خیالات ہوتے ہیں۔ چونکہ آجکل اکثر لوگوں کا ذہن مادی پریشانیوں سے پراگندہ ہے اس لئے ذہنی انتشار بھی زیادہ ہے اور جنہیں آدمی خواب سمجھتا ہے وہ دراصل اسی کی اپنی پریشانیوں اور خواہشات کی مختلف مثالیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی آدمی حرص و ہوس سے آزادی حاصل کر کے خواہشات کو کم سے کم کر دے تو پھر اس میں ذہنی انتشار بھی کم ہو جائے گا۔ ایسے آدمی کو پھر جو خواب آئیں گے وہ حالت نیند میں اس نفس کے اعلیٰ تجربات اور مشاہدات ہوں گے جو وہ زمان و مکان میں ماضی، حال اور

مستقبل کی سیر کے دوران دیکھتا ہے۔لیکن اپنی اپنی ذہنی حالت کے مطابق وہاں بھی بھول چوک ہوسکتی ہے۔ان کی سچائی اور صفائی (Clarity) کا انحصار کافی حد تک آدمی کی اپنی صلاحیتوں پر ہے۔بہر حال صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

36.7 قبور اور عالم برزخ

سب سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قبر کیا چیز ہے؟ اکثر لوگ قبر سے مطلب زمین میں صرف وہ گڑھا لیتے ہیں جس میں آدمی کے جسم کو دفن کر دیا جاتا ہے، یہ بات پورے طور پر صحیح نہیں۔قرآن پاک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دراصل قبر وہ عالم ہے جو موت کے بعد انسان کا ٹھکانہ (State of Final Disposal) بنتا ہے۔کسی آدمی کو دفن کیا جائے، یا جلا دیا جائے، یا جانور کھا جائیں، یا وہ سمندر میں ڈوب جائے جو بھی صورتحال ہو وہی اس کے جسم کی قبر ہے۔نفس بذات خود زندہ رہتا ہے۔وقت کے لحاظ سے عالم قبر اور عالم برزخ ایک ہی عالم ہیں۔البتہ جگہ (Space) کے لحاظ سے قبر جسم کے اجزا کا ٹھکانہ (Disposal) ہے۔نفس خود عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔یوں موت کے بعد قبر ہمارے سفر کی پہلی منزل ہے۔ہمارے اوپر جیسے کائنات کے آغاز سے پیدائش تک اربوں سال گزر چکے ہیں اسی طرح عالم برزخ کا زمانہ بھی بہت طویل ہوسکتا ہے لیکن شاید ہمیں اس کا بھی احساس نہ ہو جیسے سوئے ہوئے آدمی کو وقت کا احساس نہیں ہوتا۔فرق صرف یہ ہے کہ عالم ارواح میں ہم معصوم حالت میں تھے لیکن عالم برزخ میں دنیاوی اعمال اور اعتقادات کی بنا پر راحت یا تکلیف کا احساس مانند خواب مسلسل رہے گا۔ان منازل کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ O مِنۡ نُّطۡفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ O ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ O ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ O ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَهٗ O

کس چیز سے اسے پیدا کیا O نطفے سے پیدا کیا، پھر صحیح اندازے پر رکھا O پھر اس کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیا O پھر اسے موت دی O پھر قبر میں رکھوا دیا O پھر جب چاہے گا اسے نکال لے گا O (سورۃ عبس آیات ۱۹ تا ۲۲)

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ نفس کیلئے عالم قبر کا زمانہ حشر تک جاری رہے گا۔حقیقی خوش نصیب وہ ہیں جن کیلئے قبور والی زندگی خوشحالی کی زندگی ہوگی اور ان سے بڑا بد بخت کوئی نہیں جن کیلئے یہ تذبذب اور اضطراب کا زمانہ ہوگا۔بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں جن کیلئے یہ وقت مانند مسلسل نیند ہے اور ان کو دوبارہ ہوش حساب کتاب والے دن ہی آئے گا۔اس سلسلہ میں ارشاد

ربانی کو دوبارہ دہرایا جاتا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ O
قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا م سكته هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ O

اور صور پھونکا جائے گا پس وہ اپنے مقام سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلے جائیں گے O کہیں گے ہائے افسوس کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا تھا O (سورۃ یٰسین، آیات ۵۱-۵۲)

جیسے خواب دیکھنے پر انسان ظاہری اسباب کے بغیر ہی خوشی یا عذاب میں ہوتا ہے کچھ یہی حال ہماری قبور والی حالت کا ہے۔ انسانی نفوس کیلئے قبور میں یعنی عالم برزخ میں آرام یا تلخی ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیاوی زندگی میں کرتے ہیں۔ گناہگاروں اور باغیوں کیلئے یہ انتہائی خوف کا وقت ہے وہ چیختے ہیں اور مدد کیلئے پکارتے ہیں لیکن شنوائی نہیں ہوتی۔ نیکوں کیلئے یہ جنت میں سے ایک جنت ہے۔ اور زیادہ تر کے لئے یہ زندگی کا ہی تسلسل ہے اس حالت میں ان کے اعمال خواب کی صورت میں باعث رحمت وزحمت دونوں ہوں گے۔ کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ اپنی تخلیقات دکھانے کے لئے پھر کائنات عطا کرتا ہے۔ بعض نیک روحوں کو اللہ تعالےٰ کے امور کی نگرانی پر لگا دیا ہے۔ اور ان کی قابلیت کے مطابق مختلف فرائض سونپ دیے جاتے ہیں۔

36.8 قبور یعنی عالم برزخ میں جزا سزا کی حقیقت

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حتمی حساب و کتاب حشر کے دن ہوگا، وہی آخری فیصلہ کا دن ہے، اسی لئے اسے یوم الدین بھی کہا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالی کے باغی اس وقت تک یونہی چھوڑ دیے جائیں گے یا جنہوں نے اللہ کیلئے زندگیاں قربان کردیں انہیں انعام کیلئے اس قدر لمبا عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار احادیث اور قرآن کریم میں بھی کئی جگہ قبر کے عذاب کا ذکر ہے۔ انہی میں فرعون اور اس کی قوم کا واقعہ ہے، یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے۔ اس طرح ان کی قبریں سمندری جانوروں کے پیٹ بن گئے، صرف فرعون کی لاش آنے والی نسلوں کیلئے نشان عبرت کے طور پر باہر پھینک دی گئی، جو 2500 سال

بعد دریافت ہوئی اور آج بھی قاہرہ کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ایسے باغیوں کی قبر میں حالت کا نقشہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات میں نظر آتا ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ج وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ O

وہ آگ جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا ، فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو O (سورۃ مومن آیت ۴۶)

اس کے برعکس جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک اعمال سرانجام دیئے تو انہیں قبور والی زندگی کے دوران بھی جنت کی خوشیاں مہیاء کی جاتی ہیں۔(سورۃ نحل۔آیات ۲۹ تا ۳۲) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں آگاہ فرما گئے ہیں کہ شہداء کو وہ زندگی اس قدر مرغوب ہے کہ وہ خواہش کرتے ہیں کاش! انہیں پھر سے شہادت نصیب ہو۔انکی برزخ کی زندگی بالکل شعوری زندگی ہوتی ہے۔سورۃ یٰسین میں ایک اسے صالح بندے کا ذکر ہے جن کی شہادت کے ساتھ ہی جنت میں داخلے کا حکم ہوگیا (26)36 انہی کے واقعہ سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ مرنے والے کی پرانی یاداشت قائم رہتی ہے اور حالت موت ایک شعوری حالت ہے۔چنانچہ جنت مل جانے پر وہ کہتا ہے۔

"کاش میری قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ میرے رب نے مجھے معاف فرما دیا اور مجھے اپنے مکرم بندوں میں داخل کر دیا" (27)36

عالم برزخ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو نیند کی سی حالت میں چلے جاتے ہیں۔سورۃ یٰسین کی آیات ۵۲۔۵۱ سے پتہ چلتا ہے کہ انکو یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ وہ عالم قبر میں کتنا عرصہ کیلئے پڑے رہے تھے۔لیکن اس نیند کے عالم میں بھی انسان کی پچھلی زندگی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔وہ خیالی دنیاوی زندگی میں اپنے دن گذارتا ہے اور جیسے جیسے ان پر باطن کے حقائق کھلتے ہیں وہ اپنے اعمال کے بے سود ہونے پر مزید مایوسی میں چلے جاتے ہیں۔اس کا شروع شروع میں انہیں احساس کم ہوتا ہے اس کا ثبوت سورۃ التکاثر کی پہلی پانچ آیات ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مزید حقائق کھلتے جاتے ہیں۔عام طور پر عالم برزخ میں نفوس کو جسمانی عذاب ہوتا ہے نہ راحت بلکہ وہ عالم خواب میں ہوتے ہیں۔نیک لوگوں کے خواب خوش کن ہونگے اور گناہ گار لوگ خوفناک خواب دیکھیں گے۔یہ خواب دراصل انسان کے اپنے اعمال ہی کی مختلف شکلیں ہونگی۔برے خواب کبھی سانپ اور کبھی بچھو بن کر سامنے آئیں گے۔نیک لوگوں کے اعمال حسین ، دلکش اور پرامن جنتی مناظر کی شکل میں نظر آئیں گے اور وہ آخرت میں ان سے بھی بڑے انعامات کیلئے پرامید ہو کر خوش رہیں گے۔

بھوت نفس

ہم نے اوپر کہا کہ عالم برزخ میں کچھ لوگ بھوت بن کر زمین پر ہی بھٹکتے رہے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کی محبت کے بہت حریص ہوتے ہیں۔سورہ اعراف کی آیہ مبارکہ 176 میں شاید انہی کا ذکر ہے۔فرمایا

> اور اگر ہم چاہتے تو انہیں اس سے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین کی طرف رہنے لگے اور اپنی خواہش کا تابع ہوا۔تو اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ تو اس پر حملہ کرتے تو وہ بھونکے اور چھوڑ دے تب بھی بھونکے۔یہ فصل ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔آپ ان کو نصیحت کریں شاید وہ اس پر غور وفکر کریں۔(سورہ الاعراف، آیت 176)

عالم قبور سے اٹھ کر ہی لوگ عالم حشر میں جمع ہونگے جس کا نقشہ سورۃ عبس کی آیات ۲۱ اور ۲۲ اور سورۃ انفطار کی مندرجہ ذیل آیات میں نظر آتا ہے۔

> وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ O
>
> اور جب قبروں سے اٹھائے جائینگے O ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا O
>
> (سورۃ انفطار، آیات ۴ تا ۵)

36.9 علم الیقین

مرنے کے ساتھ ہی انسان کے شعور سے دنیا کا دھوکہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اسے عالم الغیب کے حقائق نظر آنے لگتے ہیں جیسے آسمان پر سورج نظر آتا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ یہ علم بڑھتا ہی جاتا ہے مومنوں کے لئے یہ انکشافات انتہائی سرور، امید اور خوشی کا باعث ہوتے ہیں جب کہ گناہ گاروں کے لئے یہ حقیقت حال قیامت تک کے لئے قلبی اور روحانی عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ O حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ O كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ O لَتَرَوُنَّ

الْجَحِيمَ O ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ O ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ O

تمہیں غافل رکھا کثرت کی ہوس نے O یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچو O ہرگز نہیں تم بہت جلد جان لو گے O اور پھر (اس حالت پر ہرگز ٹھیرے نہیں رہو گے) بلکہ آگے مزید جان جاؤ گے O اور کاش تم پہلے ہی سے یقین کے ساتھ اسے جانتے ہوتے O پھر تم البتہ جہنم کو ضرور دیکھو گے O پھر البتہ تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھو گے O پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا O (سورۃ التکاثر، آیات ۱ تا ۸)

ہماری موجودہ زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ دنیا کے لہو ولعب میں مبتلا ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے زندگی گزار دیتے ہیں حتیٰ کہ آخری وقت آپہنچتا ہے۔ جب صورت حال واضح ہوتی ہے تب مہلت باقی نہیں ہوتی۔

36.10 صبح شام جنت ودوزخ کا دیدار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اسے ہر صبح وشام وہ مقام دکھایا جاتا ہے جہاں حساب کتاب کے بعد اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اگر اچھے اعمال کی وجہ سے اس کے مقدر میں جنت ہے تو وہ اسے دکھائی جائے گی، اگر اعمال دوزخیوں والے تھے تو اسے دو مرتبہ دن میں دوزخ دکھائی جائے گی۔" (ترمذی شریف)

36.11 نفس کا قبر تک سفر

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ مردے کو دفنانے جاتے ہیں تو نگہبان فرشتے نفس کو لے کر جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس دوران وہ ان سب لوگوں کو دیکھتا ہے جو جنازہ کے ساتھ جا رہے ہوتے ہیں اور وہ اپنے رشتہ داروں کی آہ وپکار اور دوستوں کی باتیں بھی سن رہا ہوتا ہے۔ دورانِ دفن بھی مردے کا نفس قبرستان میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دفن کرنے کے بعد دیر تک قبر پر قیام فرماتے تھے اور ہمیں بھی اپنے مسلمان بھائی کی ثابت قدمی اور

معافی کیلئے دعا مانگنے میں شامل فرماتے تھے۔ کیونکہ اب اس سے سوال پوچھنے کا وقت ہے کہ وہ زندگی میں کیا کرتا رہا؟ (ترمذی)

36.12 لمحہ فکریہ

قرآن حکیم کی خبروں، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات، اولیاء کرام کے مشاہدات اور جدید سائنس کے تجربات کے بعد اس بات میں شک کرنا کہ موت کے بعد زندگی نہیں، انتہائی درجہ کی جہالت اور نقصان دہ بات ہے۔ عقلمند وہی ہے جو اس عارضی دنیا کے وقفہ میں اس کی آلائشوں سے بچ کر نکل جاتا ہے۔

عالم قبور میں انسان کی زندگی کامیابی یا ناکامی، خوشی یا غمی کا انحصار ان اعمال پر ہے جو اس نے دنیا (عالم شہادت) میں کئے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائشی طور پر کچھ نقائص لے کر اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو زندگی بھر ان خامیوں کی وجہ سے وہ تکلیفیں اٹھاتا ہے اور اگر یہی وہ بہتر حالت میں پیدا ہوتا ہے تو وہ فائدہ میں رہتا ہے۔ دنیا کی زندگی اس لئے ہے کہ انسان کو آزمایا جائے کہ دیئے گئے حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کیسے عمل کرتا ہے؟ جو لوگ یہاں اپنی آزمائش کا پرچہ اچھی طرح حل کرتے ہیں وہ عالم برزخ کا زمانہ اطمینان سے گزارتے ہیں، لیکن جو اپنی بداعمالیوں اور دنیا کی حرص میں مطلوبہ معیار سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے نفوس پریشانی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ یوم الدین کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ابدی جنت میں رہ سکیں، اس لئے دوزخ کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔

36.13 نفس اور اس کی ترقی

ہم قرآن مجید سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ تمام اشیاء زندگی اور جسم سے مرکب ہیں اور زندگی کا اظہار ان کے شعور کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے کائنات میں تمام قسم کی جمادات، نباتات اور حیوانات کے برعکس انسان علیحدہ ہستی ہے جو جسم، زندگی اور روح کا مرکب ہے اور اعلیٰ ترین شعور کے درجہ پر قائم ہے۔ انسان روح کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جو زندگی کے حالات سے اثر لیکر نفس بن کر یہاں سے جاتی ہے یعنی دنیاوی حیات کے زیر اثر روح کی جو شکل بنتی ہے وہ ہمارا نفس ہے۔ زندگی میں نفس کا امتحان ہے، جہاں اس نے شیطان کو شکست دے کر اپنی بڑائی کو ثابت کرنا ہے اسی میں اس کی ترقی ہے یہ ترقی ان اصولوں پر چل کر ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بتائے اور قرآن حکیم ان تمام اصولوں کی کتاب (Manual) ہے۔ وہ کامیاب انسان جو ایک طاقتور اور صحت مند نفس کے ساتھ اپنے اگلے سفر پر قدم رکھتا ہے نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔

ہمارا اصل ہمارا نفس ہی ہے۔ انسانی بدن ایک عارضی پیراہن ہے جو تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ہر گھنٹے اس کے کروڑوں خلئے مر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔ میڈیکل سائنس کا اندازہ ہے کہ اپنی ستر سالہ زندگی میں آدمی کا یہ جسد خاکی درجنوں بار تبدیل ہوتا ہے۔

اسلئے "میں" کیا ہوں، یہ ہمارا جسم نہیں بلکہ ہمارا "نفس" ہے۔ اگر ہم اس بات کو سمجھ لیں تو اس سوال کا جواب سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ "کیا دنیا میں صرف جسد خاکی کی نشونماء کے چکروں میں پڑا رہوں یا ہمیشہ رہنے والے نفس کا خیال کروں؟" یہ ایک اہم سوال ہے جس کا حل ترجیحات کو مدنظر رکھ کر ڈھونڈنا ضروری ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ موت کے بعد جب ہم اپنے خالق کی طرف روانہ ہوں تو نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوں جسکا خود رب رحیم استقبال فرماتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات کریمہ بار بار بھی دہرائیں تو کم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـاَيَّتُهَا النَّـفْـسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِـعِـيٓ اِلٰـى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ O وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ O

اے نفس مطمئنہ O اپنے رب کی طرف واپس ہو جا کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی O پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O (سورہ الفجر، آیت ۲۷۔۳۰)

36.14 عالم برزخ میں انعامات اور سیر و سیاحت

نفوس مطمئنہ کون ہیں؟ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ وہ خوش قسمت ہستیاں ہیں جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کے مخلص پیروکار یعنی صدیقین، شہداء، اور صالحین شامل ہیں۔ اس گروپ میں شہداء جو اوپر سے تیسرے مقام پر ہیں ان کی شان میں قرآن حکیم رطب اللسان ہے:

وَلَا تَـقُـوْلُـوْا لِـمَـنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَـلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ O

اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں بلکہ تمہیں اس کا شعور نہیں O (سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۴)

پھر ارشاد ہے:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ O

اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا قتل ہو جاؤ، تو ان پر اللہ کی بخشش اور رحمت ہے اور یہ ان کی تمام جمع پونجی سے بہتر ہے O (سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۷)

جہاں تک عام مخلص مسلمان نفوس کا تعلق ہے ان کی آزادی اور پرواز اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہے۔ انشاءاللہ ان میں بہت سے کائنات کی سیر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو آسمان دنیا سے بھی پار نہیں جاسکتے اور وہ بد بخت جنہوں نے اسی دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا وہ اسی زمین پر ہی رینگتے رہتے ہیں۔ حضرت امام ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

"عالم برزخ میں نفوس کا ایک ٹھکانہ نہیں۔ علوی (پاکیزہ) ارواح اعلی علیین میں ہیں اور سفلی (خبیث) نفوس زمین سے آگے نہیں بڑھتیں (بھوت اسی قسم کے نفوس ہیں روحوں کے بلانے والے تجربات کا تعلق بھی ایسی ہی ارواح سے ہے) اور باقی اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان دونوں مقامات کے درمیان ہوتے ہیں" امام غزالیؒ کے مطابق کچھ لوگوں کی نفوس اس کائنات میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک آتے جاتے ہیں۔ (حوالہ کیمیائے سعادت)

عالم برزخ کی زندگی ایک سوسائٹی کی طرح ہے۔ وہاں پاکیزہ لوگوں کے نفوس پاکیزہ روح کے ساتھ اور خبیث نفوس خبیث نفوس کے ساتھ رہتے ہیں البتہ فرعون جیسے اللہ کے باغیوں کے نفوس کو سجین یعنی سب سے بدتر جیلخانہ میں بند کر دیا جاتا ہے۔ دنیا کے پیچھے بھاگنے والے دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم سے بھوت کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ کافر کے پاس جب موت کے فرشتے آتے ہیں تو خوف کے مارے اس کا برا حال ہوتا ہے۔ وہ مرنا نہیں چاہتا لیکن فرشتے اسے جسم سے زبردستی نکال لیتے ہیں۔ اس کے نفس کی بدبو مردار کی بو سے بھی بدتر ہوتی ہے اور جدھر جدھر سے اسے لے کر گزرتے ہیں فرشتے اس پر لعنتیں بھیجتے ہیں اور پھر اسے سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہاں ایک بدقسمت مایوس نفس کی حیثیت سے وہ قیامت تک اپنے اعمال کا بوجھ اٹھائے حسرت و یاس میں بھٹکتا رہتا ہے اور اس کے اعمال خوفناک بلاؤں کی شکل میں اس کے خوابوں میں آ کر اسے پریشان کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ سود خور تھا یا دوسروں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتا رہا تو اسے یہ خواب آئیں گے کہ فرشتے اس کے پیٹ میں نوکدار چھریاں مار کر انتڑیوں کو باہر کھینچتے ہیں اور پھر اندر ڈالتے ہیں۔ غیبت کرنے والا اپنے آپ کو مردار کھاتے ہوئے پائے گا۔ بے نمازی یوں دیکھے گا جیسے اس کا سر کچلا جا رہا ہے کہ زندگی میں وہ یہ سر اللہ کے سامنے جھکانے سے کتراتا تھا۔

36.15 نیک ارواح کا استقبال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مومن کا نفس جسم سے جدا کیا جاتا ہے تو محافظ فرشتے اسے مقام علیین کی طرف لے کر چڑھتے ہیں۔ وہ اسے رحمت کے لباس میں لپیٹ لیتے ہیں جس سے خوشبوئیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ یہاں تک کہ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لئے اور مبارک مبارک کہتے اسے آسمان کے دروازے پر لے آتے ہیں۔ وہاں آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون مبارک نفس ہے جو اس قدر

خوشبودار ہے؟ اس طرح وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اس کا ایسے ہی استقبال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے مومنوں کے نفوس کے پاس لے آتے ہیں وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جس طرح سفر سے جب کوئی واپس آتا ہے تو اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔ وہ اس نئے آنے والے سے عالم شوق میں پوچھتے ہیں، کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے، فلاں کا کیا حال ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ابھی اس کو چھوڑو کہ اسے دنیا کے غم سے نجات مل جائے. تھوڑی دیر کے بعد وہ نفس انہیں بتاتا ہے کہ وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا؟ اس پر وہ جواب دیتے ہیں کہ پھر تو وہ جہنم میں چلا گیا اور اس کی بری قسمت پر افسوس کرتے ہیں۔ (مسلم۔ المستدرک الحاکم)

باب نمبر 37

سکراتِ موت اور قبر کے حالات کی مزید تفصیلات

اگر چہ ہم سکرات موت، جانکنی اور قبور میں زندگی کے حالات پر پہلے بھی بحث کر چکے ہیں لیکن یہ مضمون اس قدر اہم ہے کہ اس کا بار بار تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں۔ ذیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں جانکنی اور اس کے بعد کے حالات کے متعلق مزید تفصیلات پیش کی جارہی ہیں جو ہر عقلمند دور بین انسان کے لئے پیشگی تنبیہہ ہیں۔ یاد رہے کہ یہ واقعات موت کی اگلی حدود کے واقعات ہیں۔ مغربی حکماء اور سائنسدانوں نے جو پچھلے کچھ سالوں میں حیات بعد الموت کے تجزیے پیش کئے ہیں وہ موت کے ابتدائی لمحات کے متعلق ہیں۔

37.1 جانکنی کا وقت اور سختی

نارمل موت میں جانکنی کا وقت سب کے لئے انتہائی سخت ہے۔ ایک طرف بیماری اور جان نکلنے کی تکلیف دوسری طرف غلط یا صحیح طریقہ سے حاصل کیا ہوا مال، غرور و تکبر اور بڑائی کے تمام نشانات۔ زندگی میں عیش وعشرت کیلئے جمع شدہ سامان ہر چیز اچانک ہاتھوں سے نکلتی نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ یہ احساس بھی کہ ساری زندگی ضائع کردی، پھر اپنے پیاروں سے ہمیشہ کیلئے جدائی کا صدمہ جو اس وقت اس کے پاس کھڑے غم سے روتے پیٹتے نظر آتے ہیں اس پر متزاد آخرت کی فکر کہ اب کیا ہوگا، یہ سب باتیں سوہان روح ہوتی ہیں۔

ایسے شدید صدمات اور مایوس کن حالات جان کنی کے موقع پر ہر نفس کے لئے انتہائی کرب اور شدید تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مومن یہ وقت صبر و شکر سے کاٹتا ہے تو یہی تکلیف قبر میں اس کیلئے راحت کا باعث بنتی ہے۔ بعض اچانک اموت میں جیسے دماغ کو خون کی سپلائی بند ہو جائے یا مریض پر گہری بیہوشی چھا جائے یا ڈاکٹر اسے درد کے خلاف کوئی دوا پلا دیں وغیرہ وغیرہ، عین ممکن ہے کہ ایسی اموات میں جانکنی کی تکلیف کے احساسات جسم پر ظاہر نہ ہوں لیکن کیا نفس بھی اس سے آزاد ہوتا ہے؟ اس سوال پر کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔

ہم پہلے ہی یہ کہہ چکے ہیں کہ آسان جانکنی کسی کی قبولیت کی گرنٹی نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ مقبول بندوں کیلئے یہ تکلیف کا فرراً ... کچھ زیادہ ہی ہوتا کہ اس کے بدلے ان کے رہے سہے گناہ بھی معاف کردیے جائے۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اور دوسرے سائنسدان جن کے حیات بعد الموت کے سائنسی تجربات کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کی گھٹن سب محسوس کرتے ہیں کوئی کم، کوئی زیادہ۔

37.2 جانکنی میں آسانی

جانکنی سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا البتہ اس کی تکلیف کی شدت کا احساس موت کے حالات پر ہے۔ شاید ان لوگوں پر کم ہو جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے رہے۔ اس لئے کہ انہیں آخرت میں امید نظر آتی ہے۔ مومن کیلئے زندگی قید خانہ ہے اور قبر آزادی۔ اسلئے مومن کا اس موقع پر باوجود تکلیف کے خوش ہونا فطری بات ہے۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، اس کا مال، اس کے گھر والے اور اس کے اعمال، جن میں سے مال اور گھر والے پلٹ جاتے ہیں صرف عمل اس کے پاس رہ جاتا ہے (بخاری و مسلم) چنانچہ جس نفس کو مال اور گھر والوں سے زیادہ محبت ہے اسی نسبت سے اس پر جانکنی کا وقت اور موت کے بعد کے حالات زیادہ مایوس کن اور تکلیف دہ ہوں گے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ موت کا سامنا آسانی سے ہو تو ہمیں ہادی برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ " آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ایسی نسبت ہے جیسے سمندر میں کوئی اپنی انگلی ڈالے اور دیکھے کہ اس پر کس قدر تری لگی ہے۔ (مسلم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی اہمیت مچھر کے پر سے بھی کم ہے (قرآن) اسی لئے مومن دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہتا ہے، شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرے اور صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرے بلکہ ہر دم موت کیلئے تیار رہے (بخاری) "

احادیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر لواحقین اس وقت رونے پیٹنے کی بجائے مرنے والے کے پاس قرآن حکیم اور کلمہ طیبہ کا ورد کریں گے تو اس کے لئے یہ لمحات قدرے آسان ہو جاتے ہیں۔ بہر حال یہ مشکل وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد اور ایمان کی پختگی کا ہے اس لئے پاس بیٹھے اور کھڑے لوگوں پر فرض ہے کہ مرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھیں۔

37.3 توبہ اور معافی

جیسے سورۃ التکاثر سے ظاہر ہے موت کے بعد ہر نعمت کے متعلق سوال ہوگا اور اللہ کی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے اسلئے اپنی نیکیوں کی بناء پر نجات تقریباً ناممکن ہے، حتیٰ کہ خود ہادی برحق محبوب الٰہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور بخشش چاہو بیشک میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں" (مسلم) بخشش اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگی اور خوشی کی بات ہے کہ اس نے اپنی رحمت کو اپنے غضب پر غالب رکھا ہے۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ پُر امید رہنا چاہیئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا پیار کرنے والا ہے کہ وہ انسان کو ہر وقت توبہ اور بخشش کا موقع عطاء فرماتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا ہے کہ رات کو گنہگار توبہ کرلے یہاں

تک کہ سورج اپنی ڈوبنے والی جگہ سے نکلے " (مسلم)

حضرت عبداللہ بن خطابؓ سے روایت ہے کہ "اللہ مومن بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے کہ موت کی خرخراہٹ شروع نہ ہو"۔

نزع کا عالم روانگی کا وقت ہے اس وقت زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں وہ اس وقت تمام گزری ہوئی زندگی سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ اس لئے بہت ہی ضروری ہے کہ اس وقت اللہ کو یاد کیا جائے اور گناہوں کی معافی مانگ لی جائے۔

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے ان کی معافی مظلوم ہی دے سکتا ہے۔ اس لئے آس پاس کھڑے بیٹھے تمام لوگوں کو چاہیئے کہ میت کو دل سے معاف کردیں اور اس کے لئے خوب دعا کریں۔ بہرحال ضروری ہے کہ عام حالات میں انسان خود اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ لوگوں سے اگر کوئی زیادتی ہوگئی ہو تو ان سے معافی مانگ لے، خصوصاً بیماری کی حالت میں، سفر کے اندر اور اگر کوئی خطرناک مہم پیش ہو تو پھر توبہ اور استغفار کو خصوصی عمل بنایا جائے تا کہ اگر خدانخواستہ موت واقع ہو جائے تو توبہ کے ساتھ رب تعالی کے حضور میں حاضری ہو۔

37.4 میت کے لواحقین کی ذمہ داری

جیسے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں مرنے والے پر نزع کا وقت انتہائی بھاری ہوتا ہے شیطان بھی اس وقت اپنا پورا زور لگا رہا ہوتا ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے بچ کر نہ نکل جائے۔ اپنے رب کے بارے میں شک میں پڑ جائے تا کہ اسکی زندگی بھر کی کمائی پل بھر میں ضائع ہو جائے، اس لئے زندگی میں ہمیشہ انجام خیر کی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ بیماری کی حالت میں بیمار پرسی کرنے والوں کو بھی چاہیئے کہ مریض کی توجہ اللہ کی طرف مبذول کرائیں، خصوصی طور پر نزع کے وقت پاس بیٹھے لواحقین کو چاہیئے کہ اپنے بھائی کی مدد کیلئے خود اللہ تعالی کا ذکر کریں اور خاص طور پر سورۃ یٰسین پڑھیں تا کہ میت کی توجہ اپنے رب کی طرف مبذول رہے۔

آج کل بہت سے لوگ ہسپتالوں میں مرتے ہیں۔ افسوس کہ وہاں مریض کے آخری لمحات کے وقت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی توجہ مبذول کرانے کا نہ کوئی انتظام ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی یہ احساس پیدا کرنے والا پاس ہوتا ہے۔ یہ مرنے والے پر بہت بڑا ظلم ہے۔ اس لئے ہسپتال کے عملہ کو چاہیئے کہ اگر موت کے وقت آدمی خود کلمہ شہادت نہ پڑھ رہا ہو وہ خود اونچی اونچی آواز میں پڑھیں تا کہ وہ زبان سے نہیں تو دل میں ہی اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ساتھ رخصت ہو۔ یاد رکھیں مرنے والا روز قیامت جب ان سے اپنا حق مانگے گا تو اس وقت وہ کہاں سے ادا کریں گے؟

37.5 موت کے بعد شکل میں تبدیلی

آپ نے اکثر سنا ہوگا اور دیکھا ہوگا کہ مرنے کے بعد بعض خوش قسمت تازہ اور روشن چہرہ ہو جاتے ہیں اور بعض کی شکل خراب ہو جاتی

ہے۔ایسا انسان کے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس سے دنیا والوں کو آخرت کی ایک جھلک دکھائی ہوتی ہے۔قبر کے اندر جا کر زیادہ بڑی تبدیلی آجاتی ہے۔عموماً رواج ہے کہ قبرستان تک چہرہ دکھایا جاتا ہے یہ اللہ تعالی سے پناہ کا وقت ہے مرنے والے کے حق میں دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالی ں پر رحم کرے۔

37.6 سکرات موت کے بعد کے حالات

موت کے بعد توبہ کا دروزہ بند ہو جاتا ہے اور قبر کے اندر زندگی میں کئے گئے اعمال اچھی بری اشکال میں سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔یہ نئی زندگی کا آغاز ہے جس میں تنہائی ہی تنہائی ہے اگر کوئی ساتھ ہوگا تو اپنے اعمال ہی کا ہوگا ورنہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔اگر روشنی ہوگی تو اپنی نیکیوں ہی کی ہوگی۔

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اسے اٹھاتے ہیں تو مرنے والا اگر نیک ہے تو عالم شوق میں کہتا ہے کہ آگے بڑھاؤ اور اگر برا ہے تو خوف سے کہتا ہے،خرابی ہو مجھے کہاں لے کر جارہے ہو۔اس کی چیخ و پکار اس قدر غمناک ہوتی ہے کہ اگر زندہ انسان سنے تو وہ فرط غم سے بے ہوش ہو جائے۔(بخاری)

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ہم نے اس کتاب میں مغربی حکماء کے جن مشاہدات کا ذکر کیا ہے ان میں کسی نے ایسی بات کا ذکر نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارے کے سارے وہ لوگ تھے جو پوری طرح جانکنی سے گزرے ہی نہیں تھے۔ڈاکٹری لحاظ سے ان کے دل کی حرکت بند ہوگئی یا دماغ کو خون جانا بند ہو گیا اور ڈاکٹروں نے انہیں مردہ قرار دے دیا لیکن تھوڑی دیر بعد ان کی زندگی دوبارہ بحال ہوگئی۔یعنی وہ لوگ ابھی پوری طرح فوت نہیں ہوئے تھے۔اصل مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوسکتا۔ **اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہ** ۔

اس پر کہا جاسکتا ہے کہ مرنے کے بعد کبھی کوئی واپس نہیں آیا تو ہمیں کیسے پتہ چلے کہ وہاں کیا ہوگا لیکن یہ سراسر جہالت ہے دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں غیب کی بات کون بتاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے نبی سائنسدانوں سے زیادہ سچے اور ان کا علم حتمی ہوتا ہے۔اگر ہم سائنس دانوں کی بات کو مانتے ہیں تو خاتم النبیین کی بات کو کیسے نہ قبول کریں؟اگر ہم اس مضمون کی طرف سوچیں اور جاننے کیلئے محنت کریں تو خود بخود کئی باتیں واضح ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔چنانچہ جو دانا لوگ اس طرف توجہ دیتے ہیں اور آنے والی زندگی کے متعلق فکرمند ہیں اللہ تعالیٰ موجودہ زندگی ہی میں ان کے ادراک اور شعور کو اتنی وسعت بخش دیتا ہے کہ وہ اگر پورا نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور جان ہی لیتے ہیں۔اس کی مثال دنیا کے علوم کا حصول ہے مثلاً اگر کوئی جاہل ایٹم کی اندرونی ساخت کا انکار کردے تو قصور اس کا اپنا ہے نہ کہ فزکس کے ماہر سائنس دان کا۔دراصل موت کے بعد آنے والے حالات اللہ کے بزرگوں پر ایسے ہی عیاں ہیں جیسے دنیاداروں پر یہ زندگی ظاہر ہے۔

37.7 موت کے فوری بعد

مندرجہ ذیل میں ہم احادیث اور اسلامی بزرگان کے فرمودات کی روشنی میں اختصار کے ساتھ موت کے فوری بعد پیش آنے والے حالات کا ذکر کر رہے ہیں۔

جیسے ہی انسان کا نفس جسم سے الگ ہوتا ہے وہ جسم کے پاس کھڑے اپنے اردگرد کے حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ خاص طور پر اپنے بے حس و حرکت جسم کو دیکھتا ہے اس موقع پر اپنے اعمال کے مطابق اس کا ردعمل ملا جلا ہوتا ہے لیکن اس کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر اپنے روتے پیٹتے پیاروں کو دیکھنا ہوتا ہے۔ ایک طرف انہیں چھوڑ جانے کا غم دوسری طرف اپنی بے بسی کہ اب وہ ان کے کچھ کام نہیں آسکتا۔ بیوہ بیوی، یتیم بچے، بوڑھے ماں باپ، بھائی بہنوں کو بین کرتے دیکھ کر اور ان کی غمگین باتیں سن کر وہ خود بھی انتہائی غمگین ہوتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اب آنے والی زندگی کا سوچتا لیکن رشتہ داروں کے یہ حالات اسے فکرمند کر دیتے ہیں۔

اسی لئے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میت پر رونے دھونے اور پیٹنے سے منع فرمایا ہے اور نصیحت کی ہے کہ "وہ اپنے جانے والے عزیز کے لئے دعا کریں اور صبر کریں۔" لواحقین کو کم از کم یہ سوچ کر ہی مدد کرنی چاہئے کہ مرنے والا بیچارہ ساری عمر ان کی مدد کرتا رہا اور اب وہ ان کی مدد کا محتاج ہے۔

یاد رہے کہ مرنے والا جب تک جنازہ نہیں اٹھایا جاتا اسی گھر میں لواحقین کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ ان کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان کی باتیں سن رہا ہوتا ہے۔ اسلئے یہ بہت ضروری ہے کہ رونے دھونے کی بجائے میت کے پاس قرآن پاک کی ہلکی آواز میں تلاوت کی جائے، کلمہ شہادت کا ورد ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے مرحوم کی نیکیوں کو یاد کیا جائے اور اچھے الفاظ میں ان کا ذکر کیا جائے تاکہ قبر میں جب منکر نکیر سے آمنا سامنا ہو تو ان کے سوالوں کا جواب دینا آسان رہے۔

37.8 دوستوں کی آمد

اسلامی روایات اور احادیث کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موت کے فوراً بعد پہلے سے فوت شدہ عزیز اور بزرگ جن سے وہ زندگی میں محبت کرتا تھا اس کی تسلی کیلئے اللہ کی اجازت سے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ میت کو سلام کرتے ہیں اور پرسکون رہنے کی نصیحت کرتے ہیں اور آنے والے حالات کے متعلق حوصلہ بھی دیتے ہیں۔ اسلئے چاہئے کہ زندگی میں ہم اچھے اچھے مسلمانوں سے میل جول بڑھائیں اور بزرگان دین سے پیار کریں۔

جب میت کو نہلا دھلا کر کفن دے دیا جاتا ہے تو جو آدمی زندگی میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا تھا اور دنیا کی محبت سے بیگانہ تھا وہ اس شوق میں ہوتا ہے کہ اب جلدی سے قبر میں دفنایا جائے تاکہ لواحقین کے رونے دھونے سے چھٹکارا حاصل ہو۔ لیکن دنیادار، لالچی اور حریص نفس

سب کی منت سماجت کرتا پھرتا ہے، ایک ایک کے پاس ہاتھ جوڑتا ہے کہ خدارا مجھے قبر سے بچایئے، مجھے تنہا نہ چھوڑیئے لیکن اس کی یہ آہ و بقا اور منت سماجت کوئی نہیں سنتا۔

37.9 جنازہ کی روانگی

جب جنازہ قبرستان کی طرف روانہ ہوتا ہے تو میت کا نفس بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے۔ خود بھی کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن اب وہ کسی کو کچھ بھی سنا نہیں سکتا۔ اسی دوران وہ ایک عجیب بات دیکھتا ہے کہ لوگوں کے اصلی اندرونی روپ اس پر ظاہر ہونے لگتے ہیں، وہ حیران ہوتا ہے کہ زندگی میں بہت سے لوگ جنہیں وہ انتہائی معزز اور نیک سمجھتا تھا ان میں سے کوئی اسے خونخوار بھیڑیا، کوئی چالاک لومڑی، کوئی لالچی کتا، کوئی بے شرم سور نظر آتا ہے لیکن انہی میں بعض روشن ضمیر خوبصورت روحانی اجسام بھی ہیں جو سارے ماحول کیلئے انتہائی مبارک ہیں (دراصل ہر آدمی کے اعمال اور اعتقادات کے مطابق اسکی ایک باطنی شکل بھی ہے جسے مرنے والے کا نفس دیکھ سکتا ہے)۔

37.10 قبر کے کنارے

جب قبر کے کنارے جنازہ رکھ دیا جاتا ہے تو مرنے والے پر باطن کی دنیا مزید روشن ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسے قبر کے ارد گرد دفنانے والوں کے ہجوم میں کئی طرح کے خوف ناک جانور اور درندے کھڑے نظر آتے ہیں جو دراصل بعض لوگوں کی باطنی شکلیں ہوتی ہیں۔ اگر وہ خود دنیا دار لالچی ظالم ہوتا ہے تو اسے اپنی قبر میں کئی طرح کے زہریلے حشرات الارض اور خوفناک جانور گھومتے نظر آتے ہیں۔ یہ اس کے اپنے اعمال کی شکلیں ہوتیں ہیں۔ جیسے ہی میت کو نیچے اتارا جاتا ہے وہ سب یک دم اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ خوفزدہ نفس پوچھتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تیری ہی کی ہوئی برائیاں اور ظلم ہیں اور کب سے تمہاری موت کا انتظار کر رہے تھے۔ نفس اب خوف و ہراس سے کانپتا، روتا چلاتا ہے۔ وہی ظلم جو کبھی اس نے دوسروں پر کئے تھے اب وہ اس پر حملہ آور ہوتے ہیں، تکلیف اور درد سے وہ بلبلاتا ہے، مٹی ڈالنے والوں کو مدد کیلئے پکارتا ہے، اپنے گناہوں کی ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگتا ہے لیکن اب کوئی اس کی آہ و بکا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر یہ عذاب باہر سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اپنے ہی اعمال کا اس پر ردِ عمل ہوتا ہے۔

37.11 قبر کے اندر عذاب یا راحت کی کیفیت

قبر کے حالات عالم الغیب کی باتیں ہیں۔ وہاں کیا ہوتا ہے اس کی مثال دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ اس لئے صرف مثال کی زبان میں

بتانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اصل حالات کا ادراک انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اگلے چند صفحات میں جو کچھ بتایا جارہا ہے اسے عالم ظاہر کی مثالوں کے سہارے عالم الغیب کی حقیقت کو سمجھنے کی ایک کوشش سمجھا جائے۔

جہاں تک قبر کے عذاب اور راحت کا ذکر ہے ان کو خواب کی کیفیات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سوئے ہوئے آدمی پر خواب میں جو ہو رہا ہوتا ہے اس کا اندازہ کبھی بھی پاس جاگتے ہوئے کو نہیں ہوگا۔ چونکہ موت بھی مانند نیند ہے اس لئے قبر کی کیفیات عذاب، راحت مانند خواب ہے۔ جو نفس پر اس کے جسم کے حوالہ سے ہوتا ہے۔

بہر حال جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو فرشتے اس کے نفس کو بھی قبر کی گہرائی میں اتار دیتے ہیں، اب جب قبر پر مٹی ڈالنی شروع ہو جاتی ہے تو نفس پر خوفناک اندھیرا اور روح کو کھا جانے والی تنہائی چھا جاتی ہے۔ حملہ آور درندوں کی چنگھاڑ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس خوف کے عالم میں قبر میں چند شریف النفس لوگ داخل ہوتے ہیں اور ان درندوں کو بھگا دیتے ہیں۔ نفس پوچھتا ہے کہ تم کون مہربان ہو تو وہ جواب دیتے ہیں ہم تیرے اچھے اعمال ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے " نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں، چنانچہ آج تیرے وہ لمحات جو اللہ کی یاد، خلقت کی بھلائی اور علم کے حصول میں گزرے تھے، تیری مدد کیلئے حاضر ہیں " اگر کسی بدقسمت کی اچھائیاں مضبوط نہیں تو برائیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خوفناک بلائیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ یعنی قبر کی جنت یا قبر کا جہنم جزا و سزا کے نتیجہ میں نہیں ہوتا، وہ تو محشر کے بعد ہوگا۔ عالم برزخ کی یہ تکلیف یا راحت دراصل اپنے اعمال کا باطنی ردِ عمل ہوتا ہے۔ جیسے پشیمانی کی آگ، امید کو خوشی، یا کچھ کھو جانے کا غم یا محرومی کی سزا ہوتی ہے۔

37.12 منکر نکیر اور ابتدائی حساب کتاب

خوف ہراس کے اس عالم میں نفس کو اچانک یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قبر پھٹنے لگی ہے۔ شور و شغف کے ساتھ دو انتہائی خوفناک ہستیاں نمودار ہوتی ہیں۔ منہ سے آگ نکل رہی ہے، ہاتھوں میں لوہے کی موٹی موٹی گرم سلاخیں ہیں جیسے ابھی پٹائی کرنے والے ہیں، یہ منکر نکیر ہیں۔ انہیں دیکھ کر خوف سے زبان بند ہو جاتی ہے۔ کسی حد تک صرف وہی ہوش میں ہوگا، جسے زندگی میں اللہ تعالی یاد رہا ہو۔ اس وقت اللہ تعالی کا ذاکر دنیا کی بجائے رب العالمین کی مدد کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا حق یاد آتا ہے اور اولیاء کرام کو یاد کرتا ہے کہ شاید کوئی اس کی مدد کو پہنچ جائے اور یہ خیالات اس کے گونا گوں اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے میں منکر نکیر نہایت ہیبت ناک آواز میں پوچھتے ہیں " تمہارا رب کون ہے "؟ وہ بدنصیب آدمی جس کا دنیا میں اپنے خالق سے رابطہ کمزور تھا اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے، دنیا میں جس چیزوں سے اسے پیار تھا اب وہی چیزیں اس کے سامنے اس کا رب بن کر یکے بعد دیگرے آنا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ کہتا ہے، کہ یہی میرے رب ہیں، اپنی دولت کو دیکھتا ہے تو اسے اپنا خدا سمجھ لیتا ہے، جن بڑے بڑے لوگوں کو اس نے دنیا میں اپنا وسیلہ بنایا ہوا تھا وہ انہیں خدا سمجھ لیتا ہے، غرضیکہ غلطی پر غلطی

کرتا جاتا ہے اور منکر نکیر اسے گرم سلاخوں سے مارتے جاتے ہیں۔ ان کے منہ سے نکلنے والی آگ کے شعلے اسے بھونتے جاتے ہیں۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے والے اور اس سے پیار کرنے والوں کا ذہن صاف ہوتا ہے وہ فوری جواب دیتے ہیں "میرا رب، رب العالمین ہے، اکیلا، جس کا کوئی شریک نہیں، اس کی زمین و آسمان پر بادشاہی ہے، وہی زبردست عزت والا حکمت والا میرا رب ہے۔"

اس جواب پر منکر نکیر کچھ اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور اب قدرے کم سخت لہجے میں پوچھتے ہیں "تیرا رسول کون ہے؟" یہاں بھی وہی حال ہوتا ہے کہ اگر زندگی میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی تو فوری جواب دیتا ہے کہ میرے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احمد مجتبیٰ ہیں جو اللہ کے خاص بندے اور آخری نبی ہیں لیکن جو بدنصیب زندگی میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں کرتے تھے وہ صحیح جواب نہیں دے سکتے۔ ان کے نفس کو یوں لگتا ہے جیسے اس کی قبر میں آگ چھوڑ دی گئی ہو، جیسے آتش فشاں کا پگھلا لاوا بہہ رہا ہو، جسکی لہروں میں آدمی کبھی نیچے کبھی اوپر اٹھتا ہے۔ جب اوپر آتا ہے تو منکر نکیر اسے لوہے کے گرم گرزوں سے مارتے ہیں اور پھر نیچے کی طرف لڑھک جاتا ہے۔ گنہگار نفوس ایک مدت تک اسی حالت میں رہتے ہیں، جہنم کی آگ کے جھونکے صبح وشام ان کی قبروں کو گرم کرتے رہتے ہیں۔ ان کے برعکس وہ خوش نصیب نفوس جو زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے تھے وہ منکر نکیر کے تمام سوالوں کا احسن طریقے سے جواب دے کر قبر کے اس مرحلے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد نفس کو بڑا اطمینان ملتا ہے اور ان کے اعمال جنت کی نعمتوں کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

37.13 قبر کا سکڑنا اور ممکنہ مدد

منکر نکیر کے سوالات کے بعد نفس سوچتا ہے کہ شاید امتحان کی گھڑیاں ختم ہو گئیں لیکن جلد ہی تیسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ قبر کے سکڑنے کا مرحلہ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ہر طرف سے قبر تنگ ہونا شروع ہو گئی ہے۔ نفس پر لاکھوں ٹن کا بوجھ پڑتا ہے جیسے وہ شکنجے میں ڈال دیا گیا ہو۔ اس کو دبانے کے نتیجے میں نفس کی ہڈی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ جسم کے اندر سے کالا سیاہ مواد نکلتا ہے جیسے کولہو سے تیل نکلتا ہے۔ قبر کے اس دباؤ سے ماسوائے جن کو اللہ چاہے مثلاً انبیاء کرامؑ، صالحین اور شہداء کے، کوئی نیک و بد نہیں بچے گا۔ اس کا مقصد نفس کی صفائی ہے۔ نکلنے والا مواد نفس کے اپنے گناہوں کی سیاہی ہے۔ اگر نیکیاں زیادہ ہونگی تو ایک حد تک پہنچنے کے بعد ان کے باہر کی طرف زور کرنے سے قبر دوبارہ کھلنا شروع ہو جائے گی اور پھر یہ ایک وسیع وعریض جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائیگی لیکن اگر برائیاں زیادہ ہونگی تو نفس کے اوپر قبر تنگ سے تنگ ہوتی جائے گی اور جہنم کی کھائیوں میں سے ایک کھائی بن جائے گی۔

قبر کے ان تمام مرحلوں میں نفس کو اپنے لواحقین بہت یاد آتے ہیں، شاید کہ ان کی طرف سے کوئی نیکی، خیرات، صدقہ، دعا یا قرآن پاک کی

تلاوت کا ثواب وصول ہو جس سے کچھ آسانی ہو جائے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ قبر میں حساب کتاب کے دنوں میں میت کی طرف سے خوب خیرات کی جائے اور اگر اس نے زندگی میں کسی حقدار کا حق اور قرض ادا کرنا ہو تو ادا کیا جائے، اس لئے کہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔اس کے علاوہ میت کیلئے خوب قرآن پڑھا جائے اور دل سے دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے قبر کے امتحان کو آسان فرما دے۔لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ عزیز و اقارب ان ضروری باتوں کے متعلق کم سوچتے ہیں اور فضول رسم و رواج اور تکلفات کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

37.14 اگلی منازل

اوپر دیئے گئے قبر کے برزخی ادوار مختلف لوگوں پر مختلف عرصہ کیلئے جاری رہتے ہیں۔جیسے شروع میں کہا گیا تھا ان کے اثرات نفس پر جسم کے حوالہ سے ہوتے ہیں۔جیسے خواب کی راحت یا تکلیف اگرچہ جسمانی طور پر ہوتی ہے لیکن ظاہراً جسم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔بہرحال بعض خوش قسمت بہت جلد فارغ ہو کر اگلی منزلوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور بعض بدبخت لمبے عرصہ کیلئے یہیں پھنسے رہتے ہیں۔اس لئے قبر کی سختی سے انسان کو چاہیئے کہ زندگی بھر پناہ مانگتا رہے۔

اس کے بعد برزخ کی دوسری منازل شروع ہوتی ہیں قبر کے حساب میں کامیاب ہونے والوں پر انعام کے طور پر جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ان کو اللہ تعالیٰ کائنات میں اپنی تخلیقات کی سیر کیلئے آزادی عطا کر دیتا ہے۔وہ کہکشاں در کہکشاں، جہاں چاہیں لطف اندوز ہوتے پھرتے ہیں اور قیامت کے نقارہ تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ان کے برعکس بدقسمت گنہگاروں کیلئے دوزخ کی کھڑکی کھل جاتی ہے ان کے سامنے ان کے اعمال جہنم کے درندے بن کر آتے ہیں۔حسرت خوف اور غم کے عالم میں یہ لوگ زمین پر ہی بدروح بن کر دھکے کھاتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے نفس پر عالم برزخ ایک خواب کا عالم ہے اور یہ نہایت طویل سفر ہے جس کی راحتیں اور کلفتیں انسان کے اپنے اعمال کے مطابق ہونگی۔اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ مومن کیلئے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کافر کیلئے جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔مطلب یہ کہ عالم برزخ میں جنت یا جہنم نفس کی دو حالتوں کے نام ہیں، ایک حالت جنت والی ہے اور دوسری حالت جہنم والی ہے۔جیسے نیند کے عالم میں انسان اپنے بستر پر ہی پڑا پڑا اچھے خوابوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ڈراونے خوابوں سے پریشان ہوتا ہے۔یوں قیامت تک وہ کسی بھی زمان و مکان میں ہو، جنت اور جہنم کے خواب اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَاخَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَمَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا

عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ O

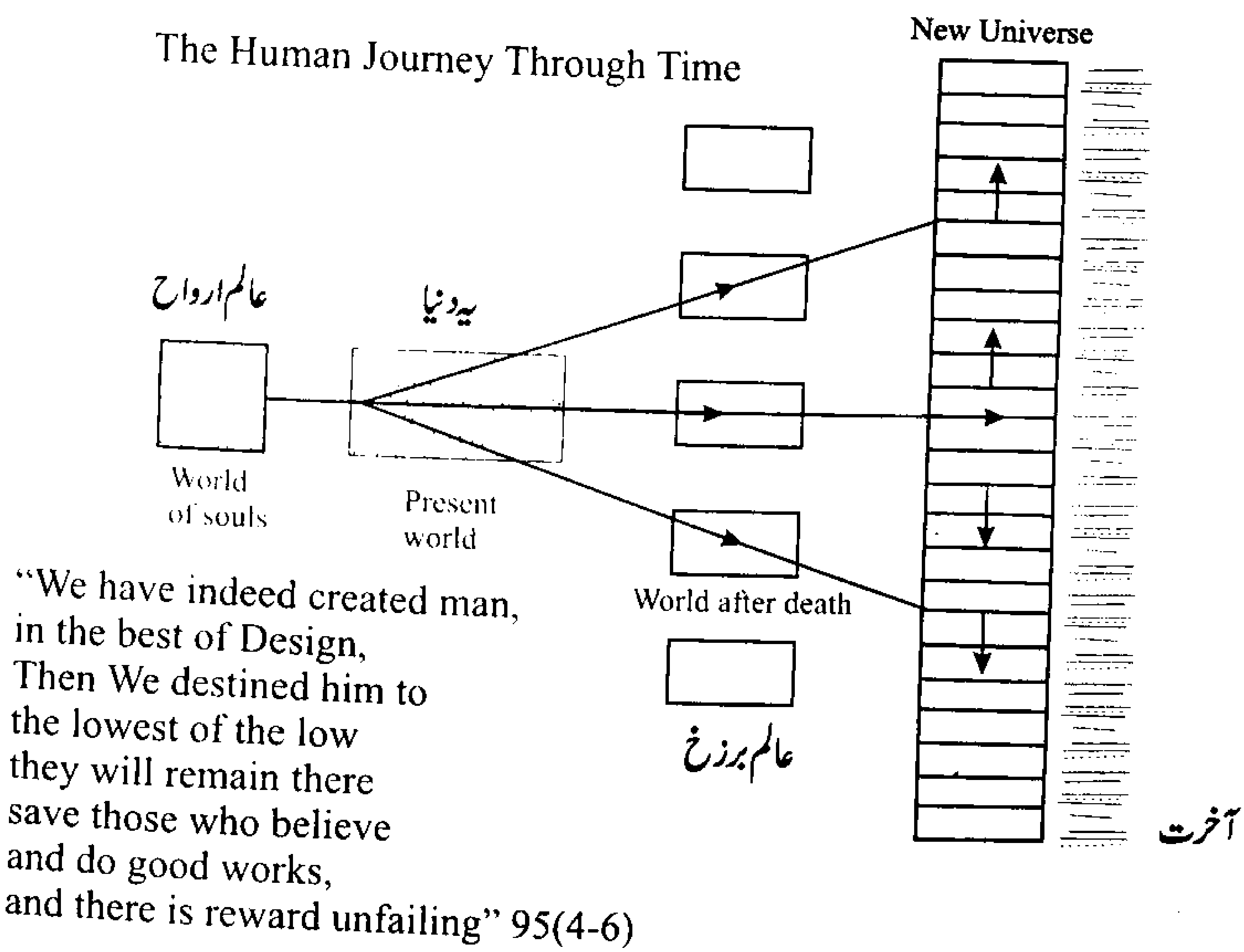
اور کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جہاں کہیں تین شخص سرگوشی کر رہے ہیں تو چوتھا وہ موجود ہوتا ہے، اور پانچ سرگوشی کر رہے ہوں تو چھٹا وہ موجود ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی ہوں۔ پھر انہیں قیامت کے دن بتا دے گا جو عمل انہوں نے کیا ہوگا بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے O (سورۃ مجادلہ، آیت 7)

شکل نمبر 41: آدمی کا زمان ومکان میں سفر

قرآن پاک کے مطابق آدمی کائنات کے ڈیزائن کی بنیاد (Design Basis) ہے اس لئے اس کی کہانی زمان و مکان سے بھی پرانی ہے۔ نیچے دی گئی تصویر میں اس کہانی کے چند مرحلے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے ارضی ظہور سے پہلے ہم عالم ارواح میں ہوتے ہیں۔ جیسے ہم اپنی کائنات کے حوالہ سے پانچویں سمت (Fifth Dimension) بھی کہہ سکتے ہیں۔

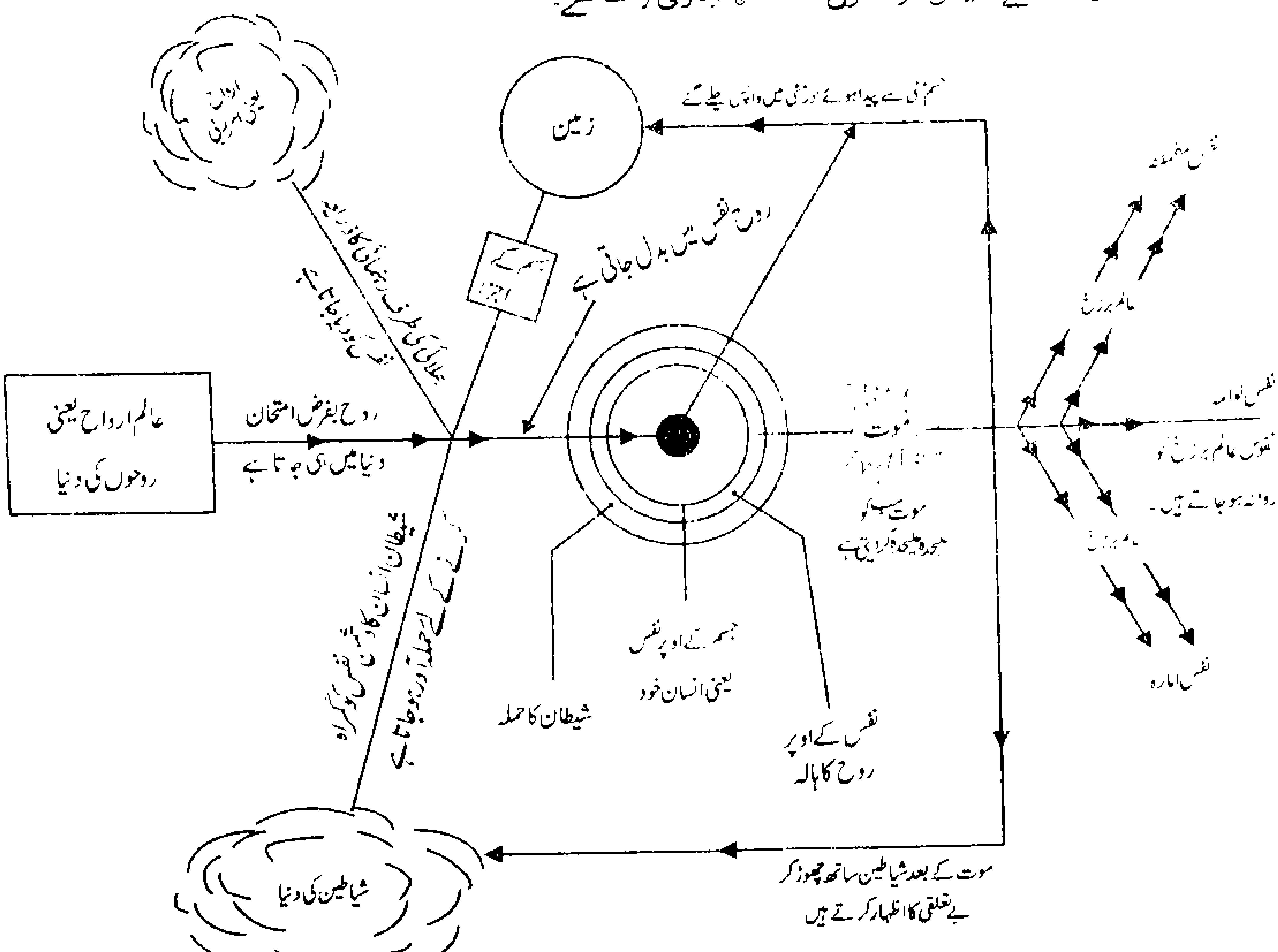
یہاں سے اتر کر ہم چہار جہتی (Four dimensional) دنیا میں داخل ہوتے ہیں، اور پھر ایک مخصوص ارضی قیام کے بعد ہم ارضی جسم سے آزادی حاصل کر کے عالم برزخ میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں ساری موجودہ کائنات کی سیرو سیاحت ہمارے سامنے ہوتی ہے۔ یہ مومن کی معراج کا وقفہ ہے لیکن گناہ گار بد روحوں کی شکل میں اسی زمین پر دھکے کھاتے رہتے ہیں۔

عالم برزخ کے بعد عالم آخرت ہے جس کی جہتوں (Dimensions) کا شمار نہیں۔ وہاں تین بڑے بڑے جہان ہیں، جنت، اعراف اور جہنم، ان میں ہر ایک میں بیشمار درجات ہیں۔ سب سے نچلا درجہ کا جہنم منافقوں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں کیلئے ہے، جہنم اور جنت کے درمیان اعراف ہے، اس سے گزر کر انسان جنت میں داخل ہوتا ہے جس کی وسعت زمین و آسمان سے زیادہ ہے۔ جنت کی انتہاء کا درجہ مقام محمود ہے جو سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص ہے۔



شکل نمبر 42: روح اور نفس

روح اللہ تبارک و تعالیٰ کا امر ہے (قل الروح من امر ربی) جو زمین و آسمان میں ہر جگہ ہر وقت موجود ہے۔ انسان کی نسبت، جب اسے علم اور اختیار کی دولت عطا کر دی گئی تو ان سب کے زیر اثر روح کی جو شکل بنتی ہے اسے نفس کہتے ہیں۔ چھ ہفتہ کی عمر میں جب جنین انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تو روح امر ربی کے مطابق اس کے خلیات میں اپنا گھر بناتی ہے اسکے جینز پر اسکی آنے والی زندگی کی کیفیات تقدیر کے طور پر لکھ دی جاتی ہیں۔ جب بچہ بڑا ہونے لگتا ہے تو روح پر ماحول کے اثرات پڑنا شروع ہوجاتے ہیں اور ایک شیطان بھی اس کے ساتھ لگ جاتا ہے تاکہ اسے انسانیت کے اعلیٰ مقام سے محروم رکھے۔ دوسری طرف روح کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی اور اعمال کو لکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے دو فرشتے (کرام کاتبین) مقرر فرما دیتا ہے۔ ان سب کے زیر اثر روح ترقی کرتی ہے ان سب کے حاصل نتیجہ میں بننے والی روح کی شکل کو نفس کہا جاتا ہے۔ جب زندگی کے امتحان کی مدت پوری ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے بمع اعمال نامہ نفس کو عالم برزخ میں لے آتے ہیں اس وقت شیطان ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہوجاتا ہے۔ لیکن فرشتوں کا ساتھ جاری رہتا ہے۔



باب نمبر 38

شہداء کے اجسام کی حفاظت

عام طور پر موت کے بعد میت کا جسم چند دنوں میں خراب ہو جاتا ہے۔ گرمی ہو تو ایک دن کے اندر اندر بو چھوڑ دیتا ہے۔ سردیوں میں چند دن کے بعد یہی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ قبر میں دفنانے کے بعد گلنے سڑنے کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے، پیٹ پھول کر پھٹ جاتا ہے، دماغ ناک اور کانوں کے راستے بہنا شروع ہو جاتا ہے، آنکھیں ابل جاتی ہیں اور ہفتہ بھر میں سارے جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور دو مہینوں تک جسم کا گوشت یا تو کیڑوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے یا مٹی کے مرکبات کیساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے اور بقیہ کاربن ڈائی آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن، سلفائیڈ اور پانی کے بخارات بن کر مٹی اور ہوا میں گم ہو جاتا ہے۔ تین ماہ میں صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے، لیکن کچھ سالوں کے بعد مٹی کے مرکبات اسے بھی کھا جاتے ہیں۔ یوں آدمی کی مٹی زمین کی مٹی سے مل کر غائب ہو جاتی ہے۔ وہ جسم جس پر انسان اس قدر نازاں ہے، جس کی خوبصورتی اور بناوٹ پر فخر کرتا ہے اور اس کی بالیدگی کیلئے ساری زندگی خرچ کر دیتا ہے، مرنے کے چند دن بعد وہ اس قدر بری حالت میں ہوتا ہے کہ اگر کہیں وہ خود اپنے اس حال کو دیکھ لے تو بدبو کے مارے قریب نہ جائے اور کراہت سے بچنے کیلئے دیکھنا بھی گوارہ نہ کرے۔

38.1 واقعات ومشاہدات

لیکن انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور اللہ کے مخلص بندوں کے اجسام کی زمین خود حفاظت کرتی ہے۔ ایسے مشاہدات لاتعداد ہیں کہ مہینے اور سال تو کیا سینکڑوں بلکہ ہزاروں سالوں کے بعد بھی ان کے جسم تر وتازہ پائے گئے۔ مندرجہ ذیل میں کچھ واقعات ومشاہدات دیے جاتے ہیں جن کی مصنف نے اچھی طرح چھان بین کی تھی۔

1۔ 1951ء کی بات ہے اس وقت عراق کا حکمران شاہ فیصل اول تھے۔ انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابہ کرامؓ جن کی قبریں دریا کے کنارے واقع تھیں ان میں سیلاب آ گیا اور صحابہ کرامؓ کو اس سے ناگواری ہوتی تھی۔ جب تین مرتبہ متواتر یہی خواب آیا تو علماء کے مشورے سے قبریں کھول کر جگہ بدلنے کا پروگرام بنایا گیا اور طے پایا کہ حج کے فوری بعد یہ کام کیا جائے گا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ صحابہ کرامؓ کے جنازہ میں شامل ہو سکیں۔ پروگرام کے مطابق جب قبریں کھولی گئیں تو ہر دیکھنے والا حیران رہ گیا کہ باوجود تیرہ چودہ سو سال گزرنے کے ان کے اجسام مبارک بالکل تر وتازہ تھے جیسے وہ مرے نہیں بلکہ سو رہے ہوں۔ اس منظر کے ہزاروں

لوگ گواہ تھے، ریڈیو اور اخبارات میں یہ سب کچھ شائع ہوا تھا۔

2۔ شہداء کے اجسام کے محفوظ رہنے کے واقعات جہاد کشمیر، پاک بھارت جنگوں اور جہاد افغانستان میں بھی اکثر مشاہدہ میں آئے۔ مترجم ہذا کتاب جناب میجر (ر) امیر افضل کے مطابق 1965 کی پاک بھارت جنگ میں ان کے ماتحت لڑنے والوں میں سے دو شہداء عالم خان اور مبین خان کے جسد خاکی چھ ماہ بعد مٹی کھودنے پر اصلی حالت میں پائے گئے تھے۔ ان کے ماتحت لیفٹیننٹ اختر شہید کا جسم بھی بی آر بی نہر سے جنگ کے ایک ماہ بعد ایسی حالت میں ملا کہ کسی آبی جانور نے ان کے بدن کی بوٹی تک بھی نہ نوچی تھی بلکہ قمیض کی جیب سے کاکول کا جاری کردہ مومنٹ آرڈر ایسی صحیح حالت میں ملا کہ سیاہی بھی نہ گھلی تھی۔ (سبحان اللہ)

3۔ 1999ء میں جب مصنف نے امت تعمیر نو قائم کی تو پروگرام کے مطابق افغانستان کی بحالی اور ترقی کے منصوبوں پر کام کرنے کیلئے کئی دفعہ وہاں جانا پڑا اور طالبان حکومت کے وزراء اور رؤساء سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ وہیں میری ملاقات مولوی سعید الدین حقانی سے ہوئی جو نائب وزیر معدنیات اور صنعت کے تھے آپ ایک عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور دوران جہاد ایک یونٹ کے کمانڈر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مجھے حق اور سچ کے ساتھ بتائیں کہ کیا واقعی شہداء کے اجسام خراب نہیں ہوتے اور مجھے اپنا کوئی چشم دید واقعہ بتائیں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ وہ خود اس طرح کے کئی واقعات کے گواہ ہیں اور ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ الجیریا کا ایک مجاہد مسلمان نوجوان تھا۔ ایک دن اس نے کہا کہ مولوی صاحب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری شہادت کا وقت قریب آپہنچا ہے، میری خواہش ہے کہ مرنے کے بعد مجھے کسی پہاڑی پر اونچے مقام پر دفن کیا جائے۔ چند ہی دنوں بعد وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے لیکن دشمن کی وجہ سے پہاڑ پر لے جانا ممکن نہیں تھا کہ اس وقت ان کی خواہش پوری کی جاتی، چنانچہ ہم نے انہیں میدان ہی میں دفن کر دیا۔ ایک سال بعد جب وہ علاقہ دوبارہ مجاہدین کے قبضہ میں آیا تو ہم نے انہیں اونچی جگہ پر دفن کرنے کیلئے قبر کو کھولا تو الحمد للہ ان کا جسم بالکل محفوظ تھا، جلد کا رنگ تک خراب نہیں ہوا تھا، اور حالت ایسی تھی جیسے چند گھنٹے پہلے انتقال ہوا ہو۔

4۔ اس ضمن میں میں نے کابل وزارت آب و برق کے انجینیر عبدالوکیل صاحب سے جب پوچھا کہ مجھے حلفیہ طور پر بتائیں کہ کیا انہوں نے خود دیکھا ہے کہ شہداء کے جسم خراب نہیں ہوتے تو عبدالوکیل نے بتایا کہ میں بذات خود ایک واقعہ میں شریک تھا، ہمارے گاؤں کا ایک لڑکا شہید ہو گیا، لیکن اس کا جسم نہیں مل رہا تھا۔ جب امن و امان ہو گیا تو اس کا جسم ایک پہاڑ کی کھوہ میں پایا گیا جو بالکل محفوظ تھا۔

عبدالوکیل نے یہ بھی بتایا کہ روسی سپاہیوں کے اجسام ایک دن کے اندر ہی سوج کر پھٹ جاتے تھے اور بہت تعفن پیدا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے اس عقیدہ کہ مطابق شہید زندہ ہوتا ہے کو کمزور کرنے کیلئے روسی شہداء کے اجسام پر کوئی کیمیکل چھڑک دیتے جس سے جسم گلنے لگتا، لیکن پھر بھی وہ بدبو نہ چھوڑتے۔

5۔ شہداء کے اجسام کے خراب نہ ہونے اور موت کے بعد بھی تازہ رہنے کا ایک اور واقعہ روزنامہ خبریں 13 جولائی 2002 میں چھپا جو مندرجہ

ذیل میں ہو بہو دیا جا رہا ہے۔

تورابورا شہداء کے جسموں سے خون پھوٹ پڑا امریکی حواس باختہ ہو گئے پشاور (نامہ نگار)

تورابورا کے شہداء کی کرامت، شہداء کے اجسام سے تازہ لہو بہتا دیکھ کر امریکی حواس کھو بیٹھے۔

"ایک رپورٹ کے مطابق ننگرہار کے جنوب ومغرب میں واقع تورابورا میں امریکی فوج اس وقت شدیدحیرت کا شکار ہوئی جب وہ ڈاکٹروں،انجینئروں سمیت ہیلی کاپٹروں پر تورا بورا پہنچے، بلڈوزروں کو جونھی قبرستان کی طرف بڑھایا گیا وہ بند ہو گئے. انجینئروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود بلڈوزر ٹھیک نہ ہوسکے، انھوں نے مقامی لوگوں سے مدد لی جنھوں نے شہداء کی قبریں کھودیں تو شہداء کے اجسام سے تازہ خون کے فوارے پھوٹ پڑے .امریکی باربارحیرت زدہ ہو کر مقامی لوگوں سے سوال کرتے رھے کہ کیا یہ زندہ ھیں؟ شہداء کی قبروں کو اسامہ کا ڈی این اے حاصل کرنے کیلئے کھودا گیا تھا"۔

6۔ روس کے خلاف جہاد افغانستان میں ایک پاکستانی مجاہد جو آجکل اسلام آباد میں کاروبار کرتے ہیں نے بھی مجھے حلفیہ بتایا کہ "ان کا ایک مومن ساتھی دشمن کے علاقہ میں شہید ہو گیا، جب ڈیڑھ مہینہ بعد مجاہدین غالب آئے اور شہداء کی میتوں کو ڈھونڈا گیا تو اس جوان شہید کے جسم کے زخم اس وقت بھی تازہ تھے اور جسم خوشبو سے معطر تھا"۔

7۔ ایک غازی نے مجھے حلفیہ بتایا کہ:۔

"دوران جہاد ایک جگہ دشمن کا گولہ پھٹا تو گڑھا پڑ گیا۔لوگوں نے دیکھا کہ گڑھے کے ایک طرف کافی نیچے کسی کی ٹانگ دبی ہوئی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔مجاہدین نے تجسس اور پہچان کیلئے بڑے آرام اور ادب سے جب گڑھے کو کھودا تو وہاں گیارہ جنازے دفن پائے گئے اور سبھی کے سبھی تازہ حالت میں تھے۔درخت کی جڑ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے رس ٹپک کر ان شہداء کے مونہوں میں گرتا تھا۔انہوں نے بتایا کہ ہمارے ایک ساتھی نے انگلی سے وہ رس چاٹ لیا اس کے فوراً بعد اسکی زبان بند ہو گئی، دماغ ماؤف ہو گیا اور وہ کچھ نہ بتا سکا۔ بڑے بوڑھوں سے معلوم ہوا کہ یہ 1904ء کے مجاہدین کے مقدس جسم تھے جو انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ان کے اجسام محفوظ تھے بلکہ ایک طرح سے زندہ تھے، جنہیں رزق بہم مہیاء کیا جا رہا تھا"۔

8۔ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ایک سینئر سائنس دان ڈاکٹر محمد رفیق (مرحوم) نے 1982ء میں مجھے حلفیہ بتایا کہ "1980 کی بارشوں میں سیلاب کا پانی ان کے گاؤں کے قبرستان کو بہا کر لے گیا۔سیلاب کے اس ریلے میں ایک بزرگ کی لاش بھی تھی جو ایسے محفوظ پائی گئی جیسے اسی دن مرا ہو حالانکہ اللہ کا وہ صالح بندہ چالیس پچاس سال پہلے فوت ہوا تھا"۔

9۔ افغانستان کے سلسلے میں قندھار میں میری ملاقات ایک پاکستانی شاہد عبدالکریم سے ہوئی جو پاک ائرفورس کے سابقہ افسر تھے اور وہاں سے نوکری چھوڑ کر 1988ء میں اس جہاد میں شریک ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ

''جہاد میں انکا کام اپنی پک اپ میں زخمیوں کو ہسپتال پہنچانا تھا۔ 1997ء میں شمالی اتحاد کے خلاف ایک معرکہ میں ایک زخمی کی حالت بہت خراب تھی، بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا۔ اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال پہنچایا گیا لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ ان کے خون کی خوشبو ایسی آ رہی تھی جس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ ان کا خون میری گاڑی میں ہی خشک ہو گیا لیکن مہینوں بعد بھی اس کے اثرات کی وجہ سے گاڑی کے دروازے جب کھولتے تو وہ اسی خوشبو سے مہکی ہوتی''۔

10۔ 12 نومبر 2001 کو امریکہ نے طالبان حکومت ختم کرنے کیلئے وہاں اندھا دھند بمباری کی اور بلا دریغ بیشمار لوگوں کو شہید کر دیا تو اخباری اطلاعات کیمطابق بعض شہداء کے واقعات نہایت ایمان افروز تھے ان میں سے ایک واقعہ قندھار میں عرب شہید کے متعلق تھا کہ رات کے وقت وہاں سے نور نکلتا ہے۔ 29مارچ 2002 کو "نوائے وقت اخبار" میں چھپا کہ خوست کے پہاڑوں میں ایک نعش پائی گئی جو وہاں تین ماہ سے پڑی تھی لیکن بالکل تازہ حالت میں تھی اور اسکی حفاظت ایک بھیڑیا کرتا تھا۔ وھیں پر سانپوں کے نشانات بھی ملے۔ مقامی علماء اور شہری اس کرامت کو دیکھنے کیلئے گئے تو انھوں نے بھیڑیے کی موجودگی اور نعش کی تازگی کی تصدیق کی۔علماء نے بھیڑیے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم اسے دفن کرنا چاھتے ھیں اسلئے راہ دو''، تو بھیڑیا دور چلا گیا جسکے بعد نہایت عزت اور احترام کیساتھ اس شہید کو دفن کر دیا گیا۔

11۔ محترم ٹی۔ زیڈ فاروقی صاحب، سابق فنانس سیکرٹری گورنمنٹ آف پاکستان نے مجھے بتایا تھا کہ 1965ء کی جنگ کے وہ چشم دید گواہ ہیں کہ جن شہداء کو زمانہ جنگ میں امانتاً دفن کیا گیا تھا، جب زمانہ امن میں ان کے اجسام کو ورثاء تک پہنچانے کیلئے دوبارہ نکالا گیا تو وہ محفوظ تھے۔

12۔ محترم نوید ظفر صاحب جو پاکستان ٹیلیویژن کے ڈائریکٹر رہے ہیں انہوں نے مجھے بڑے وثوق سے بتایا کہ ان کے ایک دوست 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں میجر کے عہدہ پر شریک تھے۔ ان کا کام جنگ میں مرجانے والوں کی تجہیز و تکفین تھا۔ وہ اپنے آنکھوں دیکھے اور ذاتی تجربے کے بیشمار واقعات بتاتے ہیں کہ ''بہت سے پاکستانی شہداء کے اجسام ہفتوں بعد اپنی صحیح حالت میں پائے گئے جبکہ اسی دوران ہندوؤں کی لاشیں بہت بری طرح بدبو چھوڑ چکی تھیں۔ جب جنگ ختم ہوئی تو مردوں کے اجسام کی تلاش ہفتوں جاری رہی۔ بعض شہداء کے اجسام تو چھ ہفتہ بعد ملے لیکن وہ بھی تر و تازہ تھے''۔

13۔ محترم پروفیسر احسان صاحب جو ایک شاعر بھی ہیں انہوں نے اپنے شہید بیٹے کے متعلق بتایا کہ ''وہ 1999 میں پاکستان نیوی میں لڑا کا

طیارہ کے پائلٹ تھے ان کا جہاز کسی نامعلوم وجوہ کی بنا پر اچانک کراچی سے باہر بحیرہ عرب میں گر گیا۔ چار ماہ بعد جہاز پانی کے اندر ملا اگر چہ وہ آبی جانوروں کے نرغہ میں تھے لیکن چودہ کے چودہ شہداء ایسے تھے جیسے ابھی ابھی ڈوبے ہوں۔ ان کے اجسام کو کسی آبی جانور نے نقصان پہنچایا اور نہ ہی پانی نے۔ بالکل وہ سب اللہ کی قدرت سے تر و تازہ حالت میں محفوظ تھے''۔

ان باتوں سے اور بیشمار ایسے ہی دوسرے مشاہدات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف نفوس بلکہ اللہ کے خاص خاص بندوں کے اجسام بھی ان کی موت کے بعد محفوظ رہتے ہیں ایسے معلوم ہوتا جیسے وہ گہری نیند میں چلے جاتے ہیں جہاں ان کو سانس لینے کی ضرورت نہیں لیکن ان کے جسمانی خلیات اپنی تازگی برقرار رکھتے ہیں اور قیامت تک ویسے ہی رہیں گے۔ ان کے برعکس سائنسی عملوں سے جو لاشیں محفوظ کی جاتی ہیں وہ بھی کچھ عرصہ تک گلنے سڑنے لگ جاتی ہیں۔ انہی میں سے ایک چین کے چیئرمین ماؤ کی مثال ہے۔ میں نے 1992ء میں انکا جسم کیمیکل مرکبات میں محفوظ دیکھا لیکن اگلے سال وہ وہاں نہیں تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ گلنے سڑنے لگا تھا اس لئے دوبارہ سائنسی عملوں کیلئے لیبارٹری میں بھیج دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کے اجسام کو کیوں اور کیسے محفوظ رکھتا ہے یہ اسی کے راز ہیں۔ کچھ کہنا صرف قیاسات ہیں۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ چونکہ ایسے عظیم اور کامیاب لوگوں کے نفوس آزاد ہوتے ہیں تو کہیں اپنے اجسام کو گلتا سڑتا دیکھ کر ان کی دل شکنی نہ ہو، اللہ تعالی ان کے اجسام کو محفوظ کر دیتا ہے اور ارد گرد کی مٹی اور جراثیم وغیرہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس مبارک جسم کو نقصان نہ پہنچائیں۔ چونکہ ہر چیز اللہ کے حکم کی تابع ہے اور اس کے اشارہ کو بھی سمجھتی ہے اس لئے نقصان تو کیا اس کے جسم کی حفاظت کرنا شروع کر دیتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ اہم بات بھی ہے کہ مرنے کے بعد بھی صالحین اور شہداء کے نفوس کا اپنے جسم سے ہر وقت رابطہ رہتا ہے یعنی ان کا عکس ان کے اجسام پر پڑتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خاص طرح کی زندگی سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کی یہ زندگی ہماری اس دنیاوی زندگی سے مختلف ہے لیکن شعور سے خالی بھی نہیں ہے۔

اسی ضمن میں قرآن کریم میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے وہ ایک سو سال سے بھی زائد عرصہ تک ایک خاص طرح کی گہری نیند میں ڈال دیئے گئے، اس سارا عرصہ میں انہوں نے نہ کچھ کھایا پیا، لیکن ان کے جسم اپنی حالت میں تازہ حالت میں قائم رہے۔ جدید سائنس یہی کام ڈیپ فریز (Deep Freeze) کے ذریعہ کرنا چاہتی ہے۔ ابھی تک کے تجربات میں انسانی اور حیوانی اعضاء کو نائٹروجن گیس کے نقطہ انجماد یعنی منفی ۲۶۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے اور یوں وہ مدتوں محفوظ رکھے جا سکتے ہیں۔

باب نمبر 39

حشر ونشر اور نئی کائنات کی زندگی

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ O فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرً يَّرَهٗ O وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ O

اس دن لوگ جدا جدا ہو کر نکل پڑیں گے، تا کہ اپنے اعمال دیکھیں O پس جو ایک ذرہ برابر عمل کرے گا تو اسی کے مطابق اس کا اچھا صلہ پائے گا O اور جو ایک ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کے مطابق ہی بُرا صلہ پائے گا O (سورۃ الزلزال، آیات ۶ تا ۸)

39.1 نئی کائنات کے زمان ومکان

جس طرح یہ ارضی دنیا زمان و مکان میں ہمارے سفر میں ایک عارضی منزل ہے ایسے ہی عالم برزخ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ قرآن حکیم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ برزخ کا زمانہ روز قیامت تک ہے۔

قیامت کے مرحلہ کے بعد یوم حشر ہوگا جس میں موجودہ کائنات کے تمام انسانوں کے نفوس جمع کیے جائیں گے۔ وہاں انہیں نئے جسم دے کر زندہ کیا جائے گا اور پہلی زندگی کا حساب کتاب ہوگا۔ جب کہ برزخ کی زندگی محسوسات کی زندگی تھی، اب اصل جزا و سزا کا دور شروع ہو گا۔ اپنے اپنے اعمال کی جزاء کے مطابق آگے آنے والی زندگی نیکوں کے لئے اصل راحت اور شائستگی کا زمانہ ہوگا اور بروں کے لئے سزا، اصل حسرتوں اور مایوسیوں کا دور ہوگا۔ وہاں نفس کے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ وہ اپنی دنیاوی حیات کے دوران اللہ تبارک وتعالی کے قرب میں کہاں تک پہنچا تھا۔ اس معیار کے مطابق نئی کائنات میں ان کی جگہ اور مقام کا فیصلہ ہوگا۔ نئی کائنات موجودہ نظام کی نسبت انتہائی بڑی ہوگی جس میں تین علیحدہ علیحدہ دنیائیں ہیں، جنہیں جنت، اعراف اور جہنم کا نام دیا گیا ہے۔ یہ دنیائیں ہماری موجودہ تین سمتی (Three Dimensional World) سے قطعاً مختلف دنیائیں ہیں۔ اس لئے موجودہ عقلوں سے انہیں سمجھنا محال ہے۔ جیسے صفر (Zero) تمام مثبت اور منفی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح زمان و مکان کے ہر نقطہ پر یہ تمام دنیائیں آج بھی موجود ہیں۔ قیامت کے بعد زمان و مکان کچھ اس طرح گھومیں (Rotate) ہوں گے کہ موجودہ کائنات پیچھے ہٹ جائے گی اور جنت، دوزخ اور اعراف کے جہاں سامنے آجائیں گے۔

39.2 جنت

وہ نفوس جو اپنے خالق سے مطمئن ہیں انکی منزل جنت ہوگی۔ جہاں کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ یہ تمناؤں کی تکمیل کا مقام ہے اور اطمینان قلب کا خزینہ ہے۔ اگر وہاں کوئی حرص ہوگی تو وہ صرف ایک ہی ہوگی اور وہی ان کی جدوجہد کا مطلوب ہوگا کہ بندہ اپنے رب سے قریب تر ہوتا جائے جو عظیم ترین نعمت ہوگی۔ اس اعتبار سے جنت میں بے شمار مدارج ہیں، سب سے بڑا مقام محمود ہے جو سرور کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ہے۔ لیکن جنت کے سب سے کم ترین درجہ کی نعمتیں بھی اس قدر ہیں کہ موجودہ زمین و آسمان کی سب نعمتیں مل کر بھی اس کے مقابلہ میں کم ہونگی۔ جنت کی وسعت موجودہ کائناتی نظام سے بہت زیادہ ہے۔ اس کی نعمتوں کا حقیقی ادراک انسانی عقل سے باہر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم مین موجودہ دنیا کی نعمتوں کی مثالوں سے وہاں کی زندگی کا کچھ تصور دیا گیا ہے۔ ہر کسی کو وہاں جو کچھ چاہے گا ملے گا، جو کچھ وہ کرنا چاہے گا کرے گا۔ اپنے رب کی باتوں پر قرآن کریم کے معانی کی گہرائیوں میں جانا جنتیوں کا مشغلہ ہوگا۔

جب کوئی خوش نصیب جنت میں داخل ہوگا، جس درجہ میں بھی جائے گا اسے کائنات کی ہر چیز سے بہتر پائے گا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس سے اوپر کے درجے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اعلیٰ ترین مقام جنت الماویٰ ہے جو عرش عظیم کے سائے میں ہے۔ وہ اللہ کے نبیوں اور صالحین کا مقام ہوگا۔ اس سے آگے مقام محمود ہے جو سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص ہے۔

39.3 جہنم

نئی کائنات میں جنتی زندگی کے برعکس جہنمی زندگی ہے۔ جہنم میں تیز اور جھلستی ہوئی آگ ہوگی۔ یہ ان نفوس کا مقام ہوگی جنہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو خراب کرلیا تھا، جہنم کی یہ آگ دلوں تک پہنچتی ہے جو نفس کی آلودگی کو صاف کر کے رکھ دے گی جس نے اس تک اللہ کی روشنی کو پہنچنے سے روک رکھا تھا۔ اس لحاظ سے جہنم بھی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں میں ایک نعمت ہے۔ گنہگار وہاں پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ کے مطابق مختلف مدتوں کیلئے ٹھہریں گے اور اپنی اپنی صفائی پوری ہونے کے بعد جہنم سے امن وسلامتی کی طرف بھیج دیئے جائیں گے لیکن ناقابل اصلاح، باغی، کافر اور مشرک ہمیشہ کیلئے دوزخ کا ایندھن بن کر جلتے رہیں گے۔ جنت کی مانند جہنم میں بھی بے شمار درجات ہیں جہاں لوگ اپنے اپنے اعمال کے نتیجہ میں رکھے جائیں گے۔ جہنم کا کم سے کم عذاب آگ کے جوتے ہیں (استغفراللہ)

جس طرح جنت میں بے انتہا درجات اور ترقی کے مواقع ملتے ہیں اسی طرح جہنم میں بھی لاتعداد منازل ہیں۔ سب سے نچلہ درجہ منافقین اور مشرکین کی جگہ ہے جو انتہائی سزا کا مقام ہے۔ اس سے اوپر نسبتاً کم عذاب ہے لیکن جہنم کا کم سے کم عذاب بھی ایسا ہے کہ دنیا کے تمام عذاب بھی اس سے کم ہیں لیکن اس کے باوجود نچلے طبقے والے اوپر والوں پر رشک کریں گے۔ (استغفراللہ)

39.4 اعراف

ان دو حالتوں کے درمیان ایک نیوٹرل (Neutral) یعنی درمیانی قسم کی جگہ بھی ہے جہاں جنت میں دخول سے پہلے کچھ تیاری کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ اس مقام کو اعراف یا اونچائی والی جگہ کہا جاتا ہے۔ اس اعراف والی جگہ پر لوگ جہنم کے درد اور جنت کے امن دونوں حالتوں کو بیک وقت محسوس کر سکیں گے۔ ہر جہنمی کی شدید خواہش ہوگی کہ کاش! وہ اعراف تک پہنچ جائے اور ہر ایک اعراف والے کی سب سے بڑی تمناء ہوگی کہ کاش! وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

39.5 پل صراط

اعراف تک پہنچنے کا راستہ جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے جسے پل صراط کہا گیا ہے۔ جنتی اس راستے کو بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے طے کر لیں گے لیکن بے شمار بدقسمت اپنے گناہوں کے بوجھ سے یہ راستہ لاکھوں کروڑوں سالوں میں طے کریں گے اور یوں جہنم کی آگ سے جھلتے رہیں گے۔ وہ جن کے سر پر گناہوں کا بہت بوجھ ہوگا وہ اس بوجھ تلے جہنم میں گر جائیں گے اور اپنے وزن کے مطابق اپنے اپنے درجہ پر پہنچ کر رک جائیں گے۔

39.6 جنت کی زندگی اور علم کا مقام

بعض لوگوں کا جنت کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہاں کرنے کیلئے کچھ نہیں ہوگا اور یوں وہاں کی زندگی بور (Bore) ہوگی یا حور و غلمان کی مصاحبت میں صرف عیش ہی عیش ہوگا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں وہاں کی زندگی بھی نہایت بھرپور اعمال والی اور با مقصد زندگی ہے۔ ہر ایک کے سامنے اونچے مقاصد حاصل کرنے کی لگن ہوگی۔ انسان جو خواہش رکھتا ہے وہ پوری ہوگی۔ اس دنیا اور اس دنیا میں فرق یہ ہے کہ یہاں اکثر اوقات مایوسیاں ہیں جبکہ وہاں کی زندگی حسرت و یاس اور رنج والم سے آزاد ہوگی۔

موجودہ دنیا میں زیادہ تر ہم دولت اور شہرت حاصل کرنے کی باتوں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں لیکن جنت کی زندگی میں نفوس کی سب سے بڑی تمناء اللہ تعالیٰ کا قرب ہوگا اور یہی خواہش سب کی تگ و دو کا محور ہوگی۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اطمینان کا منبع اللہ کا نور ہوگا۔ ہر انسان کی یہی خواہش ہوگی کہ وہ اس کے قریب تر ہو اور یوں بہتر سے بہترین کی جستجو کا جذبہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہے گا۔ نچلے درجے والے اوپر کے درجے کی خواہش رکھتے ہونگے لیکن وہاں بے انصافی، حسد، رقابت اور دشمنی نہ ہوگی۔ آپس میں محبت اور

باہمی امن وہاں کی دو بڑی نعمتیں ہیں۔ خواہشات اور تمنائیں وہاں بھی ہونگی لیکن انسان جو چاہے گا اس کو اس سے بہت زیادہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی حمد اور تقدیس، اس کی شان کا ادراک حاصل کرنا قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے مضامین پر غور و فکر جنتیوں کا محبوب مشغلہ ہوگا۔

جنت میں انسان کی بڑی خواہشات میں اولیٰ خواہش علم کی حقیقت تک پہنچنا ہوگا۔ جنتیوں کی تمناء ہوگی کہ وہ اپنے محبوب رب کی آیات کو بہتر سے بہتر طور پر سمجھیں اس لئے اپنے خالق اور مالک کی تخلیقات پر غور و فکر جنتیوں کا ایک محبوب مشغلہ ہوگا۔ وہ آپس میں بھی ایسے ہی مسائل پر بحث و مباحثہ کرتے نظر آئیں گے کہ ہمارے رب نے سبحان اللہ! کیا کیا بنایا ہے اور کیسے کیسے بنایا ہے، یوں ان کی شدید خواہش ہوگی کہ وہ چیزوں کی حقیقت تک پہنچیں۔ جیسے ہمارے محبوب نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے کہ! "**رب ارنی حقائق الاشیاء** " حقیقت تک پہنچنا ان کیلئے نہایت باعث اطمینان ہوگا اور جنت حقائق تک پہنچنے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التکاثر میں فرمایا ہے کہ "**کلا سوف تعلمون۔ ثم کلا سوف تعلمون ۔ کلا لو تعلمون علم الیقین۔** " علم الیقین جنتیوں کیلئے خاص تحفہ ہے۔ وہاں انسان کے علم کی کوئی حد نہیں۔ چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی مخلوقات اور آیات بے انتہاء (Infinite) ہیں اس لئے علم کیلئے یہ جدوجہد کبھی نہ ختم ہونے والی ہوگی۔

یہ سوال کہ جنت میں پہنچ کر انسان کس درجہ سے علم کی تلاش شروع کرے گا اس کا انحصار ہر نفس کی اپنی پہلی علمی حالت کے مطابق ہوگا۔ وہ نفوس جو دنیا کو چھوڑتے وقت اعلیٰ علمی مراتب پر فائز ہیں وہ وہاں بھی اعلیٰ مراتب پر ہونگے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ " بیشک جو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے آپس میں برابر نہیں "۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں علم کے حصول پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد " کہ عالم کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے افضل ہے " پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور فکر میں گزری ہوئی رات عمر بھر کے نوافل سے افضل ہے " اور اسی طرح کی دوسری احادیث اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جنت کے اعلیٰ مقامات کے حصول کیلئے علم کی تلاش اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور و فکر لازمی امر ہیں۔

جنت کا یہ عالم ہے کہ وہاں پر ارضی دنیا کی قیمتی سے قیمتی اور اعلی سے اعلی چیزیں بھی انتہائی بے وقعت ہونگی، وہاں انسان کو دنیاوی حیات کے وقت کی قدر معلوم ہوگی اور وہ افسوس کرے گا کہ اے کاش! کہ اس نے دنیا جیسی عارضی اور فضول چیز کو اپنا مقصد بنا کر زندگی کے انتہائی قیمتی لحات کو ضائع نہ کیا ہوتا۔ جب وہ دیکھے گا کہ دنیا میں کی گئی ایک ایک نیکی وہاں کے کروڑوں سالوں کے اطمینان کا باعث ہے تو وہ خواہش کرے گا کہ اے کاش! وہ دوبارہ دنیا کی زندگی کو پاسکتا اور اس کے ایک ایک لمحہ سے فائدہ اٹھاتا۔

اس کے برعکس دوزخیوں کا احساس محرومی انتہائی شدید ہوگا، ان کے بداعمال مختلف عذابوں کی شکل میں ان کے سامنے آتے رہیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا کی زندگی کی التجائیں کریں گے تاکہ وہ اپنی بداعمالی کا ازالہ کرسکیں لیکن اب یہ ناممکن ہوگا۔

39.7 یوم حشر اور یوم الحساب کے حالات

قیامت کا اوج کمال، حشر کا دن ہے جس سے اگلی منزل یوم الحساب ہے۔ یوم حشر کا باقاعدہ اعلان ہوگا۔ قرآن حکیم اس اعلان کو صور کے نام سے پکارتا ہے۔ اس اعلان پر نفوس اپنی برزخی زندگی سے اٹھ کر محشر کے میدان کی طرف لپکتے آئیں گے۔ اس سے پہلے برزخ کی زندگی ایک خواب کی زندگی تھی اور جزا وسزا کا تاثر خواب میں نظر آنے والے واقعات کی طرح تھا۔ اب اصل حقیقت آشکارا ہونے کا وقت آجائے گا۔ جن خوش نصیب لوگوں کی برزخی زندگی خواب جیسی نہیں بلکہ شعوری تھی وہ بھی اس وقت اپنے اعمال کو یاد کر کے خوفزدہ ہونگے کہ معلوم نہیں مستقبل میں کیا کچھ مقرر کر دیا گیا ہے۔ (اسی سلسلہ میں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے جو موجودہ دنیاوی قبروں پر تختے نصب کر رکھے ہیں کہ " آخری آرامگاہ" یہ صحیح نہیں ۔ آخری آرامگاہ تو حشر کے بعد اپنے نفس (روح) کی بالیدگی کے مطابق جنت، اعراف یا دوزخ کی زندگی ہوگی) (مترجم)

صور کے بجنے کے ساتھ ہی عالم برزخ کا دور ختم ہو جائے گا۔ ہر زمان ومکان سے لوگ محشر کی جانب دوڑ پڑیں گے۔ یہ سب کیلئے انتہائی گھبراہٹ کا وقت ہوگا۔ نیک سے نیک آدمی کو بھی اپنے اعمال حقیر نظر آئیں گے۔ سب کی نگاہیں اللہ کے فضل کی طرف ہونگی اس لئے کہ آج اعمال کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ محض اللہ کی مہربانی سے بخشا جائے گا۔ کون ہے جو اللہ تعالی کی نعمتوں کا بدلہ اپنے اعمال سے دے سکے، یقیناً اعمال کی توفیق بھی تو اسی ذات عالی وقار نے ہی عطاء کی تھی۔

قرآن پاک میں سورۃ القارعہ کی آیت مبارکہ ۴ میں میدان حشر کی طرف لوگوں کے جمع ہونے کی یوں منظر کشی کی گئی ہے:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ○

جس دن انسان پھیلے ہوئے پتنگوں کی مانند ہوں گے ○ (سورۃ القارعہ، آیت ۴)

یوم حشر کا منظر ایسا ہے کہ جیسے ملزم عدالت کے کمرے میں جج کا انتظار کر رہے ہوں اور جج بھی ایسا کہ جسے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا، جو سب کچھ جانتا ہے، عظیم طاقتوں والا ہے، اصلی و یکا حکمران، زمان ومکان کا خالق اور بہت رحمتوں والا ہے۔ اسوقت لوگوں کو اپنے ماضی کی زندگی یاد آرہی ہوگی اور وہ اپنی کئے پر نادم ہو کر اپنے لئے خود ہی فیصلے کر رہے ہونگے ۔ (علامہ اقبال اپنی بخشش کی گزارش اس طرح کرتے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل حساب کتاب سے بچ جائیں)

تو غنی ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیؐ پنہاں بگیر

مندرجہ ذیل آیات مبارکہ حساب کتاب کے وقت انسانوں کے ذہنوں میں ابھرنے والے خیالات کی تصویر ہیں۔ فرمایا گیا:

قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ O أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ O

بہت سے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے O ان کی طرف نظریں جھکی ہوں گی

(سورۃ النازعات، آیات ۸۔۹)

جب انسانیت کو اکٹھا کر کے حساب کتاب کی عدالت لگا دی جائیگی۔ قرآن پاک ان لمحات کی یوں منظر کشی کرتا ہے:

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا O وَجِايٓءَ يَوْمَئِذٍم بِجَهَنَّمَ لا يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى O

اور آپ کے رب کا حکم آئے گا اور فرشتے قطار در قطار ہوں گے O اور اس دن جہنم لائی جائے گی

اس دن انسان افسوس کرے گا اور اسے افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا O

(سورۃ فجر، آیات ۲۲ تا ۲۳)

سورۃ تکویر کی آیت ۱۳ تا ۱۴ سے ظاہر ہے کہ اس وقت جنت بھی حاضر کر دی جائے گی۔

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ O

اور جب جنت آراستہ کی جائے گی O تو ہر نفس جان جائے گا جو عمل وہ لایا ہوگا O

(سورۃ تکویر، آیات ۱۳ تا ۱۴)

یہ وقت پورے پورے انصاف کا وقت ہے۔ ظالم اور مظلوم، بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب، دانا اور بیوقوف غرضیکہ ہر طرح کا آدمی ہر جگہ

سے مالک کون ومکان کے سامنے خوفزدہ، سر جھکائے فیصلے کا منتظر ہوگا، تمام چھوٹے بڑے اعمال تولے جائیں گے، ہر دکھ کا مداوہ ہوگا، ہر ظلم کا بدلہ لیا جائے گا، ہر نیکی پر انعام ملے گا، انسان کے اپنے ہاتھ پاؤں، جلد، دل ودماغ خود اس پر گواہی دیں گے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کے اعمال کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی حالت میں دیکھ رہا ہوگا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

پس جو ایک ذرہ برابر عمل کرے گا تو اسی کے مطابق اس کا اچھا صلہ پائے گا ۝ اور جو ایک ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کے مطابق ہی بُرا صلہ دیکھے گا ۝ (سورۃ الزلزال آیات ۷ تا ۸)

اعمال کی پیائش اور تول پر مزید ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ أَدْرٰكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

تو جس کا نامہ اعمال وزن میں بھاری ہوگا ۝ تو وہ من مانے عیش میں ہوگا ۝ اور جس کی تولیں عمل کے اعتبار سے ہلکی پڑیں گی ۝ تو اس کی پالنے والی ہاویہ ہوگی ۝ اور آپ تو جانتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے ۝ وہ ایک آگ ہے شعلے مارتی ہوئی ۝ (سورۃ القارعہ، آیات ۶ تا ۱۱)

مختصراً یہ کہ یوم حشر اور یوم حساب ہمارے زمان ومکان میں سفر کی اہم ترین منزل ہے، جبکہ دنیا کی زندگی دارالاعمال اور دارالامتحان تھی، برزخ محسوسات کا جہاں تھا، یہ دارالجزا ہے۔ اس کے بعد انسان ایک نئے سفر پر چل نکلے گا جس کا زادراہ پہلے سفر میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ پر ہے۔ اللہ تعالی سے ہمیں اچھی امید رکھنا چاہیئے۔ وہ انسان پر انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا بنایا ہوا یہ شاہکار ہمیشہ کامیاب و کامران و پرسکون رہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک وہ متواتر انسان کی راہنمائی کیلئے اپنے رسول بھیجتا رہا ہے۔ ہمارے لئے مزید شکر کا مقام یہ ہے کہ ہم قرآنی عہد میں پیدا ہوئے۔ اگر ہم اس کے مطابق زندگی گزاریں گے تو یقیناً زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب وکامران ہونگے۔ انشاءاللہ

39.8 اہم ترین موقع

آخرت کی ناکامیوں سے بچنے کا حل صرف ایک ہی ہے کہ ہم اس عالم شہادت میں رہتے ہوئے اپنی اس طرح تربیت کریں کہ موت کے بعد جنتی ماحول کے معیار پر پورا اتر سکیں۔ ہمیں اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اربوں سال کے اس سفر میں موجودہ زندگی کا لمحہ اہم ترین وقفہ ہے۔ آخری موقعہ کہ ہم اپنے خالق کی آگاہی حاصل کریں اور اپنے نفوس کا ارتقاء اس کی سمت میں کر لیں۔ اسی لئے یہی وہ وقت ہے جس میں ہم اپنے آپ کو جنت کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنت کو جانے والا راستہ انتہائی تنگ ہے جسے پل صراط بھی کہا گیا ہے، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک بتایا ہے۔ اگر پل صراط سے ادھر ادھر ہو گئے تو جنت تو کیا ہم دوزخ کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال انسانی ہاتھ کے بنائے ہوئے خلانوردراکٹوں سے سمجھ لیں۔ خلائی گاڑی میں بیٹھا ہوا انسان زمین پر سائنسدانوں اور انجینئروں کی ہدایت کے مطابق اور دیئے گئے نقشوں کی مدد سے راستہ بھر اپنا رخ منزل کی طرف سیدھا کرتا رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اگر اس نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا تو ہمیشہ کیلئے خلائی گہرائیوں میں گم ہو جائے گا۔ یہی حال اس دنیا پر ہماری زندگی کا ہے۔ اگر ہم نے میسر مواقع تقدیر سے صحیح فائدہ نہ اٹھایا، سستی کی یا رخ غلط طرف موڑ لیا تو ہمیشہ کی خواری ہوگی۔ جنت دوسری طرف رہ جائے گی اور ہم دوزخ کی سمت آگے بڑھتے جائیں گے۔ (استغفر اللہ)

پریشانی کی بات تو یہ ہے کہ یہ شیطان کے پیچھے لگ کر انسان اپنی ہمیشہ کی زندگی کے سکون کو جسم کے چند سالوں کے آرام کیلئے قربان کر دیتا ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ جو پیدا ہوا اسے مرنا ہے اور جو کچھ دنیا میں حاصل ہے اسے طوعاً و کرہاً چھوڑ کر جانا ہے لیکن پھر بھی ہم میں سے اکثر آنے والی زندگی کو مسلسل نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ اس سے کسی اور کا نقصان نہیں بلکہ ہم اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

ہم میں ہر ایک اپنے فائدہ کا شیدائی ہے لیکن افسوس کہ دنیا کے پیچھے اپنے ہی ابدی فوائد کے خلاف کام کر رہے ہوتے ہیں۔ سفر جاری ہے لیکن افسوس کہ مسافر یوں پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گیا ہے گویا اب یہاں سے کبھی اٹھے گا نہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سپاہی اگلے سفر کی طرف دھکیل دیتے ہیں تو پھر اپنی کوتاہ بینی پر روتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ روزمرہ کے ایک دن کے سفر کیلئے خوب تیاری کی جاتی ہے لیکن موت کے بعد پیش آنے والے ہمیشگی کے سفر کیلئے کچھ نہیں کرتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا! "کہ انسان اپنی فطرت میں ظالم ہے اور جاہل بھی"۔

39.9 کوتاہ اندیشی اور اس کا حل

اس ظلم کی ایک وجہ تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان کی محبت اور توجہ کا رخ غلط ہے۔ اس کی تگ و دو اپنے جسم کو بہتر کرنے پر ہے لیکن ہمیشہ رہنے

والی اپنی روح کی خبر نہیں لیتا۔ وہ زندگی بھر اپنا وقت، دولت اور محنت جسم کی نشو ونماء کیلئے صرف کرتا ہے لیکن جسم کے اندر بسنے والی اپنی "اصل" کیلئے کچھ نہیں کرتا۔ وہ فلاسفروں، لیڈروں، سائنسدانوں، ماں باپ اور رسم ورواج پر یقین کرتا ہے لیکن اللہ کے پیغمبروں کی تعلیم پر توجہ نہیں کرتا۔ کبھی نہیں سوچتا کہ ان سچی اور صالح عظیم ہستیوں نے انسان کی خیر خواہی، منفعت اور فیض رسانی کیلئے کیوں اپنی ساری عمریں قربان کر دی تھیں۔

وہ سائنس کے محفوظیت (Preservation of Matter and Energy) کے اصولوں پر تو یقین رکھتا ہے کہ مادہ اور توانائی کو دوام ہے لیکن جب اپنی ذات کی بات آتی ہے تو الجھاؤ اور کم فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر مادہ کو دوام ہے تو ہمارے جسم کے ذرات کیوں معدوم ہونگے؟ اور اگر توانائی ابدی ہے تو ہمارا نفس کیونکر فانی ہے؟ جس انسان کی بقا کیلئے کارخانہ قدرت کام کر رہا ہے۔ اگر وہ اپنے بارے میں یہ رائے رکھتا ہو تو اس سے زیادہ ستم ظریفی اور کیا ہوگی؟

وہ لوگ جو اپنے آپ کو اور اپنے خالق کو پہچاننا چاہتے ہیں ان کیلئے قرآن حکیم ویسے ہی موجود ہے جیسے چودہ سو سال پہلے خالق کائنات نے اسے اپنے آخری رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ توریت، زبور، انجیل اور شاید وید بھی کبھی الہامی کتابیں تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اس قدر تبدیلیاں کر دی گئی ہیں کہ اب وہ بھروسہ کے قابل نہیں۔ غرض سب مذاہب کے ماننے والوں کیلئے خوشخبری ہے کہ تمام نبیوں کی سچی تعلیمات کا نچوڑ قرآن حکیم ہے جو ہندو، عیسائی، مسلمان غرضیکہ دنیا کے سب انسانوں کیلئے برابر اور صحیح راہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔ اس کی عملی شکل اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے جس کا لمحہ لمحہ احادیث میں محفوظ ہے۔ جو کوئی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلے گا کبھی گمراہ نہیں ہوگا لیکن وہ لوگ جو اپنے طور پر خود سے راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں وہ ضرور قدم قدم پر ڈگمگائیں گے۔ ان کا حال اس آدمی کا سا ہے جو پھر سے پہیہ ایجاد کرنا چاہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اور تم اچھی طرح جان لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کی مانند ہے اور آرائش اور آپس میں فخر کرنا

اور بڑا بننا، مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔ یہ اس مینہ کی مانند ہے جس میں اُگا ہوا سبزا کسانوں کو بھایا۔ پھر وہ سوکھ گیا تو پھر تو اسے دیکھے کہ وہ زرد ہو گیا ہے پھر وہ روندا گیا۔ اس طرح طالب دنیا کو آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جب کہ اللہ کی بخشش اور اس کی رضا زندگی کا ماحصل ہے اور دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے مال کی طرح ہے O اپنے رب کی بخشش کی طرف بڑھو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے یہ ان کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے O (سورۃ الحدید، آیت ۲۰۔۲۱)

اب یہ سوال کہ زندگی کی دوبارہ تخلیق کیسے ہوگی یا مردوں کو دوبارہ زندگی کیسے عطا ہوگی یا حساب کتاب یا روز محشر کیسے واقع ہوگا وغیرہ۔ اس مضمون کے متعلق ہم کئی مرتبہ سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ یہ مسائل خالص عقلی نہیں اور نہ ہی اتنے سادہ ہیں کہ ہمارا ذہن ان کو آسانی سے مان لے، اصل بات یقین اور تقویٰ کی ہے اور یہ کہ کیا ہم اللہ تعالی کو اس کی صفات کے ساتھ مانتے ہیں کہ نہیں؟ اگر مانتے ہیں تو پھر اور اس ذات پاک کیلئے جس نے پہلے لا وجود سے یہ سب کچھ کر دیا اس کیلئے وجود سے وجود پیدا کرنا کیونکر مشکل ہوگا؟ اگر یہ سب کچھ " کچھ نہیں " سے جنم لے سکتا ہے تو آخرت پر کیونکر شک کیا جا سکتا ہے؟ قرآن حکیم کی سورۃ لقمان آیت ۲۸ اس اہم بنیادی سوال کا جواب اس طرح دیتی ہے؟

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ م بَصِيْرٌ O

تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت کے دن اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک فرد واحد کا۔ یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے O (سورۃ لقمان، آیت ۲۸)

روز محشر کب ہوگا اور کہاں ہوگا؟ اس کا صحیح علم تو اللہ تعالی کے ہی پاس ہے لیکن قرآن حکیم سے ظاہر ہے کہ روز محشر قیامت کے بعد نئی کائنات میں برپا ہوگا اور یہ کہ عالم برزخ سے گزر کر جب لوگ میدان محشر میں جمع ہونگے تو وہ آپس میں اپنی پہلی زندگی اور قبروں کی زندگی کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے ہونگے۔ اگر چہ یہ عرصہ اربوں سالوں پر محیط تھا لیکن ایسے لگے گا جیسے پل بھر میں سب کچھ گزر گیا۔ کچھ لوگ سوچیں گے کہ شاید وہ چند روز کیلئے سو گئے تھے اور پھر انکو جگا دیا گیا۔ اس کی مثال ہماری اس دنیا کی زندگی بھی ہے۔ ایک بوڑھا آدمی پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو ستر اسی سال کا ماضی ایسے معلوم ہوتا ہے گویا چند لمحوں کی بات تھی۔ زمین کو بنے ہوئے بھی تقریباً چار ارب سال ہو گئے ہیں اور ہمارا وجود اسی سے بنا ہے لیکن اس پر گزرے ہوئے اربوں سالوں کو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسی طرح روز محشر کو بھی لوگوں کو کچھ اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ کتنی لمبی مدت زمین و آسمان میں گزار کر آئے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان جو اپنی

عقل، ذہن اور حافظہ کے بل پر حقیقت کو جھٹلاتا ہے وہ خود دیکھ لے گا کہ حقیقت کے ادراک میں وہ کیسے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ ان کی یہ حالت مندرجہ ذیل آیات میں دکھلائی گئی ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَالَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ۝

اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم قسمیں کھائیں گے کہ ہم تو صرف ایک گھڑی رہے تھے اور وہ ایسے ہی اوندھے جاتے تھے ۝ اور وہ جن کو علم اور ایمان ملا وہ بتائیں گے کہ یقیناً تم اللہ کے حکم کے مطابق دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ٹھہرے رہے ہو یہ ہے وہ جی اٹھنے کا دن لیکن یہ کہ تم نہ جانتے تھے ۝ (سورۃ الروم، آیات ۵۵ تا ۵۶)

یوم الدین کائنات سے ہر زمان و مکان اور لوگوں کے اکٹھا ہونے کا دن ہے۔ یہ حساب و کتاب کا دن بھی ہے۔ قرآن پاک کا کوئی ایسا صفحہ شاید ہی ہو جہاں اس وقت سے خبردار نہ کیا گیا ہو۔ اسی ضمن میں مندرجہ ذیل آیات مبارکہ میں حیات بعد الموت اور یوم الحساب کے متعلق بڑے زوردار الفاظ میں تنبیہہ اور یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

پس مجھے قسم ہے شفق کی، اور رات کی اور جن چیزوں پر وہ چھا گئی ہے ۝ اور چاند کی جب پورا ہو ۝ یقیناً تم طبق در طبق چڑھتے چلے جاؤ گے ۝ تو کیا ہوا انہیں جو ایمان نہیں لاتے ۝ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے ۝ بلکہ کافر لوگ جھٹلا رہے ہیں ۝ اور اللہ جانتا ہے جو وہ فضول بات کرتے ہیں ۝ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو ۝

(سورۃ الانشقاق، آیات ۱۶ تا ۲۴)

39.10 خلاصہ ما حاصل

پچھلے چند ابواب میں ہم نے مرحلہ وار زمان ومکان میں انسانی سفر کا ایک خاکہ پیش کیا ہے جو کائنات کی تخلیق سے پہلے ارواح کی دنیا سے شروع ہوا۔ وہاں سے مرحلہ وار ہم امتحان کی غرض سے دنیا کی تجربہ گاہ میں بھیجے جاتے ہیں، جہاں ہماری پہلی دنیا مادر رحم کی دنیا ہے۔ شاید ہم وہاں بھی یہی سوچتے ہوں کہ یہی سب کچھ آخری حقیقت ہے۔ لیکن مقررہ مدت کے بعد ماں کے پیٹ سے ہم ارضی دنیا میں داخل ہوتے ہیں جو مادر رحم کے مقابلہ میں بہت وسیع ہے۔ یہاں انسان سوچتا ہے کہ شاید یہی آخری اور مکمل حقیقت ہو لیکن اس کا قیاس پہلے بھی غلط نکلا اور اب بھی غلط ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے باپ کی پشت سے مادر رحم میں داخل ہوا اور وہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اس وسیع تر دنیا میں آیا، اسی طرح یہاں سے نکل کر انسان آخرت کی دنیا میں داخل ہوگا جس کی وسعت ہماری دنیا کی نسبت سے بہت زیادہ ہے۔ اس دنیا کے اپنے ہی زمان ومکان ہیں۔ جیسے ٹیلی ویژن پر اچانک منظر بدل جاتا ہے شاید یہ بھی ایسے ہی ہو۔ کائنات کا نقشہ بدل جائے۔ نئی کائنات میں جہنم، اعراف اور جنت کی وسیع دنیائیں ہیں جنہیں عرش عظیم نے محیط کیا ہوا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے حقیقت یہی ہے کہ انسان کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ آنے والی منازل میں کامیابی کیلئے ہمارے لئے بہتر راستہ وہی ہے جو ارشاد باری تعالی میں دکھایا گیا ہے کہ:

سَابِقُوْآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ O

اپنے رب کی بخشش کی طرف بڑھو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے یہ ان کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے O

(سورۃ الحدید، آیت ۲۱)

باب نمبر 40

روز محشر کے مناظر کی کچھ جھلکیاں اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ O لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ O يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ O وَمَآ اَدْرٰلكَ مَا سِجِّيْنٌ O كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ O وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ O

ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے O اس عظیم دن کے لئے O جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے O بے شک کافروں کا نامۂ اعمال سجین میں ہے O اور آپ تو جانتے ہیں کہ سجین کیا ہے O نامہ اعمال مرقوم ہے O اس دن ویل ہوگا جھٹلانے والوں کے لئے O

(سورۃ المطففین، آیات ۴-۱۰)

چونکہ ہمارے موجودہ عالم شہادت اور عالم آخرت میں کوئی مماثلت نہیں اس لئے ہماری دنیاوی زبان میں وہ الفاظ ہی موجود نہیں کہ ہم جہان آخرت کی زندگی کے حالات اور معاملات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں یا بیان کر سکیں۔ اس لئے عالم الغیب اور آخرت کے متعلق بیانات کو مثال اور استعارہ سمجھا جائے تو بہتر ہوگا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تمام راز آشکارا کر دیئے تھے اور معراج کے سفر میں زمان ومکان کے ماضی، حال اور مستقبل کی سب تفصیلات آپ کو دکھا دی تھیں۔ یوم الحشر، جزا، سزا اور دوزخ کے تمام مناظر سے بھی آپ کو آگاہ کیا گیا تا کہ براہ راست مشاہدہ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے طریقہ اور زبان میں لوگوں تک ان حقائق کی تفصیلات پہنچا دیں۔ ہوسکتا ہے کہ جب آپ صحابہ کرامؓ کو ان حالات کے متعلق بتا رہے ہونگے تو وہی زبان کی مشکل پیش آئی ہوگی، چنانچہ آپ نے انسانی استعاروں اور مثالوں سے وہاں کے تمام حالات کی منظر کشی فرمائی تا کہ آنے والے انسان اپنی نظر کی وسعت کے مطابق مستقبل کے سفر کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکیں۔ مندرجہ ذیل حالات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں پیش کئے جاتے ہیں جن پر غور کرنے سے حقائق آشکار ہو سکتے ہیں۔

40.1 اللہ تعالیٰ کا دیدار

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا روز محشر ہمیں

دیدارالٰہی ہوگا؟ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب آسمان صاف ہو تو کیا آپ لوگوں کو سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے؟

ہم نے عرض کیا: نہیں یارسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، تو آپ نے فرمایا: تو پھر تم کو اس دن اپنے خالق کے دیدار میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی"

40.2 روز محشر کا منظر

اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس دن کوئی صاحب اعلان کریں گے کہ ہر قوم یا امت کے لوگ اس کے پیچھے ہو جائیں جس کی وہ دنیا میں اتباع اور عبادت کرتے تھے۔ اس پر صلیب کے حواری، صلیب کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ بت پرست اپنے بتوں کے پاس جائیں گے اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری اپنے ان بناوٹی معبودوں کے پاس جائینگے۔ اس طرح لوگ علیحدہ علیحدہ ہوتے جائیں گے اور بالآخر صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں مومنین بھی ہونگے، کچھ غلطیاں کرنے والے بھی ہونگے اور اہل کتاب میں سے بھی کچھ لوگ ہونگے۔

اب دوزخ سامنے لائی جائے گی اور لوگوں کو ایک سراب کی طرح نظر آئیگی تب یہودیوں کے ایک گروہ کو آگے لا کر اسے پوچھا جائے گا، تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ تو ان میں سے کچھ کہیں گے کہ "ہم اللہ کے بیٹے (حضرت) عزیر کی پرستش کرتے تھے" تو ان کو بتایا جائے گا کہ "تم جھوٹے ہو اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی بیٹا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟"

تب عیسائیوں سے پوچھا جائے گا کہ "تم کس کی عبادت کرتے تھے؟" وہ کہیں گے "ہم تو اللہ کے بیٹے (حضرت) مسیح کی عبادت کرتے تھے" تو ان کو بتایا جائے گا کہ "تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تو نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی بیٹا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟"

اس وقت مارے خوف اور ڈر کے ان کے حلق خشک ہونگے اور وہ کہیں گے ہمیں پانی چاہئے۔ ان سے کہا جائے گا "پیو" اور وہ سراب کی طرف بڑھیں گے اور جہنم میں گر جائیں گے۔ اس طرح دوسرے مشرک بھی جہنم میں گرتے جائیں گے۔ آخرکار باقی صرف وہ لوگ بچیں گے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جن میں فرمانبردار اور گناہ گار دونوں قسم کے لوگ ہونگے۔ ان سے کہا جائے گا "تمہیں کس چیز نے روکا ہوا ہے جبکہ باقی سب لوگ چلے گئے ہیں"

وہ کہیں گے ہم تو ان لوگوں سے (دنیا میں بھی) الگ تھلگ رہے۔ آج ہمیں ان کے ساتھ متحد رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے ایک آواز دینے والے کا یہ اعلان سنا تھا کہ ہر قوم اس کے پیچھے لگ جائے جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے۔ اس لئے ہم اپنے معبود حقیقی اور حکمران اعلیٰ، اپنے رب تعالیٰ کا انتظار کر رہے ہیں۔

تب اللہ تعالیٰ اس پہلی حالت کی بجائے، جس میں وہ انکے سامنے تھا، دوسری حالت میں جلوہ گر ہوگا اور آواز آئے گی "میں ہوں تمہارا

اللہ "اور وہ کہیں گے "بیشک تو ہی ہمارا اللہ اور معبود ہے" تب کہا جائے گا کہ " کیا تم کوئی ایسی نشانی جانتے ہو جس سے اپنے رب کو پہچان سکو" وہ جواب دیں گے "ہاں نور سے "تو تب اللہ اپنے نور کو ظاہر کرے گا۔ جس کو دیکھ کر سب ایمان لانے والے سجدے میں گر جائیں گے۔ صرف وہ بدقسمت سجدہ نہ کر سکیں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ دکھاوے (یا کسی دنیاوی فائدے) کیلئے کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی کمریں لکڑی کے تختہ کی طرح سخت ہونگی اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ (استغفراللہ)

40.3 پل صراط

آپ نے فرمایا اس کے بعد دوزخ پر ایک پل بچھا دیا جائے گا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! یہ پل کیا چیز ہے؟
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ پھسلنے والی (پل) ہوگی۔ جس پر شکنجے، کنڈیاں اور آنکڑے، کانٹے دار جھاڑی کی طرح ہونگے۔ جن کے سرے مڑے ہونگے۔ اس کی مثال نجد کے صحراؤں میں پائی جانے والی ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جسے "الصدان" کہتے ہیں۔ کچھ اہل ایمان اس پل کو آنکھ جھپکنے کی دیر میں پار کر لیں گے۔ کچھ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پار کر لیں گے اور کچھ تیز ہوا کی رفتار یا تیز رفتار گھوڑے یا اونٹنی کی رفتار سے۔ لوگوں میں سے کچھ تو بغیر ایذا کے پار کر جائیں گے اور کچھ کے بدن پر جھلن کے نشان پڑیں گے اور کچھ دوزخ میں گر جائینگے۔ آخری آدمی کو پل پر سے گھسیٹ کر گزارا جائے گا"۔

40.4 حق شفاعت

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گویا ہوئے "تم مسلمانوں کا مجھ پر ایک ضروری حق ہے اور میں اس دن تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کروں گا۔ جو مسلمان پل پار کر لیں گے تو وہ اپنے بھائیوں کو دوزخ میں دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے اور عرض کریں گے:۔ "اے ہمارے اللہ مہربانی فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو اس مصیبت سے بچا کہ یہ بھی مسلمان تھے اور ہمارے ساتھ مل کر نمازیں پڑھتے تھے اور روزے رکھتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے" حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے صدقے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا اور فرمان ہوگا" جاؤ! اور جس کے قلب میں ایمان ایک پرانے دینار کے برابر بھی ہو اس کو دوزخ سے باہر لے آؤ"
اللہ تعالیٰ گناہ گار مسلمانوں کے بارے میں آگ کو حکم دیں گے کہ ان کے مونہوں کو مت جھلساؤ۔ چنانچہ جب جنتی مسلمان بھائی انہیں دوزخ سے نکالنے جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے صرف پاؤں آگ میں اور کچھ لوگ آدھی پنڈلی تک آگ میں ہیں۔ وہ جن لوگوں کو پہچانتے ہوں گے ان کو دوزخ سے باہر لے آئیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پھر سے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا" جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے باہر لے آؤ" اور اس طرح سے وہ تمام لوگوں کو

دوزخ سے باہر لے آئیں گے جن کو پہچانتے ہونگے۔

محدث لکھتے ہیں کہ اس مرحلے پر جناب ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذباتی ہو گئے اور فرمانے لگے "اے سننے والو! اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں آرہا تو قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ سے استفادہ کرو"

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا○

اور اللہ تعالیٰ ایک ذرّے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہوتو اسے دوگنی کرتا ہے، اور اس کے علاوہ اسے بڑا اجر دیتا ہے○ (سورۃ نسا، آیت ۴۰)

جناب ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بات جاری رکھتے ہوئے مزید روایت کی، کہ اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ اس کے بعد اللہ کے پیغمبر، اسکے فرشتے اور سب ایمان والے مزید سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے لوگوں کو باری باری دوزخ سے رہائی ہوتی رہے گی۔ آخر میں خالق کائنات فرمائیں گے اب میری باری ہے۔

اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو مٹھی میں لیں گے اور اس میں سے کچھ ایسے لوگوں کو نکالیں گے جن کے بدن جل چکے ہونگے انہیں بہشت کے دروازوں کے سامنے دریا میں پھینک دیا جائے گا جسے آب زندگی کہا جاتا ہے تو یہ لوگ اس دریا کے کناروں پر اس طرح زندگی حاصل کریں گے جس طرح آندھی بیج کو کسی ایسی جگہ پھینک دیتی ہے اور یہ بیج اگ آتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید وضاحت فرمائی کیا تم لوگوں نے کبھی کسی بیج کو کسی پتھر یا درخت کے نزدیک اگتے دیکھا ہے کہ کس طرح ایسے پودے کے سورج کے رخ والا حصہ سبز ہوتا ہے اور سایہ کے رخ والا زرد ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس زندگی کے دریا سے موتیوں کی طرح صاف شفاف باہر نکل آئیں گے اور سونے کے ہار پہنے ہونگے اور تب بہشت میں داخل ہونگے۔ تب اہل جنت کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے رحمان رحیم کی رحمت جوش میں آ گئی اور انہیں جنت میں داخل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ کوئی اچھی چیز اپنے لئے آگے بھیجی تھی (یعنی کارخیر)۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم سامنے دیکھ رہے ہو اس جیسی اور جنت کی مزید نعمتیں تمہارے لئے ہیں (بخاری شریف) یہ سب اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کی بنا پر ہوگا ورنہ عام اصول تو یہی ہے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کیلئے اس نے کوشش کی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا، ارشاد ربانی ہے:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى○ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى○ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى○ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا○ وَاَنَّهٗ

خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝

کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی O اور انسان اپنی کوشش کا پھل پائے گا O اور یہ کہ وہ اپنی کوشش عنقریب دیکھے گا O اور اس کو (اس کوشش کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا O اور یاد رکھو کہ آپ کے رب کی طرف ہی آپ کی انتہا ہے O اور وہی ہنسانے اور رلانے والا ہے O اور وہی مارنے اور جلانے والا ہے O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ جوڑے پیدا کیے O نطفہ سے جب وہ (رحم میں) قائم ہو جاتا ہے O اور وہی دوبارہ اٹھائے گا O

(سورۃ نجم، آیات ۳۸ تا ۴۷)

حدیث مبارک

جناب ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرا رب فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان) زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں حالانکہ میں خود دہر (Time) ہوں۔" (صحیح بخاری)

باب نمبر 41

کامیاب انسان

"اے ہمارے رب ہمیں عطا کر اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (آمین)"

41.1 انسان کی حقیقت

اب ہم زندگی کے اس لامحدود سفر میں اصل کامیابی کے موضوع کو چھیڑیں گے۔ یہاں اس بات کا اعادہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی حقیقت پر ایک مرتبہ پھر سے غور کر لیں کہ انسان جسم، زندگی، ایک بااختیار روح دو فرشتوں اور ایک شیطان کا مجموعہ ہے اور ان سے متاثرہ روح کی جو آخری شکل بنتی ہے اسی کا نام نفس ہے، اس ترتیب میں جسم اور زندگی کا تعلق طبعیات سے ہے اور روح فرشتوں اور شیطان کا تعلق مابعد طبعیات سے ہے۔ اپنی فطرت کی بناء پر جسم کا جھکاؤ مادی یعنی زمینی اسباب کی طرف ہے اور روح کا میلان آسمان کی طرف ہے۔ ملائکہ اسے صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں اور شیطان اسے گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ نفس کو ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار استعمال کرتے ہوئے اپنا راستہ خود بنانا ہے۔ اسے زندگی میں خود ہی فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اسفل السافلین کے مادی گڑھے میں گرتا ہے یا مقام علیین کی طرف رجوع کرتا ہے۔

چونکہ ہر چیز کا فطری رجحان اپنی اصل کی طرف ہوتا ہے اسلیئے جسم وہ تمام چیزیں چاہتا ہے جن کا تعلق مٹی سے ہے۔ چنانچہ جس نفس کو جسم سے پیار ہو جاتا ہے اسے دنیا کی زندگی کے دوران مادی ذرائع اپنی طرف کھینچتے ہیں جبکہ ملائکہ اسے عالم الغیب کے اعلیٰ تر حقائق یاد دلاتے ہیں۔ انسان کی مخالفت میں اس کا ازلی دشمن شیطان اسے مزید گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کیلیئے وہ اپنی بیٹھک یعنی سیٹ آدمی کے جسم اور دماغ کو بناتا ہے اور نفس کو عالم الغیب کی آفاقی سمت کی بجائے زمین کے اسفل کی جانب کھینچتا ہے اور اگر کوئی نفس اپنے جسم کے قدرتی ارضی میلان اور شیطان کے اثر میں آجاتا ہے تو وہ مسلسل اندر کی طرف ہی سکڑتا جاتا ہے اور یوں وقت کے ساتھ ساتھ وہ چھوٹا، تنگ نظر اور خودغرض ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اگر عقل و دماغ ملائکہ کا ساتھ دیتے ہیں یعنی ضمیر کی آواز پر توجہ دیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں تو نفس باہر کیطرف نشوونماء پاتا ہے اسطرف اسکی وسعت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور ترقی کی کوئی حد نہیں۔ اس ضمن میں شکل نمبر ۱۶ نفس کے خلاف شیطانی

قوتوں کی چند حالتوں کو ظاہر کرتی ہے۔

1۔ نفس کی پہلی حالت ملائکہ اور شیطان کے بین بین ہے، یہ اس کی نیوٹرل (Neutral) پیدائشی حالت ہے۔

2۔ نفس امارہ یہ اس نفس کی حالت کو ظاہر کرتا ہے جو عارضی جسمانی فوائد، دنیا کی شہرت روپے پیسے وغیرہ کی طرف مائل رہا اور یوں وہ صراط مستقیم سے دور ہوتا گیا۔

3۔ نفس لوامہ یہ اس نفس کی حالت ہے جس کا نسبتاً اللہ تعالیٰ کی طرف جھکاؤ زیادہ ہے اور یہ توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہوں کی سیاہی کو دھوتا رہتا ہے۔

4۔ نفس مطمئنہ یہ وہ خوش نصیب ہے جو مکمل طور پر شیطان سے نجات حاصل کر کے خالصتاً اللہ کا ہو گیا اور نفس مطمئنہ کا خطاب پایا۔ اس کی اور ملائکہ کی بڑی دوستی ہوتی ہے اور وہ ان کی راہنمائی میں اللہ کے احکام پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔

41.2 اصل کامیابی

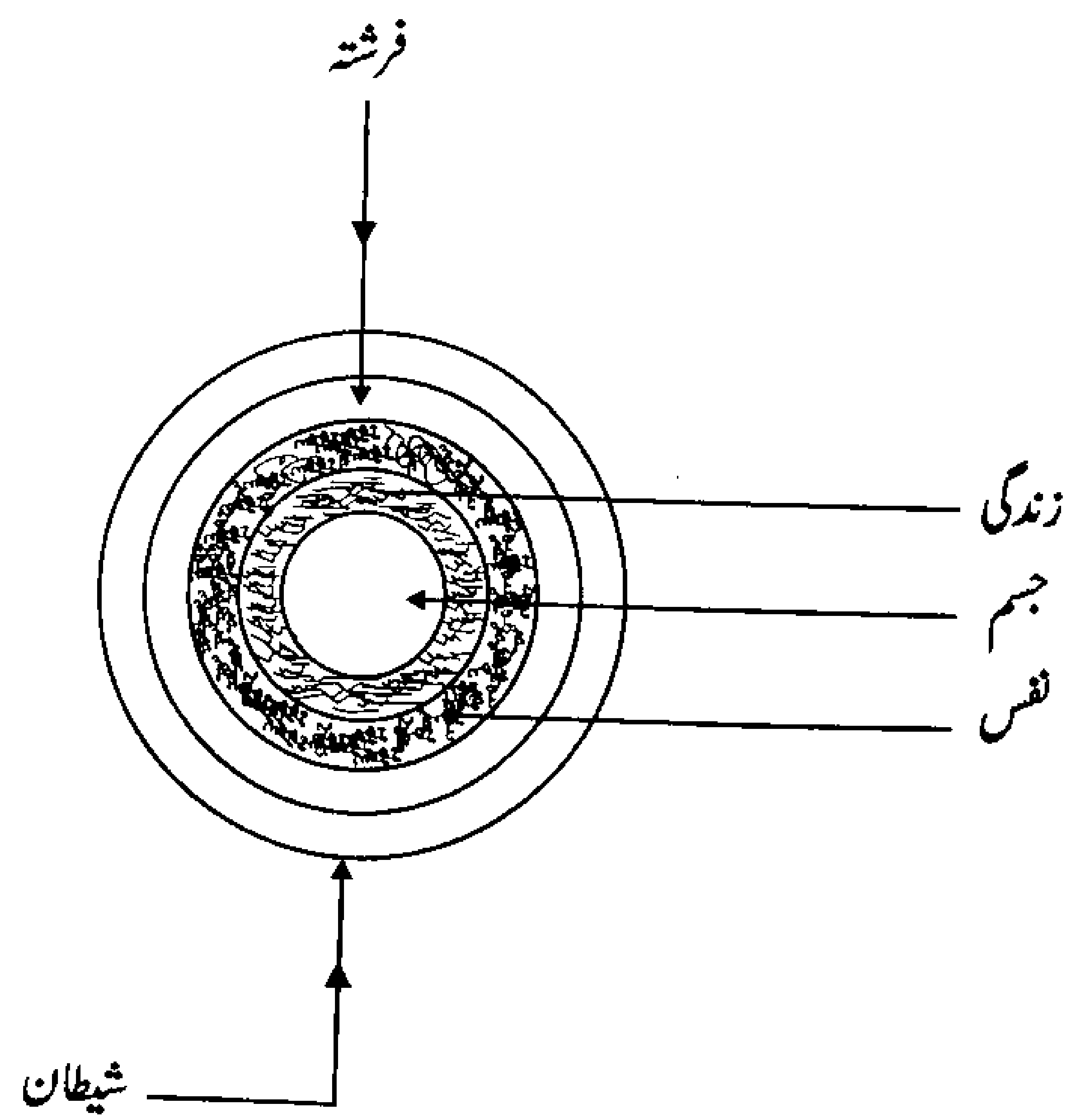
نفس مطمئنہ ہی وہ انسان ہے جو اس دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی، اس کامیابی کا تصور ایک دنیا دار آدمی سے بہت مختلف ہے۔ وہ دوسروں کو نیچا دکھانے میں اپنی کامیابی سمجھتا ہے جبکہ نفس مطمئنہ کے نزدیک کامیابی اللہ کے نزدیک ہونے میں ہے۔ اگر وہ دنیا بھی کماتا ہے تو اس کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسباب حاصل کرنا ہے۔

اصل کامیابی کیا ہے؟ اس کا جواب ہمارے پیارے رب نے قرآن پاک میں اپنے کئی ایک پیارے لوگوں کی زندگی کی مثال (Case Histories) کے ذریعے واضح کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے زیادہ تر کامیابی کے معروف دنیاوی معیار کے مطابق ناکام لوگ تھے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے خلیل یعنی بہت بڑے دوست ٹھہرے لیکن وقت کے دنیاداروں سے پوچھا جاتا تو وہ یہی کہتے کہ، "ہمیں تو اس کی سمجھ نہیں آتی، اچھے خاصے گھرانے کا نوجوان تھا، دماغ الٹ گیا اور بادشاہ سے ٹکرا لے لی، وہ تو خیر ہوئی کہ آگ میں جلنے سے بچ گیا لیکن پھر بھی سبق نہیں سیکھا، مصر چل نکلا، پھر وہاں حالات خراب ہوئے تو عرب کے صحراؤں میں سرگرداں رہا، پھر بیٹے کو ذبح کرنے لگا، وہ تو ایک مینڈھا چھری کے نیچے آ گیا ورنہ اسماعیلؑ کو تو قتل کرنے والا ہی تھا، لیکن اس کے بعد بھی عقل نہ آئی، کسی بڑے شہر میں سکونت اختیار کر کے زندگی کے آخری ایام تو چین سے گزار لیتا بلکہ وہاں مکہ کے لق دق پہاڑوں میں مکان بنانے لگا"۔

یہ وہ تصویر ہے جو اللہ کے خلیل اور اولیاء کے بارے میں دنیا داروں کو نظر آتی ہے اس لئے کہ انکی نظر اس سے باہر کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندگی دراصل امتحان کا وقفہ ہے اور مصائب وہ دراصل امتحان کے پرچے ہیں، اصل زندگی تو نتیجہ کے بعد شروع ہوگی، اور وہ حیات بعد الموت ہے۔ قرآن الحکیم اپنے ماننے اور عمل کرنے والوں سے ایسی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے جس کا موت بھی

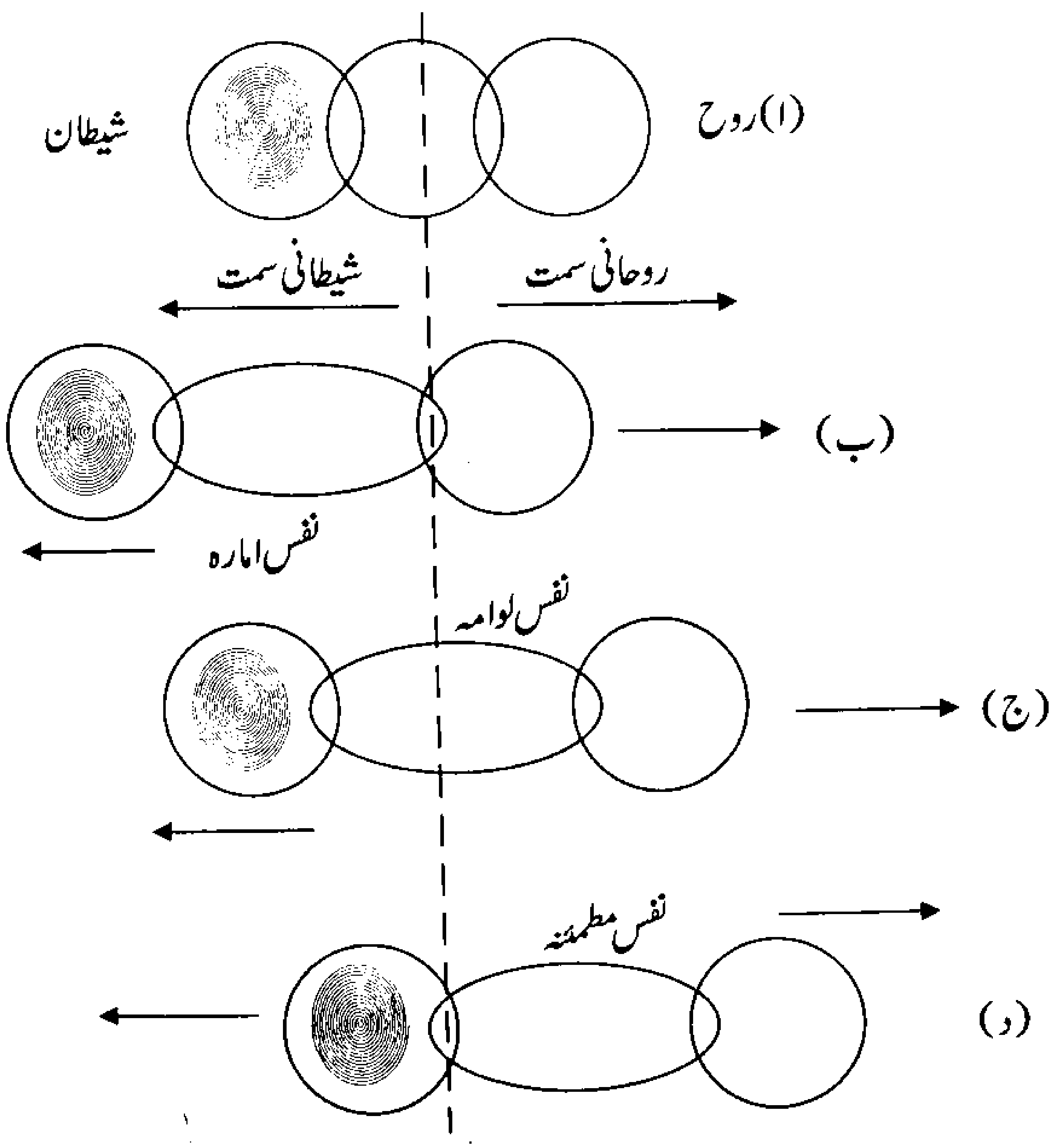
شکل نمبر 43:   طبق در طبق انسانی خاکہ

انسان جسم، زندگی اور نفس کا مجموعہ ہے۔ جسم زمین کے عناصر کا مجموعہ ہے جب فطرت کے ڈیزائن کے مطابق ان اجزاء کو ترتیب مل جاتی ہے تو یہ زندگی کا ظہور کرتے ہیں جیسے ایک نیو کلئیر ری ایکٹر اپنے اجزاء کی ایک خاص ترکیب اور مقدار کے بعد توانائی کا خود کار آلہ بن جاتا ہے۔ نفس، جسم اور زندگی کا حکمران اور ان کا سبب ہے۔ یعنی اصل انسان یہی ہے۔ یہ امر ربی ہونے کی وجہ سے مستقل حیثیت کا مالک ہے۔ گناہ نفس کے ارد گرد غبار کی طرح چھا جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اسے فرشتوں کی صراط مستقیم والی آواز (ضمیر) سننے میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی لگا ہوا ہے۔ جس کی یہ کوشش ہے کہ انسان کہیں جنت والے راستے پر نہ چل پڑے۔ جسم اپنے زمینی اجزاء سے تخلیق کی وجہ سے زمین کی طرف جھکائو رکھتا ہے اس لئے جس نفس کو جسم سے زیادہ پیار ہے وہ زمینی مال و دولت اور شان و شوکت کی طرف کھینچا رہتا ہے اور یوں وہ آفاقی سچائیوں اور عالم الغیب کی وسعتوں سے دور ہوتا جاتا ہے۔



شکل نمبر 44:　　نفس کے اوپر ملائکہ اور شیطان کے اثرات

ملائکہ اور شیطان دونوں ھی نفس کو اپنی اپنی طرف رکھنے کی کوشش کرتے ھیں۔ ملائکہ کا مقام علین ھے اس لئے وہ اسے علین میں لے جانا چاھتے ھیں جبکہ شیطان کا مقام سجین ھے، وہ اسے سجین کی طرف لیجانا چاھتا ھے۔ پیدائش پر اس کی حالت شکل نمبر (ا) والی ھے۔ نفس مطمئنہ شکل (د) والی حالت ھے جھاں نفس علین میں داخل ھوچکا ھے۔ شکل نمبر (ب) نفس امارہ والی حالت ھے بیچارہ سجین میں گرنے والا ھے۔



کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔اس کامیاب انسان کے نزدیک دنیا مقصود منزل نہیں بلکہ زمان و مکان کے سفر میں ایک امتحانی وقفہ ہے جس کا ایک ایک سیکنڈ انتہائی قیمتی ہے۔جہاں کی دو رکعت نفل نماز کا انعام اس قدر ہے کہ عالم برزخ میں پہنچ کر زمین کی تمام دولت اس کے مقابلے میں بے وقعت معلوم ہوگی۔اس کی مثال پانی کا بھرا ہوا گلاس ہے،بظاہر ایک بے قیمت گلاس ہے لیکن پیاس سے مرنے والا اس کے بدلے اپنا گھر گھاٹ،شان و شوکت،کرسی و طاقت،غرض کہ سب کچھ دے کر خریدنے کیلئے تیار ہوگا۔ایسے ہی آج بظاہر بے وقعت نظر آنے والے روحانی مشاغل عالم برزخ میں اس قدر قیمتی ہونگے کہ دنیا کے بادشاہ بھی اپنی حماقت پر روئیں گے کہ بیکار مشاغل میں زندگی کو ضائع کر دیا۔

لہٰذا اللہ کے بندوں کے سامنے اہم ترین سوال یہ ہے کہ وہ زندگی کیسے گزاریں کہ اصل کامیابی مل جائے؟اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مثال دی گئی ہے،اسلام کا فلسفہ حیات عجیب بھی ہے اور عظیم بھی۔جسے لوگ نقصان سمجھتے ہیں وہ اسے نفع کہتا ہے،جسے لوگ ناکامی کہتے ہیں وہ اسے کامیابی کہتا ہے،شہید کو لوگ مارا گیا کہتے ہیں قرآن پاک اس کو ہمیشگی کی زندگی کا مژدہ سناتا ہے۔

41.3 صحیح اعتقاد

اس کامیابی کیلئے پہلی شرط صحیح اعتقاد ہے یعنی ہم کامیابی اور ناکامی کے معیار کو خوب سمجھ لیں اور زندگی کی ترجیحات کو اس کے مطابق ڈھال لیں۔مطلب یہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پکا یقین ہو،اور اس بات پر بھی موجودہ زندگی ایک امتحانی زندگی ہے جس کا ہر ایک دن ہمارا امتحانی پرچہ ہے اور دنیا کی اونچ نیچ،راحت،امارت،غربت سب اس پرچہ کے سوال ہیں۔ان سوالوں کا جواب ہمارا عمل ہے۔اگر عمل مالک کی بندگی کا ہے،تو اس میں کامیابی ہے،اگر ترجیحات تو دنیاوی شان و شوکت کیلئے ہوں اور خواہشات ابدی زندگی میں کامیابی کی تو یقیناً ایسا آدمی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔یہ منافقوں کا وطیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیات ۸۔۹ میں واضح کر دیا ہے کہ "یہ لوگ اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ اور سچے مومنین کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں (اور وہ اس قدر بے پرواہ ہیں کہ) انہیں شعور تک نہیں کہ نقصان کس کا ہو رہا ہے۔یہ ایک طرح کے بیمار ذہن ہیں جن کی ہوس دنیاوی شان و شوکت ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔"

نفس کی مثال زمین کی مانند ہے،گناہ گرد و غبار کی مثل ہیں،اور ہدایت سورج کی روشنی کی طرح ہے۔اگر زمین پر سورج کی روشنی پڑتی رہے تو اس پر خوب نشو و نماء ہوتی ہے اگر درمیانی فضا گرد و غبار سے بھر جائے تو روشنی سے محرومی کی بناء پر زندگی مرنا شروع ہو جاتی ہے۔یہی حال ہمارا ہے۔قرآن پاک امر ربی ہے جس کا نور سدا قائم و دائم ہے لیکن گناہوں کا گرد و غبار نفس کو اس نور سے محروم کر دیتا ہے اور شیطان غالب آنے لگتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ کمزور سے کمزور ہوتا جاتا ہے۔ بالآخر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کے کان ہیں،لیکن وہ حق کو نہیں سن سکتا،آنکھیں ہیں مگر وہ حقیقت کو دیکھ نہیں سکتا،عقل ہے لیکن وہ راہ راست سے بیگانہ ہے۔یہ وہ ناکام ترین انسان ہے جس کی زندگی کھیل تماشہ ہے،اس کے اندر

کثرت کی ہوس کی آگ لگی ہوئی ہے، بظاہر کامیاب، خوش باش، طاقتور لیکن اندرونی طور پر نفسیاتی کھچاؤ اور تناؤ سے ٹوٹا پھوٹا، جلا ہوا، گلا ہوا کمزور بدبودار، ہر دم کسی نہ کسی چکر میں پھنسا ہوا بیمار آدمی ہے۔ سامنے درپیش مسئلہ کا حل اس کیلئے زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہوتا ہے لیکن جیسے ہی اسے حاصل کر لیتا ہے، وہ کسی دوسری کامیابی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بالآخر ساری عمر ایسی ہی جھوٹی کامیابیوں کی تلاش میں ایک ناکام انسان کی طرح مرجاتا ہے۔ شکل نمبر ۴۳ ایسی ہی زندگیوں کے انجام کو ظاہر کرتی ہے۔

41.4 کامیاب زندگی کا رخ

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کامیابی کیلئے زندگی کیلئے صحیح سمت کا تعین نہایت ضروری ہے۔ اس کا تعلق ارادہ اور نیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو دنیا کا ارادہ کرتا ہے وہ اسے دنیا عطا کرتا ہے جو عالم الغیب کے اعلیٰ مقامات کا ارادہ کرتا ہے اسے وہ مل جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل چاہت کی شدت اور جدو جہد کے معیار پر ہے۔

ایک مضبوط ارادے والا شخص دریاؤں کا رخ موڑ سکتا ہے، ہواؤں میں اڑ سکتا ہے، کائنات کو اپنی مرضی پر چلنے کیلئے مجبور کر سکتا ہے، وہ وقت کا سوار ہے جو حال، مستقبل اور ماضی سب کی سیر کر سکتا ہے لیکن ہمیشہ کی کامیابی کیلئے لازمی شرط یہ ہے کہ نہ صرف ارادہ مضبوط ہو بلکہ اس کی سمت بھی صحیح ہو۔

جن کی سمت علیین کی طرف ہوگی وہ عالم علیین میں پہنچ جائیں گے۔ جن کا رخ سجین کی طرف ہوگا وہ سجین کی طرف پہنچ جائیں گے۔ دنیا والی زندگی میں دونوں سمتوں میں ہی بڑی موج (Thrill) ہے لیکن سجین والی سمت میں کچھ زیادہ ہی موج ہے، اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی کی سمت کا باقاعدہ تجزیہ کرتا رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ صراط مستقیم سے بھٹک کر اور زندگی کے ہنگاموں میں پھنس کر وہ اپنی علیین والی منزل کو گم کر دے۔

یہ بھی یاد رہے کہ علیین بلندی اور آزادی ہے جبکہ سجین پستی اور قید ہے۔ اس لئے مقام علیین کی رسائی بہت محنت اور مجاہدہ مانگتی ہے اور مجاہدہ یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کی مخالفت کرے، مثلاً جسم کیلئے سونا مرغوب ہے لیکن علیین کے مسافر کو جاگنا ہوگا، جسم کو دولت کا حصول مرغوب ہے جبکہ علیین والے کا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے، جسم خوشامد اور بڑائی کو پسند کرتا ہے جبکہ علیین کی راہ خاکساری ہے۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دوزخ ان تمام چیزوں سے گھری ہوئی ہے جو جسم کو مرغوب ہیں اور اس کے برعکس جنت کو جانے والے تمام راستوں پر وہ چیزیں ہیں جن سے جسم بھاگتا ہے۔" لہٰذا جسم کی مخالفت ہی میں اصل کامیابی ہے جیسے بچہ سکول جانا پسند نہیں کرتا، حالانکہ سکول جانے ہی میں اس کے مستقبل کی ترقی ہے۔

41.5 ضمیر کی آواز

اصل کامیابی حاصل کرنے کیلئے عقلمند کو چاہئے کہ اپنے ضمیر کے حکم کی تعمیل کرے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کئی بار لکھ چکے ہیں، کہ ہر روح پر اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جن کو " کراماً کاتبین " کہتے ہیں، انسان جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے ٹوکتے ہیں اور لکھنے میں اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک کہ وہ اصل میں برائی کا مرتکب نہیں ہو جاتا۔ ان کو یہ بات بہت عزیز ہے کہ انسان اپنے رب کی طرف ترقی کرتا رہے اور شیطان کے پھندہ سے بچتا رہے۔ وہ نفس کو مٹی میں گرنے سے بچا کر علیین کے مقام پر لے جانا چاہتے ہیں چنانچہ جب بھی وہ اسفل کی طرف جھکتا ہے تو کراماً کاتبین اس کو ٹوکتے ہیں۔ اس ٹوک کا نام ضمیر ہے۔ ضمیر کی بات ماننے اور شیطان کی مخالفت ہی میں انسان کی کامیابی ہے۔

اگر نفس ضمیر کی آواز کو اہمیت دے گا تو شیطان کے اثرات سے بچ سکے گا اور جیسے جیسے وہ علیین کی بلندیوں کی طرف بڑھے گا شیاطین کی پہنچ سے بھی دور ہوتا جائے گا۔ اس اڑان میں ایک منزل ایسی ہے جس پر پہنچ کر نفس کو علم الدنی حاصل ہو جاتا ہے، اچھائی اور برائی اس پر روز روشن کی طرح آشکارا ہونے لگتی ہے پھر قرآن پاک کے الفاظ اس کو یوں محسوس ہونگے جیسے اسکے اپنے دل پر نازل ہو رہے ہیں اور ان میں وہ اثرات اور معانی پائے گا جو حقائق الاشیاء ہیں۔ وہاں عالم الغیب کی باتیں اس پر حقیقت بن کر ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں، لذتیں جو تجین کو جاتی ہیں وہ ان کے دھوکے کو سمجھنے لگے گا، شان و شوکت کے پیچھے چھپی ہوئی جو آگ ہے اس کی تپش کو محسوس کرے گا۔ یوں وہ اللہ تعالیٰ کا ولی بن جائے گا، اس کی نشانی یہ ہے کہ پھر ہمہ تن گوش تمام لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانا اس کی سب سے بڑی فکر ہوتی ہے۔

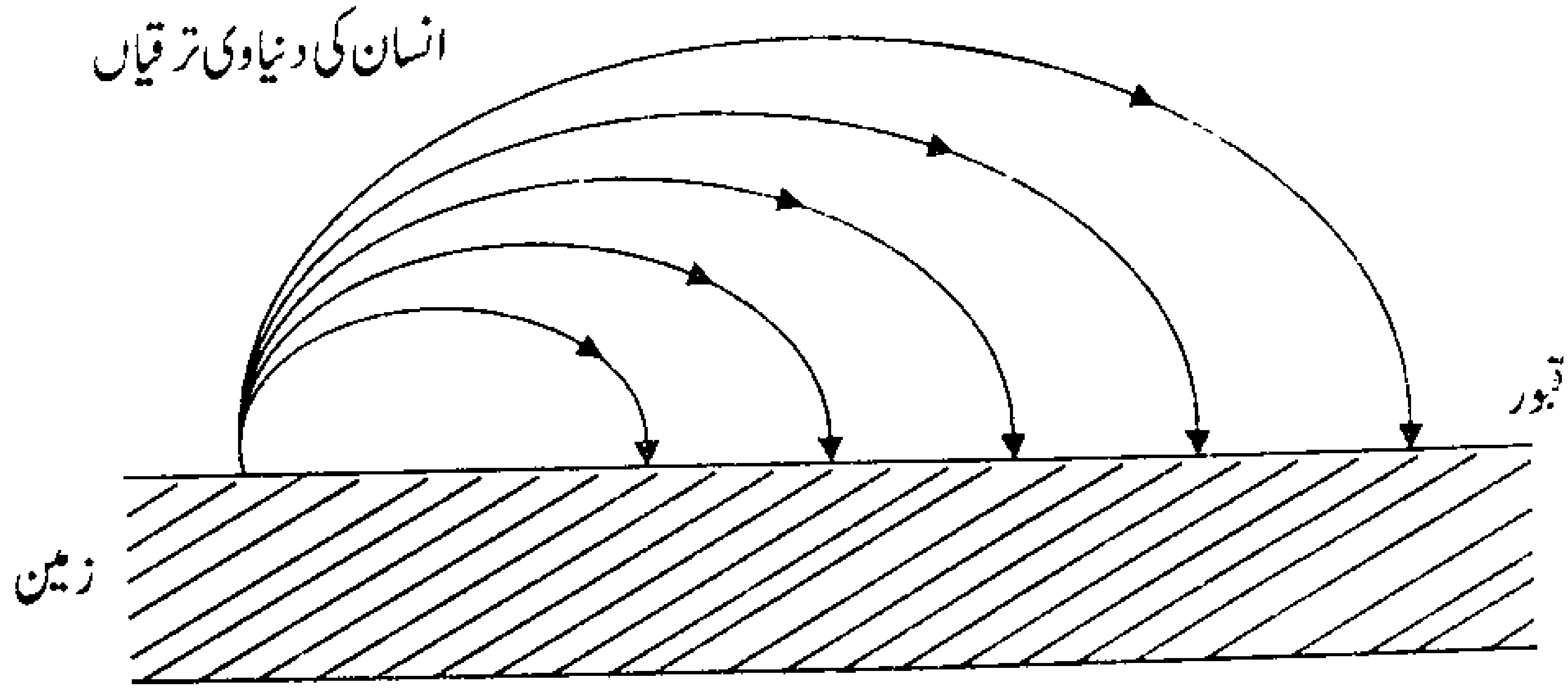
41.6 عالم الغیب کا علم

کامیاب انسان کی ایک تشفی یہ ہے کہ اس پر عالم الغیب کے راز کھلنے لگتے ہیں۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ عالم الغیب دور نہیں بلکہ عالم الشہادت کے متوازی اور ساتھ ساتھ چل رہا ہے، درمیان میں اگر کوئی پردہ ہے تو وہ ہماری اپنی ہی ثقافتوں کا ہے۔ علیین کا مسافر ولایت کی منزل پر پہنچ کر جب چاہے ان دونوں عالموں کے آر پار ہو سکتا ہے، وہ جنت، دوزخ، اعراف فرشتوں، جنات سبھی کو علم الدنی سے دیکھتا ہے۔ وہ عالم الغیب اور عالم الشہادت کو ایسے پاتا ہے گویا یہ دونوں ایک دوسرے کے اندر گڈمڈ ہیں جیسے میٹھے پانی میں چینی۔ آنکھ کیلئے یہ غائب ہوتی ہے لیکن ذائقہ کی حس فوری طور پر چینی کو دیکھ لیتی ہے۔

عام لوگ عالم الغیب اور عالم الشہادت کے اندر رہتے ہوئے بھی غیب سے اس لئے ناواقف رہتے ہیں کہ وہ اپنے ضمیر کے احساسات پر توجہ نہیں دیتے، شیطان کی بات سنتے ہیں اور یوں رفتہ رفتہ گناہوں کی کثافت کی وجہ سے ان کا نفس نور کی روشنی سے محروم ہوتا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ

شکل نمبر 45: دنیا کی زندگی

انسان کا خمیر زمین کی مٹی سے اٹھا ہے، وہ دنیا میں جس قدر بھی ترقی کرے اخیر مٹی میں ہی گر کر ختم ہوجاتا ہے، کوئی آگے کوئی پیچھے، موت سب کو برابر کردیتی ہے اور قبر سب کو سمیٹ لیتی ہے۔ قبر کسی کے دنیاوی مقام اور مرتبہ سے مرعوب نہیں، بلکہ انسان کے دنیاوی اسباب کی نسبت ہی سے اس سے حساب کتاب لے گی۔اس ضمن میں انسان کیلئے سب سے خطرناک بات خواہشات کی بہتات ہے، جس کسی نے اپنے آپکو بے جا خواہشات سے بچائے رکھا وہی آخرت میں کامیاب ہو گا۔



بڑی اڑان والے اور چھوٹی اڑان والے سب کو قبر برابر کر دیتی ہے

پہلے بھی کہا گیا ہے علین کی راہ پر چلتے ہوئے کچھ منزلوں کے بعد نفس اس قدر لطیف ہو جاتا ہے کہ عالم الغیب اور شہادت کے درمیان برزخی پردوں کے آر پار جا سکتا ہے، جیسے روشنی شیشے کے آر پار آسانی سے گزر جاتی ہے۔

اس ضمن میں شکل ۴۶ اور ۴۷ میں دکھایا گیا ہے کہ عالم الغیب اور عالم الشہادت دور کے مقامات نہیں بلکہ ایک دوسرے کے اندر ہی ہیں جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں یہ اور بات ہے کہ ہم اسے دیکھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتے۔قصور ہمارا اپنا ہی ہے کہ نفس کے اوپر دنیاوی خواہشات کی کثافت اس قدر بڑھاتے جاتے ہیں کہ وہ اس بوجھ کی وجہ سے اوپر کی طرف اڑنے کے قابل نہیں رہتا، یوں ایک کثیف نفس برزخ کا پردہ پار نہیں کر سکتا ہے جبکہ ایک لطیف نفس اپنی چاہت کے مطابق عالم الغیب کی سیر آسانی سے کر سکتا ہے۔

ہمارے رہبر و راہنما حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علین کی ان منازل پر فائز تھے جنہیں معراج کہتے ہیں۔وہ بیک وقت سب عالموں میں رہتے تھے،غیب اور شہادت کی باتیں وہ علم الدنی کی آنکھ سے ہر وقت دیکھتے تھے، جب چاہتے فرشتوں اور ارواح سے بات کرتے ، آنکھ کی ایک جنبش سے قیامت کے مناظر کو دیکھتے ، جنت اور دوزخ کے حالات آپ پر ایسے ہی عیاں تھے جیسے ایک ظاہر بین آنکھ سورج کو دیکھتی ہے۔ان سب مقامات کی بلند ترین چوٹیوں پر اور گہری ترین وادیوں میں آپ کا گزر معراج شریف کی رات کو ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کرسی اور عرش معلّٰی کے پاس وہاں تک پہنچ گئے جہاں جبرئیل علیہ السّلام کی لطافت بھی کثافت تھی۔

41.7 کامیاب نفس کی خصوصیات

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں علین کی کیفیات جہاں عالم الغیب اور عالم الشہادت ایک ہو جاتے ہیں ان کیلئے ہیں جن کے نفس لطیف ہیں۔ ہر گناہ نفس پر ایک نیا بوجھ ہے چنانچہ گناہ سے لدا ہوا نفس سجین کی طرف یوں گرتا ہے جیسے کوئی بوجھل چیز کیچڑ میں اپنے ہی وزن سے نیچے کی طرف ڈوبتی جاتی ہے۔یوں ہی ایک گنہگار انسان عالم الغیب سے دور ہوتا جاتا ہے۔شکل نمبر ۴۷ میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے سجین کی طرف برزخ کا پردہ موٹا ہوتا جاتا ہے جبکہ علین کی طرف بڑھتے ہوئے یہ پردہ بالاخر نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ابدی طور پر کامیاب نفس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

41.8 لطافت

جیسے کہ ہم ذکر کر چکے ہیں علین کی بلندیوں کو چھونے کی اہلیت نفس کی لطافت پر مبنی ہے اور گناہ نفس کیلئے کثافت کا باعث ہیں، اس لئے کامیاب نفس وہی ہوگا جو گناہوں سے پاک ہوگا۔لیکن علین کی بلندیوں تک جانے کیلئے گناہوں سے بچنا ہی کافی نہیں بلکہ لطافت کے ساتھ ساتھ اوپر

کی سرف چڑھنے کیلئے طاقت بھی چاہئے جو نیکی کرنے سے ملتی ہے۔اس لئے حکم ہے کہ نیکی میں سبقت کرو۔

41.9 معیت اور معرفت

ہم نے ابھی کہا ہے کہ علیین کی طرف اڑان کیلئے نیکی ضروری ہے ,لیکن حقیقت یہ ہے بہت اعلی منازل پر پہنچنے کیلئے نیکی بھی کافی نہیں۔اس کیلئے اللہ تعالی کا فضل،اس کی معرفت اور معیت چاہئے۔یہ وہ نور ہے جس کی روشنی میں ایک لطیف اور طاقتور نفس علیین کی انتہائی بلندیوں میں اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔یہ نور تب حاصل ہوتا ہے جب دل غیر سے خالی ہو جائے اور اس میں ہر وقت ذات باری تعالی کا احساس اور ذکر جاری ہو جائے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا" جب نفس اللہ تعالی کے ذکر میں ڈوب جاتا ہے تو اس کے صلے میں مالک کون ومکان اسے اپنی معیت اور معرفت کا نور عطاء کرتا ہے۔

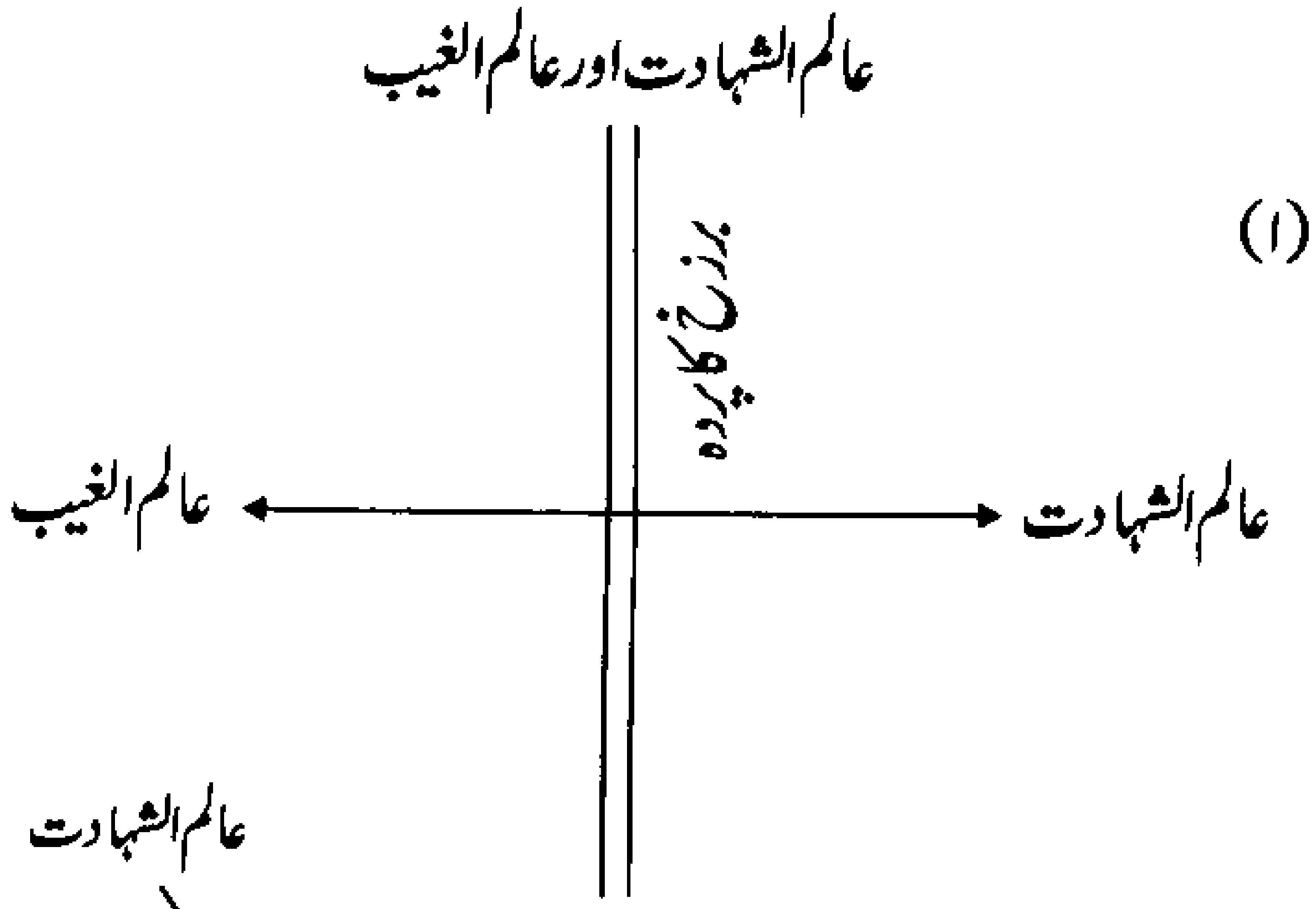
اس مقام کی پہچان یہ ہے کہ اہل معرفت کو ہر حسن میں اللہ تعالیٰ ہی کا حسن نظر آتا ہے،ہر خوبی میں وہ مالک کی خوبی کو پاتا ہے،اسے ہر نغمہ میں اپنے مالک کی تعریف سنائی دیتی ہے،پانی کا قطرہ ہو یا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر،ہوا کا جھونکا ہو یا طوفان،پھول کی پتی ہو یا ہیرا،ریت کا ذرہ ہو یا مہتاب،زمین ہو یا آسمان،غرض کہ وہ جدھر بھی دیکھتا ہے اپنے رب کی شان پاک کو دیکھتا ہے۔اس مقام پر اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو جاتا ہے،اسے تنہائی مرغوب ہو جاتی ہے اور اپنے مالک کی رضا کی خاطر جان و مال قربان کرنا اس کو سب زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔اس سے اگلی منزل وہ ہے جہاں اہل معرفت کی ہستی اپنے رب میں یوں گم ہو جاتی ہے جیسے نمک پانی میں گم ہو جاتا ہے یا خوشبو ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔اسے فنا کے بغیر چین نہیں آتا۔

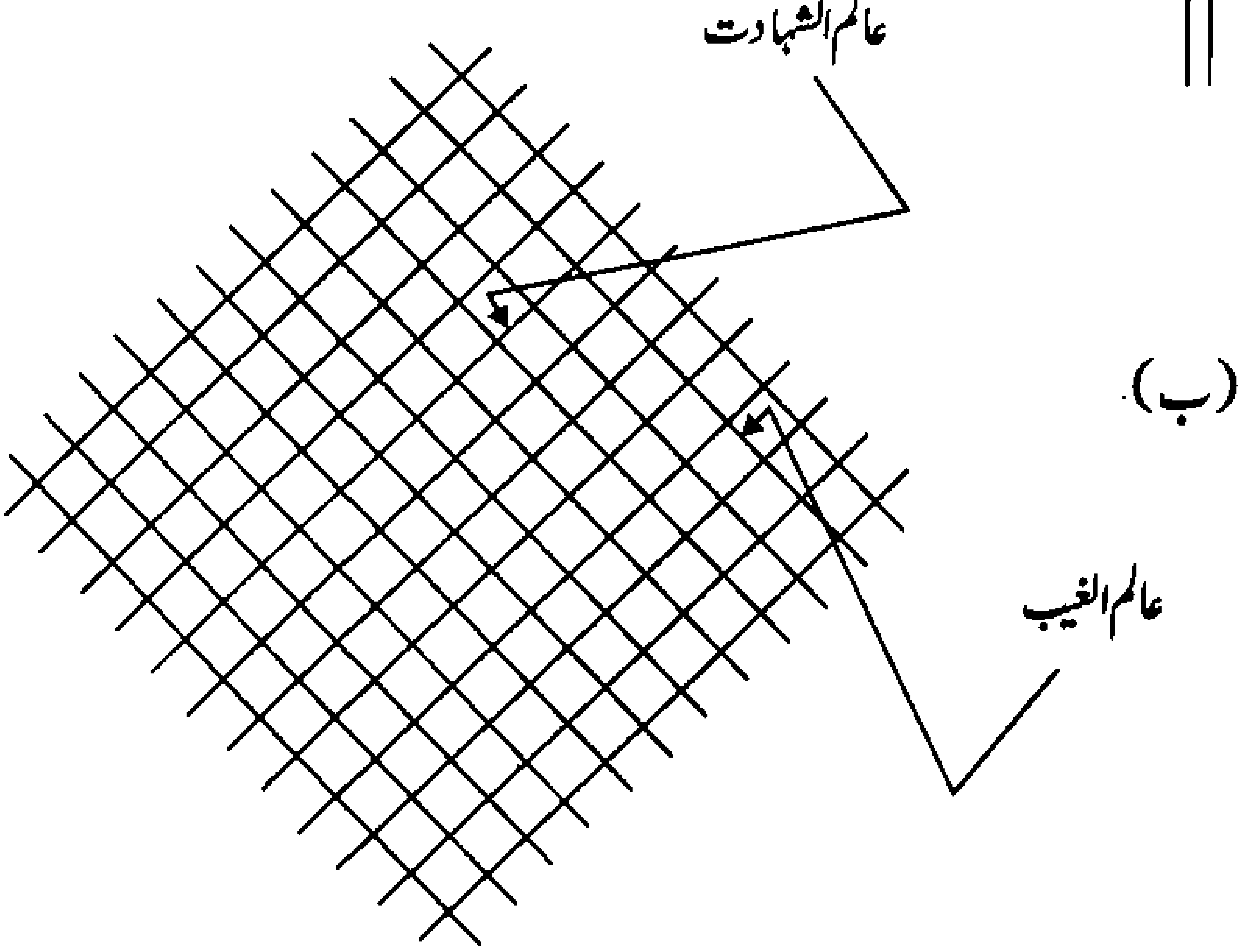
اس مقام پر وہی پہنچتے ہیں جو اپنے وجود کی نفی کر دیتے ہیں۔حکم ہے سجدہ کر اور قریب ہو جا **(وَاسْجُدْهُ وَاقْتَرِبْ)**۔لہٰذا معیت راتوں کو طویل سجدوں سے حاصل ہوگی۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بتاتی ہیں کہ "ایک رات میں نے دیکھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ میں سر رکھا،یہ سجدہ اس قدر طویل تھا کہ میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارکہ پرواز نہ کر گئی ہو۔"

معیت کا مقام جس قدر اعلی ہے اسی قدر نازک بھی ہے،اسلئے وہاں پہنچ کر انتہائی محتاط رہنے کی بھی ضرورت ہے۔خصوصی طور پر تکبّر سے بچنا ہے جو ہمیشہ ہی خطرناک ہے لیکن اعلی مقامات پر تو زہر قاتل ہے،خاص طور پر مقام معرفت پر تکبّر الٹا کر رکھ دیتا ہے۔کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات کو ہے۔یہی وجہ ہے کہ معیت کے مقام پر فائز بزرگ کرامتوں سے دور بھاگتے ہیں،وہ لوگوں سے چھپتے ہیں،کم بولتے اور کم آمیز ہوتے ہیں۔

شکل نمبر 46: عالم الشہادت اور عالم الغیب میں تعلق

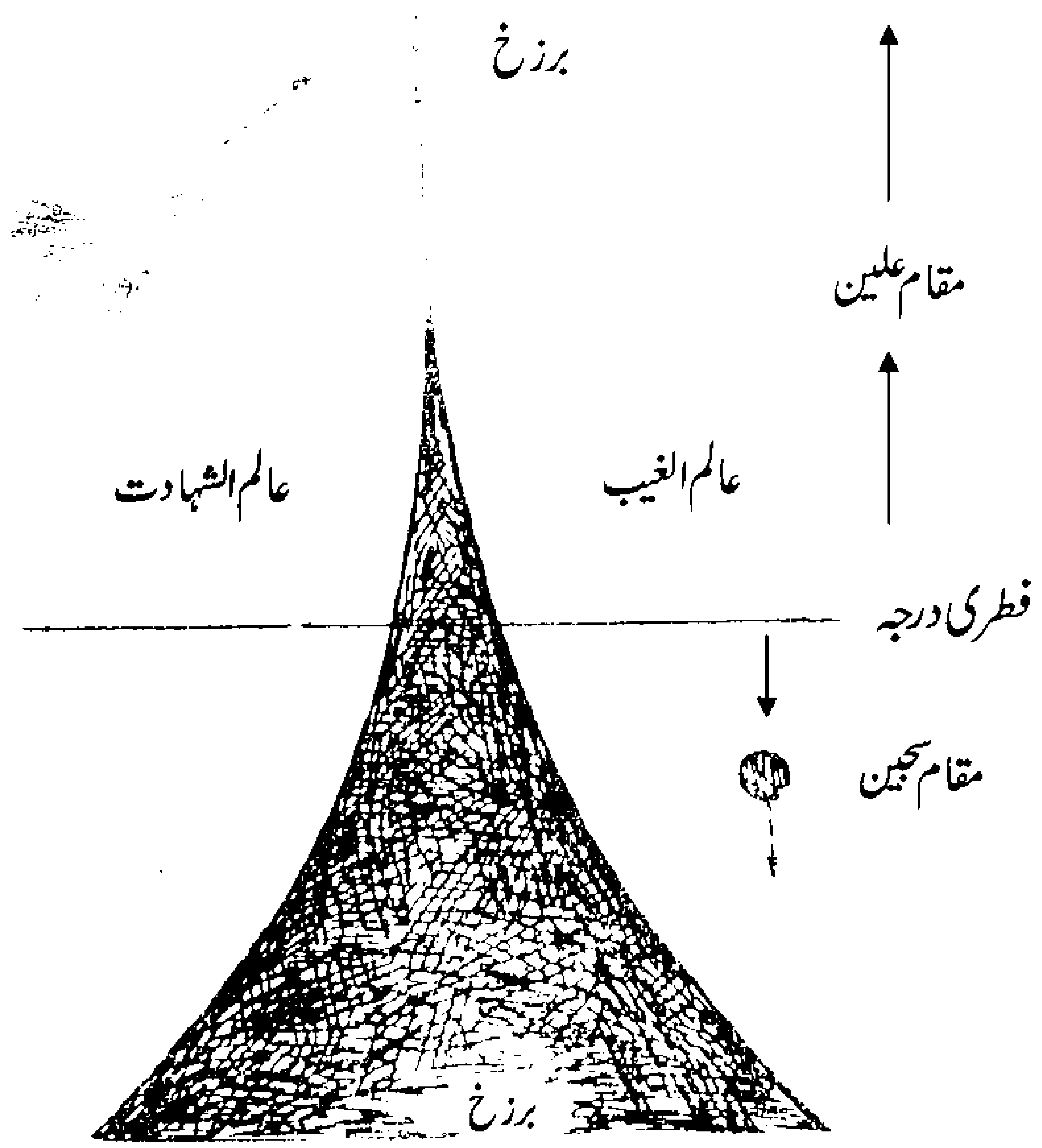
عالم الغیب اور عالم اشہادت دور نہیں بلکہ ایک دوسرے میں یوں گڈمڈ ہیں جیسے پانی میں نمک۔ ان کے درمیان برزخ کا پردہ ہے۔ صاحب بصیرت اس پردہ کے آرپار جاسکتے ہیں اس لئے وہ عالم الغیب کے مناظر کو بھی دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام کی بیشمار جہتیں (Dimensions) ہیں، مثلاً عالم الشہادت زمان ومکان کا چار جہتی عالم ہے جس میں چوڑائی، لمبائی اور اونچائی مکانی سمتیں ہیں اور وقت زمانی سمت ہے۔ باقی تمام سمتوں میں عالم الغیب پھیلا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے عالم الشہادت اور عالم الغیب ایک دوسرے کے پاس پاس ہی ہیں، اگر ان کے درمیان کوئی پردہ ہے تو یہ شاہد (Observer) کی وجہ سے ہے۔اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام پردوں سے مبرا ہیں۔اس لئے ان کیلئے تمام عالم برابر ہیں۔





شکل نمبر 47: برزخ کی دیوار

برزخ کے پردہ کی موٹائی قلبی ہے۔ اس لئے یہ تمام انسانوں کیلئے یکساں نہیں بلکہ علین کی طرف یہ لطیف ہے اور سجین کی طرف یہ کثیف سے کثیف تر ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ علین میں اعلیٰ مدارج والے لطیف نفوس برزخ کے آرپار آسانی سے گزر کر کائنات کی ہر سمت میں جاسکتے ہیں جبکہ گناہوں کی کثافت والے بھاری نفس سجین میں گرتے جاتے ہیں۔جنت میں رہنے والے چونکہ کثافتوں سے پاک ہونگے اس لئے تمام جہان مثلاً اعراف اور جہنم بھی اگر وہ چاہیں گے تو انکے مشاہدے میں آجائیں گے۔



حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا اور جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہوگئی'' زبان کا بند ہونا عالم تحیّر سے ہے اور معیت میں وہ حیرت ہے کہ نفس کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے اور وہ بولنے سے عاجز آ جاتا ہے، حواس کھو دیتا ہے یا چپ سادھ لیتا ہے۔ جو اس مقام سے بول سکتا ہے اس کی زبان سے حق بولتا ہے لیکن یہ بڑے ہی اولوالعزم انسانوں کا نصیب ہے اور اس کی اعلیٰ ترین مثال حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خود اپنی ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ عالیہ وآلہ وسلم کے اثر سے صحابہ کرامؓ مقام معیت کے باوجود ہوش وحواس قائم رکھ سکتے تھے۔

41.10 نفس کی لطافت اور مقام علین کا حصول

ہم پہلے بھی بار بار ذکر کر چکے ہیں کہ عالم الغیب کی سیر اور اللہ سے دوستی کیلئے نفس کی لطافت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لطافت کے حصول کیلئے گناہوں کی کثافت سے بچنا، نیکیوں کی طرف رغبت میں سبقت لینا اور سفلی جذبات سے بچنا لازمی امر ہیں۔ سفلی جذبات وہ ہیں جو نفس کو اسفلین کے مقام کی طرف دھکیلتے ہیں جس سے نیچے سجین ہے۔ ان میں زیادہ خطرناک جذبے لوگوں سے حسد، دنیاوی شان وشوکت کی حرص، جہاد سے بزدلی، عبادات سے غفلت ہیں۔ انہی میں سے اپنی ذات کیلئے غصہ اور نفرت کا جذبہ ہے لیکن اگر نفرت اور غصے کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو یہ دونوں جذبے نفس کی تطہیر کا باعث ہیں۔

زیادہ شہوت اور کھانے پینے سے بہت زیادہ رغبت بھی نفس کیلئے نقصان دہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھوک کو مقام علین کے مسافر احسن سمجھتے آئے ہیں۔ کم کھانا تو ان کی لازمی مشق ہے۔ بھوک کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ بقیہ سفلی جذبات کو کمزور کرتی ہے، خاص طور پر یہ شہوت، غصہ اور نفرت کا خوب علاج ہے لیکن بھوک پر بھوک ٹھیک نہیں، حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود روزے رکھتے تھے اور آپ کی اطاعت میں مومنین بھی اکثر روزے رکھتے تھے۔ لیکن آپؐ نے زیادتی سے منع فرمایا۔

(کشف المحجوب میں حضرت گنج بخش علی ہجویریؒ نے تمام قسم کے سفلی جذبات کی تفاصیل اور ان پر قابو پانے کے طریقوں پر بحث کی ہے۔ مقام علین کے مسافروں کیلئے یہ کتاب بہت فائدہ مند ثابت ہوگی۔)

سفلی جذبات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ جذبات کی طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں مثلاً ایثار وقربانی ضد ہے حرص اور لالچ کی، فروتنی اور خاکساری ضد ہے کبر وغرور کی، رحم وحلم ضد ہے غصہ کی، محبت ضد ہے نفرت کی، شجاعت بزدلی کی، سخاوت بخل کی، دیانت خیانت کی ضد ہے۔ ایک کامیاب انسان علین کے جذبات کی آبیاری کرتا ہے اور سفلی جذبات کو مارتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ روزانہ اپنا محاسبہ کرے اور اپنے اوقات اپنی کمزوریوں کو دور کرنے پر صرف کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اپنے گناہوں اور سفلی جذبات

سے پناہ مانگتا رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو معصوم اور رب کائنات کے حبیب اور اشرف المخلوقات ہیں، فرمایا کہ میں دن میں ستر بار (یعنی بے شمار دفعہ) اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (محاسبہ کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے کا زیادہ مناسب ہے۔)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مومن ایک جگہ نہیں ٹھہرتا بلکہ اسکا مقام ہر روز بڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر روز اللہ تعالیٰ سے پیچھے چھوڑے ہوئے مقامات کیلئے پناہ مانگتا ہے۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں کامیاب انسان کبھی بھی حالت جمود میں نہیں رہتا بلکہ اسکا آج اسکے کل پر اگلا قدم ہوتا ہے۔

صحیح اعتقاد اور اعمال کی اہمیت کا اپنی جگہ پر ضروری ہے لیکن قرب کے مقامات رب العالمین کے فضل سے حاصل ہوتے ہیں، جس کیلئے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت لازمی شرط ہے۔ اعلیٰ مقامات پانے کیلئے سرور کائنات محبوب ربانی احمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش چاہیئے۔ بیشک حضور رحمت العالمین ہیں اور اپنے خادموں سے بہت محبت کرنے والے ہیں، لیکن خالق کون ومکان کا اپنا حکم ہے کہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پاک بھیجو، وہ خود اور اس کے فرشتے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ سچ یہی ہے کہ محبوب خدا کی محبت کے بغیر مقام علیین کا پہلا زینہ بھی طے نہیں ہوسکتا۔

41.11 جہاد اور اس کی اہمیت

کامیاب انسان کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو جہاد ہے جس کا مقصد اپنے رب کا نام بلند کرنا ہے۔ سورۃ مدثر جو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا دیباچہ ہے حکم ہوا کہ، "اے کملی اوڑھے ہوئے اٹھ۔ دنیا کو اس کے انجام سے ڈرا اور اپنے رب کا نام بلند کر"۔ اس لئے مقام علیین کے مسافر اپنی حیثیت کی فکر کی بجائے دوسروں کو جہنم سے بچانے کی فکر زیادہ کرتے ہیں اور اپنے رب کا نام بلند کرنے کیلئے جیتے ہیں اور کوئی لمحہ اس مقصد سے غفلت میں نہیں گزرتا۔ ان کی جان، مال، عہدہ، طاقت اور عزت سب کا یہی ایک نصب العین ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین کامیابی اللہ کی راہ میں زندگی قربان کردینا ہے۔ دل وجان سے ان کا خلیہ خلیہ پکارتا ہے "میری عبادتیں، میری قربانیاں، میری زندگی اور موت صرف اور صرف رب العالمین کیلئے ہے"۔ دنیا دار کہتے ہیں، بیچارا مرگیا لیکن وہ کہتا ہے کہ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا" (سبحان اللہ)

41.12 رب تعالیٰ سے پیار

اللہ تعالیٰ کے ولی کی ایک خاص نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے عشق کی حد تک پیار کرتا ہے، وہ اس سے اکیلے میں باتیں کرتا ہے، اس کی

مجلسوں میں اسی کا ذکر ہوتا ہے، وہ دوسروں سے اسی کیلئے محبت یا نفرت کرتا ہے۔ اسے ہر چیز میں وہی نظر آتا ہے اور وہ اپنا دل غیر کی محبت سے خالی رکھتا ہے۔ اس کیلئے اعلیٰ ترین مثال حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، سبحان اللہ! آپؐ کے دشمن بھی کہتے تھے کہ "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے"۔

یہ کامیاب انسان، نفع و نقصان، آرام و تکلیف، صحت و بیماری، غریبی و امیری، اچھے برے ہر قسم کے حالات کو اللہ کی یاد سمجھتا ہے۔ تکلیف سے پریشان نہیں ہوتا، نعمت کی خوشی میں بے قابو نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہر حالت میں مطمئن رہتا ہے حرف شکایت کی بجائے وہ شکریہ ادا کرتا ہے، تکلیف اور راحت دونوں میں اللہ کی رضا ڈھونڈتا ہے، چیزوں کو منفی نہیں بلکہ مثبت انداز میں لیتا ہے۔ اس کی نظر تقدیر پر نہیں بلکہ اپنے اعمال پر ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کھو جانے کے خوف سے آزاد ہوتا ہے۔ "**ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** " نہ ان پر خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں۔ علیین کے اس مسافر کا اپنے رب پر اس قدر اعتماد اور توکل ہوتا ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں وہ صبر، بہادری، اور امید کی چٹان ہوتا ہے۔ موت کے سامنے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور اس کا چہرہ پرسکون ہوتا ہے۔

41.13 ولی اللہ کی پہچان

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ کون اصلی ہے اور کون نقلی؟ لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ علیین کے مسافروں کی پہچان یہ ہے کہ ان کی زبان پر حرف شکایت نہیں آتا، دنیا کا نفع انہیں زیادہ مسرور نہیں کرتا اور نقصان انہیں خوف والم میں نہیں ڈالتا، ان کے نزدیک نماز کا ضائع ہو جانا دنیا جہان کے ضائع ہو جانے سے زیادہ خوفناک ہے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کی محفلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور محبوب خداوند صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے جام چھلکتے ہیں، مخدوم بننے کی بجائے خدمت ان کا شعار ہوتا ہے، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں توازن رکھتے ہیں، برائی کی بجائے معافی، معافی انکا شعار ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی صحبت میں انسان رب تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا سرور پاتا ہے۔

41.14 کامیابی کی تیاری

اب ہم اس نکتہ کی طرف آتے ہیں کہ ہم یہ کامیابی کیسے حاصل کر سکتے ہیں اور علیین کے مقامات کو کیسے پا سکتے ہیں؟ اس کیلئے جن معاملات کا تعلق قلب سے ہے ان کی وضاحت تو پہلے ہی ہو چکی ہے۔ اب ہم چند عملی صورتوں کی طرف توجہ دیں گے۔

41.15 عبادت

عبادت اپنے مالک کی بندگی کا نام ہے جس کا مطلب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں فکرمند ہونا اور کوشش میں لگے رہنا ہے۔ اس ضمن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو باقاعدگی سے ادا کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کا جہاد اور اس کی مخلوقات کی خدمت کرنا عبادت کے بڑے افضل کام ہیں لیکن عابد کی شان اس وقت نکلتی ہے جب وہ اپنی خواہشات کو مالک کی رضا پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ اللہ اسے اپنا ولی بنالے بلکہ آگے بڑھ کر خود اللہ کا ولی بن جاتا ہے "**لبیك اللهم لبیك** یعنی اے اللہ میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں" کی پکار کے ساتھ اپنے قلب کو اس کیلئے خالی رکھتا ہے۔ مالک کے دربار میں ہر وقت حاضری کا تصور عبادت کا مغز ہے۔

41.16 طہارت

عبادت کی بنیاد طہارت پر ہے۔ حکم باری تعالیٰ ہے "اور اپنے لباس کو پاک و صاف رکھ اور گندگی سے دور رہ" (سورۃ المدثر آیات 4-5) اور پھر وہ فرماتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مطہرین سے محبت رکھتا ہے" اس لئے طہارت اللہ تعالیٰ کی محبت کی شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے انسان کا ظاہر الائشوں سے صاف ہو اور دل باطنی کدورتوں سے پاک ہو۔ باطن کی طہارت یہ ہے کہ انسان نفس کو حرام سے بچائے، خاص طور پر اکل حرام سے بچے۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس کا کھانا پینا حرام ہے اس کی عبادت بھی قبول نہیں"۔

قلب کی طہارت یہ ہے کہ انسان دل کو ہر طرح کے بتوں سے خالی کر دے، اور اسے اپنے خالق کیلئے صاف کر کے رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین گناہ شرک ہے، اس ضمن میں اگر علیین کے مسافر نے اپنے قلب کو دنیا کی محبت سے پاک نہیں کیا اور انس و جن کے خوف سے آزاد نہیں کیا تو وہ شرک کا مرتکب ہوا۔

ایک طاہر دل کی شان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "رب تعالیٰ کو آسمان و زمین سما نہیں سکتے مگر مومن کا دل" یعنی مومن کا قلب کائنات سے زیادہ وسیع تر ہے۔

جسم کی طہارت یہ ہے کہ انسان سنت کے مطابق غسل اور وضو کرے۔ لباس پاک رکھے اور بہتر ہے کہ ہر وقت وضو میں رہے، اس لئے کہ وضو شیطان کے خلاف مومن کا ہتھیار ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ مومن ان تمام حوادث سے بچے جو وضو ٹوٹنے کا سبب بنتے ہیں۔ چونکہ زیادہ کھانے پینے سے وضو زیادہ دیر قائم نہیں رہتا اسلئے کم کھانا، پینا افضل ہے۔ اسی طرح وضو غیبت، گالی گلوچ اور بری باتوں سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کم آمیزی اور کم بولنا بھی افضل ہے۔

41.1' صلوٰۃ کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے کہ " صلوٰۃ قائم کرو" صلوٰۃ کا مادہ صل ہے جس کا مطلب جوڑنا ہے یعنی صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ اس لحاظ سے تمام عبادات اور اذکار صلوٰۃ کے دائرہ کار میں ہی آجاتے ہیں۔ انہی میں پانچ وقت کی نماز ہے جو اسلام کی کنجی ہے جس کے بغیر آدمی پر دین کا دروازہ نہیں کھلتا۔ یہ مومن کیلئے وجہ معراج اور شرف ملاقات ہے۔ اس کی مثال فوج کی یونیفارم سے بھی دی جاتی ہے جس کے بغیر فوجی، فوجی نہیں۔ جس نے صلوٰۃ کو جان بوجھ کر چھوڑے رکھا وہ دین سے خارج رہا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " صلوٰۃ یوں پڑھو جیسے تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو اگر یہ ممکن نہیں تو اس طرح پڑھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے " بیشک صلوٰۃ انسان کو روکتی ہے برائی اور فحش سے "۔ صحیح نماز پڑھنے والا انسان برائی سے نفرت کرنے لگتا ہے اور متقی بن جاتا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ " متقی وہ ہے جو خاردار جھاڑیوں میں سے اپنا دامن بچا کر گذرتا ہے "۔ اللہ کے بندوں کی نماز یاد الٰہی والی نماز ہوتی ہے یعنی ان کا دل اللہ کی یاد سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔

صلوٰۃ کے لوازمات میں سے وضو کے معنی ملنے کی تیاری، نیت رب کائنات کے حضور اجازت طلبی، قیام عرضداشت، رکوع عاجزی اور سجدہ اپنی ذات کی ٹوٹل نفی اور مالک کی ذات میں گم ہونے کی شدید خواہش کی عکاسی ہے اور ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان وقفہ، ملاقات کا انتظار ہے۔

41.18 صوم کی ادائیگی

صوم یعنی روزہ رک جانے کا نام ہے، فرائض میں سے شامل ہے اور علیین کے مسافر کیلئے راستہ کے چور اور ڈاکوؤں کے خلاف ڈھال اور نفسانی خواہشات پر قابو حاصل کرنے کیلئے بہترین ہتھیار ہے۔ سال میں ماہ رمضان کے روزے تو ہر بالغ، عاقل، صحتمند مسلمان پر فرض ہیں لیکن نفس کی اصل نفی نفلی روزوں سے ہوتی ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم متواتر کئی ماہ روزے رکھتے تھے لیکن آپؐ نے امت کیلئے زیادہ سے زیادہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ یہ بھی بڑے اولوالعزم لوگوں کا کام ہے۔ مہینہ میں کم از کم تین نفلی روزے نفس کی ترقی کیلئے اہم ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ روزہ صرف بھوک کی خواہش پر قابو کا ہی نام نہیں بلکہ یہ نفس کی تمام مرغوب عادات کا روزہ ہوگا۔ یعنی روزہ تب ہوگا جب زبان، آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں سبھی روزہ رکھیں، زبان بری بات نہ بولے، کان برائی کو نہ سنیں، آنکھ برائی کو نہ دیکھے، ہاتھ اور پاؤں برائی نہ کریں اور عقل اس کا نہ سوچے، اللہ تعالےٰ کی مخلوق کو آرام پہنچانے اور ان کی ضرورت کو پورا کرنے میں ہر ممکن کوشش کرے۔ فرمایا گیا ہے کہ مومن اپنی ذات کے لئے بخیل ہے لیکن اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کناروں سے اچھلتے ہوئے دریا کی مانند ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ سخی تھے لیکن رمضان المبارک میں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی مانند ہوتی تھی۔

41.19 زکوٰۃ جان و مال اور وقت کی

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامیاب انسان کی تیسری صفت زکوٰۃ ہے۔ وہ لینے والے کی بجائے دینے والا انسان ہوتا ہے جو اپنا وقت جان اور مال دوسروں پر خرچ کرنے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ وہ حلال ذرائع سے رزق کماتا ہے تاکہ وہ زکواۃ لینے والے کی بجائے دینے والا بن سکے۔ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے '' کامیاب مومن اوپر والا ہاتھ رکھتا ہے جو خوب کماتا ہے اور خوب تقسیم کرتا ہے۔ وہ اپنے وقت، جسم، مال سبھی کی زکوٰۃ دیتا ہے۔ وقت کی زکوٰۃ اس طرح کہ حاجتمند کی حاجت، بیمار کی تیمارداری، مظلوم کی دادرسی اور علم کا حصول تعلیم و تربیت اس کے وقت کی اولین ترجیح ہے۔ جسم کی زکوٰۃ اس طرح کہ وہ اپنے جسم کے آرام کو قربان کر کے اپنے مالک کی رضا تلاش کرتا پھرتا ہے۔ وہ کم سوتا ہے، کم کھاتا ہے اور ایک بامقصد، باعمل فعال، محنتی انسان کی سی زندگی گزارتا ہے۔ مال کی زکوٰۃ یہ کہ وہ اپنی کمائی کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتا ہے اور اسے حق داروں تک پہنچانے کے لئے ہر وقت مستعدر رہتا ہے۔ اپنی فکر سے زیادہ اسے اپنے ساتھیوں اور اللہ کی مخلوق کی فکر رہتی ہے، اور عقل کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی آیات میں تفکر کرتا ہے اور کائنات کو حکم ربی مسخر کرتا ہے۔

41.20 حج کی ادائیگی

کامیاب نفس کا چوتھا عمل حج ہے اگرچہ فرض حج تو وہ زندگی میں ایک بار ہی ہے، لیکن باطنی طور پر مومن کی زندگی ہمیشہ حالت احرام میں گزرتی ہے۔ **لبیك اللهم لبیك** اس کے دل کی صدا ہوتی ہے، اللہ یہ کا یہ ولی ظلم سے بچتا ہے، زندگی کے سامان کو جمع کرنے سے دور رہتا ہے، شیطان سے بغض رکھتا ہے اور اسے کنکریاں مارتا رہتا ہے۔ اس کا دل ہر آن اللہ تعالیٰ کی یاد میں طواف کرتا ہے اور اس کی زندگی ہر وقت حالت سعی میں ایک مجاہدانہ شان سے گزرتی ہے۔

وہ اللہ کے دشمنوں کیلئے خوف اور اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے محبت، ایثار اور قربانی کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ کفار کیلئے سخت اور اپنے مومن بھائیوں کیلئے رحم دل ہونا اس کی شان ہے۔ ایسے مومنین کی تعریف میں خالق کائنات نے سورۃ فتح میں فرمایا **اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ** کہ وہ کفار پر سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہوتے ہیں۔ وہ مصیبت میں صبر کرتے ہیں، ہمیشہ جدو جہد کرتے ہیں لیکن اعمال کے نتائج کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات مبارک پر مکمل توکل رکھتے ہیں۔

41.21 کلمہ طیبہ

آخر میں نفس مطمئنہ کے اس شعار کا ذکر ہے جو اس کا اول و آخر ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ " نہیں کوئی خدا، مگر اللہ، اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں "

لآ الٰہ کا اعلان قلب کی اس حالت کا نام ہے کہ دل تمام غیر اللہ سے خالی ہو جائے اور غیر اللہ کی غلامی سے آزادی پائے، دنیا کی خواہشات اور حرص و ہوس پر قابو رکھے۔ اس کی شان یہ ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی، لالچ، خوف یا طاقت اسے مرعوب نہیں کرتے۔ رنج والم اور مصائب کے اثرات اس کے جسم پر مرتب ہوں تو ہوں لیکن دل پریشان نہیں ہوتا۔ **لآ الٰہ** کے بعد جب **الا اللہ** کہتا ہے تو اس کے اثرات سے اس کا خلیہ خلیہ، بال بال رب العزت کے سامنے عاجزی سے جھک جاتا ہے۔ اس کی تمام تر وفاداری کا محور صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ باقی حقیقتیں مقام ادب تو ہو سکتی ہیں لیکن مقام عبادت نہیں، وہ صحیح معنوں میں اللہ ہی کا غلام اور نوکر ہوتا ہے اور اسی کی حاضری میں لبیک لبیک کرتا ہے۔ وہ ہر موقع پر اسی سے مدد مانگتا ہے۔ اسی کے آگے جھکتا ہے۔ کوئی غیر اللہ اسے رب کائنات کی حکم عدولی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کی عبادات، مالی اور جانی قربانیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور انتہائے وفاداری اپنی جان کی شہادت ہے۔ جب وہ **محمد الرسول اللہ** کا اعلان کرتا ہے تو یہ اس بات کا اعلان ہے کہ رہبر و راہنما مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور بس۔ وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کا عاشق ہوتا ہے۔ جان و مال بھائی، بہنوں، خاندان، اولاد سب سے زیادہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔

مقامات علیین کا مسافر دل و جان سے آپ کی سنت کی اتباع کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل سے محبت اور مطابقت کی کوشش کرتا ہے۔ جس مقصد کیلئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے وہی اس کا مقصود جان ہوگا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جد و جہد اس کا بھی حصول جان ہوگا۔ اپنے اس ارادہ کو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور قرآن حکیم کے مطالعہ سے ہر دم تازہ رکھتا ہے درود و سلام کے ذریعے کائنات کی تمام ملکوتی قوتوں اور رب العالمین کا ہمنوا رہتا ہے۔ وہ رب العالمین کی رضا کو رحمت العالمین اداء کی شخصیت میں ڈھونڈتا ہے اور ذکر العالمین کی حکمت سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بلند کیا ہے **ورفعنالك ذكرك** اس لئے اللہ کا ولی بھی ہر دم اپنی فکر میں ہوگا۔ جو اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فکر تھی۔ اس کے لئے وہ قوت **لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** کے ذکر سے حاصل کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا اور مجھ سے پہلے نبیوں (علیہم السلام) کا ورد **لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** ہی تھا۔ ہمارے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کیلئے افضل ترین یہی ذکر ہے بشرطیکہ ہم تمام دوسرے خداؤں سے اپنے دل کو خالی رکھیں۔ مقام ادب اور عزت اپنی جگہ پر صحیح ہیں لیکن ڈریں تو صرف رب تعالیٰ سے ڈریں اور اتباع کریں تو صرف خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اتباع آدمی کو ہاتھ پکڑ کر رب تعالیٰ کے دربار میں پہنچا دینے کے مترادف ہے اس

لیے کہ شفاعت اور سفارش کا حق انہی کی شان ہے۔

41.22 رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

اوپر ہم نے علیین کے مسافر اللہ کے ولی اور دنیا و آخرت میں کامیاب انسان کی کچھ صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ دراصل وہ ایک گہرا سمندر ہے جس کی ذات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اس کی حقیقت کا خلاصہ یہی ہے کہ "وہ اپنے رب سے راضی اور وہ اس سے راضی"۔ اس کی خوشی اس میں ہے کہ وہ مالک کی ذات میں فناء ہو جائے اور مالک اپنے اس محبوب بندے کی قدر یوں کرتا ہے کہ وہ اس کا ہاتھ، کان، آنکھیں، زبان اور دماغ بن جاتا ہے۔ وہ اپنی بساط کے مطابق مالک کا ذکر کرتا ہے اور مالک اپنی شان کے مطابق آسمان و زمین میں اس کا ذکر پھیلا دیتا ہے۔ اس ضمن میں انفاس مطمئنہ کے سرتاج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا:

ورفعنالك زكرك

اے باری تعالیٰ ہمیں بھی ان کے ذکر میں شامل فرمالے

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم

يا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن۔

(واللہ اعلم بالصواب)

دُعا

حقیقی تعریف صرف اللہ تعالی ہی کیلئے ہے جو تمام زمان ومکان اور سب جہانوں کی ابتداء سے انتہاء تک پرورش کرنیوالا ہے۔وہ رحمان بھی اور رحیم بھی جس کی رحمت ازل سے ابد تک چھائی ہوئی ہے۔

اے ہمارے رب! ہم صرف اور صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں، تجھی سے ڈرتے ہیں، تیرے علاوہ اور کسی کی خدائی کو نہیں مانتے اور ہر برائی، ظلم، جہالت، شیطانیت، تکلیف، دکھ درد اور امتحان کے مقابلے میں تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ہمیں اپنی کمزوریوں کا پورا اعتراف ہے اس لئے مالک تو خود ہی ہمیں اپنی طرف لیجانے والی سیدھی راہ پر گامزن رکھ۔علیین کی راہ جس پر چل کر تیرے بندے انعام یافتہ ہوئے۔اے ہمارے رب! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور تیری امان ڈھونڈتے ہیں ان کی راہ سے جو تیرے باغی ہوئے اور جن سے تو ناراض ہوا اور ہمیں بچا ان لوگوں کی راہ سے جو حق سے گمراہ ہو کر اپنی زندگیوں کو ضائع کر بیٹھے۔اے اللہ! ہمیں ایسے لوگوں کے شر سے بچا۔ہمیں اپنے سیدھے راستہ پر قائم رکھ۔اور ہماری ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کو قبولیت کا شرف عطا فرما، ہمارے گناہ جو بے حساب ہیں اپنی رحمت سے معاف فرما۔

اے مالک کون ومکان! ہماری یہ دعا قبول فرما اور ہمارا شمار اپنے اولیاء میں سے کر اور اس کتاب کے مصنف اور مترجم سے جو بھول چوک ہوئی ہے، معاف فرما، بیشک تو بڑا ہی معاف کرنے والا ہے۔اے علیم الخبیر، غفور الرحیم! اپنے عاجز بندے سلطان بشیر محمود پر رحم فرما اور اس کی کوشش کو قبول فرما، اس کے والدین اور اہل خانہ کی مغفرت فرما، اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے اس میں کسی طرح کا بھی تعاون کیا ہے ان کو جزاء خیر عطا فرمادے۔

اے اللہ رب العالمین! اپنے پیارے حبیب اور ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ سرور کائنات، خاتم النبین رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحب قرآن، صاحب معراج پر ہواؤں کی لہروں، سمندروں کے قطروں، صحراؤں کی ریت کے ذرات اور کائنات میں ستاروں کے برابر اور اس سے بھی زیادہ لاکھوں اربوں مرتبہ زیادہ درود وسلام ہو۔یا اللہ! قافلہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں رکھ، میں رکھ، قافلہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں موت دے اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما ان کے مقدس ہاتھوں سے حوض کوثر کے آب حیات سے سیر فرما (آمین)

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(مصنف) سلطان بشیر محمود

(مترجم) امیر افضل خان

اسلام آباد

چوتھا حصہ

آغاز سے اختتام کا خلاصہ

ستہ اِلگ عنوانوں کے تحت قیامت، حشر ونشر اور حیات بعد الموت کے بارے قرآن پاک کی چیدہ چیدہ 425 آیات مبارکہ کی تفصیل
(43)

(الف) نوع یا اقسام

نمبر شمار	مضمون	آیات مبارکہ کا حوالہ
۱۔	قیامت کے قیام نے ہو کر رہنا ہے	۴_۸۷،۶_۱۳۵،۱۵_۸۵،۱۸_۲۱،۸۱_ ۹۸،۲۲_۷،۲۹_۵،۳۰_۴۳،۳۴_۳،۴۰_ ۵۹،۴۲_۱۸،۴۲_۴۷،۴۵_۲۶،۴۵_۳۲، ۵۱_۵،۳۱_۶،۵۱_۸تا۱۲،۵۲،۷تا۸، ۵۴_۴۶،۵۲_۱تا۲،۵۹_۱۵،۷۰ ۱تا۳،۷۷_۷،۵۶_۹۵،۸۴_۶
۲۔	روز قیامت کی اچانک آمد یا اظہار	۶_۳۱،۷_۱۸۷،۱۲_۱۰۷،۲۲_۵۵، ۴۳_۶۶،۴۷_۱۸،۲۱_۴۰،۱۰_۴۵
۳۔	یہ ایک راز ہے،	۲۰_۱۵،۷_۱۸۷،۳۱_۳۴،۳۳_۶۳، ۴۳_۸۵،۵۳_۵۸،۶۷_۲۶،۷۹_۴۲
۴۔	یہ ایک بہت بڑا زوردار واقعہ ہے	۸_۶۷تا۶۸،۵۴_۴۶
۵۔	یہ اپنے وقت پر خود بخود آجائے گا۔ ایک مقررہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے تعین کیا ہوا ہے۔	۳۴_۳۰،۷۸،۱۷،۴۴_۴۰،۵۴_۴۶، ۷۸_۱۷،۱۱_۱۰۴،۷۷_۱۲تا۱۳
۶۔	قیامت قریب آپہنچی ہے اور اس کی نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں۔	۲۱_۱،۲۱_۹۷،۳۳_۶۳،۴۲_۱۷،۵۳تا ۵۷تا۵۸،۵۴_۱،۷۰_۶تا۷،۴۷_۱۸

(ب) مدعا یا مقصد

۷۔ قیامت اللہ تعالیٰ سے ملنے یا ملاقات کی طرف پیش رفت ہے۔ ۳۲_۲۳

۸۔ وہ جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ بربادی کے منتظر ہیں۔ ۷۷_۱۵، ۷۷_۱۹_۲۴_۲۸_۳۴_۳۷
۴۰_۴۵_۴۹، ۸۳_۱۰_۱۲، ۱۰۷_۱

۹۔ پورا پورا انصاف اور بدلہ، جزا و سزا مقدر کر دیے گئے ہیں۔ ۱۳_۴۰، ۵۱_۶، ۷۸_۳۹، ۸۸_۲۶

۱۰۔ قیامت حشر و نشر کا پیش خیمہ ہے۔ ۵۸_۶، ۶۴_۷، ۱۷_۵۱

۱۱۔ تمام دنیاؤں سے تمام لوگ روز محشر اکٹھے کیے جائیں گے۔ ۲_۱۴۸، ۲_۲۰۳، ۳_۹_۲۵_۱۵۸، ۴
۸۷_۱۷۲، ۵_۹۶_۱۰۹، ۶_۱۲، ۶_۲۹،
۶_۵۱_۶۲_۷۲_۱۲۸، ۷_۵۷، ۸_۲۴، ۹_۲۴، ۱۰_۴_۲۸، ۴۵_۲۶، ۱۱_۷_۱۸_۱۰۳، ۱۴_۲۱، ۱۵_۲۵_۳۶، ۱۷_۴۹_۵۰_۵۱_۹۸_۹۹، ۱۸_
۴۷_۹۹، ۱۹_۸۵، ۶۰_۵۵، ۲۳_۷۹_۸۲_۱۰۰_۱۱۵، ۲۴_۶۴، ۶۵_۱۷، ۲۶_۸۷، ۲۹_۵۷، ۳۰_۱۱، ۳۴_۲۶_۴۰، ۳۶_۳۲، ۳۶_۵۳،
۳۷_۱۶_۱۷، ۴۰_۱۶، ۴۲_۱۶، ۴۳_۸۵، ۴۴_۴۰، ۴۵_۲۶_۲۷، ۵۰_۴۴، ۵۱_۴۲_۴۳، ۵۳_۴۲، ۵۶_۴۷_۵۰، ۵۸_۶۴۹_۹، ۶۷_۱۵_۲۴،
۷۵_۱۲۰، ۷۷_۳۸، ۷۹_۲۳، ۸۰_۲۲، ۸۳_۴_۵

۱۲۔ انصاف کا دن گزارنے میں دیر نہ لگے گی۔ ۱۶_۷۷، ۳۱_۲۸، ۵۴_۵۰

(ج) حشر و نشر کے خلاف کفار اور منکرین کے اعتراضات

۱۳۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ ۶_۲۹، ۲۳_۳۷، ۴۴_۳۴_۳۵،
۴۵_۲۴

۱۴۔ وہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر پرانے زمانے سے لوگوں کا ایک افسانوی نظریہ ہے۔ ۱۳_۵، ۱۷_۴۹_۹۸، ۲۳_۳۵_۳۶_
۸۲_۸۳، ۲۷_۶۷، ۳۲_۱۰، ۳۶_۷۸، ۳۷_۱۶_۱۷_۵۳، ۷۵_۳_۴_۵_۶،
۷۹_۱۰_۱۱، ۸۳_۹

۱۵۔ وہ کہتے ہیں کہ حیات بعد الموت جادوگروں اور کاہنوں کا عقیدہ ہے۔ ۱۱_۷

۱۶۔ وہ دیدار الٰہی کے منکر ہیں۔ ۲۲_۵، ۴۱_۵۴

۱۷۔ وہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر والی بات، کسی منطق اور دلیل میں نہیں آسکتی۔ ۵۰_۳

۱۸۔ وہ شرط لگاتے ہیں کہ حیات بعد الموت ممکن نہیں۔ ۶_۳۸_۳۹

(د) کرہ ارض کی قیامت کے بڑے بڑے واقعات

۱۹۔ صور کا پھونکنا جو بگل کی آواز کی طرح ہے۔ ۱۸_۴۹،۲۰_۱۰۲،۲۳_۱۰۱،۲۷_۸۷،
پہلے لوگوں کو بے ہوش کردے گی اور دوسری ۳۰_۲۵،۲۶_۵۱_۵۳،۳۸_۱۵،۳۹_۶۸
دفعہ لوگوں کو اٹھا کر کھڑا کردے گی۔ ۵۰_۲۰،۵۰_۴۲،۶۹_۱۳،۷۴_۸،۷۸_۱۸،۷۹_۱۳_۱۴،۷۸_۱۸،۷۹_۱۳_۱۴

۲۰۔ زمین میں سے کچھ حیوان یا جانور باہر آئیں گے اور لوگوں کے ساتھ باتیں کریں گے۔ ۲۷_۸۲

۲۱۔ کرہ ارض پھٹ جائے گا۔ ۳۶_۵۱_۵۳،۵۰_۴۴،۵۴_۷،۷۰_۴۳،۷۹_۱۳_۱۴،۸۲_۴،۹۹_۶،۱۰۰_۹

۲۲۔ پہاڑ دھنی ہوئی اون کیطرح اڑ جائیں گے۔ ۱۸_۴۷،۲۰_۱۰۵_۱۰۷،۲۷_۸۸،۵۲_۱۰،۷۳_۱۴،۷۷_۱۰،۷۸_۲۰،۸۱_۳،۱۰۱_۵

۲۳۔ لگاتار زلزلے اور بھونچال آئیں گے۔ ۲۲_۱،۵۶_۴،۷۳_۱۴،۷۹_۶_۷،۹۹_۱

۲۴۔ سورج کی روشنی کو لپیٹ لیا جائے گا۔ ۸۱_۱

۲۵۔ کرہ ارض پر مسلسل شہاب ثاقب کا ٹکراؤ ہوگا۔ ۵۶_۴،۶۹_۱۴،۸۹_۲۱

۲۶۔ زمین کا پرت یعنی اوپر والی سطح ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی۔ ۸۴_۴_۵،۹۹_۲_۳

۲۷۔ زمین اپنے اندر کے سب راز اور چھپی ہوئی باتیں باہر پھینک دے گی۔ ۹۹_۴_۵،۸۶_۹،۱۰۰_۹_۱۰

۲۸۔ زمین ہموار چٹیل میدان بنادی جائے گی۔ ۱۸_۴،۸۴_۳

۲۹۔ ذوالقرنین کی دیوار گر جائے گی۔ ۱۸_۹۸

۳۰۔ ایک نئی نوع حیوانی جسے یاجوج ماجوج کہا گیا ہے، زمین پر پھیل جائے گی۔ ۱۸_۹۹،۲۱_۹۶

۳۱۔ سمندر ابلنے لگیں گے۔ ۸۱_۶،۸۲_۳

۳۲۔ جنگلی جانور اور گابھن اونٹنیاں (مالکوں کے ۸۱_۴،۸۱_۵

بغیر) مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔

۳۳۔ کرہ ارض بنجر ہو جائے گی۔ ۱۸_۸

۳۴۔ صور کی آواز پر ہر کسی کو جہاں بھی وہ ہوں گے ایک جیسی سنائی دے گی۔ ۲۰_۱۰۸،۳۶_۵۳،۵۰_۴۱،۵۴_۶

۳۵۔ چاند ہمیشہ کیلئے گہنا جائے گا اور گرد میں ڈوب جائے گا۔ ۷۵_۸

۳۶۔ چاند سورج سے مل جائے گا۔ ۷۵_۹

۳۷۔ ایک ایسی روشنی ہوگی جس سے آنکھیں چندھیا جائیں گیں۔ ۷۵_۷

۳۸۔ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ ۲۲_۲

۳۹۔ لوگ ہوش وحواس کھو بیٹھیں گے۔ ۲_۲۲

۴۰۔ لوگ ٹڈیوں یا پتنگوں کی طرح پھیل جائیں گے۔ ۵۴_۷،۱۰۱_۴

۴۱۔ انسانی اذہان قیامت کی تباہیوں پر پوری طرح باور نہیں ہو سکیں گے۔ ۶۹_۱_۳،۷۷_۱۴،۸۲_۱۷_۱۸

(ہ) آسمانوں کی قیامت کے واقعات

۴۲۔ کرہ ارض کے علاوہ باقی دنیاؤں یا عالموں کی بھی قیامت ہے۔ ۵۵_۳۱

۴۳۔ آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ۲۵_۲۵،۵۵_۳۷،۶۹_۱۶،۷۳_۱۸،۷۷_۹،۷۸_۱۹،۸۲_۱،۸۴_۱_۲

۴۴۔ ستارے اپنی روشنی کھو بیٹھیں گے اور اور درہم برہم ہو جائیں گے۔ ۷۷_۸،۸۱_۲،۸۲_۲

۴۵۔ ماحول اور فضا تہ و بالا ہو جائے گی۔ ۸۱_۱۱

۴۶۔ آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح نظر آئیگا۔ ۷۰_۸،۵۵_۳۷

۴۷۔ آسمان تھرتھرا آئیں گے۔ ۵۲_۹

۴۸۔ آسمان دھوئیں سے بھر جائیں گے۔ ۴۴_۱۰،۳۹_۶۸

۴۹۔ صور کی صدا ہر زندہ کو حواس باختہ کر دے گی ۲۲_۲،۲۷_۸۷،۳۹_۶۸،۵۲_۴۵

(و) نئی کائنات

۵۰۔ آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ لیا جائے گا جس طرح حساب کتاب والے قرطاس کو لپیٹا جاتا ہے۔ ۲۱_۱۰۴،۳۹_۶۷

۵۱۔ نئی تخلیق میں موجودہ آسمان اور زمین کسی نئی شکل وصورت میں تبدیل کر دیئے جائیں گے اور وہ ان کی نسبت بہت بڑے ہوں گے۔ ۱۴_۴۸

۵۲۔ انجام کار حشر ونشر سے پہلے سب کچھ معدوم کر دیا جائے گا۔ ۵۵_۲۶

(ز) روز محشر اور ہمہ گیر انصاف کا دن

۵۳۔ ہر ایک کو زندگی دی جائیگی اگر چہ وہ فاسل (Fossil) بن کر لو ہے، پتھروں یا اس سے بھی سخت چیز کا حصہ بن جائیں پھر بھی زندہ کئے جائیں گے۔ ۱۷_۵۱

۵۴۔ روز محشر قائم کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے وہ ضرور اسے کرے گا۔ ۵۳_۴۷

۵۵۔ حشر ونشر والے دن زمان ومکان سے لوگ قبور یا برزخ سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ۲_۲۸،۲_۷۳_۲۰۳_۲۵۹_۲۶۰، ۶_۳۶،۶_۶۰،۷_۱۴،۷_۲۴،۷_۶۳ ۱۶_۲۱_۳۸،۲۲_۵_۷_۶۶،۲۳_۱۶،۲۶_۸۱_۸۷،۲۷_۶۵،۳۰_۱۹_۲۵_۴۰_۵۰_۵۶،۳۱_۲۸،۳۶_۵۲_۷۹،۳۷_۱۴۴،۳۸_۹۷،۴۲_۹، ۵۸_۶_۱۸،۶۴_۷،۶۷_۱۵،۷۱_۱۸،۷۲_۷،۸۳_۴_۶،۸۹_۲۵،۱۰۱_۹

۵۶۔ حشر ونشر قائم کرنا اللہ کی ذات کیلئے کوئی مشکل بات نہیں بالکل اسی طرح آسان ہے جیسے پہلی تخلیق ہوئی تھی۔ روز محشر لوگ گروہوں یا قوموں، امتوں کی صورت میں اکٹھے ہونگے۔ ۴_۷،۱۸_۴۸،۲۱_۱۰۴،۳۰_۱۴، ۷۸_۱۸،۹۹_۶_۴۵_۲۸،۸۱_۷

۵۷۔ یہ نئی دنیا اللہ تعالیٰ کے نور سے چمک اٹھے گی۔ ۳۹_۶۹

۵۸۔ ہر ایک کے ساتھ ایک رہنما ہوگا اور ایک گواہ (خواہ مرد ہو یا عورت) ۴_۴۱،۲۸_۷۵،۵۰_۲۱

۵۹۔ لوگ دنیا کی ساری زندگی کے بارے یہ تصور کریں گے کہ ایک صبح یا ایک شام کے برابر وہاں رہے ہیں۔ ۱۰_۴۵،۲۳_۱۱۲_۱۱۴،۳۰_۵۵،۴۶_۳۵ ۷۹_۴۶

۶۰۔ وہ جو سمجھ والے ہیں وہ کہیں گے یہ لمبا عرصہ تھا۔ ۳۰_۵۶،۲۰_۱۰۴

۶۱۔ وہاں پر دو بڑے گروہ ہوں گے۔ راست اقدام اور مجرم ۱۱_۱۰۵،۳۰_۴۳

۶۲۔ لوگ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ ۱۰_۴۵

۶۳۔ ہر ایک اپنے نفس کے بارے یعنی اس کے مقدر کے بارے فکر مند ہوگا (خواہ مرد ہو یا عورت) اور رشتہ داروں سے دور بھاگیں گے۔ ۶۱_۱۱،۸۰_۳۷،۸۰_۳۴_۳۶

۶۴۔ یہ کافروں اور منکروں کیلئے بڑا سخت دن ہوگا۔ ۲۵_۲۶،۵۴_۸،۷۴_۱۷،۷۴_۹_۱۰_۷۶_۱۰

۶۵۔ کافر اور منکر اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ ۵۵_۴۰_۴۱

۶۶۔ ایمان والوں کو کوئی ڈر نہ ہوگا۔ ۲۱_۱۰۳،۲۷_۸۹،۴۳_۶۸_۶۹

۶۷۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ ۶_۱۶۴،۱۷_۱۵،۳۵_۱۸،۳۹_۷_۵۳_۳۸،۸۲_۱۹

۶۸۔ کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ ۳۴_۳۱_۳۳،۳۸،۶۱،۴۰_۴۷_۵۰_۵۰_۲۷_۲۸

۶۹۔ تمام اعمال اور نیتیں مکمل انصاف کے ساتھ تولی جائیں گی۔ ۶۱_۴۷،۲_۸۱،۲_۱۱۰،۷_۸_۹، ۲۳_۱۰۲_۱۰۳،۱۰۱_۶_۱۱_۳_۲۵_۱۶_۱۸۵،

۷۰۔ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہوگی۔ ۲_۲۷۲_۲۸۱،۳_۲۵_۱۶۱،۴_۴۰_۴۹

۶_۱۶۰،۱۰_۵۴،۱۱_۱۰۹_۱۱۲،۱۶_۱۱۱،۷_۷۱،۱۸_۴۹،۱۹_۶۰،۲۰_۱۱۲،۲۱_۴۷،۲۳_۶۲،۳۶_۵۴،۳۹_۶۹،۴۰_۱۷،۴۵_۲۲،۴۶_۱۹،۵۲_۲۱

مصنّف کا تعارف اور ذہنی ارتقاء

ہر تعریف اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے اور قابل بیان شان صرف خیر الانبیا محبوب خالق کون ومکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ میں اپنی تمام تر خامیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہنی ارتقاء کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے مسلمان والدین کے ہاں پیدا کیا چونکہ اکثریت رواج کی پیدوار ہوتی ہے اس لئے اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی ہوتا۔ اس لئے جو کچھ بھی آج تک میں نے اسلام اور مسلمان کے لئے کیا ہے یہ توفیق خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی اور اس میں ہرگز میرا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ اس کام کا کوئی بدلہ دیتا ہے تو سراسر اس کی شان رحمت ہوگی ورنہ میرا کوئی حق نہیں۔ جو کمی رہ گئی اسکا میں خود ذمہ دار ہوں اور اپنے مہربان مالک سے معافی کا طلبگار ہوں۔

والد صاحب جن کا نام چوہدری محمد شریف خان ہے راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے ضلع امرتسر سے جب ہجرت کی تو میں تقریباً چھ سال کا ہوں گا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی سٹوڈنٹ لیڈر رہتے تھے اور اصلاح معاشرہ کے لئے ساری عمر کام کرتے رہے، اس لئے ان کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ معمول کی بات تھی۔ آٹھویں جماعت تک مجھے روزانہ گاؤں سے چار میل دور پیدل سکول آنا جانا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں نے سائیکل کے لئے بہت اصرار کیا تو والد صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا" تم پیدل ہی سکول جاؤ گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہیں آرام کی عادت پڑ جائے" اور واقعی بچپن کی یہ سخت زندگی میرا سرمایہ حیات بن گئی۔ میرے گاؤں کا نام لاگر ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں وہاں زندگی کی کوئی آسائش میسر نہیں تھی۔ رات کو گھر میں مٹی کا دیا جلتا تھا جس کی روشنی میں والد صاحب دیر تک پڑھنے کی تلقین کرتے اور صبح جلدی اٹھا دیتے۔ میں جب بھی نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتا تو کہتے ''تمام بڑے لوگ رات کو دیر تک کام کرتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے عادی تھے''۔ میرا بچپن یوں ہی گزر گیا۔ یہ ماں باپ کی دعائیں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک پس ماندہ سکول کے طالبعلم ہونے کے باوجود میٹرک میں اعلیٰ نمبروں پر وظیفہ حاصل کیا۔ ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۹ء میں پورے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور قومی سکالرشپ لیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کے آخری سال میں اگرچہ پڑھائی کے دوران ملازمت بھی کرتا تھا پھر بھی الیکٹریکل انجینئرنگ میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ڈگری کے بعد پہلی نوکری واپڈا کی تھی لیکن مجھے وہاں کا ماحول پسند نہ آیا اور تین ماہ بعد ہی واپڈا کو ساڑھے سات ہزار روپے بانڈ منی (Bond Money) جو اس وقت ہمارے لئے ایک بہت بڑی رقم تھی دے کر اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت کر لی۔ یہیں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا اور مانچسٹر یونیورسٹی کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سے نیوکلیئر ری ایکٹرز کنٹرول انجینئرنگ میں ایم ایس انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور مختلف اٹیمی ری ایکٹروں پر کام کرنے کا تجربہ حاصل کیا۔ 1965ء میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو پی ایچ ڈی کے پروگرام کو چھوڑ کر وطن عزیز کے لئے کچھ کرنے کے خیال سے پاکستان آگیا، اٹامک انرجی کی پینتیس سال کی ملازمت کے دوران بھی وہی بچپن کی محنت رہنما رہی۔ الحمد اللہ ہر روز یہ کوشش رہی ہے کہ آنے والا کل میرے آج سے بہتر ہو اور یوں کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اللہ کے فضل وکرم سے پوری ایمانداری سے کام کیا ہے۔ اس دوران نیوکلیئر انجینئرنگ سے متعلقہ بہت سے مقالہ جات لکھے، کئی ایک ایجادات کیں جن میں سے بعض بین الاقوامی طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کیلئے اس نے مجھے کام کے بڑے بڑے مواقع عطاء کئے اور کامیابی بخشی۔ میں نے ہمیشہ خاموشی سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ بہت کچھ اخباروں میں چھپ چکا ہے اس لئے بتایا جا سکتا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا

فضل تھا کہ صرف ۳۴ سال کی عمر میں نومبر ۱۹۷۴ء کو مجھے پاکستان کے یورینیم کی افزدگی کے پروگرام کا بانی ڈائریکٹر بنایا گیا جسے اب کہوٹہ پراجیکٹ کہتے ہیں اور کامیابی سے اس منصوبہ کو آگے بڑھایا۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں جب پراجیکٹ بفضل حق تعالیٰ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا معلوم نہیں کہ کیوں کچھ چھپے ہاتھوں نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگانے شروع کردیے، مثلاً یہ کہ میں مرزائی ہوں، جو کہ قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ میرے خاندان میں بھی آگے پیچھے کوئی مرزائی نہیں ہے، یا یہ کہ میں نے پراجیکٹ کے لئے کچھ غیر ضروری قسم کا مواد خرید لیا تھا جس سے پراجیکٹ کی ترقی رُک گئی ہے وغیرہ یہ سب جھوٹ تھا بعد میں سب کچھ غلط ثابت ہوا۔ ان حالات میں منیر احمد خان نے جو اس وقت اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے اس خطرہ کے پیش نظر کہ سائنس دانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے کہیں اس قومی اہمیت کے پراجیکٹ کو نقصان نہ پہنچ جائے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو چارج دلا کر مجھے دوسرے ایٹمی منصوبہ جات پر تبدیل کر دیا جن میں سے ہر ایک ہماری مطلوبہ ایٹمی منزل تک پہنچنے کے لئے اہم نشان تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہر جگہ اس نے خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی۔ ۱۹۸۷ء میں جب اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان مرحوم نے ایٹمی میدان میں ترقی کی اگلی منازل کا تعین کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر ایک موقع عطاء کیا کہ خوشاب ایٹمی ری ایکٹر کو ملکی وسائل سے ڈیزائن کر کے بناؤں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائی اور یوں ایٹمی میدان میں یہ یکتا پراجیکٹ بھی ۱۹۹۷ء میں کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا جس سے پاکستان کو ہر طرح کے ایٹمی ہتھیار بنانے کی قابلیت حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے بفضل حق تعالیٰ ایٹمی میدان کی اگلی منازل پر کام شروع کر دیا اور خواہش یہی تھی کہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں مجھ سے جو کچھ بھی ہوسکتا ہے کر گزروں لیکن اپنوں ہی سے جو رکاوٹیں پیش آئیں وہ بڑی پریشان کُن تھیں۔ اتنے میں پاکستان پر امریکہ کے دباؤ کے تحت CTBT یعنی ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی مہم چل پڑی۔ میری دانست میں CTBT کے معاہدہ پر دستخط کرنا بالآخر اپنی ایٹمی صلاحیت کو کھو دینے کے مترادف تھا، اس لئے میں نے یہ ٹھان لیا کہ ساری عمر جس ایٹمی پروگرام کو بنانے میں لگائی ہے اب انشاءاللہ ان کو بچانے میں لگادونگا۔ چونکہ کچھ بڑے بڑے ناموں والے سائنسدان، شاید حکومت کے دباؤ کی وجہ سے CTBT کے حق میں بول رہے تھے۔ حکومت کی پالیسی CTBT کے حق میں معلوم ہوتی تھی۔ جس کی وجہ میرے نزدیک اصل حقائق سے ناواقفیت ہوسکتی تھی۔ اس لئے میں نے گورنمنٹ کا ملازم ہونے کے باوجود کھل کر اس کی مخالفت شروع کردی اور محبِ وطن قوتیں جو CTBT پر دستخط کرنے کی مخالفت کررہی تھیں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ سول اور فوج میں رائے عامہ کو بیدار کیا اہم شخصیات کو مضر خطرات سے آگاہ کیا۔ اٹامک انرجی کے بعض اہم لوگ جو انسانی حسد کی کمزوری کی بنا پر پہلے ہی ایٹمی میدان میں خوشاب کی کامیابی اور مزید آگے جانے کے لئے میری منصوبہ بندی کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھے، اب جب کہ حکومت وقت بھی خلاف ہوگئی تو ان کو زچ کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ مجھے پراجیکٹوں سے علیحدہ کردیا گیا اور مختلف نوعیت کی بے بنیاد الزام تراشیاں شروع ہوگئیں۔ بالآخر میرے پاس استعفیٰ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا جسے بخوشی قبول کرلیا گیا۔ یوں ایٹمی میدان میں پاکستان کی ترقی اور دفاع کیلئے کام کرنے کے دروازے مجھ پر بند کردیئے گئے۔ جس کا مجھے آج بھی دُکھ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان نے CTBT پر دستخط نہ کئے جو کہ ہماری قوم کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

اٹامک انرجی کمیشن سے علیحدگی کے بعد میں کچھ سال لاہور میں ایک دوست میاں الیاس معراج کے حسیب وقاص گروپ آف کمپنیز میں ملازمت کرتا رہا لیکن پھر خیال آیا کہ دنیا کیلئے بہت کام کرلیا اب بقیہ زندگی امت مسلمہ کی فلاح کیلئے خرچ کرنا چاہئے، چنانچہ کئی ایک نہایت قابلِ احترام اور پاکستان سے انتہائی مخلص دوستوں کیساتھ مل کر "اُمّہ تعمیرِ نو" کی تشکیل کی جسکا بڑا مقصد اسلامی ممالک کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں خودکفیل بنا کر غربت کے چُنگل سے نکالنا تھا۔ چنانچہ ہم نے تباہ و برباد افغانستان کو ایک چیلنج سمجھتے ہوئے وہاں کام شروع کیا تاکہ اسکی بے حساب معدنی دولت کو بروئے کار لا کر اس ملک کو ایک

خوشحال ملک بنایا جائے اور ساتھ ساتھ پاکستان کو بھی فائدہ ہو۔یوں دو بَرادر ملک مل کر آگے بڑھتے جائیں بالخصوص وہاں کی اسلامی حکومت کامیاب ہو اور اس مثال سے دیگر ملکوں میں بھی لوگ اسلام کے عظیم اصولوں کے مطابق اپنی صنعت اور معیشت کو ترقی دے کر دنیا کو ایک خوشحال کنبہ بنانے میں مددگار ہوں۔اس دوران پاکستان، افغانستان کی مشترکہ صنعتی ترقی اور معاشی اتحاد (Ecnomic Union) کا نظریہ پیش کیا جسے دونوں ملکوں میں تحسین سے دیکھا گیا اور قومی سطح پر سیمینار منعقد کئے۔لیکن ہماری ان کوششوں کو جو خالصتاً اصلاحی اور تعمیری تھیں امریکہ میں ۱۱ ستمبر کے حادثہ کے بعد غلط رنگ دیا گیا کہ سلطان بشیر محمود القاعدہ کو ایٹم بم بنانے میں مدد دے رہا تھا۔یوں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً دو ماہ کیلئے پکڑ لیا گیا۔اس دوران جو کچھ ہوا وہ ایک الگ داستان ہے بہر حال یہ ایک مشکل وقت تھا غیر ملکیوں نے چھان بین کی۔ذہنی طور پر بڑا دباؤ ڈالا گیا۔اسی دوران مجھے پہلی دفعہ دل کا عارضہ بھی ہوا لیکن جس طرح ہر جگہ مسلمان بھائی بہنوں نے صرف اسلامی جذبہ کے تحت ہمارے لئے دعائیں کیں وہ ایک ایمان افروز بات ہے۔اس قید تنہائی میں اللہ تعالیٰ اور اسکے دین سے جو قُرب نصیب ہوا اس کیلئے اپنے مالک کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔اسی دوران امریکی صدر کے ایما پر سیکورٹی کونسل نے "امہ تعمیر نو" کو بند کروادیا میرے علاوہ میرے قریبی ساتھیوں میں سے ایٹمی انجینئر عبدالمجید صاحب (مرحوم) اور نامور صنعت کار محمد طفیل صاحب (مرحوم) کے ذاتی اثاثے اور بینک اکاؤنٹ بھی ضبط کر دیئے گئے۔رہائی کے بعد بھی یہ پابندی مجھ پر آج بھی برقرار ہے۔معاشرتی سطح پر گورنمنٹ کے خوف سے لوگوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا جو ایک طرح سے اللہ کی رحمت بھی ثابت ہوئی، چنانچہ دنیا سے کٹ کر میں اللہ کے دین کی طرف ہو گیا۔ان حالات میں جس طرح ۱۹۷۶ء میں قرآن پاک کے ذریعہ مجھے تقویت بخشی گئی تھی اب بھی وہی نسخہ کارگر ثابت ہوا ہے۔دنیا کی گہما گہمی سے نکل کر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے قرآن کریم کی تفسیر اور سائنس کے حوالہ سے اسلام کے مختلف فی زمانہ اہم پہلوؤں پر تحقیق و تالیف کا کام شروع کر دیا جس کا میں اہل نہیں ہوں لیکن رب تعالیٰ جس سے چاہے ہر کام لے سکتا ہے۔اسکا شکر ہے کہ میری قابلیت سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میری دینی تعلیم واجبی سی تھی، قرآن پاک بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا تھا۔جب ۱۹۶۳ء میں انگلینڈ گیا تو وہاں پہلی دفعہ مجھے قرآن حکیم اور مسلم امہ سے صحیح معنوں میں محبت پیدا ہوئی۔مغربی تہذیب کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔معلوم ہوا کہ ان کی خوبیاں اسلام سے مستعار ہیں اور ان کی بُرائیاں ان پر یونانی اور رومن اثرات کی وجہ سے ہیں۔مسلمانوں کی بقاء اور خوشحالی بھی اسلام ہی میں نظر آئی۔چنانچہ مانچسٹر یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اور پہلا جنرل سیکرٹری چنا گیا اور وہیں سے "الاسلام" کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا۔میری زندگی کا یہی وہ دور ہے جب قرآن الحکیم کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا غور وحوض کے بعد اس کا تفصیلی انڈیکس بھی تیار کرنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ مولانا مودودی صاحب یہ کام پہلے ہی کر چکے ہیں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔اسی فورم سے ہم نے مشہور امریکی مسلمان مالکم ایکس ملک شہباز کو دعوت دی اور اس کے علاوہ مشہور نو مسلم جناب محمد اسد سے بھی میری ملاقات ہوئی مقبوضہ کشمیری رہنما شیخ عبداللہ کو بھی بلایا گیا۔الاخوان کے سید محمد رمضان کو بھی سنا۔ان سب کی یادیں اب تک ذہن میں باقی ہیں۔اسی اثناء میں مانچسٹر میں "سنڈے مسلم سکول" کی بھی بنیاد رکھی جو اب باقاعدہ سکول بن چکا ہے۔لیکن ان کاموں سے بڑھ کر جو بات ذہن میں جاگزیں ہوتی وہ یہ تھی کہ کلام اللہ کی صحیح معنوں میں تفسیر کے لئے جدید علوم میں مہارت بہت ضروری ہے۔چنانچہ میں نے وسیع مطالعہ کرنا شروع کیا اور قرآن کریم کی ایک ایک آیت پر غور کرنا شروع کیا جو میری زندگی کا اب تک مشن ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میرے دل پر بجلی کا سا حملہ تھا۔اس موقع پر پاکستانی سفارتخانہ کو ایک ہزار پونڈ سے زیادہ چندہ جمع کر کے دیا اور فیصلہ کیا کہ وطن واپس جا کر پاکستان کے دفاع کیلئے کچھ کیا جائے۔نیوکلیئر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اگرچہ ڈاکٹر ایف۔ڈبلیو۔واکر

جو یونیورسٹی میں میرے سپروائزر تھے، نے بڑا زور لگایا کہ Phd مکمل کرلوں لیکن پاکستان کی محبت میں ۱۹۶۶ء میں واپس وطن آ گیا۔ میری پوسٹنگ لاہور ہوئی اور بڑا مفید کام شروع ہوا۔ ڈاکٹر نعیم خان صاحب کی زیر نگرانی 68-1967 میں یورینیم کی افزدگی پر ابتدائی کام شروع کیا لیکن ایک سال کے بعد یہ گروپ بکھر گیا۔ ستمبر 1968 کو انٹرنیشنل اٹامک انرجی اتھارٹی (IAEA) کی طرف سے انگلینڈ کے اٹامک انرجی اتھارٹی کے مشہور ڈیزائن سنٹر رزلے (Rislay) میں نیوکلیئرری ایکٹروں کے ڈیزائن میں شمولیت کا موقع مل گیا۔ برطانیہ کے اس قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطاء فرمائی اور صرف ایک سال میں U.K. اٹامک انرجی اتھارٹی جس کا شمار اٹیمی ٹیکنالوجی کے موجدوں میں سے ہوتا ہے، نے نیوکلیئرری ایکٹرز پر میرے گیارہ مقالہ جات چھاپے اور دو ایجادات کے پیٹنٹ حاصل کرنے کیلئے درخواستیں دیں جو کہ ان کے نزدیک بھی کسی سائنس دان کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں جب واپس آنا چاہا تو ان کا اصرار تھا کہ میں وہیں رک جاؤں لیکن وطن عزیز کی محبت اور خدمت کے سامنے ایسے اعزاز ہیچ ہیں۔ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ واپس جا کر ڈیزائن انجینئرنگ کی بنیاد رکھوں گا تا کہ پاکستان میں اٹیمی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکے، الوداعی پارٹی میں میرے انگریز ساتھی سائنس دانوں میں سے بعض نے برملا یہ کہا کہ پاکستان میں کام کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے میری صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے۔ اگر میں وہاں رک جاتا تو شاید زیادہ پیسہ بناتا، سائنس کی دنیا میں کتنا بھی زیادہ نام کماتا، پاکستان کے دفتری نظام سے جو تکالیف پہنچیں ان سے بھی بچ جاتا۔ لیکن جو کچھ مجھے پاکستان نے دیا ان کے مقابلہ میں یہ بہت تھوڑا تھا۔ مجھے اپنے وطن کی خدمت کا موقع ملا، اسلام کے مطابق زندگی گزاری اور جو کر سکا اپنے ملک اور اپنے لوگوں کے فائدہ کیلئے کیا۔ اس سے زیادہ کیا چاہیے۔

میری زندگی میں ۷۷۔۱۹۷۶ء کے سال بڑے ہنگامہ خیز رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس وقت میں یورینیم افزدگی کے پلانٹ کا پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا یہ پراجیکٹ 1974 کے آخر میں شروع ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بنیادی کردار ادا کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ابتدائی مشکلات پر قابو پا کر دن رات اس منصوبہ کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا کامیابی کی طرف حسب پروگرام بڑھ رہے تھے کہ اچانک مجھ پر قادیانی ہونے کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا گیا اور میری ٹیکنیکل صلاحیتوں کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اس کے پیچھے حسد تھا یا کچھ اور مجرم نہیں معلوم، لیکن اگست 2005ء ہالینڈ کی اخبار میں چھپا ہے، میری مخالفت میں سب سے پیش پیش جو آدمی تھا وہ CIA کا پروردہ تھا۔ بہر حال حقائق خواہ کچھ بھی ہوں ان بے بنیاد الزامات کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ سے اس وقت علیحدہ ہونا پڑا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری دن رات کی محنت رنگ لا رہی تھی اور تمام بنیادی اہداف حاصل کئے جا چکے تھے۔ اس تبدیلی سے مجھے کافی زیادہ ذہنی صدمہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی جیسا کہ ہمارے ملک کا رواج ہے۔ میرے خلاف مختلف قسم کی بے بنیاد تحقیقات کا آغاز شروع ہو گیا لیکن انہی واقعات نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اسلام آباد کی گھٹن والی فضاء سے نکل کر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خانس پور میں گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں چلا آیا۔ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نظر نہ آیا اور دل کو صرف قرآن حکیم سے سکون ملا اس حادثہ نے قرآن کریم سے میرا ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑ دیا۔ پراجیکٹ کی دن رات کی معروفیات کی بنا پر مطالعہ بھی بہت کم چکا تھا مشکل میں اسی سے سہارا ملا۔ کلام اللہ کو پڑھتے وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ میں قرآن حکیم پر سائنٹیفک انداز میں کام کروں، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آیت در آیت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کوشش کے دوران پہلی بار مجھے قرآن پاک کی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ مترجم حضرات اکثر کلام اللہ کے الفاظ کو ایسے معنی پہنا دیتے ہیں جو ان کی دانست میں تو صحیح ہونگے لیکن بدقسمتی سے قرآن الحکیم کی روح سے وہ دور نکل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب کئی ایک تراجم کا موازنہ کیا گیا تو ان کے درمیان اختلافات کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کو اگر سمجھنا ہے تو کلام اللہ کے عربی الفاظ کے معنی پر ڈٹ جاؤ اور اگر کسی عربی لفظ کے

ایک سے زیادہ معنی ہیں تو وہ سب بھی ٹھیک ہوں گے، اس لئے کہ علیم العزیز الحکیم جس نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ سب معنوں کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے کلام اللہ کو سمجھنے کیلئے یہ اصول اپنایا تو مجھے اس عظیم کتاب میں بیشمار رموز اور نئے حقائق نظر آنے شروع ہوئے جو ترجموں کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔ پہلی دفعہ صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ واقعی اللہ کی کتاب تمام علوم کے لئے ام الکتاب ہے اور جو سائنس کی انتہا ہے وہ دراصل قرآن کریم کی ابتداء ہے میں نے عرض کیا ہے کہ قرآن کریم اور اسلام کے متعلق میری تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ عربی زبان سے بھی واقفیت نہیں تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ جب بھی بندہ خلوص دل سے اللہ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو کھول دیتا ہے۔ الحمدللہ مجھ پر بھی قرآن کریم کے رموز واضح ہونا شروع ہوئے اور اس کی روح کی سمجھ آنے لگی اور آج میں اسلام پر مقبولِ عام بیس سے زائد کتابیں لکھ چکا ہوں۔ اسی دوران مجھ پر یہ بھی آشکارا ہوا کہ فی زمانہ خط و کتابت اور لٹریچر کے ذریعے اسلام کی بہترین خدمت ہوسکتی ہے اور چاہے تو میرے جیسا ایک عام آدمی بھی اپنے گھر میں بیٹھے دور دور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتا ہے، اس کیلئے وہی طریقہ جو چھ ہجری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمی دعوت کیلئے اپنایا تھا، اس دور میں ہمیں بھی اپنانا چاہئے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل ترجیحات صحیح معلوم ہوئیں۔

1۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد دنیا پر اپنے رب کی کبریائی کو ثابت کرنا ہے۔ یہ مسلمانوں پر دیگر اقوام کا حق ہے اسلیئے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا ہماری اولین ترجیح ہونا چاہیئے۔

2۔ قرآن مجید زندگی کا روڈ میپ ہے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کئے بغیر اسکی روح کو نہیں پایا جا سکتا اس لئے اس نظریہ کے تحت سیرت طیبہ کا فروغ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل رہنما اور انسانیت کے عظیم ترین ہیرو ہیں، اس چیز کو دل سے ماننا اور دوسروں سے منوانا، ہمارے دلوں کا سکون ہونا چاہئے۔

3۔ دین کی بنیاد حیات بعد الموت اور وہاں کی جزاء وسزا پر پختہ ایمان میں ہے۔ اس لئے دنیا پر حیات بعد الموت کی حقیقت کو واضح کرنا ہمارے اوپر فرض عین ہے۔ اسکے بغیر دین بے معنی ہے۔ اور انسانیت کی فلاح بھی اسی حقیقت پر پختہ اعتقاد میں ہے۔

4۔ قرآن الحکیم اور سنت نبوی کو جدید علوم کی روشنی میں پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ دنیا دلیل مانگتی ہے اس لئے سائنس کی مدد سے قرآن کریم کو سمجھنا اور سمجھانا ضروری ہے ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ بے شک دونوں جہانوں میں یہ کامیابی اور فلاح کا یہ بہترین ہدایت نامہ (Manual) ہیں۔

5۔ ایک انسان کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔ مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جہنم کی طرف بڑھتے ہوئے انسانوں کے سیلاب کے آگے بند باندھے اور دنیا پر خلافتِ الٰہیہ کے شاندار نظام کو واضح کرے۔

الحمدللہ! 1986 میں اس کام کو باقاعدہ طور پر کرنے کیلئے قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کے پلیٹ فارم سے کافی مفید کام ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ میری پہلی کتاب Doomsday and Life After Death جو اس موضوع پر ایک نہایت مفید کاوش ثابت ہوئی ہے، 1987 میں چھپی اور اس کا بڑا اچھا خیر مقدم ہوا۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے 1991 میں ''قرآن الحکیم اکیسویں صدی میں'' کے موضوع پر سیمینار کرایا گیا تا کہ آنے والی صدی کو اسلام کی صدی بنایا جا سکے، اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کے اس دور میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا جائے۔ اگرچہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ایک چھوٹا سا ادارہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا ہے۔ اس سارے کام کو بین الاقوامی طور پر جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک

ثبوت یہ ہے کہ جولائی 1996 میں امریکہ کے مشہور ادارے "امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ" (American Biographical Institue) نے قرآن الحکیم فاؤنڈیشن اور اس کے واسطے مجھے بھی 1986 سے 1996 تک کے ان اداروں اور لوگوں میں شامل کیا ہے جن کے کام سے دنیا پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس طرح سوڈان میں 1993 میں قائم ہونے والے انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ فار ریسرچ انٹو فیتھ (International Institute of Research into Faith) کا ٹرسٹی ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبہ میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے 1991 میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے گولڈ میڈل دیا بعد میں حکومت پاکستان نے بھی ستارہ امتیاز کا اعزاز عطا کیا۔

دین کے اس کام کے ساتھ ساتھ اٹامک انرجی کے منصوبہ جات پر بھی کام ہوتا رہا۔ کچھ اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ اسلام کے لئے میری ان کاوشوں کے نتیجہ میں سرکاری کام میں حرج ہوتا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط ثابت کیا اور میرے ہاتھوں سے ریکارڈ وقت میں بہت سے کام پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا کام کرنے لگ جاتا ہے، بھلا جس کے ساتھ کون ومکاں کا مالک ہو جائے اسکی رفتار اور استطاعت کا کیا کہنا۔ چنانچہ انہی سالوں میں اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین جناب منیر احمد خان (مرحوم) نے مجھ پر بڑا اعتماد کیا اور ان کی سرپرستی میں اس غرض سے کہ اٹیمی منصوبہ جات کو پاکستان میں بنانا چاہیے میں نے بذات خود کم وبیش 350 کے قریب پاکستان کے صنعتی اداروں کا معائنہ کیا، ان پر کتابیں لکھیں اور بتایا کہ پاکستان میں کیا کیا ہوسکتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی ہمارا ملک ایک عظیم ورکشاپ ہے اور اگر اسکے ذرائع کو استعمال کیا جائے تو سب کچھ کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 1981 میں، میں نے پہلی دفعہ پاکستان میں کوالٹی اشورنس سسٹم (Quality Assurance System) کی بنیاد رکھی اور انڈسٹری کے لوگوں کی کوالٹی میں ٹریننگ کے لئے سکول قائم کیے۔ اسکے علاوہ ملکی طور پر نیوکلیر ری ایکٹر بنانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ لاہور میں پاکستان کا پہلا ایسا اٹیمی پلانٹ لگایا جسکی مدد سے دوائیوں اور میڈیکل سامان میں اٹیمی شعاؤں کی مدد سے جراثیم کشی کی جاتی ہے، اسکے علاوہ پاکستان کو یورنیم کی صنعت میں خود انحصاری کے پراجیکٹوں کو وسیع کیا۔ چشمہ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لئے پاکستان سے بننے والے حصوں کی نشاندہی کی گئی، اور خوشاب ری ایکٹر کے لئے پاکستان میں اٹیمی ایندھن بنانے والے منصوبے کو مکمل کیا۔ یہ تمام منصوبے اپنی اپنی جگہ پر اہم تھے لیکن اہم ترین پراجیکٹ خوشاب جیسے غیر معمولی نیوکلیئر ری ایکٹر کو پاکستان کے ذرائع سے بنانا تھا۔ جس کی وجہ سے پاکستان کو نہ صرف ایٹمی ہتھیاروں کے میدان میں بے پناہ قابلیت حاصل ہوئی بلکہ ملکی سطح پر ایٹمی پلانٹ بنانے کی طرف ہمیں اہم پیش رفت بھی حاصل ہوئی۔ ایک زبردست ٹیم بنی جو کہ آئندہ کی ترقیوں کی اب ضامن ہے مجھے یہ بتانے میں ایک روحانی خوشی ہوتی ہے کہ اپنے ذمہ پر تمام منصوبوں کی تکمیل کے لئے میں قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتا رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظامی طریقوں کو اپنایا۔ میں تمام تر ذمہ داری سے کہوں گا جو کچھ بھی کامیابی ہوئی وہ انہی کی مرہون منت ہے۔ وہیں سے مجھے حوصلہ اور برکت ملی اور انہی کے لئے میں نے کام کیا۔ پاکستان ہمارے نزدیک اسلام کا قلعہ ہے جس کی حفاظت اور ترقی کے لئے کام کرنا جہاد ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ تبارک تعالیٰ کا نام بلند کرنا بنالیتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب رب العالمین کیلئے ہے" تو وہ ذات پاک اس آدمی کے وقت، رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے مسائل کو خود حل کرتا ہے۔ رب العالمین کی اس رحمت اور برکت کا مجھ سا نکما آدمی بھی گواہ ہے۔ یہ اسی کا فضل ہے کہ دن رات کی سرکاری مصروفیات کے باوجود مجھے دین کیلئے کام کرنے، کتابیں لکھنے اور اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے بہت سا وقت ملتا رہا، اس کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کیلئے کام کرے گا تو عزیز الحکیم، غفور الرحیم اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام شعبے اس پر آسان کردے گا، اس کے ذرائع میں برکت ڈال دے گا، اس کی اولاد اور دوستوں کو اس کیلئے باعث رحمت بنادے گا اور اگر کوئی توقعات کے خلاف

بھی کام ہوتا ہے تو اس میں بھی اگر ہم سمجھیں تو فوائد ہی فوائد ہوتے ہیں۔ مجھ سا ادنیٰ آدمی اس بات کی ایک مثال ہے۔

میرے لئے یہ بات بھی بہت خوشی کی ہے کہ مجھے فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی توفیق ہوئی اور یوں یہ حقیر بندہ سیرت نگاروں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کتاب کا نام بزبان انگریزی The First and The Last ہے جو بفضل تعالیٰ مقبولیت حاصل کر رہی ہے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق میری زندگی بھی حضور رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی مرہونِ منت ہے اور میں بھی ان کی طرح کہتا ہوں۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک بھرپور زندگی عطا فرمائی، راہ ہدایت دکھائی۔ مجھے میری اوقات سے بھی زیادہ دیا۔ اب جب زندگی کے 69 زینوں پر کھڑا ہوں نیچے دیکھتا ہوں تو احساسِ ندامت ہوتا ہے کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" اوپر دیکھتا ہوں تو اپنے الرحمان والرحیم رب کی مغفرت اور رحمت کا سہارہ نظر آتا ہے جس سے دل کو ڈھارس ہوتی ہے اور سرور کائنات کی شفاعت پر آس لگائے مطمئن ہو جاتا ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ جو مجھ سے نہ ہو سکا میری اولاد سے کروائے۔ قیامت تک جو میری نسل میں پیدا ہو حزب اللہ کا بندہ ہو۔

اے اللہ اپنے اس حقیر بندے، سلطان بشیر محمود کو اپنے اور اپنے عظیم الشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں عزت عطا فرما۔ بے شک اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں۔ دنیا کی بقاء اور ترقی اس پر عمل کرنے میں ہے۔

اس تعارف کا اختتام میں اپنے ہی چند ٹوٹے پھوٹے شعری جملوں پر کرتا ہوں۔ یہی میری زندگی کی کہانی ہے۔

ظاہر دیکھا، باطن دیکھا
اول دیکھا، آخر دیکھا
جس چیز کو میں نے دیکھا
اس چیز میں تجھ کو پایا
ہر جا تو ہی تو، ہر سُو تو ہی تو، تو ہی تو

وہ ہونا تھا کہ انہونا تھا
سمندر تھا کہ قطرہ تھا
جنگل تھا کہ پتہ تھا
سورج تھا کہ ذرہ تھا
یہی کچھ یاد ہے، ہر جا تو ہی تو، ہر سُو تو ہی تو

یہ سب تیرے امر کا مظہر تھا
تیرے کرم کا ثمر تھا
تیرے حُسن کا منظر تھا
تیرے کرم کا اثر تھا
ہر جا تو ہی تو، ہر سُو تو ہی تو، تو ہی تو

تجسس کے اس عالم میں، ایک رہبر دیکھا
روشن چہرہ جسے کہتے ہیں مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایک نوری قلم سے اپنے ہاتھوں سے،
وہ لکھتا جاتا تھا، لکھتا جاتا تھا
ہر شے پر اللہ اللہ .... اللہ اللہ اللہ

اسکے روشن قدموں کے پیچھے پیچھے
میں چلتا رہا، میں چلتا رہا، میں چلتا رہا

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکرادا کرتا ہوں کہ اس کتاب **"قیامت اور حیات بعدالموت"** کو مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ یہ ترمیمی ایڈیشن جولائی 2009 کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جن دوستوں نے کسی بھی ذریعہ سے تعاون فرمایا ہے انکے لئے صدقہ جاریہ ہو۔

ڈاکٹر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

حوالہ جات

References

1. Fred Hoyle, "Nature of the Universe" Book Pub. Penguin Press, 1964.
2. John Gribbin, "Precise Measurements of Nothing Pin Down the Universe' New Scientist, 15 December, 1983.
3. James Gleik, "Galaxies Reported Moving at High Speeds", New York Times, December 2, 1981.
4. Ayaat 20(6), 45(37), 55(29), 13(35), 78(36-38), Holy Quran.
5. Baker and Fredrick, "An Introduction to Astronomy", book Pub. Vannostrand co. Holland.
6. Michael D. Lenonick, "A Wonder in the Southern Sky", Time March 9, 1987.
7. Times, "Did Comets kill the Dinosaurs", (Pages45), May 6, 1985.
8. Abu-Ala Mududi, "Tafhim-ul-Quran", Vol. 5, Pub. by Simson Schuser, Inc. New York, 1983.
9. Thornton Page and Lou Page, "The Origin of the Solar System", The Macmillan Co. New York, 1966.
10. Paul Davies, "God and the New Physics", Book Published by Simson Schuster, Inc. New York, 1983.
11. Robert Hutchison, "The Search for our Beginning", Book, pages 150-156, Pub. British Museum of Natural History, Oxford University Press, 1983.
12. Imam Ghazali, "Ihya-al-Ulum-ud-din".
13. I.D. Novikov, "Evolution of the Universe", Cambridge University Press 1983.
14. Muhammad Asad, "Sahih-Al-Bukhari translated and explained" page 241, Pub. Dar-ul-Andalus Gibralter, 1981.
15. Muhammad Asad, "The Meanings of the Quran" Translation and Commentary of the Holy Quran, Pub. Dar-Al-Andalus, Gibralter, Pub. 1980.
16. Vincent Gronim, "The view from Planet Earth" Book Pub. by Collins St. James Place, London, 1980.
17. I.D. Novikov, "Evolution of the Universe", Book English Edition Pub. Cambridge University Press, London.
18. Fred Hoyle, "The Nature of the Universe", Book Pub. Penguin Press, Page 64.
19. Maulana Madoodi, "Tafhim-ul-Quran", Commentary on the Holy Quran, Urdu.
20. Verses 13(38-39), 10(3), 30(30), 50(24), 7(83), 68(45), 4(6), Holy Quran.
21. W.L. Stokes, "Essentials of Earth History", Book Pub. Prentice Hall USA.
22. Appendix - I given herewith.

23. Thomton Page, Lou W. Page, "The Origin of the Solar System", Book page 308-310.
24. Salim mahmood, "Modern Developments in Science and Technology", Vol. II Pub. SUPARCO, Karachi, 1985.
25. Raymond Moody, "Life after Death" book Pub. USA
26. Ahmad Raza Khan, "The World of Souls (Urdu Book)" 1910, Reprinted by Farid Book Dept. Lahore, 1984.
27. Bill Liller and Ben Mayer, "The Cambridge Astronomy Guide", 1985.
28. Sultan Bashir Mahmood, "A New look into the creation and evolution of the Universe, as seen through the Holy Quran", Book under print.
29. Michael Zalik, "Astronomy and the Evolving Universe", Fourth Edition, Pub. Harper & Row, New York; 1985.
30. Allama Sir Muhammad Iqbal, "The Reconstruction of Religious Thought in Islam", Reprinted by Javed Iqbal in 1962, Pub. Sheikh Ashraf Ali, Lahore.
31. Maurice Bucaille, "The Bible, The Quran and Science" English Edition Pub. 1979 by Aisha Bawani Trust, Karachi.
32. W.B.S. Rabbani, "Islamic Sufism" Book Pub. Sufi Foundation Lahore, 1984.
33. Sten Odenwald, "To the Big Bang and Beyond", Astronomy, Vol. 15 No. 5 May, 1987, USA.
34. Sultan Bashir Mahmood, "Symetry of the Universe and the Quranic Principle of Pairs", Paper presented at the Second International Conference on Quran and Science, Held on 17th June 1987 at Karachi.
35. W.B.S. Rabbani, "Islamic Sufism" Book Pub. by Sufi Foundation Lahore. 1984.
36. Sten Odenwald, "To the Big Bang and Beyond", Astronomy, Vol. 15, No. 5, May, 1987, USA.
37. Sultan Bashir Mahmood, "Recreation and Evolution of the Earth as seen through the Holy Quran", Book under Preparation.
38. Muhammad Marmaduke Pickthal, "The Glorious Quran", English Translation of the Holy Quran, First Pub., in 1932.
39. Sultan Bashir Mahmood, "Fundamentals of Science in the Holy Quran", Book, Holy Quran Research Foundation, Islamabad.
40. Ali Al Tatawi, English Translation, Babur Ali Zia, "Fundamentals of Faith in Islam", Pub. Idara-e-Ilum Quran, Lahore, Pakistan 1983.
41. Allama Abdullah Yousaf Ali, "The Holy Quran" English translation Pub. By Sh. Muhammad Ashraf, Lahore.
42. Mir Muhammad Hussain, "Mazamin-e-Quran" i.e. Index of the Holy Quran (Urdu) Book Pub. Islamic Publications, Lahore.
43. Al-Bukhari, Muslim, Chapter Al-Fitnah.
44. Dr. Muhammad Mohsin Khan, "Arabic-English Translation of Sahih Al-Bukhari"

vol. IX Chapter Fitnah-Hadith 234, Pub. Azi Publications, Lahore.

45. Prof. Abdus Salam, "The symmetry concepts in modern physics". Pub. Atomic Energy Centre, Lahore 1966.

46. Aisha "Abdur-Rahman at-Tarjamana, "Subatomic World in the Quran. Book Pub. Diwan Press, Norwich, England 1980.

47. James Trefil, "The Dark Side of the Universe" Pub. 1980, Caries Scribner Sons, New York.

48. Mark Washburn, "Distant Encounters" Book Pub. 1983, by Harcourt Brace Jovanovich, New York.

49. Stephen W. Hawlking, "A Brief History of Time" book Pub. 1990, Cox Wyman Ltd. Readings, Berks, U.K. 1

اسلام اور سائنس کے حوالہ سے نہایت مفید کتابیں

نامور ایٹمی سائنسدان انجینئر موجد اور محقق سابق ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سلطان بشیر محمود کی مندرجہ ذیل کتابیں نوعیت میں اسلامی اور سائنسی کلاسک ہیں۔ جن کا مطالعہ نہ صرف زندگی اور آخرت کے مسائل کو سمجھنے کے لئے بلکہ انسانیت کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ کتابیں دوستوں کو دینے کے لئے بہترین تحفہ اور تبلیغ اسلام کے لئے بھی نہایت موثر ذریعہ ہیں۔

1) کتاب زندگی: (قرآن کریم کی سائنٹیفک تفسیر: (سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ)

دنیا و آخرت کی زندگی کے لئے کلام اللہ کے معجزانہ مضامین کی مدلل سائنسی تفسیر جو اپنی مثال آپ ہے۔ مختلف مسلک کے علماء نے بھی قرآن کریم کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کے لئے مصنف کی اس کوشش کو بے مثل قرار دیا ہے۔ یہ تفسیر ثابت کرتی ہے کہ جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کی ابتداء ہے۔

Price Rs.400/- Exclusive Postage

2) قیامت اور حیات بعد الموت:

جس میں قرآن کریم، احادیث خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنس کی روشنی میں تخلیق کائنات، مومن کا فلسفہ حیات، زندگی، موت، جسم، نفس، روح، ملائکہ اور جنات کے حقائق، عالم قبور، عالم برزخ، قیامت، آخرت، یوم الدین، جنت، دوزخ کے حالات پر بے مثل تحقیق ہے۔ جس کے متعلق ہزاروں پڑھنے والوں کی یہی رائے ہے کہ یہ کتاب انسان کے زمان و مکان میں سفر پر محققانہ، مدلل اور سائنٹیفک تجربات پر مشتمل ایک ایسا کلاسک کام ہے جس کا مطالعہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔

Price Rs.300/- Exclusive Postage

3) DOOMS DAY AND LIFE AFTER DEATH

This is the original English version- a Treatise on the secrets of Life and the Life Hereafter, Doomsday, Jannat and Jehannum in the light of the Holy Quran and Modern Science-a reader friendly book-study of which will enrich your lives tremendously.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

4) قرآن پاک ایک سائنسی معجزہ:

قرآن کریم ایک زندہ معجزہ ہے جس کی سب سے بڑی گواہ سائنس ہے۔ یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے۔

Price Rs.150/- Exclusive Postage

5) تباہ کن ہتھیاروں کے اثرات سے بچنے کی حفاظتی تدابیر:

Safeguards against the weapons of mass destruction, describing civil defense measures for the safely of the personnel and property.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

6) COSMOLOGY AND HUMAN DESTINY

An original research work which deals with our daily life happenings to help make vital decisions about our family life, children, business and political developments in the world, rise and fall of civilizations, past present and future of the world. The book is a thorough scientific study of "Why events happen?" It is a scientific guide to plan and care for your own future and sheds light on the future events, with reference to activity of sunspots and storms in the Sun.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

7) THE FIRST AND THE LAST (May pace be upon him)

It is a comprehensive biography of the greatest of the mankind, the last Messenger of Allah (PUBH). Benefactor of the worlds. It is especially written for the busy Muslims alike to help people, students, scholars and intellectuals, muslims and non- to fashion our lives on the glorious footsteps of the greatest of Prophets of Allah.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

8) تلاش حقیقت

مصنف نے صوفیانہ انداز میں سائنس کو اس طرح رنگ دیا ہے کہ عام آدمی بھی اس مختصر کتاب ''تلاش حقیقت'' سے بہت مستفید ہوا ہے۔اس کتاب میں انہوں نے ذکر و فکر اور تسخیر کے حوالہ سے جس طرح مومن کی شان کی تعریف کی ہے اس کا سمجھنا آج کل کے مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔تلاش حقیقت میں ذکر، فکر اور تسخیر یہ تینوں مومن کے اسباب ہیں۔

Price Rs.200/- Exclusive Postage

قیامت اور

حیات بعد الموت

